# آئینہ مذہبِ شیعہ

شیعہ مذہب کے اصول و قواعد

اور

عقائد و افکار کا جائزہ

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ

حافظ ابوالحسنین الاثری

مکتبة آل البیت کراچی

# آئینہ مذہبِ شیعہ

## شیعہ مذہب کے اصول وقواعد
اور
## عقائد وافکار کا جائزہ

تالیف
ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ
حافظ ابوالحسنین الاثری

مکتبۃ آل البیت، کراچی

# أصول مذهب الشيعة

## الإمامية الإثنى عشرية

### عرض و نقد

تالیف

ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری

ترجمہ

حافظ ابوالحسنین الأثری

مکتبۃ آل البیت، کراچی

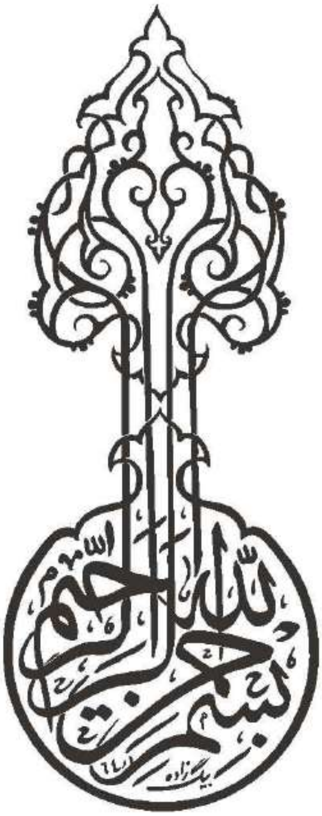
بسم الله الرحمن الرحيم

یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے، جسے فاضل مولف نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض کے شعبہ عقیدہ و مذاہب معاصرہ میں پیش کیا۔ یہ مقالہ اول درجے کے اعزاز (ممتاز مع مرتبة الشرف الأولى) کے ساتھ منظور ہوا اور سفارش کی گئی کہ اسے طبع کر کے دیگر جامعات سے تبادلے میں دیا جائے۔

# فہرست


۞ تقدیم ........................................ ا

۞ مقدمہ از مولف ........................................ 22

۞ تمہید ........................................ 44

❀ شیعہ کی تعریف ........................................ 45

۞ لفظِ ''شیعہ'' کی لغوی تعریف: ........................................ 45

۞ خلاصہ کلام: ........................................ 47

۞ قرآن مجید میں لفظِ شیعہ کا ذکر اور اس کا معنی: ........................................ 48

۞ خلاصہ کلام: ........................................ 51

۞ سنتِ نبویہ میں لفظِ شیعہ کا ورود اور اس کا معنی: ........................................ 52

۞ اثنا عشریہ کی کتبِ حدیث میں لفظِ شیعہ کا استعمال اور اس کا معنی: ........................................ 55

۞ اسلامی تاریخ کی روشنی میں لفظِ شیعہ کا جائزہ: ........................................ 55

❀ شیعہ کی اصطلاحی تعریف ........................................ 58

۞ امامیہ اثنا عشریہ کی کتب میں شیعہ کی تعریف: ........................................ 58

۞ اس تعریف کا جائزہ: ........................................ 58

۞ دوسری تعریف: ........................................ 59

۞ اس تعریف کا جائزہ: ........................................ 60

۞ شیعہ مذہب کی تیسری تعریف: ........................................ 62

۞ شیعہ مذہب کی دیگر تعریفات: ........................................ 65

- کتبِ اسماعیلیہ کی روشنی میں شیعہ مذہب کی تعریف: ............ 67

**دیگر (غیر شیعہ) مصادر کی روشنی میں شیعہ مذہب کی تعریف............ 69**

- ابوالحسن اشعری کے نزدیک شیعہ کی تعریف: ............ 69
- اس تعریف کا جائزہ: ............ 69
- ابن حزم کی تعریف: ............ 69
- شہرستانی کی تعریف: ............ 70
- شیعہ مذہب کی راجح تعریف: ............ 71
- شیعہ مذہب کا آغاز اور اس کی تاریخی بنیادیں: ............ 75
- شیعیت کے آغاز سے متعلق شیعہ کی آرا: ............ 76
- پہلی رائے: ............ 76
- اس رائے پر نقد وتبصرہ: ............ 78
- دوسری رائے: ............ 83
- اس رائے کا جائزہ: ............ 84
- تیسری رائے: ............ 87

**شیعہ مذہب کے آغاز کے بارے میں غیر شیعہ لوگوں کی آرا ............ 88**

- پہلا قول: ............ 88
- اس رائے کا جائزہ: ............ 89
- دوسرا قول: ............ 90
- شیعہ کتب کی روشنی میں ابن سبا کی شخصیت اور اس کے عقائد ونظریات: ............ 93
- تیسرا قول: ............ 97
- چوتھا قول: ............ 98
- راجح قول: ............ 98

**شیعہ مذہب کی بنیاد (یا شیعہ مذہب میں قدیم فلسفوں کے اثرات) ............ 101**

- پہلا قول: شیعہ مذہب کی بنیاد یہودیت پر استوار ہے: ............ 101

- دوسرا قول: شیعہ مذہب فارسی الاصل ہے: ........ 102
- تیسرا قول: شیعہ مذہب قدیم ایشیائی مذاہب کی آماج گاہ ہے: ........ 106
- شیعہ مذہب کی اصلیت سے متعلق راجح قول: ........ 107
- **شیعہ فرقے** ........ 109
- فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے مختلف القاب: ........ 117
- شیعہ: ........ 117
- امامیہ: ........ 118
- امامیہ کی تعریف: ........ 119
- اثنا عشریہ: ........ 121
- قطعیہ: ........ 123
- أصحاب الانتظار: ........ 124
- رافضہ: ........ 124
- جعفریہ: ........ 127
- خاصہ: ........ 128
- **فرقہ اثنا عشریہ کے مختلف فرقے** ........ 129


## پہلا باب


- **اسلامی مصادر کے متعلق شیعہ کے عقائد ونظریات** ........ 139
- **پہلی فصل**: قرآن مجید کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ ........ 141
- **پہلا موضوع**: حجیتِ قرآن کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ ........ 143
- پہلا مسئلہ: شیعہ کا عقیدہ کہ قرآن مجید صرف ایک قیم (نگران) کے ساتھ ہی قابلِ حجت ہے: ..... 143
- شیعہ کی اس عقیدے سے کیا مراد ہے؟ ........ 144
- دوسرا مسئلہ: صرف ائمہ شیعہ ہی معرفتِ قرآن کا ملکہ رکھتے ہیں: ........ 149
- اس رائے پر نقد وتبصرہ ........ 154

❁ ا۔ روایات پر تبصرہ: ........................................ 154

❁ پہلی روایت کا جائزہ: ........................................ 154

❁ دوسری روایت کا جائزہ: ........................................ 155

❁ تیسری روایت کا جائزہ: ........................................ 157

❁ چوتھی روایت کا جائزہ: ........................................ 157

❁ ب۔اس رائے کا ناقدانہ جائزہ: ........................................ 158

❁ تیسرا مسئلہ: امام کا قول قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے: ........................................ 164

❁ اس نظریے کا ناقدانہ جائزہ: ........................................ 167

⊙ **دوسرا موضوع**: تفسیرِ قرآن سے متعلق شیعہ کا عقیدہ ........................................ 170

❁ پہلا مسئلہ: قرآن کے باطنی معانی جو ظاہر کے مخالف ہیں: ........................................ 170

❁ اس رائے کا ناقدانہ جائزہ: ........................................ 174

❁ دوسرا مسئلہ: شیعہ کا دعویٰ کہ بیشتر قرآن شیعہ اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا: ........ 176

❁ شیعی تاویلات کی بنیاد اور ان کی مثالیں ........................................ 189

❁ ① شیعی تاویلات کی بنیاد: ........................................ 189

❁ ② شیعی تاویلات کی مثالیں: ........................................ 193

⊙ **تیسرا موضوع**: کیا شیعہ قرآنِ مجید میں کمی یا تبدیلی کے قائل ہیں؟ ........................................ 225

❁ موضوع کا تعارف: ........................................ 225

❁ اس بہتان طرازی کا آغاز...اہلِ سنت کے مصادر کی روشنی میں: ........................................ 229

❁ شیعہ کے ہاں اس نظریے کی اشاعت...کتبِ اہلِ سنت کی روشنی میں: ........................................ 233

❁ اس الزام (تحریفِ قرآن) کے متعلق شیعہ کی کتابیں کیا کہتی ہیں؟ ........................................ 245

❁ شیعہ کتابوں کے مطابق اس الزام کا آغاز: ........................................ 247

❁ شیعہ کتابوں میں اس الزام کا پھیلنا: ........................................ 253

❁ شیعہ کتابوں میں تحریف کی روایات کے مضامین: ........................................ 262

❁ کیا شیعہ کے پاس کوئی خفیہ متداول مصحف موجود ہے؟ ........................................ 284

❁ مصحفِ علی: .................................................................. 290
❁ شیعہ کی کتابوں میں اس افسانے کی روایات کا حجم اور ان کے نزدیک ان کی قدر و قیمت: ......... 298
❁ کیا تمام شیعہ ان روایت کی صحت اور تواتر کے قائل ہیں؟ .................................. 304
❁ کیا بعض شیعہ کا اس کفر کا انکار تقیے کی قبیل سے ہے؟ ...................................... 309
❁ ① ابن بابویہ کا اپنے فرقے کی طرف منسوب عقیدہ تحریفِ قرآن کا انکار: ..................... 314
❁ ② طوسی کا انکارِ تحریف: ....................................................... 320
❁ ③ شریف مرتضٰی (المتوفی ٤٣٦ھ) کا اس بہتان سے انکار:..................................... 324
❁ ④ طبرسی کا اس بہتان سے انکار: ................................................. 326
❁ نتائج: ...................................................................... 330

❁ **دوسری فصل**: سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ ........................................ 335

❁ پہلا قاعدہ: ائمہ کا علم الہام اور وحی کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے: ............................ 339
❁ دوسرا قاعدہ: علم ائمہ کے پاس جمع اور محفوظ کر دیا گیا اور شریعت ان کے سپرد کر دی گئی ہے:........ 344
❁ تبصرہ وتنقید:.................................................................. 656
❁ رقعوں کی حکایات (کاغذ کے ٹکڑے): .............................................. 363
❁ صحابہ کی مرویات: ............................................................. 375
❁ اثنا عشریہ نے اصحابِ رسول ﷺ کی روایت سے کیوں اعراض کیا ہے؟.......................... 380
❁ شیعہ کے ہاں تدوینِ حدیث کا آغاز: ................................................ 384
❁ اثنا عشریہ کے نزدیک بنیادی کتابیں:.................................................. 385
❁ آٹھوں کتابوں پر ملاحظات: ........................................................ 388
❁ شیعہ مجموعوں کی روایات کہاں تک صحیح ہے؟............................................ 398
❁ شیعہ اسانید کے راوی:............................................................ 404
❁ شیعہ کے ہاں حدیث کی اقسام:...................................................... 417
❁ ان ائمہ کی حالت کا جائزہ، جن کے متعلق شیعہ یہ تمام دعوے کرتے ہیں: ........................ 426

# تقدیم

إن الحمد لله، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمد عبده ورسوله. أما بعد:

جہاد دوطرح سے ہوتا ہے: تیر وشمشیر کے ساتھ اور حجت و دلیل کے ساتھ۔ دلیل و حجت کے ذریعے سے جہاد کی ایک صورت دین پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور اس کی طرف منسوب کی جانے والی تمام جھوٹی باتوں کی تردید کر کے اس کا دفاع کرنا ہوتا ہے۔

وہ سنگین ترین شبہات جن کا سر کچلنا ضروری ہے، وہ الزامات اور کذب بیانیاں ہیں، جو روافض اللہ تعالیٰ کے دین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف اچھالتے رہتے ہیں، حالاں کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حاملینِ شریعت، معتمدانِ دین اور پیغامِ الٰہی کو اسی طرح لوگوں تک پہنچانے والے تھے، جس طرح انھوں نے اسے صاحبِ شریعت سے سنا تھا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا خلاصہ اور سنت کے اس چشمہ صافی سے فیض یافتہ تھے، جس میں کسی آلایش کی ذرہ بھر آمیزش نہیں۔

یہ گروہ (رافضہ) دین میں ایسے منحرف عقائد کا پیوند لگاتا ہے، جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں۔ شریعت کی سوجھ بوجھ رکھنے والا کوئی بھی فرد اور اس کی حفاظت کی اہمیت سے آگاہ کوئی بھی شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ دین پر لگائے گئے ان الزامات اور دروغ بافیوں کی تردید کر کے اس کے تقدس کا دفاع کرنا، اللہ کی راہ میں سب سے بڑا جہاد ہے۔

عصرِ حاضر میں روافض کے اعتراضات کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں ایک اہم کتاب ڈاکٹر ناصر بن عبداللہ بن علی القفاری حفظہ اللہ کی تالیف: "أصول مذهب الشيعة الإمامية الاثني عشرية" ہے۔

مولف نے بڑی جانفشانی سے شیعہ کے عقائد کو مکمل دیانت داری اور انصاف کے ساتھ، کسی قسم کی کمی بیشی کیے بغیر، ان کی معتبر اساسی کتابوں سے نقل کیا اور ان کو کتاب و سنت اور اجماعِ امت پر پیش کر کے ان کے نظریات کا بطلان واضح کیا، نیز یہ ثابت کیا کہ یہ افکار، جن پر ان کے عقائد کی بنیاد ہے، عقلِ سلیم اور نقلِ صحیح کے مخالف اور تناقضات پر مبنی ہیں۔ شیعہ کا ایک عالم ایک جگہ کوئی عقیدہ یا خیال ثابت کرتا ہے تو دوسری جگہ کوئی دوسرا اس کے متضاد کوئی نظریہ پیش کر دیتا ہے، ان کی اس حالت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل صادق آتا ہے:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ٨٢]

''اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایک محترم خاتون کی مالی معاونت کے ذریعے سے اس عظیم الشان کتاب کے اردو میں

ترجمے اور اشاعت کا سامان پیدا کیا۔ یہ معزز خاتون سنتِ نبویہ ﷺ اور اہلِ السنۃ والجماعۃ کے مذہب کی خدمت میں خصوصی دلچسپی رکھتی اور نیکی کی تمام انواع اور میدانوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام اعمال کو اس کے نیکیوں کے ترازو میں رکھے، اس کو اللہ کے دین کی مدد کرنے والے مجاہدین اور اس کا دفاع کرنے والوں کی صفوں میں جگہ دے، امہات المومنین کا ساتھ نصیب فرمائے، حوضِ کوثر پر نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے سیراب کرے، اس کے والدین کی بخشش فرمائے، دونوں جہانوں میں ان کو عزت سے نوازے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

محترم بھائی ابو احمد کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ دعا بلند ہے، جنھوں نے اس کام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قابلِ قدر کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے والدین کو بھی اس کے اجر سے محروم نہ رکھے اور اس کو اس کے میزانِ حسنات میں رکھے۔

یہ اتنا بڑا کام وجود میں نہیں آ سکتا تھا، اگر فاضل مترجم اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے اس کے لیے سر توڑ کوشش نہ کرتے۔ اسی طرح پاکستان کے دو بڑے قابلِ قدر اور نامور علما نے اس کے ترجمے پر نظر ثانی کی اور اس میں ہونے والی غلطیوں کا تدارک کیا، اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کو جزائے خیر دے، ان کی کوششوں کو بابرکت بنائے اور اس کو اس نفع مند علم میں جگہ دے، جس کا اجر کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس کام کو اپنے لطف و کرم کے ساتھ اس کی رضا کے لیے کیے گئے اعمال میں جگہ دے اور اس کے ذریعے سے بند دلوں، اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں کو ہدایت نصیب فرمائے، ان کو حق دکھائے، اپنے دین کو عزت دے اور ہر اُس شخص کو اجرِ عظیم سے نوازے، جس نے اس کتاب کی نشر و اشاعت میں کسی بھی طرح کا کوئی حصہ ڈالا ہے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين.

والسلام

**ڈاکٹر محمد بن سلیمان بن صالح البراك**

الأستاذ المشارك بكلية الدعوة وأصول الدين

بجامعة أم القرىٰ بمكة المكرمة

والأستاذ بالجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد سابقاً

غفر الله له ولوالديه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئآت أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسله. **وبعد!**

اللہ تعالیٰ کے دین پر اکٹھے ہو کر مضبوطی سے قائم رہنا اور فرقہ بندی کا شکار نہ ہونا، اسلام کا عظیم بنیادی اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ [آل عمران: ١٠٣]

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: ١٥٩]

''بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے، تمھارا ان سے کسی طرح کا واسطہ نہیں۔''

## اختلاف کا آغاز:

مسلمان اس ہدایت اور نقل صحیح اور عقل صریح کے عین مطابق دین حق پر قائم تھے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دے کر مبعوث کیا، لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور صفین کے مقام پر مسلمانوں کی آپس میں جنگ ہوئی، تو اس وقت دین سے نکلنے والی ایک جماعت (مارقہ)[1] نکلی، جس کے متعلق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

[1] مارقہ (دین سے نکلنے والی جماعت) خوارج کا ایک لقب ہے اور خوارج وہ لوگ تھے، جنھوں نے واقعہ تحکیم (حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حکم بنائے جانے) کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی، چناں چہ نہروان کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جنگ لڑی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح احادیث میں ان کے خلاف لڑنے کا حکم دیا ہے۔ صحیحین میں اس موضوع پر دس احادیث ہیں، جن میں سے تین صحیح بخاری میں ہیں اور بقیہ تمام صحیح مسلم میں۔ (شرح العقيدة الطحاوية، ←

«تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عَلٰى حِينِ فُرْقَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، يَقْتُلُهُمْ أَوْلٰى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ»[1]

''مسلمانوں کی تقسیم کے وقت ایک دین سے نکلنے والی جماعت نکل جائے گی، اس کو مسلمانوں کا وہ گروہ قتل کرے گا، جو ان میں سے حق کے قریب تر ہوگا۔''

## بدعات کا خروج اور ان کی تردید:

اس جماعت (خوارج) کا خروج اس وقت ہوا، جب دونوں طرف سے منصفین نے تحکیم کے موقع پر (کتاب اللہ کو فیصل بنانے کا) فیصلہ سنایا تو لوگ کسی اتفاقی فیصلے کے بغیر ہی منتشر ہو گئے، پھر خوارج کی بدعت کے بعد تشیع (شیعہ مذہب) کی بدعت نے جنم لیا[2] اور نبی آخر الزمان ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق فرقوں کے خروج کا تسلسل شروع ہوگیا۔[3]

تشیع کا آغاز کوفہ سے ہوا۔[4] اسی بنا پر شیعہ روایات میں مذکور ہے کہ کوفہ کے سوا دیگر مسلم علاقوں میں سے کسی نے بھی ان کی دعوت قبول نہ کی۔[5] پھر اس کے بعد یہ مذہب دیگر علاقوں میں پھیل گیا۔ اسی طرح نظریہ اِرجا کا خروج بھی کوفہ ہی سے ہوا، جبکہ قدریہ، معتزلہ اور فاسد تصوف کا ظہور بصرہ میں ہوا اور جہمیہ کا آغاز خراسان کی جانب سے ہوا۔

ان بدعتوں کا ظہور دارِ نبوت مدینہ طیبہ سے (بالترتیب) فاصلے کے تناسب سے ہوا،[6] کیونکہ بدعت کی نشو ونما اور پھیلاؤ صرف جہالت کے سائے اور اہلِ علم و ایمان کی غیر موجودگی ہی میں ممکن ہوتا ہے۔

بعض ائمہ سلف کا قول ہے:

''کسی نو عمر اور عجمی کے لیے یہ امر بڑا باعثِ سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی اہلِ سنت عالم کی صحبت نصیب فرما دے۔''[7]

---

← ص: ۵۳۰) امام ابن القیم نے ان تمام روایات کو "تهذيب السنن" (۷/ ۱۴۸۔ ۱۵۳) میں ذکر کیا ہے۔ خوارج کے عقائد اور فرقوں کی تفصیل کے لیے دیکھیں: الفرق بين الفرق (ص: ۷۲ وما بعدها) الملل والنحل (۱/ ۱۴۶) الفصل (۵/ ۵۱۔ ۵۶)

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم (۷/ ۱۶۸)

[2] دیکھیں: منهاج السنة لابن تيمية (۱/ ۲۱۸۔ ۲۱۹)

[3] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۱۱۰) حاشیہ (۴) ملاحظہ کریں۔

[4] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام ابن تيمية (۲۰/ ۳۰۱)

[5] بحار الأنوار (۱۰۰/ ۲۵۹)

[6] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام ابن تيمية (۲۰/ ۳۰۰۔ ۳۰۱)

[7] شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي (۱/ ۶۰) یہ امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

کیونکہ یہ لوگ (نو عمر اور عجمی) فتنے اور بدعت کی گمراہی اور ہلاکت خیزیوں کی پہچان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بہت جلد ان کی آندھیوں سے متاثر ہوجاتے ہیں، لہٰذا بدعت کے مقابلے اور فتنے کے سدِّ باب کے لیے بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان سنت کو پھیلایا جائے اور سنت کے مخالف لوگوں کی گمراہیاں بیان کی جائیں۔

اسی وجہ سے ائمہ اہل سنت نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، انھوں نے اہلِ بدعت کی حالت اچھی طرح واضح کر دی اور ان کے شبہات کی تردید کی۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے "الرد على الزنادقة والجهمية" میں زنادقہ اور جہمیہ کا رد کیا، امام بخاری نے "الرد على الجهمية" میں جہمیہ کی تردید کی، امام ابن قتیبہ نے "الرد على الجهمية والمشبهة" میں جہمیہ اور مشبہہ کے شبہات زائل کیے اور امام دارمی نے "الرد على بشر المريسي" میں بشر مریسی کے اعتراضات اور شکوک ختم کیے۔

بلاشبہہ مسلمانوں کی جماعت سے نکلنے والے اور سنت سے پہلو تہی کرنے والے فرقوں کی حالت و کیفیت بیان کرنا ابہام دور کرنے، حق کو واضح کرنے، اللہ تعالیٰ کا دین پھیلانے اور ان فرقوں پر حجت قائم کرنے کے لیے از حد ضروری ہے، تاکہ جو جیے تو دلیل کے ساتھ جیے اور جو مرے تو بھی دلیل کے ساتھ مرے، کیونکہ حق کسی پر چھپ نہیں سکتا۔ یہ لوگ اپنے پیروکاروں کو صرف شکوک و شبہات اور وہم پیدا کرنے والے اقوال کے ذریعے گمراہ کرتے ہیں، اس لیے ان گروہوں کے ماننے والے یا زندیق ہیں یا پھر جاہل۔ جاہل کو تعلیم دینا ضروری ہے اور زندیق کی زندیقیت کو بیان کرنا از بس لازم ہے، تاکہ اس کا پتا چل جائے اور اس سے خبردار رہا جائے۔

کتاب و سنت کے مخالفین ائمہ بدعت کی حقیقتِ حال بیان کرنا تمام مسلمانوں کے اتفاق کی رو سے واجب ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ایک آدمی جو روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور اعتکاف کرتا ہے، کیا وہ آپ کو زیادہ پسند ہے یا وہ جو اہلِ بدعت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

> ''روزہ، نماز اور اعتکاف تو اس کے اپنے لیے ہے اور اہلِ بدعت کے متعلق گفتگو کرنا، یہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور یہ افضل ہے۔''

یہاں انھوں نے واضح کیا ہے کہ اس کا فائدہ تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے، جو ان کے دین کو پہنچتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہی کی ایک صورت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ، اس کے دین، منہاج اور شریعت کی تطہیر اور ان تمام امور میں ان فرقوں کی سرکشی اور ظلم کو ختم کرنا بھی اتفاقاً فرض ہے۔

اگر یہ لوگ نہ ہوں، جنھیں اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان فرقوں کے شر کو دور کرنے کے لیے کھڑا کرتا رہتا ہے تو

اب تک دین کا حلیہ بگڑ چکا ہوتا۔ دین کا بگاڑ جنگ کے نتیجے میں دشمن کے غلبے کی وجہ سے ہونے والے بگاڑ سے کہیں بڑھ کر ہے، کیونکہ دشمن دین اور دلوں کو براہِ راست خراب نہیں کرتا، جبکہ یہ گمراہ فرقے ابتدا ہی دلوں کو خراب کرنے سے کرتے ہیں۔[1]

امتِ اسلامیہ کے خلاف گھات میں رہنے والے دشمن کو جماعتِ مسلمین کے مخالف ان فرقوں کی صورت میں امت میں فتنہ برپا کرنے کے لیے ذریعہ مل گیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ وہ آج دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی اسلامی بیداری کی لہروں کا سامنا کرنے کے لیے اور دشمن کے گھر تک پہنچے ہوئے اسلامی اِحیا کے افکار کو روکنے کے لیے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھائے۔

دشمنانِ اسلام ان فرقوں کی تاریخ اور عقائد کا اہتمام کے ساتھ مطالعہ کرنے والے مشیروں کی روشنی میں مسلمانوں اور اسلامی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کرنے کے لیے حکمتِ عملی تیار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بعض فرقوں کی بھرپور معاونت کرتے ہیں اور انھیں اقتدار کے ایوانوں تک پہنچانے کے لیے مکمل وسائل مہیا کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان فرقوں کے متعلق حق بیانی دشمن کے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اختلاف کی خلیج وسیع کرنے کا راستہ بند کرے گی، نیز ان زندیقوں اور بدعتیوں کو عامۃ الناس کو گمراہ کرنے، اپنے گروہ کی تعداد میں اضافہ کرنے، اُن کے ذریعے سے لوگوں کو فریب دینے اور اپنے عقیدہ وعمل کو اسلام باور کرانے کی کھلی چھٹی دینا اللہ کے دین اور اس کی شریعت سے بدظن اور بدگمان کرنے کے مترادف ہے۔ ملاحدہ کے دین سے خروج کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام وہی ہے جس پر ان بدعتی فرقوں کا عمل ہے اور وہ عقل کی رو سے باطل ہے، لہٰذا انھوں نے اصل دین ہی کا انکار کر دیا!!

## شیعہ کی سرگرمیاں:

آج سوادِ اعظم سے الگ ہونے والے اکثر فرقوں کی سرگرمیاں ماند پڑ چکی ہیں، ان کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا ہے، ان کی تعداد سکڑ چکی ہے اور وہ اپنے آپ تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں، اس طرح اہلِ سنت کے ساتھ ان کی مخالفت بھی کم ہو گئی ہے، لیکن شیعہ کے اہلِ سنت پر حملے، رجالِ اہلِ سنت کی دل فگاری، مذہبِ اہلِ سنت پر طعن وتشنیع اور ان کے درمیان اپنے مذہب کے فروغ کے لیے کوششیں دن بہ دن تیز ہو رہی ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کی ان کوششوں میں شائد شیعہ کے فرقوں میں سے اثناعشریہ فرقہ سب سے بڑھ چڑھ کر مصروفِ عمل ہے، اگرچہ یہ فرقہ اکیلا ہی نہیں، جو بہ کثرت اہلِ سنت پر زبان طعن دراز کرتا ہے اور مسلسل ان کے خلاف سازشوں میں

[1] ابن تيمية: مجموعة الرسائل والمسائل (٥/ ١١٠)

مصروف ہے، لیکن جو شدت ان کے یہاں ہے، کسی دوسرے کے ہاں نہیں پائی جاتی۔

شیعہ مسئلے کے ساتھ میرا تعلق ایم اے کے دور سے شروع ہوتا ہے، اس وقت میرے مقالے کا عنوان تھا: ”فكرة التقريب بين أهل السنة والشيعة“ جب میں تقریب (شیعہ اور اہلِ سنت میں یگانگت) کے مسئلے پر تحقیق سے فارغ ہوا تو پی ایچ ڈی میں میرا ارادہ تھا کہ کسی قدیم کتاب پر تحقیق کروں۔ لہٰذا میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ”الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح“ کے پہلے حصے کی تحقیق کی اجازت طلب کرنے کے لیے ڈیپارٹمنٹ میں درخواست دے دی۔ تاہم ڈیپارٹمنٹ کے اندر اور باہر کے کچھ فاضل اساتذہ نے مجھے شیعہ مسئلے کی اہمیت اور اس کے علمی و موضوعاتی مطالعے کی ضرورت کے پیشِ نظر اسی موضوع پر تحقیق جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔

مشورہ اور استخارہ کرنے کے بعد میں نے اثنا عشریہ مذہب کے بنیادی عقائد کا مطالعہ کرنے کا عزم کر لیا۔ مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ یہ موضوع گذشتہ موضوع کی نسبت بہت زیادہ محنت کا طالب ہوگا، کیونکہ میرے سامنے کسی ایک شخص کی ایک کتاب کا نہیں، بلکہ ایک مکمل دین کا مطالعہ و تجزیہ کرنا پیشِ نظر تھا۔

## فرقہ اثنا عشریہ کے اصول و قواعد پر تحقیق و تجزیہ کرنے کے اسباب:

میں نے شیعہ کے مختلف فرقوں میں سے صرف اثنا عشریہ فرقے کو بہت سے اسباب کی بنا پر منتخب کیا ہے، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

① یہ فرقہ اپنے مصادرِ تحصیل، کتابوں اور فکری ورثے کے اعتبار سے ایک بہت بڑے گروہ کی نمایندگی کرتا ہے، یہاں تک کہ یہ اپنے اعتقادی مسائل کو ”مذہبِ امامیہ“ نہیں، بلکہ ”دین امامیہ“ کا نام دیتے ہیں،[1] کیونکہ یہ امت کے دین سے ایک جداگانہ دین ہے۔

آپ کے لیے اتنا جاننا ہی کافی ہوگا کہ ان کی ائمہ سے روایات پر مشتمل احادیث کی کتابوں میں سے صرف ایک کتاب ”بحار الأنوار“ جو ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) کی تالیف ہے، ایک سو دس (۱۱۰) جلدوں پر مشتمل ہے۔

② اس فرقے کا اپنے مذہب کی دعوت اور فروغ کے لیے اہتمام۔ ان کے پاس منظم اور کل وقتی کارکنانِ دعوت ہیں اور تقریباً ہر جگہ ان کا نیٹ ورک اور سرگرمیاں ہیں۔ اہلِ سنت کے مختلف طبقات ان کی دعوتی دلچسپیوں کا ہدف ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی بھی بدعتی فرقہ اپنے اعتقادات کی نشر و اشاعت میں ان کے پاؤں کی دھول

---

[1] ”الاعتقادات لابن بابويه“ میں اسے ”دینِ امامیہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ دیکھیں: الفهرست للطوسي (ص: ۱۸۹) آغا بزرگ: الذريعة (۲/ ۲۲٦)

تک بھی پہنچ پایا ہو۔ یہ فرقہ آج اسلامی دنیا میں اپنے ''مذہب'' کی نشر واشاعت، اپنے ''انقلاب'' کی برآمد اور مختلف وسائل کے ذریعے اپنی ''عظیم سلطنت'' قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کر رہا ہے۔

اثنا عشریہ کے علما کی کوششوں کے نتیجے میں بہت سارے مسلمان نوجوان شیعہ مذہب اختیار کر چکے ہیں۔ ''عنوان المجد في تاريخ البصرة و نجد'' نامی کتاب کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ حقیقت جان کر دہشت زدہ ہو جاتا ہے کہ پورے کے پورے کئی قبائل شیعہ مذہب میں داخل ہو چکے ہیں!!

اسی طرح شیعہ مملکت ایران کے سفارت خانے دنیا بھر میں مسلمان محنت کشوں اور طلبا کی صفوں میں شیعہ دعوت پھیلانے کے مراکز میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ کافروں کو دعوت دینے کے بجائے ان کی زیادہ تر دلچسپی مسلمانوں کو شیعہ بنانے میں ہے۔[1] بلاشبہہ مسلمانوں کے سامنے اس حقیقت کی وضاحت کرنا ایک بہت بڑی ذمے داری ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اہلِ بیت کی محبت میں اسی راہ کو راہِ حق سمجھ کر شیعہ مذہب اختیار کر چکے ہیں۔

③ آج کی دنیا میں سب سے بڑا گروہ شیعہ ہی کا ہے، جو تاریخ کے صفحات پر پائے جانے والے تمام شیعہ فرقوں (کے عقائد ونظریات) پر مشتمل ہے۔ اس فرقے کے مصادرِ تحصیل تاریخ کے مختلف ادوار میں ظاہر ہونے والے مختلف شیعہ رجحانات و افکار کے خلاصے اور ان کی جائے قیام کی نمایندگی کرتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جب شیعہ لقب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد یہی فرقہ (اثنا عشریہ) ہوتا ہے۔

④ یہ فرقہ اپنے مذہب کے تشہیری مقاصد کے پیشِ نظر اہلِ سنت کے ساتھ قربت پیدا کرنے میں بڑی دلچسپی رکھتا ہے۔ انھوں نے ایسے مراکز اور تبلیغی انجمنیں قائم کی ہوئی ہیں، جو اتحاد بین المسلمین کا نعرہ بلند کرتی ہیں۔[2]

⑤ یہ فرقہ اس بات کا بڑی کثرت سے اظہار کرتا ہے کہ ان کا مذہب اہلِ سنت کے مذہب سے مختلف نہیں، یہ (اثنا عشریہ) مظلوم ہیں اور مختلف الزامات کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔

یہ اپنے مذہب کے دفاع اور پرچار کے لیے کتب و رسائل پر مبنی لٹریچر اہتمام کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور اہلِ سنت کی کتابوں کی تلاش اور ان کا جواب دینے کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، جس کی نظیر کسی دوسرے فرقے کے ہاں نہیں ملتی۔

⑥ یہ فرقہ سالانہ شائع ہونے والی اپنی ہزاروں کتابوں کے ذریعے اہلِ سنت، خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور

---

[1] اس کا سبب جاننے کے لیے اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٧٦٤، ٧٦٥) ملاحظہ کریں۔ نیز دیکھیں: مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تيمية (٢٨/ ٤٧٨)

[2] دیکھیں: فكرة التقريب بين أهل السنة والشيعة (ص: ٥١١ وما بعدها)

مسلمانوں کی بنیادی کتابوں کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتا ہے، اسی طرح یہ لوگ ہر اس شخص پر بڑے بے رحم اور تشدد آمیز حملے کرتے ہیں، جو ان کے بارے میں لکھتا ہے یا ان کے مذہب پر تنقید کرتا ہے۔ ان کے یہ حملے اس آڑ میں ہوتے ہیں کہ ایسی تحریریں یگانگت پیدا کرنے کی راہ میں رکاوٹ اور اتحاد بین المسلمین کی کوششوں کو پارہ پارہ کرتی ہیں۔ نتیجتاً اکثر اصحابِ قلم نے ان کے بارے میں لکھنا چھوڑ دیا ہے۔

⑦ اثنا عشریہ فرقے کی حقیقت کے متعلق ہم عصر قلم کاروں کے درمیان اختلاف کی شدت نے بھی میری توجہ اس طرح مبذول کروائی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ کافر ہیں اور ان کا غلو اسلامی حدود سے متجاوز ہے۔ جس طرح شیخ محبّ الدین خطیب، احسان الٰہی ظہیر اور ابراہیم جبہان وغیرہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے،[1] جبکہ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اثنا عشریہ ایک معتدل فرقہ ہے، یہ اس غلو کی طرف مائل نہیں ہوا، جس کا باطنی فرقے شکار تھے۔ یہ نشار، سلیمان دنیا اور مصطفیٰ شکعہ وغیرہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے۔[2] ایک تیسرا فریق ابہام کا شکار ہے اور وہ اثنا عشریہ کے علما سے اس کے متعلق استفسار کرتا پھرتا ہے، جو ان کے متعلق احسان الٰہی ظہیر اور محبّ الدین خطیب نے لکھا ہے، جیسا کہ بھنساوی کی کتاب ''السنة المفترى عليها'' میں ہے۔

ان اختلافات کے درمیان حقیقت گم ہوسکتی ہے یا پھر اکثر پر مخفی رہ سکتی ہے، اس لیے میں نے اپنے اس مقالے میں خصوصاً ''شیعہ معاصرین'' کے باب میں اپنے مذہب کا دفاع اور اہلِ سنت پر تنقید کرنے والی آوازوں کو سننے پر خصوصی توجہ دی ہے اور پھر اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

## شیعہ کے متعلق لکھنے کی ضرورت:

ہمارے اسلاف نے اثنا عشریہ کے متعلق بھی لکھا ہے، یہ وہی ہیں جن کو وہ رافضہ کہتے ہیں اور ان کی تصانیف کا بڑا گہرا اثر تھا۔ جس طرح ابو نعیم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مقدسی، فیروز آبادی کی تحریروں اور فرق وعقیدہ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، لیکن یہ تحریریں شیعہ کتب کی نشر و اشاعت سے پہلے کی تھیں اور ان میں سے اکثر کتابیں بعض شیعہ کتب کی تردید کی حیثیت رکھتی تھیں، اس لیے یہ کتابیں جامع انداز میں اس فرقے کے افکار وعقائد

---

[1] الخطوط العريضة للخطيب والشيعة والسنة لإحسان إلٰهی ظهير وتبديد الظلام للجبهان.

[2] نشأة الفكر الفلسفي للنشار (٢/ ١٣) والشيعة و أهل السنة لسليمان دنيا و إسلام بلا مذاهب لمصطفى الشكعة (ص: ١٩٤)

کا مطالعہ پیش نہیں کرتیں۔

مزید برآں اثنا عشریہ کی ''تقیہ'' میں مہارت کی وجہ سے بھی اصلیت چھپی ہوئی ہے،حتی کہ شرح صحیح مسلم میں ہمیں یہ قول ملتا ہے کہ ''امامیہ فرقہ صحابہ کرام کی تکفیر نہیں کرتا، بلکہ انھوں نے حضرت ابوبکر کی تقدیم کے مسئلے میں غلطی کی ہے۔''[1]

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رافضی مذہب اور اس پر تنقید کرنے میں گہری دلچسپی رکھنے کے باوجود فرماتے ہیں:

''مجھے معتبر لوگوں نے بتایا ہے کہ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں، جو مزاروں کے حج کو بیت اللہ کے حج سے عظیم سمجھتے ہیں۔''[2]

جب کہ آج آپ یہ مسئلہ ان کی بنیادی کتابوں کی سیکڑوں روایات اور مختلف ابواب میں موجود پاتے ہیں۔ ایسے ہی شیعہ کی اہم کتاب ''اصولِ کافی'' ہے۔ آج یہ کتاب اس فرقے کے ہاں ائمہ کی حدیث میں، جو اس مذہب کی اساس ہے، پہلی قابل اعتبار بنیادی کتاب ہے،لیکن آپ امام اشعری یا ابن حزم یا ابن تیمیہ کی تحریروں میں اس کا تذکرہ نہیں پاتے۔ مزید برآں اس مذہب کا مزاج ایسا ہے کہ یہ وقتاً فوقتاً اور نسل در نسل بدلتا رہتا ہے۔ موجودہ زمانے میں ان کے سب سے بڑے عالم ممقانی کا کہنا ہے:

''جو ماضی کے شیعہ کے ہاں غلو سمجھا جاتا تھا، آج وہ مذہب کے بنیادی اور ضروری مسائل میں سے بن چکا ہے۔''[3]

یہ بدلتا ہوا مزاج موجودہ زمانے میں اثنا عشریہ کا حقیقی چہرہ پہچاننے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح متقدمین ائمہ اہلِ سنت کی کتابوں میں جو عام جوابات پائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر ان اعتراضات کا رد ہیں، جو شیعہ اہلِ سنت کی کتابوں ہی سے پیدا کرتے رہے ہیں۔ چناں چہ اہلِ سنت ان کے جواب میں وضاحت کرتے ہیں کہ شیعہ جن نصوص کو پیش کرتے ہیں، وہ یا موضوع ہیں یا ضعیف، یا پھر وہ نصوص ان کے باطل استدلال کے ساتھ میل نہیں کھاتیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ شیعہ اہلِ سنت کی تمام کتابوں پر اعتبار ہی نہیں کرتے، وہ صرف یہ شبہات درج ذیل دو مقاصد کے حصول کے لیے پیدا کرتے ہیں:

---

[1] شرح صحيح مسلم (١٥/ ١٧٤)

[2] منهاج السنة (٢/ ١٢٤)

[3] اس کے الفاظ اسی رسالے کے صفحہ نمبر (۴۰۶) میں ملاحظہ کریں۔

① اہل سنت کو انہی اعتراضات میں مصروف رکھا جائے، تاکہ وہ شیعہ کی کتابوں، تحریروں اور رجالِ روایات پر تنقید کرنے کے لیے فارغ ہی نہ ہو پائیں۔

② اپنے فرقے کے شکوک و شبہات میں گرفتار اور غیر مطمئن لوگوں کے سامنے یہ دعویٰ رکھ کر انھیں قائل کیا جائے کہ ان کے جو شاذ مسائل ہیں، وہ اہلِ سنت اور شیعہ کے مابین اتفاقی مسائل ہیں۔

آج شیعہ مذہب کی کتابیں اتنی کثرت کے ساتھ میسر ہیں، جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی، لہٰذا یہ کتب تنقید و مطالعے کی اہم بنیادیں ہونی چاہییں، کیونکہ ہر گروہ کے خلاف وہی چیز بہ طورِ حجت پیش کی جا سکتی ہے، جو اس کے ہاں سچی اور جس پر ان کا ایمان ہو۔

موجودہ زمانے میں اثنا عشریہ کے متعلق اہلِ سنت کی تحریریں نسبتاً شیعہ کی اہلِ سنت کے متعلق تحریروں سے بہت کم ہیں، جو اثنا عشریہ جیسے فرقے کے لیے ناکافی ہیں، کیوں کہ ان کا مذہب ان سیکڑوں کتابوں پر قائم ہے، جو مذہب کی خدمت، دعوت اور نقطہ نظر کی نمایندگی کرتی ہیں، لہٰذا ان کا مطالعہ اور جائزہ بہت زیادہ محنت اور وسیع تر کام کا محتاج ہے۔

میں نے ان (شیعہ کے مخالف) کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ ان میں اثنا عشریہ کے مطالعے اور تجزیے کے بہت سے اہم پہلو نظر انداز کیے گئے ہیں، مثلاً اصولِ دین کے بارے میں ان کے نظریے پر بحث نہیں کی گئی، لہٰذا میں نے اپنے مقالے کے دوسرے باب میں اس موضوع کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایسے ہی شیعہ معاصرین کی آرا، نقطہ ہائے نظر اور قدیم فرقوں اور سابقہ کتابوں کے ساتھ ان کا تعلق جاننا بھی ضروری ہے، جس کے متعلق چوتھے باب میں بحث کی گئی ہے۔

یہ موضوع حقیقت میں بہت زیادہ وسیع اور کثیر جہتی ہے، جس میں ایسی جدید تحقیقات ضروری ہیں، جو اثنا عشریہ کے تاحال نامعلوم گوشوں تک رسائی حاصل کریں۔ اس لیے میں نے اس موضوع پر تحقیق کرنے کے لیے علمی منہج اور طریقہ کار اپنایا ہے، جس میں کئی نئے حقائق سامنے آئے ہیں، جن میں سے چند ایک نمایاں ترین درج ذیل ہیں:

① اثنا عشریہ کے اصولِ دین کا مطالعہ۔ یہ وہ موضوع ہے، جو اکثر مسائل میں نامعلوم ہے، کیونکہ شیعہ اسے چھپا کر رکھتے ہیں اور اہلِ سنت محققین نے اس طرف کا رخ ہی نہیں کیا۔ اس مقالے میں یہ موضوع پورے ایک باب پر، جو دوسرا باب ہے، محیط ہے۔

② اس تحقیق نے ان عقائد کے چہرے سے نقاب اُلٹ دی ہے، جن پر میرے علم کے مطابق کسی نے پہلے خامہ فرسائی نہیں کی۔ مثلاً یہ عقیدہ کہ ''قرآن کسی نگران کے بغیر حجت نہیں، نیز یہ کہ قرآن کا زیادہ تر حصہ ان کے اور ان کے

دشمنوں کے متعلق نازل ہوا ہے۔'' اسی طرح عقیدہ ظہور، عقیدہ طینہ[1] اور ائمہ پر آسمانی کتابیں نازل ہونے کا شیعہ دعویٰ ہے۔[2]

ایسے ہی میں نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے کہ اثنا عشریہ مذہب میں تحریفِ قرآن کے بہتان کا کب آغاز ہوا؟ کون سی کتاب میں اور کب سب سے پہلے یہ بہتان بازی کی گئی؟

اس تحقیق میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شیعہ مذہب میں روایات کی جانچ، درجہ بندی اور ان کی صحیح، ضعیف اور موثق میں تقسیم کے حوالے سے جو بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی، اس میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کی کتاب ''منهاج السنة'' کا کیا کردار تھا؟

مزید برآں مہدی کے وجود کے قول کی تحقیق بھی پیش کی گئی ہے، جس پر آج اثنا عشریہ مذہب کا وجود قائم ہے، اس سلسلے میں اہم گواہیاں پیش کی گئی ہیں، جو خود حسن عسکری، ان کے خاندان اور اہلِ بیت کی طرف سے صادر ہوئیں اور یہ سب شیعہ کی کتب سے ماخوذ ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر بہت ساری باتیں ہیں، جو تحقیق کے خوگر افراد کو اس مقالے میں ملیں گی۔ مَیں یہ مسائل بیان کرتے وقت کچھ اضافہ جات بھی ذکر کروں گا، تاکہ قارئین ان سے مزید فائدہ اٹھاسکیں۔

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ زیر بحث مسائل میں نئی عبارتیں پیش کروں یا ان کی طرف اشارہ کر دوں۔ مثلاً شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی تکفیر کے مسئلے میں شیخ موسیٰ جار اللہ اور علامہ احسان الٰہی ظہیر

---

[1] مولانا تونسوی نے اپنی کتاب ''عقائد الشيعة'' میں اس کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کیا ہے اور ''کافی'' سے ایک عبارت نقل کی ہے، جو اس عقیدے کی مکمل صورت گری نہیں کرتی۔ [مولف]

''عقیدہ ظہور'' سے مراد یہ ہے کہ امام یا کوئی شیعی شخص اپنی موت کے بعد مخصوص مقام پر مخصوص لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور جو شخص جس قدر دین دار ہوگا، اسی قدر اس کے امام کو دیکھنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہ ظہور صرف امام کے ارادے پر موقوف ہے۔

''عقیدہ طینہ'' سے مراد یہ ہے کہ شیعہ لوگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی مٹی کو بڑا متبرک اور باعثِ شفا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان کا نظریہ ہے کہ ہر شیعی شخص خصوصی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور ہر سنی آدمی دوسری مٹی سے بنایا گیا ہے، پھر دونوں قسم کی مٹی کو ملایا گیا، اس بنا پر شیعی شخص میں جتنے جرائم اور گناہ ہوتے ہیں، یہ اس سنی آدمی کی مٹی سے ملنے کے اثراتِ بد ہوتے ہیں، جبکہ سنی میں جو نیکی اور امانت ہوتی ہے، وہ شیعی مٹی سے ملنے کے نیک اثرات کی بنا پر ممکن ہوتی ہے، لہٰذا جب قیامت کا دن ہوگا، تو شیعہ کے گناہ اہل سنت کے سر ڈالے جائیں گے اور اہل سنت کی نیکیاں شیعہ کے نامہ اعمال میں رکھ دی جائیں گی۔

(علل الشرائع، ص: ٤٩٠۔ ٤٩١، بحار الأنوار: ٥/ ٢٤٧۔ ٢٤٨) [مترجم]

[2] محققین عموماً شیعہ کے اس عقیدے اور ان کے تحریفِ قرآن کے نظریے کو آپس میں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔

وغیرہ کی کتابوں میں آپ کو ایسی عبارتیں ملیں گی، جو شیعہ کے اس میں ملوث ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں۔

میں نے یہ کوشش کی ہے کہ شیعہ کی ایسی عبارتیں پیش کروں، جو شیخین کے متعلق مخصوص اشارات کی زبان میں اظہارِ خیال کرتی ہیں، پھر میں نے اثنا عشریہ کی اپنی کتابوں ہی سے ان کی تشریح بھی نقل کر دی ہے۔

## اسلوبِ تحقیق:

اب رہی بات اس منہج کی، جو اس موضوع پر بحث کرنے کے دوران میں مَیں نے اختیار کیا ہے اور وہ جدید اشیا جس کے اضافے کا یہ موضوع متحمل ہو سکتا ہے تو اس کے متعلق اس تحقیق کے ابواب ہی بہتر طور پر بتائیں گے، تاہم اس مقدمے میں مَیں کچھ ضروری اشارے ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

میں نے شیعہ مذہب اور ان کی کتابوں کے ہمراہ اپنے اس سفر کے آغاز ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں ان کا مذہب نقل کرنے والے مصادر پر دھیان نہیں دوں گا، بلکہ براہِ راست شیعہ مذہب کی کتب مدنظر رکھوں گا، تاکہ تحقیق کسی دوسرے رخ کی طرف نہ مڑ جائے۔

میں نے عقیدے کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والے اس موضوع میں اس کے مطلوبہ دائرہ کار میں رہتے ہوئے حقیقت پسند بننے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

صحیح حقیقت پسندی یہی ہے کہ آپ ان کی کتابوں سے دیانت داری کے ساتھ حوالہ نقل کریں، ان کے معتبر مصادر منتخب کریں، کوئی فیصلہ کرتے وقت انصاف کا دامن نہ چھوڑیں اور ممکن حد تک وہی روایات پیش کرنے کا اہتمام کریں جو ان کے ہاں معتبر یا ان کے مصادر مشہور ہیں۔ جہاں تک اس منکر (غلط عقیدے) کی مذمت اور اس کے فساد کے بیان کا تعلق ہے، جو میرے علم میں آ جائے تو یہ حقیقت پسندی سے خروج نہیں، بلکہ یہ ہر مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بھی نہیں بخشتا اور اس میں نقص اور تحریف کا دعویٰ کرتا ہے، یا یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دیگر صریح کفریات بکتا ہے تو آپ اس کا مناسب جواب، اس کے جرم کی سنگینی کے اظہار اور اس کے عقیدے کی بدنمائی بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وگرنہ یہ مسلمان قاری کے ساتھ دھوکا اور خیانت ہوگی۔

اس لیے مَیں تنقیدی منہج کے مطابق ان کے عقائد کا جائزہ پیش کروں گا۔ جہاں میں محسوس کروں گا کہ یہ مسئلہ زیادہ تفصیلی تنقیدی مطالعے کا محتاج ہے، اس کے لیے میں مستقل عنوان قائم کروں گا۔ البتہ ہمیشہ اس کا التزام نہیں ہوگا، کیونکہ ان کے بہت سے ایسے عقائد ہیں، جن کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے انھیں محض ذکر کر دینا ہی کافی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ''باطل مذہب کی تصویر کشی کرنا ہی اس کے فساد کے بیان کے لیے کافی ہے، اگر کسی چیز کا مکمل تصور اچھی طرح سے پیش کیا جائے تو پھر مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ اس سے نیا اعتراض جنم لے لیتا ہے، کیونکہ اکثر لوگ ان کے اقوال کے مجمل اور مشترک الفاظ پر مشتمل ہونے کی بنا پر ان کی حقیقت اور مراد نہیں سمجھتے۔'' [1]

اس لیے میں اکثر جزوی مسائل میں ان کے قول کی حقیقت بیانی اور اس کے بطلان کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کروں گا، لیکن ان کے مذہب کے بڑے بڑے مسائل، جیسے مسئلہ وصیت اور صحابہ کے متعلق ان کے عقائد ہیں، تو ان میں مَیں کتاب و سنت، ان کے ائمہ کے اقوال اور متفق امور کی روشنی میں تفصیلی تنقید کروں گا۔

میں ان کے ساتھ بحث کرتے وقت عموماً نصوص پر داخلی تنقید کا منہج اختیار کروں گا، جس میں نصوص کے درمیان تقابل کیا جائے گا اور ممکنہ حد تک ان میں پائے جانے والے تعارض اور اختلاف کا ذکر کیا جائے گا۔

بعض اوقات میں ان کے ساتھ ان کی منطق، مسلمہ قواعد اور روایات کی روشنی میں بھی بحث کروں گا، لیکن اس کا مطلب ان اصول کی موافقت اور ان روایات کو قبول کرنا نہیں، بلکہ یہ اس مذہب کی حقیقت میں بے اصولی اور بعض روایات پر عمل کرنے اور بعض کو چھوڑ دینے کی روش ظاہر کرنے کے لیے ایک تنقیدی طریقہ کار ہے۔

ان کے عقائد پیش کرتے وقت میں ان کے معتبر مصادر سے حوالہ دینے کا التزام کروں گا، لیکن اکثر اوقات میں مَیں اس سے بھی، جو دیگر مصادر نے ذکر کیا ہے، صرفِ نظر نہیں کروں گا۔ اس طرح ان شخصیات کے حالات بھی درج کر دیے گئے ہیں، جن کا بعض شیعہ عقائد کی بنیاد رکھنے میں کردار ہے یا وہ شخصیت جس کا تعارف اس تحقیق کی ضرورت ہے۔ لیکن ہر شخصیت کے حالات ذکر کرنا قاری کو بنیادی موضوع سے دور کر سکتا ہے، ان تراجم کی اصل جگہ تاریخ و تراجم کی کتابیں ہیں۔ البتہ میں نے بحث میں ذکر ہونے والے ہر فرقے کا تعارف پیش کر دیا ہے، کیونکہ یہی ہمارے موضوع کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

## تحقیق کی راہ میں حائل چند مشکلات:

- شیعہ کی کتبِ روایت فہرست شدہ ہیں نہ ان کی کوئی خاص ترتیب ہی ہے، جیسا کہ اہلِ سنت کی کتابوں میں ہے۔ [2] اس لیے مجھے ان کی کتبِ حدیث کا طویل مطالعہ کرنا پڑا، یہاں تک کہ میں نے "بحار الأنوار"

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تیمیة (۲/ ۱۳۸) جمع الشیخ عبد الرحمن بن قاسم.

[2] اس سلسلے میں شیعہ کی ایک کتاب "مفتاح الکتب الأربعة" موجود ہے، جس کی میرے پاس بارہ جلدیں ہیں، لیکن کتاب کے مولف کا طریقہ اور منہج ایسا ہے کہ یہ کوئی فہرست نہیں، بلکہ ایک کتاب ہی معلوم ہوتی ہے۔

کی تمام جلدوں کی مکمل ورق گردانی کی۔ بعض اوقات مجھے کسی باب کی ایک ایک روایت کو پڑھنا پڑا۔ اسی طرح مَیں نے "أصول الكافي" اور "وسائل الشيعة" کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

جبکہ جن روایات کی مجھے ضرورت ہوتی، وہ اکثر ہر مسئلے میں سیکڑوں تک تھیں، کیوں کہ جب تک آپ ان روایات کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر پاتے، آپ اس مسئلے کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتے۔

مجھے اکثر اوقات روایات کے بارے میں ان کے علما کا نقطہ نظر معلوم کرنے کے لیے "الكافي" کی شروح جیسے مازندرانی کی شرح جامع وغیرہ کی طرف رجوع کرنا پڑا ہے۔

- شیعہ کی کتابوں کی تلاش میں، مَیں نے مصر، عراق، بحرین، کویت اور پاکستان کے سفر کیے۔ اس دوران میں مجھے کئی اہم مصادر ملے، جن سے مَیں نے اس تحقیق کے ابواب وفصول کے لیے استفادہ کیا۔
- تحقیق کا طویل زمانی مسافت پر پھیلاؤ، جو شیعہ مذہب کے آغاز سے لے کر آج تک کے احوال پر محیط ہے، چناں چہ میرے سامنے شیعہ مذہب کی مختلف زمانوں کی سیکڑوں کتابیں پڑی ہیں، ان کی جستجو اور امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے صفحات میں پھیلے ہوئے شیعہ کے اعتقادی ارتقا کی تتبع اور تلاش میں، مَیں نے بڑا طویل وقت گزارا ہے۔

## مقالے کے مصادر:

ان کے مذہب پر تحقیق کرنے کے لیے میں نے ان کی حدیث، تفسیر، رجال، عقائد، فرق، فقہ اور اصول کی معتبر کتابوں پر انحصار کیا ہے:

## ا۔ شیعہ کی کتبِ تفسیر:

- "تفسير علي بن إبراهيم القمي": اس کے متعلق شیعہ کا کہنا ہے: "یہ ان کی اصولِ تفسیر میں اصل اور بنیادی کتاب ہے۔"[1]

اس کی روایات کی توثیق ان کے موجودہ زمانے کے شیخ مشائخ، امام اکبر ابو القاسم خوئی نے کی ہے۔ وہ کہتا ہے: "اس لیے ہم علی بن ابراہیم قمی کے تمام مشائخ کے ثقہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، جن سے اس نے اپنی تفسیر میں کسی ایک معصوم امام تک سند پہنچاتے ہوئے روایت کی ہے۔"[2]

---

[1] مقدمة تفسير القمي (ص: ١٠)

[2] أبو القاسم الخوئي: معجم رجال الحديث (١/ ١٦٣)

قمی ان کے ہاں حدیث میں ثقہ، ثبت اور قابلِ اعتماد ہے۔[1] وہ امام عسکری کے زمانے میں ہوا اور ۳۰۷ھ تک زندہ رہا۔[2]

- "تفسير العياشي": اس کے متعلق ان کے ایک معاصر عالم محمد حسین طبطبائی کہتے ہیں: یہ اپنے موضوع پر بہترین قدیم تالیف ہے اور تفسیر بالماثور کے موضوع پر قدیم مشائخ کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں، یہ ان میں سب سے زیادہ ثقہ ہے۔ اس کو ایک ہزار سال سے لے کر آج تک کے بلند پایہ علماے کرام نے بلا اعتراض و تنقید قبول کیا ہے۔[3]

عیاشی کا مکمل نام ابو نضر محمد بن مسعود ہے۔ یہ تیسری صدی کے آخر میں گزرا ہے۔ یہ شیعہ کا روایات میں وسیع النظر اور گہری بصیرت رکھنے والا جلیل القدر عالم ہے۔[4]

- "تفسير فرات بن إبراهيم بن فرات الكوفي": یہ شیعہ کا تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے شروع کا عالم ہے،[5] اس کو ان کے عالم ملا باقر مجلسی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے:

"تفسیر فرات کی روایات ہم تک پہنچنے والی معتبر احادیث کے مطابق ہیں۔"[6]

یہ اہم قدیم کتبِ تفسیر ہیں، جو آج ان کے پاس موجود ہیں۔[7] میں نے قرآن کریم کے متعلق ان کا عقیدہ ذکر کرتے وقت ان کی طرف رجوع کیا ہے۔ میں نے ان میں جو کچھ منقول ہے، اسی کو توثیق کے لیے کافی نہیں سمجھا، بلکہ اس کے ساتھ ان کتابوں کو بھی سامنے رکھا ہے، جو ان کے متاخرین معتبر علما نے لکھی ہیں، مثلاً:

- "تفسير الصافي": تالیف محمد محسن المعروف فیض کاشانی، جس کو یہ علامہ، محقق، مدقق، جلیل القدر اور عظیم المرتبت کے خطابات سے نوازتے ہیں۔[8]

---

[1] رجال النجاشي (ص: ١٩٧)

[2] الذريعة (٤/ ٣٠٢) مقدمة تفسير القمي (ص: ٨)

[3] الطبطبائي: مقدمة حول الكتاب ومؤلفه (ص: اج)

[4] الطوسي: الفهرست (ص: ١٦٣- ١٦٥)

[5] آغا بزرگ الطهراني: نوابغ الرواة (ص: ٢١٦)

[6] بحار الأنوار (١/ ٣٧) شیعہ کے متقدمین اور معاصرین علما کے نزدیک اس کتاب کے معتبر مصادر میں شمار ہونے کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمة تفسير فرات لمحمد علي الأوردبادي.

[7] انھیں میں "تفسير التبيان للطوسي" اور "مجمع البيان للطبرسي" بھی شامل ہیں۔ ان کے متعلق بعض شیعہ علما نے کہا ہے کہ یہ دونوں کتابیں تقیے کے اسلوب میں لکھی گئیں ہیں۔ جیسا کہ عن قریب آگے آ رہا ہے۔

[8] الأردبيلي: جامع الرواة (٢/ ٤٢)

❀ ''البرهان في تفسير القرآن'' تالیف: ہاشم بن سلیمان بحرانی (۱۱۰۷/ ۱۱۰۹) یہ ان کے ہاں علامہ، ثقہ، ثبت، محدث خبیر اور ناقد بصیر کے القاب سے معروف ہے۔[1]

❀ ''مرآة الأنوار و مشكاة الأسرار أو مقدمة البرهان'' تالیف: ابو الحسن بن محمد العاملی الفتونی۔ یہ ''بحار الأنوار'' کے مولف مجلسی (۱۱۴۰ھ) کا شاگرد ہے۔ اس کے متعلق ''لؤلوة البحرين'' کے مصنف کا کہنا ہے: ''وہ محقق اور نقطہ رس عالم تھا۔''[2]

''روضات الجنات'' کا مولف لکھتا ہے: ''وہ ہمارے عظیم متاخر فقہا میں سے ہے۔''[3] اس کو ان کے عالم نوری نے ''حجت'' کا لقب دیا ہے اور اس کی کتاب کے متعلق لکھا ہے: ''اس جیسا کام نہیں ہوا۔''[4] یعنی اس جیسی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ اسی طرح کی باتیں ''الذريعة'' کے مولف نے بھی لکھی ہیں۔[5]

ان کے علاوہ ان کی کئی دوسری کتبِ تفسیر سے بھی میں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ جہاں میں نے ان سے کوئی بات نقل کی ہے، وہیں ان کا حوالہ بھی دے دیا ہے اور ان کی دیگر کتابوں سے بھی اس کی توثیق نقل کی ہے۔

گذشتہ تمام کتابوں کے مولفین قرآن کریم میں ''تحریف'' کے قائل ہیں اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہے، یقیناً وہ اہلِ قبلہ میں سے (مسلمان) نہیں، تاہم میں ان کی توثیق ان کے شیوخ سے نقل کروں گا۔

## ب۔ شیعہ کی کتبِ حدیث (یہ ان کی اپنے ائمہ سے روایات ہیں):

میں نے ان کے مندرجہ ذیل معتبر مصادر کو پیش نظر رکھا ہے:

① كتبِ أربعه: الكافي، التهذيب، الاستبصار اور من لا يحضره الفقيه.

ان کے ایک معاصر عالم محمد صادق صدر کا کہنا ہے: ''شیعہ کا ان چار کتابوں کے معتبر ہونے پر اجماع ہے اور وہ ان میں موجود تمام روایات کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔''[6]

② كتب أربعه متأخره: الوافي، بحار الأنوار، الوسائل اور مستدرك الوسائل.

اس طرح ان کے اساسی مصادر آٹھ بن جاتے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: أمل الآمل (۲/ ۳٤۱) يوسف البحراني: لؤلؤة البحرين (ص: ٦۳) البلادي: أنوار البدرين (ص: ۱۳۷)

[2] يوسف البحراني: لؤلؤة البحرين (ص: ۱۰۷)

[3] الخوانساري: روضات الجنات (ص: ٦۸٥، ط: الثانية) الزرندي: ترجمة المؤلف (المطبوع مع مقدمة مرآة الأنوار)

[4] مستدرك الوسائل (۳/ ۳۸٥)

[5] آغا بزرگ: الذريعة (۲۰/ ۲٦٤)

[6] الشيعة (ص: ۱۲۷)

ان کے ایک معاصر عالم محمد صالح حائری نے لکھا ہے کہ امامیہ کی صحاح آٹھ کتابیں ہیں، ان میں سے چار کتابیں پہلے تین محمدوں کی ہیں اور اس کے بعد والی تین کتابیں متاخرین تین محمدوں کی اور آٹھویں کتاب معاصر محمد حسین نوری مرحوم کی ہے۔[1]

میں نے ''سنت کے متعلق ان کا عقیدہ'' والی فصل میں ان مصادر پر گفتگو کی ہے۔ ان آٹھ مصادر میں سے میں نے سب سے زیادہ ان دو کتابوں "أصول الكافي" اور "بحار الأنوار" کی مراجعت کی ہے، کیونکہ ان دونوں کتابوں میں اعتقادی مسائل کا سب سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے اور شیعہ ان کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

"الكافي" کے متعلق صادق صدر کا کہنا ہے: ''کافی شیعہ کے ہاں چاروں کتابوں میں سب سے زیادہ ثقہ و معتبر ہے۔''[2] اس کی روایات کی تعداد ۱۶۱۹۹ تک پہنچتی ہے۔ اگر کافی کا مولف اپنی کتاب میں ائمہ سے منقول روایات جمع نہ کرتا تو ان میں سے بہت کم باقی رہتی۔

وہ مزید کہتا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ کافی مہدی کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ یہ ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے۔''[3]

یہ صادق صدر کا قول ہے، جسے وہ عام شیعہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے محبّ الدین خطیب نے کہا ہے کہ ''کافی شیعہ کے ہاں ایسے ہی ہے، جیسے مسلمانوں کے ہاں صحیح بخاری ہے۔''[4]

خطیب کے اس قول میں قدرے تساہل ہے، کیونکہ کافی کے متعلق شیعہ کا غلو اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیا آپ نے انھیں یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ کافی ان کے مہدی کے ساتھ براہِ راست تعلق کے زمانے میں لکھی گئی اور وہ ان کے ''معصوم'' کے سامنے پیش کی گئی؟

یہ ایسی ہی بات ہے، جیسے کوئی اہلِ سنت کہے کہ صحیح بخاری رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی، کیونکہ ان کے نزدیک امام نبی کے مانند ہے، اس وجہ سے انھوں نے کہا ہے کہ کلینی کی اطلاعات کے سرچشمے قطعی الاعتبار ہیں، کیونکہ علم کا دروازہ اور ان کتب کے حال کے متعلق، جن سے اس نے کافی کی تالیف کی، معلومات

---

[1] منهاج عملي للتقريب (مقال للرافضي محمد الحائري، ضمن كتاب "الوحدة الإسلامية" ص: ٢٣٣)

[2] الشيعة (ص: ١٣٣)

[3] المصدر السابق (ص: ١٢٢) روضات الجنات للخوانساري (٦/ ١١٦) مقدمة الكافي لحسين علي (ص: ٢٥)

[4] الخطوط العريضة (ص: ٢٨)

حاصل کرنے کا سلسلہ قائم[1] کے سفیروں کے توسط سے اس کے سامنے کھلا ہوا تھا، کیونکہ وہ اس کے ساتھ ایک ہی شہر بغداد میں موجود تھے۔[2]

"بحار الأنوار" کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ یہ (شیعہ) مذہب کے حقائق و معارف معلوم کرنے کا واحد ذریعہ اور مرجع ہے،[3] اس کو انھوں نے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے، جیسا کہ اس مقالے کے صفحات میں آیندہ اس کا ذکر ہوگا۔[4]

③ میں نے ان کے قابل اعتماد علما کی کتابیں بھی دیکھی ہیں، جن کو وہ کتب اربعہ ہی کی طرح قابلِ قبول اور معتبر سمجھتے ہیں۔ مثلاً:

ا۔ سلیم بن قیس کی کتاب: یہ ابن ندیم کے قول کے مطابق شیعہ کی سب سے پہلی کتاب ہے،[5] جو منصۂ شہود پر ظاہر ہوئی۔ یہ ان کے معتبر اصول اور بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔[6] تحریفِ قرآن کے بہتان پر گفتگو کرتے وقت ہم اس کتاب اور اس کے مولف پر تبصرہ کریں گے۔[7]

ب۔ ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی (۳۸۱م) کی تالیفات، جیسے: إكمال الدين، التوحيد، ثواب الأعمال، عيون الأخبار الرضا، معاني الأخبار اور الأمالي وغیرہ۔ اس کی تمام کتابیں کتبِ اربعہ سے شہرت اور اعتماد میں کم نہیں، جن پر آج کل شیعہ کا مکمل دارومدار ہے۔[8] البتہ ان میں سے صرف پانچ کتابوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، جن کی مَیں نے مراجعت نہیں کی۔[9]

ج۔ شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (م ۴۶۰ھ) کی کتابیں۔ یہ کتابیں صرف ایک کتاب کے سوا[10] ابن

---

[1] اس سے مراد ان کا مہدی منتظر ہے اور اس کے سفیر اس کے چار ابواب ہیں۔ اس کی تفصیل "الغيبة" کے مبحث میں آگے آئے گی۔

[2] الحائري: منهاج عملي للتقريب (ضمن كتاب "الوحدة الإسلامية" ص: ۳۳۳) نیز دیکھیں: ابن طاؤس: كشف المحجة (ص: ۱۵۹)

[3] البهبودي: مقدمة البحار (ص: ۱۹)

[4] اس رسالے کا صفحہ نمبر (۱۸۶) ملاحظہ کریں۔

[5] دیکھیں: الفهرست (ص: ۲۱۹) الذريعة (۲/ ۱۵۲) نیز "روضات الجنات" (٤/ ٦٧) میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ اسلام کی اولین تدوین کی ہوئی اور تصنیف شدہ کتاب ہے۔

[6] دیکھیں: بحار الأنوار (۱/ ۳۲)

[7] اس کتاب کا صفحہ نمبر (۲۴۷) ملاحظہ کریں۔

[8] بحار الأنوار (۱/ ۲٦)

[9] یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں: ① الهداية، ②صفات الشيعة، ③ فضائل الشيعة، ④ مصادقة الإخوان، ⑤ فضائل الأشهر. (بحار الأنوار: ۱/ ۲٦)

[10] اس سے مراد کتاب "الأمالي" ہے۔ دیکھیں: بحار الأنوار (۱/ ۲۷)

بابویہ کی کتابوں کی طرح ہی معتبر اور قابل اعتماد ہیں۔

ان کے علاوہ ان کے دیگر علما کی کتابیں ہیں، جن کی (ان کے عالم) مجلسی نے اپنی کتاب ”بحار الأنوار“ کی پہلی جلد میں توثیق و تصدیق کی ضمانت دی ہے۔[1] ایسے ہی میں نے تحقیق کے دوران میں ان کی ان کتابوں کی بعض تصدیقات اور حوالہ جات کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔

جس کتاب سے مَیں صرف ایک مرتبہ کوئی عبارت نقل کروں گا، اس کا حوالہ ایک ہی مرتبہ اسی جگہ دوں گا۔

د۔ ان کے عقیدے کی مندرجہ ذیل معتبر کتابوں کی طرف بھی مَیں نے مراجعت کی ہے:

① اعتقادات ابن بابويه.

② أوائل المقالات و تصحيح الاعتقاد، كلاهما للمفيد.

③ نهج المسترشدين لابن مطهر الحلي.

④ الاعتقادات للمجلسي صاحب البحار.

⑤ عقائد الإمامية للمظفر (ایک شیعہ معاصر عالم).

⑥ عقائد الإمامية الاثني عشرية للزنجاني (ایک شیعہ معاصر عالم).

ان کے شاذ اور متفرق عقائد کے سلسلے میں مذکورہ بالا کتابوں کے ساتھ ساتھ مَیں نے ان کتابوں کی طرف بھی رجوع کیا ہے، جو مستقل انھی عقائد کے متعلق تحریر کی گئی ہیں۔ مثلاً غیبتِ امام کے عقیدے پر بحث کرتے وقت مَیں نے تیسری صدی کے شیعہ عالم محمد بن ابراہیم نعمانی کی کتاب ”الغيبة“ مدنظر رکھی ہے۔

مجلسی نے اس کتاب کے متعلق کہا ہے: ”نعمانی کی کتاب سب سے زیادہ عظیم المرتبہ ہے۔“[2] پھر اس نے مفید سے اس کی تعریف و تصدیق میں بہت کچھ نقل کیا ہے،[3] ایسے ہی طوسی کی کتاب ”الغيبة“ اور ابن بابویہ کی ”إكمال الدين“ وغیرہ بھی مَیں نے دیکھی ہیں۔

شیعہ کے عقیدہ رجعت کے سلسلے میں مَیں نے ان کے عالم حر العاملی کی ”رجعت“ کے موضوع پر تالیف ”الإيقاظ من الهجعة بالبرهان على الرجعة“ کا مطالعہ بھی کیا ہے۔

ر۔ ایسے ہی میں نے مقالات و فرق کے متعلق ان کے علما کی مندرجہ ذیل دو کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے:

---

[1] بحار الأنوار (١/ ٢٩ وما بعدها)

[2] بحار الأنوار (١/ ٣١)

[3] حواله بالا.

❀ "المقالات و الفرق" تالیف: سعد بن عبد اللہ اشعری قمی (۳۰۱ھ)۔

❀ "فرق الشيعة" تالیف: حسن بن موسیٰ نوبختی (تیسری صدی کا شیعہ عالم)۔

''یہ دونوں کتابیں وہ ہیں، جو شیعہ فرق کے متعلق گم شدہ کتابوں میں سے ہم تک پہنچی ہیں۔''[1]

## ز۔ رجال کی کتابیں:

اس موضوع پر میں نے ان کی قابل اعتماد کتابوں کی مراجعت کی ہے، خصوصاً کتب اربعہ، کیونکہ وہ کہتے ہیں: ''اس موضوع پر اہم تالیفات متقدمین کی چار کتابیں ہیں، اس باب میں انہی پر اعتماد ہے:

1. معرفة الناقلين عن الأئمة الصادقين لأبي عمرو محمد بن عمر بن عبد العزيز الكشي (یہ چوتھی صدی کا شیعہ عالم ہے)۔ یہ کتاب "رجال الكشي" کے نام سے مشہور ہے۔
2. كتاب الرجال لأبي العباس أحمد بن علي النجاشي (المتوفى ٤٦٠هـ)۔ یہ کتاب "رجال النجاشي" کے نام سے معروف ہے۔
3. كتاب الرجال لشيخ الطائفة أبي جعفر محمد بن حسن بن علي الطوسي (المتوفى ٤٦٠هـ)۔ یہ کتاب "رجال الطوسي" کے نام سے متداول ہے۔
4. كتاب الفهرست للشيخ الطوسي.[2]

میں نے زیادہ تر "رجال الكشي" کا حوالہ دیا ہے، کیونکہ اسے وہ اپنے رجال کی اہم، سب سے قدیم اور ثقہ کتاب سمجھتے ہیں، یہ الکشی کی تالیف ہے، جو ان کے ہاں ثقہ، روایات و رجال کی خبر رکھنے والا اور حسنِ اعتقاد کا حامل ہے۔[3] اسی طرح شیعہ کے ایک بہت بڑے عالم طوسی کی کتاب "التهذيب" (جو "رجال الكشي" کی تلخیص ہے) سے بھی میں نے بہ کثرت نقول ذکر کی ہیں۔ چناں چہ ایک شیعی عالم مصطفیٰ نے کہا ہے:

''ان کتابوں میں سب سے زیادہ قدیم "رجال الكشي" ہے، جس کی شیخ الطائفہ (طوسی) نے تلخیص کی ہے، اس بلند مرتبہ کتاب کی ثقاہت اور شرف کے لیے یہی امر کافی ہے۔''[4]

---

[1] محمد جواد مشكور: مقدمة كتاب المقالات والفرق للقمي (ص: ك ا)

[2] أحمد الحسيني: مقدمة رجال الكشي (ص: ط) الأعلمي: كربلاء (ص: ٤) نیز دیکھیں: حسن المصطفوي: مقدمة رجال الكشي (ص: ١٢، ط: إيران) آغا بزرگ: الذريعة إلى تصانيف الشيعة (١٠/ ٨٠۔ ٨١)

[3] فهرست الطوسي (ص: ١٧١۔ ١٧٢)

[4] مقدمة المصطفوي لرجال الكشي (ص: ١٢)

## خلاصہ کلام:

میں نے ان کے مذہب کی اصل صورت پیش کرتے وقت صرف ان کے ہاں ان کی معتبر کتابوں سے اقتباسات اور حوالہ جات نقل کیے ہیں اور اس مقالے میں نے ان کے وہی عقائد درج کیے ہیں، جو ان کی روایات و اخبار میں مشہور ہیں اور ان کے علما نے بھی اُن کا اقرار کیا ہے۔

بعض اوقات روایات بہت زیادہ ہوسکتی ہیں تو میں جن مسائل کے متعلق گفتگو کروں گا، وہاں روایات کی تعداد اور ابواب کے عناوین ذکر کر دوں گا۔ ایسے ہی مجھے جو تصحیحات اور روایات پر ان کے قواعد کے مطابق حکم ملے گا، میں اسے بھی ذکر کروں گا۔

یہ سب کچھ صرف اس لیے ہے، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے ان کی بعض شاذ اور ضعیف روایات پیش کی ہیں، جو مذہب کی حقیقت بیان نہیں کرتیں، لہٰذا ہم انھیں تسلیم نہیں کرتے۔

میں نے موضوعیت (Subjectivity) حوالے اور نسبتِ کلام میں باریک بینی کی ضرورت کے پیشِ نظر عموماً عبارتیں حرف بہ حرف نقل کرنے کا التزام کیا ہے، کیوں کہ مدمقابل کا کلام نقل کرتے وقت علمی منہج کا یہی تقاضا ہے۔

## مقالے کا خاکہ:

یہ تحقیق تمہید اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ تمہید میں شیعہ مذہب کی تعریف، ایجاد، تاریخی بنیادیں، اثنا عشریہ کے القاب اور فرقے ذکر ہوں گے۔

## پہلا باب:

اس کا موضوع ہے: ''اسلامی مصادر کے متعلق شیعہ کے عقائد ونظریات''۔ اس باب میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل: قرآن مجید کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

دوسری فصل: سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

تیسری فصل: اجماع کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

## دوسرا باب:

اس باب کا موضوع ہے: ''اصولِ دین کے متعلق شیعہ کے عقائد ونظریات''۔ اس باب میں چار فصلیں ہیں:

پہلی فصل: توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

دوسری فصل: توحیدِ ربوبیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

تیسری فصل: توحیدِ اسما وصفات کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

چوتھی فصل: ایمان اور اس کے ارکان کے متعلق شیعہ کا عقیدہ۔

## تیسرا باب:

اس کا موضوع ہے: ''شیعہ کے انفرادی عقائد واصول''۔ اس میں درج ذیل عقائد کا جائزہ پیش کیا گیا ہے:

① امامت: اس مبحث میں مَیں نے شیعہ کا صحابہ کرام، اہلِ بیت، مسلمان حکمران، قضات، علما، اسلامی ممالک، مسلم اقوام، اسلامی فرقوں اور امت کے متعلق عقیدہ پیش کیا ہے۔

② عصمت۔ ③ تقیہ۔ ④ مہدیت اور غَیبت۔

⑤ رجعت۔ ⑥ ظہور۔ ⑦ بدا۔ ⑧ طینہ۔

## چوتھا باب:

اس کا موضوع ہے: ''معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق''۔ اس باب میں چار فصلیں ہیں:

پہلی فصل: شیعہ کا اپنے قدیم مصادر کے ساتھ تعلق۔

دوسری فصل: شیعہ کا اپنے قدیم فرقوں کے ساتھ تعلق۔

تیسری فصل: قدیم اور معاصر شیعہ کے درمیان اعتقادی تعلق۔

چوتھی فصل: آیات (شیعہ علما) کی حکومت۔

## پانچواں باب:

اس کا موضوع ہے: ''شیعہ کا حکم اور عالمِ اسلام میں ان کے اثرات''۔ اس باب میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: شیعہ کا حکم۔

دوسری فصل: عالم اسلام میں شیعہ کے اثرات۔

آخر میں خاتمہ ہے، جس میں تحقیق کے اہم نتائج کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس مقدمے کے اختتام پر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے استاذ ڈاکٹر محمد رشاد سالم[1] کی مغفرت

---

[1] یعنی صاحبِ علم وفضل پروفیسر ڈاکٹر محمد رشاد بن محمد رفیق سالم۔ قاہرہ میں ۱۳۴۷ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۳۷۹ھ میں "موافقة العقل للشرع عند ابن تيمية" کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی علمی ←

فرمائے، ان پر رحمت و رضا نازل کرے، انھیں اپنی مغفرت وعفو کی وسعت میں چھپا لے اور جنت میں ان کا ٹھکانا بنائے۔ انھوں نے ہی اس مقالے کی ابتدائی مراحل سے آخری سطور تک نگرانی فرمائی، پھر مجھے اس کی طباعت کا آغاز کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ اس کی تکمیل سے قبل ہی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ میں نے ان کی ہدایات اورعلم سے بہت فائدہ اٹھایا اوران کے اخلاق اورعلم وفضل کا سایہ میرے سر پر قائم رہا۔

آپ نے اپنی ساری زندگی علم و جہاد کی نذر کردی۔ وہ دومرتبہ جیل گئے۔ آپ نے بہت زیادہ مفید علمی آثار چھوڑے ہیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ اپنے شاگردوں کے تعاون سے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ''مکتبہ اہلِ سنت'' کے نام سے ایک لائبریری قائم کریں۔ آپ نے عقیدے کے موضوع پر اہم کتابوں، اس موضوع پر اہلِ سنت کی تالیفات اور گمراہ فرقوں کے جواب میں لکھی جانے والی کتابوں کی تحقیق وطباعت کے لیے ہمیشہ تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو ان کی نیت اورعمل کی بنا پر بہترین جزا دے اور اپنے شاگردوں کے متعلق ان کی امیدیں پوری کرے، تاکہ وہ ان کے بعد ان کے کام کو جاری رکھ سکیں۔

ایسے ہی میں اپنے استاذ پروفیسر ڈاکٹر سالم بن عبداللہ الدخیل کا بھی انتہائی زیادہ شکرگزار اورممنون ہوں، جنھوں نے اس مقالے کے باقی ماندہ حصے کی نگرانی قبول کی، اس کے تمام مراحل کا معاینہ کیا اورآخری مراحل پرمکمل توجہ دیتے ہوئے اس کی رفتار پراظہارِاطمینان کیا۔ ان کی ہدایات اور آرا میرے لیے بہترین چشمہ علم ثابت ہوئیں۔

اسی طرح میں اصول الدین کالج کے اراکین، عقیدہ ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین اور اس کے دیگر متعلقین کی خدمت میں بھی اس مقالے کی نگرانی اور اس کے مراحل پر توجہ دینے کی وجہ سے پُرخلوص تشکر کے جذبات پیش کرتا ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہر اس شخص کو جزائے خیر عطا فرمائے، جس نے اس مقالے کے لیے میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا ہے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين. والحمد لله أولًا و آخراً.

---

← تراث کونشر کرنے اوران کی آرا وافکار کا تجزیہ ومطالعہ کرنے کا آپ نے خصوصی اہتمام کیا اوران کی عظیم کتب کو شائع کرنے کی بنا ڈالی۔ آپ نے امام ابن تیمیہ کی کتاب "درء تعارض العقل والنقل" (گیارہ جلدوں میں) "منهاج السنة النبوية" (آٹھ جلدوں میں) "الصفدية" (دوجلدوں میں) اور "الاستقامة" (دوجلدوں میں) کی تحقیق کی۔ آپ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "نقض التأسيس" کی تحقیق کر رہے تھے کہ اسی دوران میں ماہِ ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ کو قاہرہ میں وفات پا گئے۔

# تمہید

مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے:

1. لفظِ ''شیعہ'' کی لغوی تعریف۔
2. قرآن مجید میں لفظِ شیعہ کا ذکر اور اس کا معنی۔
3. حدیث میں لفظِ شیعہ کا ورود اور اس کا معنی۔
4. اثنا عشریہ کی کتبِ حدیث میں لفظِ شیعہ کا استعمال اور اس کا معنی۔
5. اسلامی تاریخ کی روشنی میں لفظِ شیعہ کا جائزہ۔
6. امامیہ اثنا عشریہ کی کتب میں شیعہ کی تعریف۔
7. کتبِ اسماعیلیہ کی روشنی میں شیعہ مذہب کی تعریف۔
8. دیگر (غیر شیعہ) مصادر کی روشنی میں شیعہ مذہب کی تعریف۔
9. شیعہ مذہب کی راجح تعریف۔
10. شیعہ مذہب کا آغاز اور اس کی تاریخی بنیادیں۔
11. شیعہ فرقے۔
12. فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے مختلف اَلقاب۔
13. فرقہ اثنا عشریہ کے مختلف فرقے۔

# شیعہ کی تعریف

## لفظِ ''شیعہ'' کی لغوی تعریف:

① امام ابن درید (المتوفی ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

"فُلَانٌ مِنْ شِيْعَةِ فُلَانٍ أَيْ مِمَّنْ يَرىٰ رَأْيَهُ" یعنی کسی شخص کو دوسرے کا شیعہ اس وقت کہا جاتا ہے، جب وہ اس کی رائے کا پیروکار ہوتا ہے۔ نیز لفظ "تشییع" اور "مشایعة" کا معنی ہے کسی کی مدد وحمایت اور تعاون کرنا۔[1]

② امام ازہری (المتوفی ۳۷۰ھ) رقم طراز ہیں:

لفظِ شیعہ کا اطلاق کسی آدمی کے مددگاروں اور پیروکاروں پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ گروہ جو کسی ایک رائے پر متفق ہو، انھیں بھی ''شیعہ'' کہا جاتا ہے۔ لفظِ شیعہ کی جمع "شِيَعٌ" اور "أَشْيَاعٌ" استعمال ہوتی ہے۔ نیز شیعہ وہ قوم ہے، جو خاندانِ نبوی سے محبت اور دوستی کا دعویٰ کرتی ہے۔ کہتے ہیں: "شَيَّعْتَ النَّارَ تَشْيِيْعًا" یعنی آگ پر مزید کوئی چیز ڈال کر اسے بھڑکانا۔ نیز کہا جاتا ہے: ''شَيَّعْتُ فُلَانًا'' یعنی میں فلاں شخص کے ساتھ اسے الوداع کرنے کے لیے نکلا۔

اسی طرح کہا جاتا ہے: "شَيَّعْنَا شَهْرَ رَمَضَانَ بِسِتٍّ مِّنْ شَوَّالٍ" یعنی میں نے ماہِ رمضان کے پیچھے (اور اس کے ساتھ ہی) ماہِ شوال کے چھے روزے رکھے۔ عرب کہتے ہیں: "آتِيْكَ غَدًا أَوْ شَيْعَهُ" یعنی میں کل یا اس کے پیچھے (اور بعد) والے دن تمھارے پاس آؤں گا۔ شیعہ بھی وہ لوگ ہیں، جو ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں اور شیعوں سے مراد وہ فرقے ہیں، جو اگرچہ ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں، لیکن ہر امر میں باہم متفق نہیں ہوتے۔[2]

③ امام جوہری (المتوفی ۴۰۰ھ) بیان کرتے ہیں:

"تَشَيَّعَ الرَّجُلُ" کا معنی ہے کہ فلاں شخص نے شیعہ ہونے کا اعلان کیا اور وہ لوگ جو باہم متفق ہو کر ایک دوسرے کی رائے تسلیم کرتے ہیں، انھیں ''شیعہ'' کہا جاتا ہے۔

ذوالرمہ شاعر نے کہا ہے:

---

[1] ابن درید: جمهرة اللغة (٣/ ٦٣)

[2] الأزهري: تهذيب اللغة (٣/ ٦١)

"اسْتَحْدَثَ الرَّكْبُ عَنْ أَشْيَاعِهِمْ خَبَراً"[1] يَعْنِي عَنْ أَصْحَابِهِمْ.[2]

یعنی کیا قافلے والوں کو اپنے رفقا کے بارے میں کوئی نئی خبر مل گئی ہے۔ اس شعر میں ذو الرمہ نے لفظِ "أشیاع"، کو "أصحاب"، کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

④ علامہ ابن منظور افریقی (المتوفی ۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

شیعہ کا معنی پیروکار اور مددگار ہے۔ اس کی جمع "شِیَعٌ" اور جمع الجمع "أشیاع" ہے۔ لفظِ شیعہ کا اصل معنی لوگوں کا ایک فرقہ (گروہ) ہے۔ اس ایک ہی لفظ کا اطلاق واحد وتثنیہ وجمع اور مذکر ومونث ہر ایک معنی میں ہوتا ہے۔ اب یہ لفظ اس گروہ کا مخصوص نام بن چکا ہے، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت سے ولایت ومحبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص شیعہ میں سے ہے اور شیعہ مذہب میں یوں ہے تو اس سے وہی فرقہ مراد ہوتا ہے، جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔ دراصل شیعہ کا لفظ "مشایعة" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: کسی کی پیروی اور ہم نوائی کرنا۔ نیز شیعہ اس گروہ کو کہا جاتا ہے، جو دوسروں کی رائے پر کاربند ہوتا ہے۔ کہتے ہیں:

"تَشَايَعَ الْقَوْمُ"، یعنی وہ قوم ایک دوسرے کی ہم نوا بن گئی۔ "تَشَيَّعَ الرَّجُلُ"، فلاں شخص شیعہ ہو گیا۔

"شَايَعَهُ شِيَاعًا وَشَيَّعَهُ"، یعنی دوسرے کے پیچھے چلنا۔ نیز کہا جاتا ہے:

"فُلَانٌ يُشَايِعُهُ عَلٰى ذٰلِكَ"، یعنی وہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔[3]

⑤ علامہ زبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) فرماتے ہیں:

ہر وہ شخص جو کسی انسان کی معاونت اور اس کے لیے گروہ بندی کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ اس کا "شیعہ" بن جاتا ہے۔ دراصل شیعہ لفظ "مشایعة" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے، کسی کی پیروی کرنا۔ ایک قول کے مطابق لفظِ "شیعہ" کی "یا" (عین کلمہ) دراصل "واؤ" تھی، جیسے کہتے ہیں: "شَوَّعَ الْقَوْمَ"، یعنی اس نے اپنی قوم کو جمع کیا۔ اب یہ لفظ اس فرقے کا نام بن چکا ہے، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ بیت سے دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتا ہے... ایسے بدعتی لوگ بے شمار ہیں، جن میں سے زیادہ غلو کا شکار امامیہ فرقہ ہے، جو اپنے ایک غائب امام کا منتظر ہے۔ یہ فرقہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بُرا کہتا ہے اور جو اُن میں زیادہ غالی ہیں، وہ ان دونوں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ۔معاذ اللہ۔ کافر قرار دیتے ہیں، ان (امامیہ) میں کئی زندیقیت کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں۔[4]

---

[1] ديوان ذي الرمة (ص: ٤)

[2] الصحاح للجوهري (٣/ ١٢٤٠) تحقيق أحمد عبد الغفور عطار.

[3] لسان العرب (مادة: شيع)

[4] تاج العروس (٥/ ٤٠٥) نیز دیگر کتبِ لغت میں مادہ "شاع" کا معنی دیکھیں، مثلاً: القاموس المحيط (٣/ ٤٧) البستاني: قطر المحيط (١/ ١١٠٠) الطريحي: مجمع البحرين (٤/ ٣٥٥)

## خلاصہ کلام:

لغوی اعتبار سے لفظِ ''شیعہ'' ''تشیّع'' اور ''مشایعۃ'' متابعت، نصرت، موافقتِ رائے، اتفاق اور تعاون کے معانی میں منحصر ہے۔ پھر یہ لفظ (شیعہ) اس فرقے کے لیے عموماً بطورِ نام استعمال ہونے لگا، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ بیت سے محبت کا اعلان کرتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن منظور، فیروز آبادی اور زبیدی نے ذکر کیا ہے، لیکن شیعہ کے لیے اس نام کا بہ کثرت استعمال کرنا محلِ نظر ہے، کیوں کہ لفظِ شیعہ کا لغوی معنی ہے: کسی کی متابعت اور معاونت کرنا، لہٰذا اکثر شیعہ فرقے جن پر اس لفظ (شیعہ) کا اطلاق کیا جاتا ہے، لغوی معنی کے لحاظ سے ان کا نام شیعہ رکھنا، درست نہیں، اس لیے کہ یہ لوگ درحقیقت اہلِ بیت کے پیروکار نہیں، بلکہ ان کے مخالف اور ان کے راستے سے الگ ہونے والے ہیں۔

اسی لغوی معنی کا اعتبار امام شریک بن عبداللہ نخعی کے ایک اثر میں نظر آتا ہے کہ جب ایک شخص نے ان سے پوچھا: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے؟ انھوں نے جواب دیا: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ!

اس شخص نے کہا: آپ شیعہ ہونے کے باوجود ایسی بات کہتے ہیں؟!

انھوں نے فرمایا: ''ہاں! کیوں کہ جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا، وہ شیعہ نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''أَلَا إِنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْبَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ''

''آگاہ رہو! اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔''

تو اب ہم کیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس بات کی تردید و تکذیب کر سکتے ہیں؟ اللہ کی قسم! وہ جھوٹے انسان نہیں تھے۔[1]

گویا امام شریک رحمہ اللہ نے اسی لغوی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حقیقی پیروکار نہیں ہے، وہ شیعہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے، کیوں کہ لفظِ شیعہ کا حقیقی معنی اطاعت اور متابعت ہے۔ اسی لیے کئی

---

[1] منهاج السنة لابن تيمية (١/ ٧-٨) تحقيق الدكتور محمد رشاد سالم۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اسّی (٨٠) کے قریب اسانید سے مروی ہے کہ انھوں نے کوفے کے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا: ''اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین ابوبکر اور عمر ہیں۔ اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے۔'' (منهاج السنة: ٤/ ١٣٧) علاوہ ازیں یہ بات شیعہ کتب میں بھی منقول ہے۔ دیکھیں: تلخيص الشافي (٢/ ٣٢٨) بحواله "الشيعة وأهل البيت، إحسان إلٰهی ظهير (ص: ٥٢) نیز ملاحظہ ہو: تثبيت دلائل النبوة لعبد الجبار الهمداني (١/ ٦٣)

ائمہ دین نے اس فرقے (شیعہ) کے لیے ''رافضہ'' نام کو ترجیح دی ہے۔[1]

بنا بریں جو لوگ اہلِ بیت کے حقیقی پیروکار تھے اور انھیں شیعہ کہا جاتا تھا، جب انھوں نے دیکھا کہ اب یہ لفظ (شیعہ) عموماً اہلِ بیت کے مخالف بدعتی لوگوں کا لقب بن گیا ہے تو انھوں نے مجبوراً اپنے لیے یہ لفظ کہلوانا ترک کر دیا، جیسا کہ ''تحفۂ اثنا عشریہ'' کے مولف نے کہا ہے:

''جب شیعہ نام روافض اور اسماعیلیہ کا لقب مشہور ہوگیا تو اولین شیعہ نے اپنے لیے اس لفظ کا استعمال چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو اہل السنہ والجماعہ کہنے لگے۔''[2]

## قرآن مجید میں لفظِ شیعہ کا ذکر اور اس کا معنی:

قرآن مجید میں مادۂ ''شیع'' کا بارہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ امام ابن جوزی[3] رحمہ اللہ نے قرآن مجید میں اس لفظ کے مختلف معانی ان کے معانی کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اہلِ تفسیر نے کہا ہے کہ مادہ ''شیع'' قرآن مجید میں چار معانی میں استعمال ہوا ہے:

1. فرقے اور گروہ۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ﴾ [الأنعام: ١٥٩]

''بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ [الحجر: ١٠]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں رسول بھیجے۔''

نیز فرمایا:

---

[1] مثلاً دیکھیں: الملطي: التنبيه والرد (ص: ١٨) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٢١) الإسفرائيني: التبصير في الدين (ص: ١٦) السكسكي: البرهان (ص: ٣٦) نیز دیکھیں: الفرماني: رسالة في بيان مذاهب بعض الفرق الضالة (الورقة: ٢ أ، مخطوط) أبو الحسن العراقي: ذكر الفرق الضوال (الورقة: ١٢ أ، مخطوط)

[2] تحفة الاثنى عشرية (ص: ٢٥، ٢٦، مخطوط) وتحفہ اثنا عشریہ اردو (ص: ٢٠) طبع میر محمد کراچی.

[3] أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد بن علي التيمي البغدادي المعروف بابن الجوزي (المتوفی ٥٩٧ھ) ان کی تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ میں متعدد تصانیف ہیں، مثلاً: جامع المسانید، المنتظم وغیرہ۔ ان کے متعلق تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ابن العماد: شذرات الذهب (٤/ ٣٢٩) اليافعي: مرآة الجنان (٣/ ٤٨٩۔ ٤٩٢) معجم المؤلفين (٥/ ١٥٧)

﴿ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا ﴾ [القصص:٤] [1] ''اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہ بنا دیا۔''

نیز فرمایا:

﴿ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾ [الروم: ٣٢]

''ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ ہو گئے، ہر گروہ اسی پر جو ان کے پاس ہے، خوش ہیں۔''

۲ اہل اور نسب۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ﴾ [القصص: ١٥] [2]

''یہ اس کی قوم سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں میں سے ہے۔''

یعنی یہ بنی اسرائیل کی طرف نسبت کے لحاظ سے اس کے اہل میں سے ہے۔

۳ اہلِ ملت۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ ﴾ [مريم: ٦٩]

''پھر بے شک ہم ہر گروہ میں سے اس شخص کو ضرور کھینچ نکالیں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ ﴾ [القمر: ٥١]

''اور بلاشبہہ یقیناً ہم نے تمھارے جیسی کئی جماعتوں کو ہلاک کر ڈالا۔''

نیز فرمایا:

﴿ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ ﴾ [سبأ: ٥٤]

''جیسا کہ ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا۔''

---

[1] امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت ﴿وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا﴾ میں ''شِيَعٌ'' سے مراد فرقے ہے۔ (تفسير الطبري: ٢٠/ ٢٧) نیز دیکھیں: أبو عبيد: مجاز القرآن (١/ ١٩٤)

[2] امام ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت ﴿هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ سے مراد ہے کہ یہ شخص اس کے اصحاب بنی اسرائیل کا فرد ہے۔ (تفسير غريب القرآن، ص: ٣٢٩) نیز دیکھیں: أبو حيان: تحفة الأريب بما في القرآن من الغريب (ص: ١٥٣)

نیز فرمایا:

﴿وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَاِبْرٰهِيْمَ﴾ [الصافات: ٨٣]

''اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے۔''

④ اختلاف آمیز خواہشات۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ [الأنعام: ٦٥]

''یا تمھیں مختلف گروہ بنا کر گتھم گتھا کر دے۔''[1]

امام ابن قیم[2] رحمہ اللہ اس سلسلے میں ایک اہم عبارت میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظِ ''شیعہ'' اور ''اَشیاع'' اکثر مقامات پر مذمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ شاید یہ لفظ قرآن کریم میں صرف اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ [مریم: ٦٩]

''پھر بے شک ہم ہر گروہ میں سے اس شخص کو ضرور کھینچ نکالیں گے، جو ان میں سے رحمان کے خلاف زیادہ سرکش ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا﴾ [الأنعام: ١٥٩]

''بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ [السبأ: ٥٤]

---

[1] ابن الجوزي: نزهة الأعين النواظر (ص: ٣٧٦۔ ٣٧٧) امام دامغانی نے لفظِ شیعہ کا ایک پانچواں معنی اشاعت کرنا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے لیے مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [النور: ١٩] امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے لفظِ شیعہ کے معانی میں دوسرا معنی ''اہل اور نسب'' ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں اس آیت: ﴿هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ﴾ سے استدلال کیا ہے، جبکہ امام دامغانی نے اسی آیت میں وارد لفظ ﴿مِنْ شِيْعَتِهٖ﴾ کا معنی لشکر کیا ہے، یعنی یہ شخص اس کے لشکر کا فرد ہے۔ دیگر معانی بیان کرنے میں دونوں ائمہ کا اتفاق ہے۔ دیکھیں: الدامغاني: قاموس القرآن (ص: ٢٧١) تحقيق عبد العزيز الأهل.

[2] محمد بن أبي بكر بن أيوب الزرعي الدمشقي المعروف بابن قيم الجوزية (المتوفى ٧٥١ھ) ان کی مختلف موضوعات پر متعدد تصانیف ہیں، جیسے ''إعلام الموقعين'' اور ''زاد المعاد'' وغیرہ۔ دیکھیں: ابن كثير: البداية والنهاية (١٤/ ٢٣٤) ابن حجر: الدرر الكامنة (٣/ ٤٠٠)

''اور ان کے اور ان چیزوں کے درمیان جن کی وہ خواہش کرتے ہیں، رکاوٹ ڈال دی گئی، جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ لفظِ شیعہ کے اس استعمال کی علت وسبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیوں کہ۔ واللہ اعلم۔ لفظِ شیعہ میں تفرق اور انتشار کا معنی پایا جاتا ہے جو اتحاد اور اجتماع کی ضد ہے، اسی لیے لفظ ''شِیَعٌ'' کا اطلاق صرف گمراہ فرقوں پر ہوتا ہے، کیونکہ وہ اختلاف وافتراق کا شکار ہوتے ہیں۔''[1]

## خلاصہ کلام:

ہم نے مندرجہ بالا سطور میں قرآن مجید میں لفظِ شیعہ کے مختلف معانی اور مدلولات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، جنھیں دیکھنے سے یہ بات بداہتاً معلوم ہوجاتی ہے کہ موجودہ شیعی نقطہ نظر قطعاً ان معانی اور مفاہیم کے ساتھ میل نہیں کھاتا، لیکن تعجب انگیز امر یہ ہے کہ آج شیعہ لوگ مختلف حیلوں اور تاویلات کے ذریعے اپنے فرقے کو ان الفاظ کا مصداق قرار دینے کی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں، اور اس طرح وہ قرآنی الفاظ کی تحریف اور ان میں الحاد کرتے ہوئے ان کی غلط تاویل اور ان میں خودساختہ معانی پیدا کرنے کی غیر محمود روش کا ارتکاب کرتے ہیں۔

شیعہ کی کتبِ احادیث میں اس آیتِ کریمہ ﴿ وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴾ [الصافات: ٨٣] کا مطلب یوں مرقوم ہے:

''أي إن إبراهيم من شيعة علي''[2]

یعنی ابراہیم (علیہ السلام) علی (رضی اللہ عنہ) کے شیعہ (گروہ) میں سے ہیں (والعیاذ باللہ)۔

حالاں کہ یہ معنی قرآنی سیاق اور اصولِ دین کے قطعاً مخالف اور ایسے غالی روافض کے عقیدے سے پھوٹا ہے، جو ائمہ[3] کو انبیاے کرام علیہم السلام پر فوقیت اور فضیلت دیتے ہیں۔ اس تاویل بلکہ تحریف کی رو سے تو ابراہیم، جو

---

[1] بدائع الفوائد (١/ ١٥٥) یعنی بالعموم اس لیے کہ قرآن میں یہ بھی وارد ہے، جیسے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴾ [الصافات: ٨٣] ''اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے۔''

[2] دیکھیں: البحراني: تفسير البرهان (٤/ ٢٠) نیز دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٣٢٣) المجلسي: بحار الأنوار (٦٨/ ١٢۔ ١٣) عباس القمي: سفينة البحار (١/ ٧٣٢) البحراني: المعالم الزلفى (ص: ٣٠٤) الطريحي: مجمع البحرين (٢/ ٣٥٦) ان لوگوں نے کذب وافترا کرتے ہوئے یہ تفسیر جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی ہے، لیکن ان کا علم و ورع اور عقیدہ اس سے انکار کرتا ہے۔

[3] دیکھیں: البغدادي: أصول الدين (ص: ٢٩٨) قاضي عياض: الشفاء (ص: ٢٩٠) ابن تيمية: منهاج السنة (١/ ١٧٧)

خلیل الرحمٰن اور نبی کریم ﷺ کے بعد تمام انبیا سے افضل ہیں، شیعانِ علی میں سے اور ان کے پیروکار بن جاتے ہیں۔ یہ امر عقل ونقل اور تاریخ بلکہ ہر لحاظ سے بدیہی البطلان ہے۔ یہ جھوٹ ایسے شخص نے گھڑا ہے، جس کو جھوٹ گھڑنا بھی نہیں آتا۔

علمائے سلف اور اہلِ سنت کے نزدیک اس آیت ﴿ وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴾ [الصافات: ٨٣] کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ سے اور ان کے منہج وطریقہ کار پر عمل پیرا تھے۔[1] اس آیتِ کریمہ کے سیاق وسباق کی رو سے بھی یہی تفسیر درست معلوم ہوتی ہے،[2] کیوں کہ اس آیت سے ماقبل کی آیات حضرت نوح علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں اور یہ امر توجہ طلب ہے کہ کئی شیعہ مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں علمائے اہلِ سنت کے قول ہی کو ترجیح دی ہے اور اپنے ہم مذہب علما کی رائے کو نظر انداز کر دیا ہے۔[3]

## حدیث میں لفظِ شیعہ کا ورود اور اس کا معنی:

سنت مطہرہ میں لفظِ شیعہ ''اَتباع'' (پیروکار) کے معنی میں وارد ہوا ہے، جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو کہا: ''لَمۡ أَرَكَ عَدَلۡتَ'' کہ میری رائے میں آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا تو اس کے جواب میں نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَيَكُوۡنُ لَهُ شِيۡعَةٌ يَتَعَمَّقُوۡنَ فِيۡ الدِّيۡنِ حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهُ»[4] (رواه أحمد)

''عن قریب اس کے ایسے پیروکار ہوں گے، جو دین میں بڑا تشدد کریں گے، حتی کہ ایک وقت

---

[1] دیکھیں: تفسير الطبري (٢٣/ ٦٩) تفسير ابن كثير (٤/ ١٣) تفسير القرطبي (١٥/ ٩١) ابن الجوزي: زاد المسير (٧/ ٦٧)

[2] یہاں ایک ضعیف قول بھی منقول ہے، جو فراء کی طرف منسوب ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے گروہ اور متبعین میں سے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس قول کی کمزوری اور سیاقِ آیت سے مخالفت مخفی نہیں ہے۔ (فتح القدير: ٤/ ٤٠١) علامہ آلوسی رقم طراز ہیں: فراء کا قول ہے کہ اس لفظ ﴿شِيۡعَتِهٖ﴾ میں ضمیر کا مرجع ومصداق جناب محمد ﷺ ہیں، لیکن راجح بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے کہ یہ ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہی بات ائمہ تفسیر: ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سدی سے منقول ہے، اور اس لیے بھی کہ کسی متقدم کے حق میں یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے سے متاخر کا شیعہ (پیروکار) ہے۔ (روح المعاني: ٢٣/ ٩٩۔ ١٠٠)

[3] دیکھیں: الطبرسي: مجمع البيان (٥/ ٦٧)

[4] مسند أحمد (١٢/ ٣۔ ٥) امام عبداللہ بن امام احمد فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے اس معنی میں متعدد طرق ہیں، جو سارے صحیح ہیں۔'' علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (مصدر سابق) نیز اسے امام ابن ابی عاصم نے ''السنة'' (٢/ ٤٥٤) میں روایت کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند جید ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

آئے گا وہ دین سے باہر نکل جائیں گے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث نبوی میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کے بارے میں فرمایا ہے:

«وَهُمْ شِيعَةُ الدَّجَّالِ»[1] یعنی وہ دجال کے پیروکار ہوں گے۔

پس لفظِ شیعہ یہاں اَصحاب، اَتباع اور اَنصار کے مترادف استعمال ہوا ہے۔ کتبِ حدیث میں تلاش وجستجو کے باوجود مجھے موجودہ فرقہ شیعہ کے لیے بہ طورِ علم اس لفظ کا استعمال نظر نہیں آیا، البتہ بعض ضعیف اور موضوع روایات میں یہ لفظ شیعانِ علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں وارد ہوا ہے، مثلاً ایک (من گھڑت) حدیث میں ہے:

«فَاسْتَغْفَرْتُ لِعَلِيٍّ وَشِيعَتِهِ»[2]

''پس میں نے علی اور ان کے متبعین کے لیے دعاے مغفرت کی ہے۔''

نیز ایک حدیث میں ہے:

«مَثَلِي مَثَلُ شَجَرَةٍ، أَنَا أَصْلُهَا، وَعَلِيٌّ فَرْعُهَا... وَالشِّيعَةُ وَرَقُهَا»[3]

یعنی میری مثال ایک درخت کی طرح ہے کہ میں اس کی جڑ ہوں اور علی اس کی شاخ اور شیعہ اس کے پتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«أَنْتَ وَشِيعَتُكَ فِي الْجَنَّةِ»[4] یعنی تم اور تمھارے پیروکار جنتی ہیں۔

علاوہ ازیں بعض موضوع احادیث میں مذکور ہے کہ عن قریب ایک قوم پیدا ہوگی، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شیعہ ہونے کا دعویٰ کرے گی اور انھیں ''رافضہ''[5] کہا جائے گا۔ امام ابن ابی عاصم نے رافضہ سے متعلق چار روایات

[1] سنن أبي داود (٥/ ٦٧) امام منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کی سند میں ''عمر مولیٰ غفرہ'' راوی نا قابل احتجاج ہے، اسی طرح ایک اور انصاری آدمی مجہول ہے۔'' (مختصر سنن أبي داود للمنذري: ٧/ ٦١) نیز اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ (مسند أحمد: ٥/ ٤٠٧) نے بھی روایت کیا ہے۔

[2] امام عقیلی فرماتے ہیں کہ یہ بے اصل روایت ہے اور امام کنانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھیں: تنزيه الشريعة (١/ ٤١٤)

[3] امام ابن جوزی اور امام شوکانی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٩٧) الفوائد المجموعة للشوكاني (ص: ٣٧٩)

[4] یہ روایت بھی موضوع ہے۔ دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٩٧) ميزان الاعتدال للذهبي (١/ ٤٢١، ترجمة جميع بن عمر بن سوار) الفوائد المجموعة للشوكاني (ص: ٣٧٩)

[5] لفظِ ''رافضہ'' کا معنی آیندہ صفحات میں بیان ہوگا۔

ذکر کی ہیں۔[1] جن کی اسانید کے بارے میں علامہ البانی نے فرمایا ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ البتہ امام طبرانی نے حسن سند کے ساتھ، جیسا کہ امام ہیثمی نے کہا ہے، ایک حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اے علی! میری امت میں ایک قوم آئے گی، جو حبِ اہلِ بیت کا مذہب اختیار کریں گے، وہ دوسروں (صحابہ کرام اور سلفِ امت) میں عیب جوئی کریں گے اور ان کا نام ''رافضہ'' ہوگا۔ تم ان سے قتال کرو، کیوں کہ وہ مشرک ہیں۔''[2]

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایسی تمام مرفوع احادیث کو مکذوب قرار دیا ہے، جن میں لفظِ رافضہ کا ذکر ہے، کیوں کہ رافضہ کا نام تو دوسری صدی میں متعارف ہوا ہے۔[3] لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات ان احادیث کو جھوٹا قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ان کی اسانید صحیح ہیں تو ایسی احادیث کا تعلق پیشین گوئی سے ہوگا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو روافض کے ظہور و شیوع سے متعلق آگاہ کر دیا ہوگا، جیسے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو فرقہ خوارج کے پیدا ہونے کی خبر دے دی تھی،[4] اگرچہ فتنہ خوارج کا بیج حیاتِ نبوی ہی میں بویا جا چکا تھا۔[5]

---

[1] مثلاً ایک حدیث میں ہے:
''اے علی! خوش ہو جاؤ، تم اور تمھارے ساتھی جنتی ہیں، لیکن خبردار! ایک قوم کا دعویٰ ہوگا کہ وہ تجھ سے محبت کرتی ہے، حالاں کہ وہ اسلام کے منکر ہوں گے، انھیں ''رافضہ'' کہا جائے گا۔ پس جب تو ان سے ملے تو ان سے جہاد کر، کیوں کہ وہ مشرک ہیں۔''
سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ان کی علامت کیا ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:
''وہ جمعہ اور نماز باجماعت ادا نہیں کریں گے اور سلفِ امت (صحابہ کرام) پر طعن و تشنیع کیا کریں گے۔'' (السنة لابن أبي عاصم: ٢/ ٤٧٥) اس حدیث کو امام شوکانی رحمہ اللہ نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: الفوائد المجموعة (ص: ٣٧٩)

[2] مجمع الزوائد (١٠/ ٢٢) نیز دیکھیں: المعجم الکبیر للطبراني (١٢/ ٢٤٢) رقم الحدیث (١٢٩٩٨) اس حدیث کی سند میں ''حجاج بن تمیم'' ضعیف ہے۔ دیکھیں: تقریب التهذیب (١/ ١٥٢)

[3] منهاج السنة (١/ ٨)

[4] صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں خوارج کے بارے میں دس احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح بخاری میں تین احادیث اور بقیہ صحیح مسلم میں منقول ہیں۔ ان تمام احادیث کو امام ابن القیم نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: تهذیب السنن (٧/ ١٤٨۔ ١٥٣)

[5] جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، ان میں سے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: اے محمد! انصاف کرو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی شخص خوارج کا سربراہ ہوگا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح البخاري مع فتح الباري (١٢/ ٢٩٠) صحیح مسلم مع شرح النووي (٧/ ١٦٥)

## اثنا عشریہ کی کتبِ حدیث میں لفظِ شیعہ کا استعمال اور اس کا معنی:

شیعہ کی کتبِ حدیث میں بہت زیادہ احادیث و روایات میں یہ لفظ بہ تکرار ذکر ہوا ہے اور وہ لوگ ان تمام مرویات کو نبی مکرم ﷺ، سیدنا علی، حسن، حسین اور بقیہ بارہ اماموں[1] کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اس لفظ (شیعہ) کا یہ تکرار ایک اصطلاحی نام کے طور پر ہوتا ہے، جو ان کے مذہب، عقیدے اور ائمہ پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بہ ذاتِ خود شیعہ مذہب کی بنیاد رکھی اور اسے اپنی نگہداشت میں پروان چڑھایا ہے۔[2] بلکہ ان لوگوں کے غلو کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے ایسی روایات وضع کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ شیعہ بہ طور ایک مخصوص مذہب قبل از نبوت بھی مشہور تھا۔ جیسا کہ ان لوگوں کی کتبِ حدیث میں اس آیت ﴿ وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴾ [الصافات: ٨٣] کی تفسیر میں منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور متبعین میں سے ہیں۔[3] (والعیاذ باللہ)

بلکہ ان لوگوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے ولایتِ علی (رضی اللہ عنہ) کا عہد و میثاق لیا ہے[4] اور ولایتِ علی (رضی اللہ عنہ) انبیا کے تمام صحیفوں اور کتابوں میں مرقوم ہے۔[5] ان لوگوں نے اسی طرح کے اور بھی کئی دعوے کیے ہیں، جن سے متعلق تفصیلی کلام شیعہ مذہب کی ایجاد کے متعلق باب میں آ رہا ہے۔

## اسلامی تاریخ کی روشنی میں لفظِ شیعہ کا جائزہ:

عہدِ اسلام کے اولین دور میں رونما ہونے والے تاریخی حوادث میں لفظِ شیعہ صرف اپنے لغوی معنی ''معاونت'' اور ''متابعت'' میں استعمال ہوا ہے، بلکہ واقعہ تحکیم کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو عہد نامہ لکھا گیا تھا، اس میں بھی لفظِ شیعہ فقط اپنے لغوی معنی ہی میں ذکر ہوا ہے، اس وثیقے میں جہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور متبعین کو لفظِ شیعہ سے مخاطب کیا گیا ہے، وہیں بعینہٖ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متبعین پر بھی لفظِ شیعہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور لفظِ شیعہ کے استعمال کو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اَتباع و انصار کے لیے

---

[1] شیعہ مذہب میں قولِ رسول اور بارہ اماموں کے فرامین کا نام ''سنت'' ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[2] شیعہ مذہب کی معروف اور مستند کتاب ''اصولِ کافی'' میں جہاں یہ بات مذکور ہے کہ ائمہ شیعہ کی تعیین و تخصیص (شیعی دعوے کے مطابق) اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ اور ائمہ شیعہ نے کی ہے، وہاں مولفِ کتاب نے اس سلسلے میں تیرہ عناوین کے ضمن میں ایک سو دس احادیث ذکر کی ہیں۔

[3] کتبِ شیعہ سے اس کی تفصیلی تخریج گزر چکی ہے۔ دیکھیں: صفحہ نمبر (٥١) حاشیہ (٢)

[4] دیکھیں: تفسیر البرهان للبحراني (١/ ٢٦)

[5] أصول الكافي (١/ ٤٣٧)

مخصوص نہیں کیا گیا، جیسا کہ تحکیم کے نوشتہ میں مرقوم ہے:

"هٰذا ما تقاضىٰ عليه علي بن أبي طالب، ومعاوية بن أبي سفيان، وشيعتهما... وأن عليا و شيعته رضوا بعبد الله بن قيس، ورضي معاوية وشيعته بعمرو بن العاص، ... فإذا توفي أحد الحكمين، فلشيعته وأنصاره أن يختاروا مكانه... وإن مات أحد الأميرين قبل انقضاء الأجل المحدود في هذه القضية فلشيعته أن يختاروا مكانه رجلا يرضون عدله" [1]

''یہ وہ معاہدہ ہے جو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) اور ان دونوں کے اَتباع و اَنصار کے درمیان طے پایا...علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے پیروکاروں نے عبد اللہ بن قیس (رضی اللہ عنہ) کو اپنا حَکَم پسند کیا اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور ان کے متبعین عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کو اپنا حَکَم بنا کر راضی ہیں ...اگر دونوں منصفین میں سے کوئی ایک فوت ہوگیا تو اس کے شیعہ اور اَنصار کو اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو منتخب کرنے کا اختیار ہوگا...اور اگر اس فیصلے کی معینہ مدت پوری ہونے سے قبل ہی دونوں امرا (علی و معاویہ رضی اللہ عنہما) میں سے کوئی ایک وفات پا گیا تو ہر ایک کے شیعہ و انصار کو اس کی جگہ کوئی ایسا شخص منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا، جس کے عدل و انصاف کو وہ پسند کرتے ہوں۔''

صحابیِ رسول حکیم بن افلح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لأني نهيتها -يعني عائشة رضي الله عنها- أن تقول في هاتين الشيعتين شيئاً" [2]

یعنی میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان دونوں گروہوں سے متعلق کوئی بات کرنے سے منع کیا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی تاریخی لحاظ سے اس اثر سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس دور میں شیعہ نام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متبعین اور اعوان و انصار کے لیے مخصوص نہیں تھا۔[3] نیز ایک تاریخی اثر یہ بھی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بسر بن اَرطاۃ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انھیں کہا:

"امض حتى تأتي صنعاء، فإن لنا بها شيعة" [4]

---

[1] الأخبار الطوال للدينوري (ص: ١٩٤ـ ١٩٦) تاريخ الطبري (٥/ ٥٣ـ ٥٤) مجموعة الوثائق السياسية للدكتور محمد حميد الله (ص: ٢٨١ـ ٢٨٢)

[2] صحيح مسلم (٢/ ١٦٨ـ ١٧٠)

[3] منهاج السنة (٢/ ٦٧) تحقيق د. محمد رشاد سالم.

[4] تاريخ اليعقوبي (٢/ ١٩٧)

''جاؤ حتی کہ تم صنعاء پہنچ جاؤ، کیوں کہ وہاں ہمارے شیعہ (اَتباع و انصار) قیام پذیر ہیں۔''

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کے دعوے داروں کا عملی اکٹھ اور اس لفظ کو اپنے لیے بطورِ امتیازی نام اختیار کرنے کا آغاز حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد شروع ہوا۔ معروف شیعہ مورخ مسعودی رقم طراز ہے: ٦٥ھ میں کوفہ میں شیعہ حرکت میں آئے۔[1] پھر توابین کی جماعت قائم ہوئی اور اس کے بعد مختار کی جماعت (کیسانیہ) کھڑی ہوئی اور شیعہ کا گروہ تشکیل پانے لگا، وہ اپنے مذہب کے اصول و قواعد بنانے لگے اور اس نام (شیعہ) کو اپنی شناخت و علامت بنانا شروع کر دیا۔

یہاں سے یہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت شیعہ نام ہر اس گروہ کے لیے استعمال ہوتا تھا، جو کسی شخص کو اپنا قائد اور سردار بنا کر اس کے اردگرد جمع ہو جاتا تھا، لیکن بعض شیعہ لوگ ان تاریخی حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس امت میں سب سے پہلے انھیں کا نام شیعہ تھا۔[2] لیکن یہ لوگ یہ بات دانستہ فراموش کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اَتباع و انصار پر لفظِ شیعہ کا اطلاق کیا ہے، البتہ تاریخی واقعات کی رو سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعہ لقب ان کے متبعین کے حق میں مخصوص ہوا،[3] جبکہ بعض دیگر علما کی رائے میں یہ نام شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے اَتباع کے لیے معروف ہوا ہے۔[4]

---

[1] مروج الذهب (٣/ ١٠٠)

[2] القمي: المقالات والفرق (ص: ١٥) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ١٨)

[3] محمد أبو زهرة: الميراث عند الجعفرية (ص: ٢٢)

[4] علي سامي النشار (٢/ ٣٥)

# شیعہ کی اصطلاحی تعریف

## ا۔ امامیہ اثنا عشریہ کی کتب میں شیعہ کی تعریف:

معروف شیعہ عالم قمی[1] (المتوفی ۳۰۱ھ) شیعہ کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

''وہ لوگ جو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے اَتباع اور ماننے والے ہیں۔''[2]

نیز لکھتا ہے:

''شیعہ سے مراد علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کی جماعت ہے، جنھیں عہدِ نبوی اور اس کے بعد کے زمانے میں شیعانِ علی کہا جاتا تھا اور بعد میں یہ لوگ علی (رضی اللہ عنہ) سے اپنے مخصوص تعلق اور ان کی امامت کے عقیدے سے معروف ہوئے۔''[3]

ایک اور معروف شیعی عالم نوبختی[4] نے بھی بعینہٖ انھی الفاظ میں شیعہ کی تعریف کی ہے۔[5]

## اس تعریف کا جائزہ:

یہ ہے شیعہ کی تعریف جو اس فرقے کی اہم ترین اور فرق و جماعات کے متعلق قدیم و معتبر کتب میں مرقوم ہے، لیکن یہ تعریف فرقہ اثنا عشریہ کے کسی بنیادی اصول اور ان کے امتیازی عقائد و نظریات کی طرف ادنا

---

[1] سعد بن عبد اللہ القمی شیعہ کا معروف و معتبر اور جلیل القدر عالم ہے۔ یہ وسعتِ معلومات اور کثرتِ تصانیف میں ممتاز شیعہ ثقہ امام و مرجع ہے۔ اس کی تصانیف میں "الضیاء في الإمامة" اور "مقالات الإمامیة" ہیں۔ اس کی وفات سے متعلق دو روایات ہیں۔ ایک قول کے مطابق ۳۰۱ھ میں اس کی وفات ہوئی اور بعض شیعہ علما کے مطابق ۲۹۹ھ اس کا سالِ وفات ہے۔ دیکھیں: الطوسي: الفهرسة (ص: ١٠٥) الأردبیلي: جامع الرواة (١/ ٣٥٥)

[2] المقالات والفرق (ص: ٣)

[3] المصدر السابق (ص: ١٥)

[4] الحسن بن موسىٰ النوبختي، أبو محمد، متکلم اور فلسفی تھا۔ شیعی امام طوسی کہتا ہے: "کان إمامیا حسن الاعتقاد" اس کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں سے ایک "الآراء والدیانات" ہے۔ یہ ۳۰۰ھ کے بعد فوت ہوا تھا۔ دیکھیں: الطوسي: الفهرسة (ص: ٧٥) الأردبیلي: جامع الرواة (١/ ٢٨١) ابن الندیم: الفهرست (ص: ١٧٧) القمي: الکنی والألقاب (١/ ١٤٨) مجمع المؤلفین (٣/ ٢٩٨) سیر أعلام النبلاء للذهبي (١٥/ ٣٢٧)

[5] فرق الشیعة (ص: ٢، ١٧)

اشارہ بھی نہیں کرتی، جیسے شیعہ کے ہاں علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے حق میں ولایت و امامت کی وصیت کے منصوص ہونے کا عقیدہ ہے (اس تعریف کے آخر میں امامتِ علی رضی اللہ عنہ کا ذکر تو موجود ہے، لیکن اس سے متعلق کسی نص یا باقی ائمہ شیعہ کی ولایت و امامت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے)۔

شیعہ مذہب کی یہ تعریف جو بعد میں پیدا ہونے والے شیعہ اصول و عقائد سے خالی ہے، درحقیقت یہی اصل شیعانِ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے حقیقی متبعین کی معتبر تعریف ہے، جو شیعیت کا دعویٰ کرنے والوں کو دائرۂ تشیع سے نکال باہر کرتی ہے، جنھوں نے اپنے مذہب میں ایسے عقائد ونظریات ایجاد کر لیے تھے، جن کے ائمہ اہلِ بیت قطعاً قائل نہیں تھے، لیکن فرقہ اثنا عشریہ کے معیار کے مطابق یہ شیعہ مذہب کی صحیح تعریف نہیں، حالاں کہ قمی اور نوبختی فرقہ شیعہ اثنا عشریہ ہی کے افراد (بلکہ ان کے معروف اور ممتاز علما میں سے) تھے۔ علاوہ ازیں اس تعریف میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ شیعانِ علی (رضی اللہ عنہ) عہدِ نبوی میں بھی موجود تھے۔[1] لیکن کتاب و سنت اور صحیح و معتبر تاریخی حقائق و واقعات سے اس کی قطعاً کوئی تائید نہیں ہوتی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: ١٩]

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل دین اسلام ہے، نہ کہ تشیع وغیرہ، اور عہدِ نبوی میں صحابہ کرام صرف ایک جماعت اور ایک گروہ تھے، جن کا تشیع اور اتباع صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص و ممیّز تھا۔ رضي الله عنهم أجمعين.

## دوسری تعریف:

معروف شیعہ عالم مفید[2] لکھتا ہے:

---

[1] بلکہ ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں: ① مقداد بن اسود، ② سلمان فارسی، ③ ابو ذر جندب بن جنادہ، ④ عمار بن یاسر اور دوسرے وہ صحابہ جن کی محبت علی (رضی اللہ عنہ) کی محبت کے تابع تھی۔ ان لوگوں کو (شیعہ کے ہاں) یہ اس امت کے اولین افراد ہیں، جنھیں شیعہ نام سے ملقب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دیکھیں: المقالات والفرق (ص: ١٥) فرق الشیعة (ص: ٩١٨)

[2] محمد بن محمد بن النعمان العكبرى الملقب بالمفيد. شیعہ کے نزدیک اسے مہدی منتظر سے خط کتابت کا شرف حاصل ہے۔ یہ تقریباً دوسو کتابوں کا مصنف ہے۔ حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''ائمہ ضلال سے تھا، جس کے سبب بڑی مخلوق گمراہی کا شکار ہوئی، تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر کے مسلمانوں کو اس سے محفوظ فرمایا۔ اس کی وفات ۴۱۳ھ کو ہوئی۔'' دیکھیں: الطوسي: الفهرست (ص: ١٩٠) ابن النديم: الفهرست (ص: ١٩٧) القمي: الكنى والألقاب (٣/ ١٦٤) البحراني: لؤلؤة البحرين (ص: ٣٥٦) نیز دیکھیں: تاريخ بغداد للخطيب (٣/ ٢٣١) المنتظم لابن الجوزي (٨/ ١١)

’’لفظِ شیعہ کا اطلاق امیر المومنین ۔صلوات اللہ علیہ۔ کے ان متبعین پر ہوتا ہے، جو ان سے محبت و ولاء کا تعلق اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ۔صلوات اللہ علیہ وآلہ۔ کے خلیفہ بلافصل ہیں اور ان سے پہلے خلافت پر متمکن ہونے والے اشخاص سے امامت اور خلافت کی نفی کرتے ہیں اور وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) ان سب (صحابہ کرام) کے مقتدا متبوع امام تھے، وہ ان میں سے کسی اور کی اقتدا کی صورت میں اطاعت کرنے والے نہیں تھے۔‘‘

پھر یہ مولف ذکر کرتا ہے کہ اس تعریف میں فرقہ امامیہ اور زیدی فرقہ جارودیہ شامل ہیں، البتہ دیگر زیدی فرقے اس تعریف کی رو سے شیعہ ہیں نہ انھیں یہ شیعی امتیاز اور تشخص حاصل ہے۔[1]

## اس تعریف کا جائزہ:

1. مفید کی اس تعریف میں اولادِ علی (رضی اللہ عنہ) کی امامت پر ایمان رکھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، حالاں کہ ان لوگوں کا نظریہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا، وہ شیعہ کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ اسی طرح اس تعریف میں تشیع کے بعض ایسے اساسی پہلوؤں کی صراحت سے بھی چشم پوشی کی گئی ہے، جن سے فرقہ شیعہ متصف ہے، جیسے مسئلہ وصیت وعصمتِ ائمہ وغیرہ جو فرقہ امامیہ کے اصول وعقائد میں شامل ہیں۔
2. اس تعریف میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مفید نے صراحت کی ہے کہ معتدل زیدی فرقے شیعہ ہیں نہ ان پر یہ وصفِ تشیع صادق آتا ہے، البتہ اس کی نظر میں صرف ایک غالی زیدی فرقہ جارودیہ[2] اس تعریف

[1] دیکھیں: أوائل المقالات (ص: ٣٩)

[2] جارودیہ ایک زیدی فرقہ ہے، جو أبو الجارود زیاد بن المنذر الهمداني الكوفي الأعمى کی طرف منسوب ہے، اس (ابو الجارود) سے متعلق امام ابو حاتم فرماتے ہیں: ’’رافضی تھا، جو اَصحابِ رسول کے عیوب و نقائص میں احادیث بنا کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔‘‘ فرقہ جارودیہ کا نظریہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعیین وتسمیہ کے بغیر خلافتِ علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف اشارے اور بعض اوصاف کے ذریعے وصیت فرمائی تھی، لیکن امت گمراہی کا شکار ہوگئی اور امرِ خلافت کسی دوسرے کو سونپ کر کفر کی مرتکب ہوئی ہے۔

فرقہ جارودیہ اور اس کے بانی سے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٥١، ٢٢٩، ٢٣٠) اس کتاب میں ابو الجارود کی مذمت میں چھے روایات منقول ہیں، جن میں سے بعض مرویات میں اسے کذاب اور کافر تک کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود شیعہ عالم مفید اسے شیعہ گردانتا ہے، کیوں کہ اس کی تعریف کی رو سے تشیع سے مراد یہی غلو آمیز عقیدہ ہے۔

نیز دیکھیں: الطوسي: الفهرست (ص: ١٩٢) الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٣٣٩) القمي: الكنى والألقاب (١/ ٣٠) مزید دیکھیں: ابن حجر: تهذيب التهذيب (٣/ ٣٨٦) القمي: المقالات والفرق (ص: ١٨) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢١) نشوان: الحور العين (ص: ١٥٦) المقريزي: الخطط والآثار (٢/ ٣٥٢) الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٥٩) الملطي: ←

کے مطابق شیعہ کہلانے کا حق دار ہے، اور صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اس نے تو اپنی تعریف میں تمام غالی فرقوں کے لیے تشیع کا دروازہ کھول دیا ہے۔

٣ اسی طرح شیعہ عالم مفید کا تعریف میں یہ کہنا:

''وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) حقیقت میں ان سب (صحابہ کرام) کے متبوع امام تھے اور اقتدا کی صورت میں ان (خلفائے ثلاثہ) میں سے کسی کے تابع نہیں تھے۔''

اس میں شیعہ مذہب کے ایک بنیادی عقیدے ''تقیہ'' کی طرف اشارہ ہے، کیوں کہ شیعہ کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ صرف ظاہری طور پر خلفائے ثلاثہ کے اطاعت گزار تھے، جبکہ باطن میں وہ ان کے متبوع امام تھے۔ لہٰذا شیعہ عالم مفید اور شیعہ کی نظر میں خلفائے ثلاثہ کے حق میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت و اطاعت حقیقتاً اقتدا کی خاطر نہ تھی، بلکہ وہ تقیہ کے طور پر دلی اعتقاد کے بغیر محض ظاہری طور پر ان کی موافقت تھی۔

٤ مذکورہ بالا تعریف میں مفید کا یہ کہنا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ علی بلافصل کا اعتقاد رکھنا'' تو اس کی بنیاد خلفائے ثلاثہ کی صحتِ خلافت سے شیعہ کا انکار ہے۔ اسی شیعہ عالم مفید نے اس بات کو اپنی ایک دوسری کتاب[1] میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

''امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تیس سال خلیفہ اور امام تھے، اس مدت کے دوران میں چوبیس سال اور چھے مہینے تو اقتدار اور تصرف پر بہ ظاہر قادر نہیں تھے اور اس دوران میں تقیہ اور مصلحت سے کام لیتے رہے، پھر وہ پانچ سال اور چھے مہینے منافقین، جن میں ناکثین، قاسطین، اور مارقین شامل تھے،[2] سے مصروفِ جہاد رہے، نیز کئی گمراہ لوگوں کے فتنوں سے دوچار اور

---

← التنبيه والرد (ص: ٢٣) أحمد بن مرتضىٰ: المنية والأمل (ص: ٢٠، ٩٠) محصل أفكار المتقدمين والمتأخرين (ص: ٢٤٧) مقالات الإسلاميين (١/ ١٤٠)

[1] اس سے مراد مفید کی کتاب "الإرشاد"، ہے، جو فرقہ اثنا عشریہ کے قابل اعتماد مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ لکھا ہے: ''اس پر امامیہ کے متقدمین اور متاخرین تمام علما نے اعتماد کیا ہے۔ یہ کتاب ان کے نزدیک اپنے موضوع کا اہم ترین اور معتبر مصدر ہے، جسے ان کے نزدیک بڑی اہمیت اور اعتماد حاصل ہے۔'' دیکھیں: مقدمة الإرشاد (ص: ٧) نیز شیعہ امامیہ کے ہاں اس کتاب کی قدر و منزلت جاننے کے لیے دیکھیں: بحار الأنوار (١/ ٢٧)

[2] شیعہ عالم قمی کی "معاني الأخبار"، میں لکھا ہے:
ناکثین: سے مراد وہ لوگ ہیں، جنھوں نے مدینے میں علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی اور بصرہ جا کر اسے توڑ دیا۔ قاسطین: سے مراد معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور ان کے شامی اصحاب ہیں۔ مارقین: سے مراد خوارج ہیں۔ (معاني الأخبار، ص: ٢٠٤)

ان کے فساد سے نبرد آزما رہے، جیسے رسول اللہ ﷺ اپنی نبوت کے تیرہ سال[1] تک تصرف و اقتدار سے محروم اور ڈرے ہوئے قیدی کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ کر بے چارگی کی زندگی بسر کرتے رہے اور اس دوران میں کفار کے خلاف جہاد اور مسلمانوں کا دفاع کرنے پر قادر نہیں تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ہجرت کی اور مدینے میں اقامت کے دوران میں مشرکین کے خلاف جہاد میں مشغول اور منافقین کی سازشوں میں مبتلا رہے، حتی کہ وفات پا گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمتوں والی جنات میں جا ٹھہرایا۔''[2]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مفید کی نظر میں صرف وہ شخص شیعہ کہلانے کا حق دار ہے، جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت وفاتِ رسول ﷺ سے لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات تک قائم تھی[3] اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت و امارت درست نہیں۔ اس تعریف کی رو سے تو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صرف تین صحابہ پر شیعیت کا اطلاق درست قرار پاتا ہے، جبکہ دیگر صحابہ شیعہ کی نظر میں (معاذ اللہ) کفار اور ان مشرکین کی مانند ہیں، جو عہدِ رسالت میں موجود تھے، نیز ان کی حکومت ایک کفریہ حکومت ہے، جس کے دوران میں علی رضی اللہ عنہ تقیہ اور نفاق کے پردے میں چھپ کر زندگی بسر کرتے رہے۔[4]

بتایئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ، اصحابِ رسول ﷺ اور خود اسلام کی اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے؟!

## شیعہ مذہب کی تیسری تعریف:

مفید اگرچہ شیعہ کی تعریف میں مسئلہ وصیتِ خلافت کی صراحت نہیں کرتا، لیکن ایک دوسرا شیعہ عالم طوسی[5]

---

[1] یہاں اصل شیعہ کتاب میں ''ثلاث عشر سنة'' کے الفاظ ہیں، جو ازروے لغت غلط ہیں، کیوں کہ عربی قواعد کے مطابق صحیح جملہ اس طرح ''ثلاث عشرة سنة'' ہے۔

[2] الإرشاد (ص: ۱۲)

[3] شیعہ عالم عبداللہ شبر مذہب شیعہ کی تعریف میں اس بات کی تاکید کرتے ہوئے کہتا ہے: ''جان لو! لفظِ شیعہ کا اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا ہے، جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے خلیفہ بلافصل ہونے کا معتقد ہے۔'' (حق الیقین: ۱/ ۱۹۵)

[4] اس سلسلے میں مزید شواہد و دلائل کا تذکرہ آگے ''بارہ اماموں کی امارت و امامت کے منکر کا حکم'' کے ضمن میں آ رہا ہے۔

[5] ابو جعفر محمد بن الحسین بن علی الطّوسی۔ شیعہ امامیہ کے ہاں بہت بڑا عالم اور رؤسا میں شمار ہوتا ہے، جو شیعہ کی چار معتبر کتابوں، جیسے اہلِ سنت کے نزدیک کتب ستہ معتبر ہیں، میں سے دو کتابوں ''تهذيب الأحكام'' اور ''الاستبصار'' کا مولف ہے۔ ←

شیعیت کی تعریف میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری قرار دیتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور وصیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔ معلوم ہوا طوسی وصیتِ خلافت کو شیعی مذہب کی بنیاد قرار دیتا ہے، اسی لیے وہ ایک زیدی فرقے ''سلیمانیہ''[1] کو شیعہ تسلیم نہیں کرتا، کیوں کہ وہ خلافتِ علی کے لیے وصیت نبوی کے قائل نہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ امامت ایک شورائی امر ہے، جو دو نیک مسلمان مردوں کے قائم کرنے سے بھی درست ہوتی ہے اور یہ کبھی افضل کی موجودگی میں مفضول کے لیے بھی درست ہوتی ہے۔ یہ لوگ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔[2]

بنا بریں یہ لوگ نہ صرف اس فرقے کو دائرۂ شیعیت سے خارج سمجھتے ہیں، بلکہ وہ انھیں ناصبی قرار دیتے ہیں۔[3] اسی پر بس نہیں بلکہ ''رجال الكشي'' میں یہاں تک لکھا ہے کہ فرقہ زیدیہ نواصب سے بھی بدتر ہے۔[4] فرقہ اثنا عشریہ کے ہاں دیگر زیدی فرقوں کا بھی یہی حکم ہے، جو فرقہ سلیمانیہ کی رائے کے حامل ہیں، جیسے فرقہ صالحیہ اور بتریہ وغیرہ۔[5]

---

← یہ ۳۸۹ھ میں پیدا ہوا اور ۴۶۰ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ دیکھیں: الفهرست (ص: ۱۸۸۔ ۱۹۰) البحراني: لؤلؤة البحرين (ص: ۲۹۳۔ ۳۰٤) القمي: الكنى والألقاب (۲/ ۳۵۷) نیز دیکھیں: لسان الميزان لابن حجر (۵/ ۱۳۵)

(1) سلیمانیہ ایک زیدی فرقہ ہے، جو سلیمان بن جریر الزیدی کی طرف منسوب ہے۔ اکثر مولفینِ فرق اسے سلیمانیہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ دیکھیں: مقالات الإسلاميين (۱/ ۱٤۳) اعتقادات فرق المسلمين (ص: ۷۸) الملل والنحل (۱/ ۱۵۹) التبصير في الدين (ص: ۷۱)

بعض مولفین اسے ''جریریہ'' نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ (الخطط للمقريزي: ۲/ ۳۵۲) نیز ''الفرق بين الفرق'' (ص: ۲۲) اور ''المنية والأمل'' (ص: ۹۰) کے مولفین نے صراحت کی ہے کہ اس فرقے کو ان دونوں ناموں ہی سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(2) الأشعري: مقالات الإسلاميين (۱/ ۱٤۳)

(3) الطوسي: التهذيب (۱/ ۳٦٤) الحر العاملي: الوسائل (٤/ ۲۸۸) ناصبی وہ لوگ ہیں، جن کے عقیدے میں علی رضی اللہ عنہ کی نفرت و عداوت شامل ہوتی ہے۔ (ابن منظور: لسان العرب: ۱/ ۷٦۲) لیکن شیعہ رافضہ نصب کا ایک مختلف مفہوم بیان کرتے ہیں، حتیٰ کہ جو شخص صرف ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہے، وہ بھی شیعہ کے نزدیک ناصبی (دشمن علی رضی اللہ عنہ) ہے۔ (مجموع الفتاویٰ لابن تيمية: ۵/ ۱۱۲) بلکہ جو شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم و مفضل رکھتا ہے، وہ بھی ان کے نزدیک ناصبی ہے۔ دیکھیں: ابن إدريس: السرائر (ص: ٤۷۱) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٦/ ۳٤۱۔ ۲٤۲)

(4) رجال الكشي (ص: ٤۵۹)

(5) ''صالحیہ'' سے الحسن بن صالح بن حی کے اصحاب و اتباع مراد ہیں اور ''بتریہ'' سے مراد کثیر النوی الابتر کے متبعین ہیں۔ امامت سے متعلق ان دونوں فرقوں اور سلیمانیہ کی رائے ایک جیسی ہے، اسی لیے علامہ شہرستانی نے انھیں ایک ہی فرقہ شمار کیا ہے، کیوں کہ دونوں ایک ہی عقیدے کے پیروکار ہیں۔ اشعری نے بھی انھیں ''بتریہ'' کے ایک ہی نام سے ذکر کیا اور کہا ہے کہ یہ لوگ مردوں کے دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آنے کے منکر ہیں اور علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت کا خلیفہ و امام تسلیم کرتے ہیں، جب لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی۔ (الأشعري: مقالات الإسلاميين: ۱/ ۱٤٤، الشهرستاني: الملل والنحل: ۱/ ۱٦۱)

بعض شیعہ معاصر علما بھی طوسی والا موقف رکھتے ہیں، چناں چہ وہ صرف اسی کو شیعیت سے متصف گردانتے ہیں، جو خلافتِ علی (رضی اللہ عنہ) سے متعلق وصیت نبوی کا قائل ہے۔ یہ شیعہ مولف لکھتا ہے:

''جو شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) ہی تصریحِ نبوی کے مطابق خلیفہ تھے، صرف اسی پر شیعہ نام کا اطلاق ہوتا ہے۔''[1]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک مسئلہ وصیتِ خلافت جدید و قدیم ہر دور میں بڑی توجہ کا حامل رہا ہے۔ مثلاً متقدمین شیعہ علما میں سے کلینی نے اپنی کتاب ''الكافي'' میں مسئلۂ نص سے متعلق تیرہ ابواب قائم کیے ہیں، جن کے ضمن میں اس نے ایک سو نو احادیث ذکر کی ہیں۔[2] اسی طرح عہدِ حاضر میں ایک رافضی نے خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں اثباتِ وصیت سے متعلق جن روایات سے استدلال کیا ہے، ان میں سے ایک روایت ''غدیر''[3] کے بارے میں اس نے سولہ جلدوں میں ایک کتاب ''الغدير'' کے نام سے تالیف کی ہے۔[4]

شیعہ کا وصفِ تشیع کو مسئلہ وصیت سے مربوط کرنے میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ایسا ہی اہتمام اور مبالغہ شیعہ کے دیگر ان عقائد میں بھی موجود ہے، جو عام مسلمانوں کے نزدیک تعجب خیز اور جھوٹے عقائد و نظریات ہیں، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ اپنے ہر ایسے غلو آمیز عقیدے کو شیعہ مذہب کی اساس قرار دیتے ہیں اور اس کے اثبات میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، لیکن جب یہی شیعہ علما شیعیت کی تعریف بیان کرتے ہیں، تو اپنے انھی اساسی عقائد کا تعریف میں ذکر تک نہیں کرتے، حالاں کہ ان کے نزدیک شیعیت سے متصف ہونے کے لیے ان عقائد پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اس کے بغیر شیعہ بننا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر ایک مسئلہ رجعت ہے، جس کے بارے میں انھوں نے اپنی احادیث میں کہا ہے:

''جو شخص ہمارے عقیدۂ رجعت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ ہم سے نہیں ہے۔''[5]

لیکن اتنی اہمیت کے باوجود شیعہ مذہب کی تعریف میں ہم اس عقیدے کا ذکر تک نہیں دیکھتے۔ اسی طرح

---

[1] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١٥)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٨٦۔ ٣٢٨)

[3] اس حدیث کی تحقیق و تجزیہ مسئلہ امامت سے متعلق شیعی دلائل کے ضمن میں آگے آرہا ہے۔

[4] یہ کتاب ''الغدير'' معاصر شیعہ عالم عبد الحسين الأميني النجفی کی تحریر کردہ ہے، جو اکاذیب، ہلاکت خیز عقائد اور کفر صریح سے بھری ہوئی ہے۔ دیکھیں: مسألة التقريب بين السنة والشيعة للمؤلف (ص: ٦٦ وما بعدها)

[5] ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٣/ ٢٩١) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٧/ ٤٣٨) تفسير الصافي (١/ ٣٤٧) المجلسي: بحار الأنوار (٥٣/ ٩٢)

مسئلہ عصمت اور اولادِ علی (رضی اللہ عنہ) کی خلافت پر ایمان وغیرہ کا عقیدہ ہے، بلکہ شیعہ کا یہ غلو آپ کو ان کے فقہی مسائل اور فروعی معاملات تک میں نظر آئے گا، جیسے مسئلہ متعہ ہے، اس کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے:

''جو شخص ہمارے متعہ کو حلال نہیں سمجھتا، وہ ہم سے نہیں ہے۔''[1]

معلوم ہوا کہ شیعہ قوم اپنے مذہب کی تعریف کے سلسلے میں کسی معقول اور صحیح منہج پر گامزن نہیں ہے۔

## شیعہ مذہب کی دیگر تعریفات:

علاوہ ازیں شیعہ کی قدیم و جدید کتب میں شیعیت کی دیگر تعریفات بھی منقول ہیں، لیکن ان سب میں ہماری ذکر کردہ تعریفات سے زائد کوئی چیز نہیں ہے۔[2] البتہ بعض تعریفات میں ایک نئی جہت اختیار کی گئی ہے کہ ان میں معروف شیعہ اصول و عقائد کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا، مثلاً ایک شیعہ عالم نجاشی[3] شیعہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

''شیعہ وہ ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے (منقول کسی امر میں) لوگ اختلاف کریں تو وہ علی (رضی اللہ عنہ) کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور جب لوگ علی سے (منقول کسی امر میں) اختلاف کریں تو وہ (شیعہ) جعفر بن محمد کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔''[5]

لیکن جب جعفر بن محمد سے منقول کسی امر میں اختلاف ہو تو وہ کسے اختیار کرتے ہیں؟ مذکورہ بالا تعریف میں ہمیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا، البتہ اس تعریف میں جعفر بن محمد پر توقف کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے منقول کسی امر میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن یہ بات خلافِ حقیقت اور شیعہ کتب کی روشنی میں بھی غلط

---

[1] حواله جات سابقه.

[2] ان تعریفات میں کچھ تو وہ ہیں، جو شیعیت کو اتباعِ علی (رضی اللہ عنہ) اور امامت و خلافت میں ان کو دوسروں پر مقدم ماننے سے مربوط کرتی ہیں۔ دیکھیں: شرح اللمعة (٢/ ٢٢٨) جبکہ بعض تعریفات میں یہ زائد امر بھی مذکور ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) ہی وصیت نبوی اور ارادہ الٰہی کی صراحت کے مستوجب امام و خلیفہ تھے، جیسا کہ فرقہ امامیہ کا نظریہ ہے، جبکہ فرقہ جارودیہ علی رضی اللہ عنہ کو وصیت اور صراحت کے ساتھ تو نہیں، البتہ بایں طور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوصاف بیان کر کے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے لیے اشارات فرما دیے تھے۔ دیکھیں: موسوعة العتبات المقدسة، المدخل (ص: ٢٩١) عن هوية التشيع (ص: ١٢)

[3] أحمد بن علي بن أحمد بن العباس بن محمد النجاشي. اس کی تالیف کردہ "کتاب الرجال" پر علمائے امامیہ بڑا اعتماد کرتے ہیں۔ یہ ٤٥٠ھ میں فوت ہوا۔ دیکھیں: الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٥٤) القمي: الكنى (٣/ ١٩٩)

[4] رجال النجاشي (ص: ٥)

ہے، کیوں کہ بہ ذاتِ خود شیعہ کتب میں بھی جعفر بن محمد سے مروی اقوال و آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے یا پھر یہ روایت جعفر بن محمد کی زندگی میں وضع کی گئی تھی، اس لیے وہ وہیں تک رُک گئے اور نجاشی نے اسے نقل کر دیا ہے؟ معاملہ جو بھی ہے، اس قول میں جعفر سے پہلے اور بعد والے ائمہ شیعہ سے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔

مزید برآں اس تعریف میں اسلامی نظریے سے بغاوت کی گئی ہے، کیوں کہ نجاشی کہتا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ سے منقول کسی امر میں اختلاف کا شکار ہوں تو نقل صحیح کو ترجیح دینے کے معروف قواعدِ ترجیح کو نہیں استعمال کیا جائے گا، بلکہ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول ہی کو اختیار کیا جائے گا اور جب علی رضی اللہ عنہ سے نقل میں اختلاف ہو جائے تو جعفر کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ یہاں توجہ طلب بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول کسی امر میں اختلاف ہوسکتا ہے تو جعفر کی نقل میں کیوں اختلاف پیدا نہیں ہوسکتا؟ کیا جعفر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں سے افضل ہیں؟!

علاوہ ازیں فرقہ اثنا عشریہ کی کتب میں شیعہ مذہب کی دیگر ایسی تعریفات بھی موجود ہیں، جو شیعیت اور شیعہ کو تقویٰ، صلاح اور استقامت کے مترادف قرار دیتی ہیں۔ ابو عبداللہ کہتا ہے:

''ہمارے شیعہ تو صرف وہی ہیں، جو اللہ سے ڈرتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں، اور تواضع، خشوع اور امانت ہی ان کی پہچان ہوتی ہے۔''[1]

مزید کہتا ہے:

''شیعانِ علی (رضی اللہ عنہ) تو صرف وہ ہیں، جن کا پیٹ اور شرم گاہ پاکیزہ ہوتی ہے، وہ عبادت میں بڑی کوشش کرتے ہیں، اپنے خالق ہی کے لیے ہر عمل کرتے ہیں، اسی سے ثواب کی امید رکھتے اور اسی کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ پس جب تو انھیں دیکھے تو یہی لوگ شیعانِ جعفر ہیں۔''[2]

ابو جعفر کہتا ہے:

''تم طرح طرح کے نظریات و عقائد کا شکار نہ بنو۔ اللہ کی قسم! ہمارے شیعہ تو صرف وہی ہیں، جو اللہ عزوجل کی اطاعت کرتے ہیں۔''[3]

---

[1] سفينة البحار (١/ ٧٣٣)

[2] مصدر سابق (١/ ٧٣٢)

[3] أصول الكافي (١/ ٧٣)

شیخ موسیٰ جار اللہ اپنی کتاب ''الوشیعة'' (ص: ٢٣٠) کے آخر میں شیعہ کتب سے ایسی عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ←

## کتبِ اسماعیلیہ کی روشنی میں شیعہ مذہب کی تعریف:

ابو حاتم رازی، جو کبار اسماعیلی مبلغین میں سے ہے،[1] اپنی کتاب "الزینة" میں کہتا ہے:

''شیعہ اس گروہ کا لقب ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں امیر المومنین علی بن ابی طالب ۔صلوات اللہ علیہ۔ کے ساتھ محبت و الفت میں معروف ہوگئے، جیسے سلمان فارسی، ابو ذر غفاری، مقداد بن اسود اور عمار بن یاسر ہیں۔ انھیں شیعانِ علی اور اصحابِ علی کے نام سے پکارا جاتا تھا، پھر یہ ہر اس گروہ کا لقب بن گیا، جو رسول اللہ ﷺ کے بعد[2] آج تک علی (رضی اللہ عنہ) کی دوسروں پر فوقیت کا قائل ہے۔ پھر اس ایک گروہ سے بہت زیادہ فرقے نمودار ہوئے، جو مختلف ناموں اور متعدد القاب سے موسوم ہوئے، جیسے رافضہ، زیدیہ، کیسانیہ وغیرہ لقب ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے مذاہب اور آرا میں اختلاف کے باوجود ایک ہی لقب ''شیعہ'' میں داخل ہیں۔''[3]

اس تعریف میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس مولف نے دعویٰ کیا ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک مخصوص گروہ پر لقبِ شیعہ کا اطلاق ہوتا تھا۔ حالاں کہ یہ امر تاریخی طور پر قطعاً پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ یہ محض شیعہ کا اپنے مذہب کی اساس اور اس کی شرعی حیثیت کے اثبات کی خاطر ایک خانہ ساز دعویٰ ہے۔

ہم آگے چل کر شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کی بحث میں اس مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

---

← ہیں: ''ایسے شیعہ لوگ ہی حقیقت میں علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ اور پیروکار تھے، جو ورع وعبادت میں معروف اور صغیرہ گناہوں اور عداوتِ صحابہ سے نفور اور اوائلِ امت (صحابہ کرام) سے محبت کرتے تھے۔ ایسے ہی شیعہ کا دین تقویٰ تھا، نہ کہ تقیہ!! یہی شیعہ تھے، جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر اس کے پیغمبر، صحابہ رسول اور تمام مومن مردوں اور عورتوں سے محبت کرتے تھے، ان کے برعکس دوسرے شیعہ ہیں، جن کا دین محض تقیہ، نفاق، عداوتِ صحابہ، بعض اہلِ بیت سے دشمنی اور بعض اہلِ بیت کے حق میں غلو کرنا ہے۔ یہ لوگ تو اپنے ہی معتبر ائمہ شیعہ کی شہادت اور بہ ذاتِ خود کتبِ شیعہ کے مطابق شیعہ کہلانے کے حق دار نہیں ہیں، اسی لیے امام زید نے ان کا نام رافضہ رکھا تھا، نہ کہ شیعہ!!

[1] أبو حاتم بن حمدان بن أحمد الرازي. اس کی مولفات میں "أعلام النبوة" اور "الزينة" وغیرہ کتب ہیں۔ اس کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں: لسان الميزان لابن حجر (١/ ١٦٤) نیز دیکھیں: أعلام الإسماعيلية (ص: ٩٧)

[2] اس کے لفظ ''بعد'' سے رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام صحابہ پر علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت مراد ہے، یا ممکن ہے، اس اطلاق میں صحابہ کرام کے علاوہ تمام لوگ حتی کہ سارے انبیا بھی شامل ہوں، بنا بریں لقبِ شیعہ میں غالی رافضہ بھی داخل ہو جائیں، جیسے دیگر لوگ اس لقب میں شامل ہیں۔ ایسے ہی ان الفاظ سے ایک اور معنی بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رازی کی مراد یہ ہو کہ ہر اس گروہ کا لقب شیعہ ہے، جو وفاتِ رسول کے بعد اب تک تمام لوگوں پر علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت کا قائل ہے، اور یہی معنی زیادہ مناسب ہے۔

[3] الزينة (ص: ٦٥٩) ضمن كتاب "الغلو والفرق الغالية"

اسی طرح اس تعریف میں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ابو حاتم رازی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذکورہ بالا اصحابہ کرام کے مخصوص تعلق کی بنیاد الفت و محبت کو قرار دیا ہے اور دیگر شیعہ علما کی طرح یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علی بن ابی طالب کے حق میں خلافت کی تصریح کی بنا پر ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، جیسا کہ عام شیعہ کا خیال ہے۔

# دیگر (غیر شیعہ) مصادر کی روشنی میں شیعہ مذہب کی تعریف

## (1) ابو الحسن اشعری کے نزدیک شیعہ کی تعریف:

کتبِ فرق و مذاہب کے غیر شیعہ مولفین میں غالباً امام ابو الحسن اشعری وہ شخص ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے شیعہ کی تعریف ذکر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''انھیں اس لیے شیعہ کہا گیا ہے، کیونکہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت گزاری اختیار کی اور وہ انھیں دیگر تمام اَصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دیتے ہیں۔''[1]

## اس تعریف کا جائزہ:

اشعری کی یہ تعریف صرف شیعہ کے فرقہ مفضّلہ پر، جو علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فوقیت دیتا ہے، صادق آتی ہے، کیونکہ شیعہ کا اثنا عشریہ فرقہ صرف علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام پر مقدم ماننے کو شیعہ کہلانے کے لیے کافی نہیں سمجھتا، بلکہ اس کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری قرار دیتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صراحتِ نبوی کے مطابق تھی اور وہ وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد ہی منعقد ہوگئی تھی۔ اسی بنا پر طوسی اور مفید نے بعض زیدی فرقوں کو دائرہ تشیع سے نکال دیا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اشعری کی تعریف میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شیعہ مذہب کے تمام یا بیشتر فرقوں کو شامل ہو اور صرف ان لوگوں پر منحصر نہ ہو، جو مسئلہ وصیتِ خلافت کے قائل ہیں، جیسے رافضہ کا خیال ہے۔

## (2) ابن حزم کی تعریف:

شیعہ مذہب کی تمام تعریفات میں (بعض شیعہ علما کی رائے کے مطابق) سب سے زیادہ دقیق تعریف وہ ہے، جو ابن حزم[2] نے ذکر کی ہے۔ ابن حزم فرماتے ہیں:

---

(1) مقالات الإسلاميين (١/ ٦٥)

(2) أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الظاهري. اپنے وقت میں اندلس کے بہت بڑے عالم تھے۔ یہ قرطبہ ←

''جو شخص اس امر میں شیعہ کی موافقت کرتا ہے کہ یقیناً علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں اور ان سب سے زیادہ امامت وخلافت کا حق رکھتے ہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد خلافت کی سب سے زیادہ حق دار ہے تو وہ شیعہ ہے، اگرچہ اس کے علاوہ وہ دیگر ان مسائل میں شیعہ کی مخالفت کرتا ہے، جن میں مسلمانوں کے مابین اختلاف ہے، لیکن اگر وہ ہمارے ذکر کردہ شیعہ عقائد میں شیعہ سے اختلاف رکھتا ہے تو وہ قطعاً شیعہ نہیں ہے۔''[1]

ایک رافضی مولف اس تعریف کو بہتر قرار دیتا اور اسے شیعہ مذہب کی دقیق ترین تعریف شمار کرتا ہے، جبکہ اپنے ہم مشرب لوگوں کی تعریف سے اعراض کرتا ہے۔ پھر وہ (رافضی) اس تعریف کو دوسری تعریفات کے مقابلے میں اختیار کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہم ابن حزم کی تعریف کو فوقیت دینے پر اس لیے آمادہ ہوئے ہیں، کیونکہ یہ اعتراف کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے افضل ہیں، وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اور امام تھے اور ان کے بعد ان کی اولاد ہی امامت کی حق دار ہے، یہی شیعہ مذہب کی اساس اور اس کا جوہر ہے۔''[2]

لیکن جو شخص بھی شیعہ عقائد مثلاً امامت، عصمت اور تقیہ وغیرہ سے متعلق ان کے کلام کو پڑھتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ یہ لوگ اپنے ہر عقیدے میں غلو کرتے ہوئے اس عقیدے پر ایمان لانے ہی کو شیعہ لقب سے متصف ہونے کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ غالباً اسی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شہرستانی نے شیعہ کی ایسی تعریف پیش کی ہے، جسے شیعہ کے اصول کے احاطے اور شمول کی وجہ سے جامع ترین قرار دیا جاتا ہے۔

## ③ شہرستانی[3] کی تعریف:

علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:

''شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جنھوں نے بالخصوص علی رضی اللہ عنہ کی معاونت و متابعت کی اور وہ

← میں ۳۸۴ھ یا ۳۸۳ھ کو پیدا ہوئے اور انھوں نے ۴۵۶ھ کو اندلس میں وفات پائی۔ ان کی مولفات میں ''المحلی'' اور ''الفصل'' وغیرہ سرفہرست ہیں۔ دیکھیں: المقري: نفح الطيب (۲/ ۲۸۳)

[1] الفصل (۲/ ۱۰۷)

[2] عبد اللّٰه فياض: تاريخ الإمامية (ص: ۳۳)

[3] محمد بن عبد الكريم بن أحمد أبو الفتح المعروف بالشهرستاني. امام سبکی فرماتے ہیں: وہ بہت بڑے امام اور علم کلام میں اپنے معاصرین پر مقدم تھے۔ وہ فقہ و اصول اور علمِ کلام میں بلند مرتبے پر فائز تھے۔ ان کی تصانیف میں ''الملل والنحل'' اور ''نهاية الأقدام'' وغیرہ کتب قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی وفات ۵۴۸ھ اور ولادت ۴۶۷ھ یا ۴۷۹ھ کو ہوئی۔ دیکھیں: طبقات الشافعية (٦/ ۱۲۸۔ ۱۳۰) مرآة الجنان (۳/ ۲۸۴۔ ۲۹۰)

صراحتِ نبوی کے مطابق خواہ وہ جلی ہو یا مخفی، ان کی خلافت و امامت کے قائل ہیں۔

''نیز وہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کسی بھی حال میں امامت اولادِ علی رضی اللہ عنہ سے خارج نہیں ہوتی اور اگر خلافت ان سے کبھی نکلی تو یا تو وہ کسی دوسرے کے ظلم و زیادتی کی بنا پر ہوگی یا پھر خود ان کی طرف سے تقیے کی بنا پر ایسا ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ امامت کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس کا تعلق مصلحت سے ہو اور عام لوگوں کے اختیار و انتخاب پر موقوف ہو اور ان کے امام مقرر کرنے سے کوئی امام بن جائے، بلکہ یہ ایک اصولی معاملہ اور دین کا بنیادی رکن ہے، جس سے چشم پوشی کرنا انبیا و رسل کے لیے جائز نہیں ہے اور نہ اسے عام لوگوں کے سپرد کرنا اور معلق رکھنا ہی روا ہے۔

''ان سب لوگوں (شیعہ فرقوں) کو یہ امر متحد کرتا ہے کہ خلافت کی تعیین اور وصیت کرنا واجب ہے، انبیا اور ائمہ (شیعہ) کا صغائر و کبائر سے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنا اور ولا اور برا کا قولاً، فعلاً اور عقیدتاً تقیے کی حالت کے سوا قائل ہونا ضروری ہے۔ البتہ بعض زیدی فرقے چند عقائد میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔''[1]

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ بعض زیدی فرقوں کے سوا تمام شیعہ فرقے امامت وعصمت اور تقیے کو عقیدے کا لازمی حصہ قرار دینے پر متفق ہیں اور اثنا عشری شیعہ ان کے علاوہ بھی بعض دیگر عقائد غیبت (امام کا غائب ہونا) رجعت (دنیا میں دوبارہ لوٹنا) اور بدا (اللہ تعالیٰ کے لیے ظہورِ علم) وغیرہ کے قائل ہیں۔ پھر یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ امام زید اور ان کے پیروکار عصمتِ امام کے قائل ہیں نہ از خود امت کو کسی امام وخلیفہ کا انتخاب کرنے سے روکتے ہیں، اسی بنا پر امام زید زیادہ فضیلت رکھنے والے شخص کی موجودگی میں اس سے کم فضیلت رکھنے والے انسان کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں اور وہ تقیے کے بھی قائل نہیں۔ غالباً شہرستانی نے اپنے اس قول ''بعض زیدی فرقے چند عقائد میں ان کے مخالف ہیں۔'' میں انہی امور کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن فرقہ زیدیہ کے بعض گروہ بھی فاطمہ، علی اور حسین رضی اللہ عنہم کی عصمت کے قائل ہیں اور کچھ زیدی فرقے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) کی امامت وخلافت سے متعلق وصیت کے قائل ہیں،[2] البتہ اکثر زیدی اس کے خلاف ہیں۔[3]

## شیعہ مذہب کی راجح تعریف:

میری نظر میں شیعہ مذہب کی تعریف بنیادی طور پر ان کی نشو ونما کے مختلف حالات اور ان کے عقائد میں

[1] الملل والنحل (٦/ ١٤٦)

[2] يحيىٰ بن حمزة: الرسالة الوازعة (ص: ٢٨)

[3] دیکھیں: السمرقندي: المعتقدات (الورقة: ٣٥، مخطوط)

رونما ہونے والے تدریجی تغیر کے مختلف مراحل سے مربوط ہے، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعی عقائد وافکار ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، چناں چہ عصر اول میں تشیع کا مفہوم اور تھا اور اس کے بعد تشیع کا مطلب کچھ اور ہوگیا، مثلاً اولین زمانے میں شیعہ صرف اس شخص کو کہتے تھے، جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا ہے، اس لیے کسی کو شیعی کہتے تھے اور کسی کو عثمانی۔ شیعی سے مراد وہ شخص تھا، جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا تھا اور عثمانی سے مراد وہ شخص تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا تھا۔[1]

اس بنیاد پر عہد اولین میں شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو محض علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کرتے ہیں۔[2] اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے شیعہ جو علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تھے، وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو افضل قرار دیتے تھے۔[3] شریک بن عبداللہ نے، جنھیں شیعہ کہا جاتا تھا، ایسے شخص کو شیعہ کہنے سے منع کیا تھا، جو علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتا ہے، کیوں کہ یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں تواتر سے منقول امر کے خلاف ہے، ان کے نزدیک تشیع سے مراد معاونت اور متابعت ہے نہ کہ مخالفت اور کسی سے نفرت وعداوت کی بنا پر ترکِ تعلق کرنا۔[4]

امام ابن بطہ رحمہ اللہ عبداللہ بن زیاد بن جدیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب ابو اسحاق سبیعی کوفہ تشریف لائے تو شمر بن عطیہ نے ہمیں کہا کہ ان کے پاس جاؤ، چنانچہ ہم ان کے پاس بیٹھے تو لوگوں کی گفتگو کے دوران میں امام ابو اسحاق فرمانے لگے: جب میں کوفہ سے نکلا تھا تو کوئی ایک شخص بھی اس بارے میں متردد نہیں تھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دوسرے تمام صحابہ کرام سے افضل اور مقدم ہیں، لیکن اب جب میں آیا ہوں تو وہ طرح طرح کی

---

1. دیکھیں: نشوان الحميري: الحور العين (ص: ۱۷۹) ابن المرتضىٰ: المنية والأمل (ص: ۸۱)
2. یہ لوگ اگرچہ شیعہ نام سے موسوم تھے، لیکن پھر بھی وہ اہلِ سنت میں شامل تھے، کیونکہ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے پر فضیلت وفوقیت دینا کوئی ایسا اصولی مسئلہ نہیں، جس کی بنیاد پر دوسرے کو گمراہ کہا جا سکے، البتہ مسئلہ خلافت کی بنا پر ضرور مخالف کو گمراہ کہا جائے گا۔ بعض اہلِ سنت کے درمیان، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو متفقہ طور پر مقدم کرنے کے بعد، عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی بابت اختلاف تھا کہ دونوں میں کون افضل ہے؟ تو کسی نے عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل کہا اور اس مسئلے میں سکوت اختیار کیا یا علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر رکھا، اور کسی گروہ نے علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہا اور ایک گروہ نے اس مسئلے میں توقف اختیار کیا، لیکن پھر اہلِ سنت کے ہاں یہ بات طے ہوگئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ دیکھیں: مجموع الفتاویٰ لابن تيمية (۳/ ۱۵۳) ابن حجر: فتح الباري (۷/ ۳٤)
3. منهاج السنة (۲/ ٦۰) تحقيق د. محمد رشاد سالم.
4. اس بارے میں شریک بن عبداللہ رحمہ اللہ کے الفاظ گذشتہ صفحات (ص: ٤٧) میں گزر چکے ہیں۔

باتیں کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں؟![1]

علامہ محبّ الدین خطیب فرماتے ہیں:

''یہ بڑی اہم صریح تاریخی عبارت ہے، جو شیعیت کے مختلف مراحل کی تحدید کرتی ہے۔ ابو اسحاق شیعی کوفہ شہر کے بہت بڑے عالم تھے۔ یہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں ان کی شہادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور طویل عمر پا کر ۱۲۷ھ کو فوت ہوئے۔ چنانچہ یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت ابھی بچے ہی تھے، حتی کہ وہ خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے اوپر اٹھایا تو میں نے علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ ارشاد فرماتے سنا، اس وقت ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال سفید تھے۔

''اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ وہ کب کوفہ سے نکلے اور کب دوبارہ وہاں گئے تو ہمیں وہ وقت بہ آسانی معلوم ہو سکتا تھا، جب کوفہ کے شیعہ لوگ حقیقتاً علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل سے متعلق اپنے امام (علی رضی اللہ عنہ) کی رائے کے مطابق ابو بکر و عمر کی افضلیت کا اعتقاد رکھتے تھے اور وہ کب ان سے الگ ہونا شروع ہوئے اور ان کے اس راسخ عقیدے کے خلاف جانے لگے، جو ان کے ایمان میں داخل تھا، جس کا وہ کوفہ کے منبر پر اعلان کرتے تھے، یعنی یہ کہ وہ ان کے بھائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا، وزیر اور بہترین زمانے میں امت کے معاملے میں ان کے افضل ترین جانشین تھے۔''[2]

لیث بن ابی سلیم فرماتے ہیں:

''میں نے اولین شیعہ کو دیکھا ہے، وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر کسی بھی شخص کو فضیلت و فوقیت نہیں دیتے تھے۔''[3]

''مختصر تحفہ اثنا عشریہ'' کے مولف رقم طراز ہیں:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جتنے بھی مہاجر و انصار صحابہ کرام اور ان کی پیروی کرنے والے تھے، وہ سب ان کی قدر و منزلت کو پہچانتے اور انھیں ان کے شایانِ شان مقامِ فضیلت پر فائز رکھتے تھے، اور یہ سب لوگ کسی صحابیِ رسول کی تنقیص کو روا نہیں سمجھتے تھے، چہ جائے کہ ان کی تکفیر کرتے یا

---

[1] المنتقیٰ (ص: ٣٦)

[2] المنتقی (ص: ٣٦٠۔ ٣٦١، حاشیہ)

[3] المنتقیٰ (ص: ٣٦٠۔ ٣٦١)

انھیں سب وشتم کا نشانہ بناتے۔‘‘ [1]

لیکن شیعہ مذہب ہمیشہ اسی پاکیزگی اور سلامتی پر قائم نہ رہا، بلکہ شیعیت کا نقطہ نظر بدل گیا تو یہ مختلف گروہ بن گئے اور شیعیت ایسی آڑ بن گئی، جس کے پیچھے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے دشمن بہ آسانی چھپ جاتے تھے، اسی لیے بعض ائمہ دین سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر طعن و تشنیع کرنے والے کو شیعہ نہیں، بلکہ رافضہ کہا کرتے تھے، کیوں کہ وہ شیعہ لقب کے حق دار نہیں تھے۔

جو شخص بھی شیعہ مذہب کے عقائد میں رونما ہونے والے تدریجی تغیر سے آگاہ ہے تو اس کے نزدیک ائمہ محدثین اور دیگر علماے امت پر، جو اہلِ سنت میں شامل تھے، شیعہ لقب کا اطلاق کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے، کیوں کہ سلفِ امت کے زمانے میں شیعیت کا مفہوم بعد میں پیدا ہونے والے شیعہ مذہب کے مفہوم سے یکسر مختلف تھا، اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ محدثین پر بدعتِ تشیع کے الزام سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’بدعت کی دو قسمیں ہیں:

بدعت صغریٰ: جیسے تشیع میں غلو کرنا یا جیسے غلو کے بغیر ہی شیعیت کو اختیار کرنا۔ یہ تابعین اور ان کے اَتباع میں تدین، ورع اور صدق کے باوجود بہت زیادہ تھی۔ اگر اس جماعت کی احادیث کو رد کیا جائے تو احادیث نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ ضائع ہو جائے گا اور اس میں واضح خرابی ہے۔

’’بدعت کبریٰ: جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر زبان درازی اور اس مذہب کی تبلیغ۔ اس قسم کے لوگوں کی روایت سے احتجاج (استدلال) نہیں کیا جا سکتا، بلکہ تائید کے طور پر بھی ان کی روایت ذکر نہیں کی جا سکتی۔ نیز اس قماش کے لوگوں میں سے مَیں ایک آدمی بھی نہیں جانتا، جو صادق اور امانت دار ہو، بلکہ جھوٹ، تقیہ اور نفاق ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ایسے لوگوں کی نقل کردہ بات کو قبول کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ قطعاً نہیں، زمانہ سلف میں ان کی اصطلاح میں غالی شیعہ وہ ہوا کرتا تھا، جو عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ اور علی رضی اللہ عنہم سے لڑنے والے دوسرے لوگوں پر حرف گیری اور ان کو سب وشتم کرنے کے درپے ہوتا تھا، لیکن ہمارے زمانے اور معاشرے میں غالی شیعہ وہ شخص ہے، جو ان ساداتِ دین کی تکفیر کرتا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اظہار کرتا ہے، ایسا شخص یقیناً گمراہ اور افترا پرداز ہے۔‘‘ [2]

مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوا کہ جیسے شیعہ کے مختلف فرقے اور متعدد گروہ ہیں، اسی طرح شیعیت کے

---

[1] مختصر التحفة الاثنا عشرية (ص: ۳)

[2] الذهبي: ميزان الاعتدال (۱/ ۵۔ ٦) ابن حجر: لسان الميزان (۱/ ۹۔ ۱۰)

مختلف درجات و حالات اور متعدد تاریخی مراحل ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں ہم جس شیعہ فرقے اور شیعی مرحلے سے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں، وہ فرقہ اثنا عشریہ ہے۔ جو اپنے عقیدے اور دین کا ماخذ اصول اربعہ: ①الکافي ②تهذيب ③الاستبصار ④من لا يحضره الفقيه (یہ کتب شیعہ کے ہاں اسی طرح معتبر ہیں، جیسے اہلِ سنت کے ہاں کتب ستہ کا مقام ہے) اور انہی جیسی بعد میں لکھی گئی چار معتبر کتابوں: ①الوافي ②البحار ③الوسائل ④مستدرك الوسائل اور شیعہ علما کے نزدیک اسی درجے کی دیگر کتابوں کو قرار دیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

شیعہ مذہب کی تعریف کی بحث ختم کرنے سے پہلے ہم یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ کتبِ فرق میں وارد شیعہ کی مختلف تعریفات میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہر ایک نے شیعہ (امامیہ) کی تعریف میں پے در پے یہی کہا ہے کہ ان سے مراد علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں۔ یہ تعریف ایک انتہائی غلط نتیجے کا سبب بنتی ہے، جو اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شیعہ تھے، جو موجودہ شیعہ کے عقائد و نظریات کے حامل تھے۔ حالاں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنی اولاد سے متعلق شیعہ کے عقائد سے یقینی طور پر بَری ہیں، اسی لیے شیعہ کی تعریف میں ایسی قید کا ہونا ضروری ہے، جو ایسے ابہام و اشکال کا سبب نہ بنے۔ چنانچہ کہا جائے گا کہ شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن وہ حقیقت میں ان کے پیروکار نہیں اور نہ علی رضی اللہ عنہ ان کے اختیار کردہ عقائد کے حامل تھے۔ یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو علی رضی اللہ عنہ کی طرف داری اور گروہ بندی کے دعوے دار ہیں، یا وہ رافضہ ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے، اسی لیے بعض اہلِ علم نے شیعہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیعہ سے مراد رافضہ ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی پیروی کرنے والے شیعہ کی طرف بہ زعم خویش منسوب ہیں۔[1] لیکن یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقتاً اطاعت گزاری اختیار کرنے والے شیعہ کے عقیدے و نظریے پر گامزن نہیں ہیں، بلکہ یہ تو صرف دعوے داری کی حد تک شیعہ جبکہ حقیقت میں رافضہ ہیں۔

## شیعہ مذہب کا آغاز اور اس کی تاریخی بنیادیں:

شیعہ مذہب اپنے اصول وعقائد سمیت اچانک نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہ کئی مراحل سے گزرا اور آہستہ آہستہ نمو پذیر ہوا، پھر یہ مذہب بے شمار فرقوں میں بٹ گیا۔ یقیناً شیعیت کے مختلف مراحل کی فکری اور تاریخی چھان بین کے لیے ایک مستقل مبحث کی ضرورت ہے، اس لیے ہم یہاں شیعہ کے مختلف مراحل اور ان کے بے شمار فرقوں کی کے ظہور سے صرفِ نظر کرتے ہوئے شیعہ مذہب کے آغاز کی اساس اور اس کی تاریخی بنیادوں سے متعلق گفتگو

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٠٦)

کریں گے۔ پہلے ہم شیعہ کے معتبر مصادر سے ان کی اپنی آرا ذکر کریں گے، پھر اس کے بعد دیگر لوگوں کی رائے ذکر کریں گے، کیوں کہ علمی منہج کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے خود اس نظریے کے حاملین کی آرا کو لیا جائے۔

## شیعیت کے آغاز سے متعلق شیعہ کی آرا:

اس سلسلے میں ان لوگوں کی کوئی ایک اتفاقی رائے نہیں ہے، البتہ ہم شیعہ کی معتبر کتب سے شیعیت کی پیدائش سے متعلق تین آرا نکال کر بیان کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ ان پر نقد وتبصرہ بھی کریں گے۔

### پہلی رائے:

شیعہ مذہب قدیم ہے، جو نبی کریم ﷺ کی رسالت سے بھی قبل معرضِ وجود میں آیا اور ہر نبی کو ولایتِ علی رضی اللہ عنہ پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی۔

شیعہ نے اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے بڑے بڑے افسانے تراشے ہیں، مثلاً کتاب "الکافي" میں ابو الحسن سے مروی ہے کہ ولایتِ علی رضی اللہ عنہ انبیا کے تمام آسمانی صحیفوں میں مکتوب ہے اور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا رسول مبعوث نہیں فرمائے گا، جس کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کے نبی اور علی علیہ السلام کے وصی ہونے کا پیغام نہ ہو۔[1]

نیز ابو جعفر سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ [طٰهٰ: ۱۱۵] سے متعلق مروی ہے: یعنی ہم نے اس (آدم علیہ السلام) سے محمد اور ان کے بعد والے ائمہ سے متعلق عہد لیا، لیکن اس نے وہ توڑ دیا اور وہ اپنے ارادے میں مضبوط نہ تھا۔[2] اور جن انبیا کو اولو العزم کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محمد اور ان کے بعد اَوصیا اور مہدی اور اس کی سیرت وصفات سے متعلق عہد لیا تھا اور انھوں نے اس پر عزم کیا اور اس کا اقرار کیا تھا۔[3]

---

[1] الكليني: أصول الكافي (١/ ٤٣٧)

[2] یہ تفسیر آیتِ کریمہ کے سیاق سے نہایت بعید ہے، بلکہ آیاتِ الٰہیہ میں الحاد ہے۔ ائمہ سلف سے اس آیت کے معنی کے متعلق مروی ہے کہ ہم نے آدم کو وصیت کی اور اسے کہا: ﴿اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ﴾ "بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نکال دے۔" لیکن وہ اپنے عہد کو بھول گیا اور اگر وہ اپنے عہد میں پختہ ہوتا تو اپنے دشمن ابلیس کی اطاعت نہ کرتا، جس نے اس کے ساتھ حسد کیا تھا۔ قتادہ فرماتے ہیں: ﴿وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ یعنی ہم نے اسے صبر والا نہ پایا۔ (تفسير الطبري: ١٦/ ٢٢٠۔ ٢٢٢)

[3] الكليني: الكافي (١/ ٤١٦) نیز دیکھیں: ابن بابويه القمي: علل الشرائع (ص: ١٢٢) الكاشاني: الصافي (٢/ ٨٠) تفسير القمي (٢/ ٦٥) هاشم البحراني: المحجة (ص: ٦٣٥، ٦٣٦) المجلسي: البحار (١١/ ٣٥، ٢٦/ ٢٧٨) الصفار: بصائر الدرجات (ص: ٢١)

"بحار الأنوار" میں مروی ہے:

''یقیناً رسول اللہ ﷺ نے (شیعہ دعوے کے مطابق) فرمایا: اے علی! اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا ہے، بے شک اسے تمھاری ولایت کی دعوت دی ہے، خواہ وہ خوش ہو یا ناخوش۔''[1]

ابو جعفر سے ایک دوسری روایت میں مروی ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا سے ولایتِ علی کا پختہ عہد لیا ہے۔''[2]

ابو عبداللہ کہتے ہیں:

''ہماری ولایت دراصل اللہ تعالیٰ کی ولایت ہے۔ ہر نبی اسی کے ساتھ مبعوث ہوا ہے۔''[3]

شیعی عالم بحرانی نے تو اس مسئلے کے لیے بایں الفاظ ایک عنوان قائم کیا ہے:

"باب أن الأنبياء بعثوا على ولاية الأئمة"[4]

''اس چیز کا بیان کہ انبیا کو ائمہ (شیعہ) کی ولایت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔''

شیعہ نے کہا ہے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیا و رسل اور تمام مومنین علی بن ابی طالب کی دعوت قبول کرنے والے تھے اور یہ بھی ثابت شدہ امر ہے کہ انبیا و رسل اور تمام مومنین کی مخالفت کرنے والے ان (علی رضی اللہ عنہ) سے اور ان سے محبت کرنے والوں سے بغض و عداوت رکھنے والے ہیں۔ چنانچہ اولین و آخرین میں سے جنت میں صرف وہی داخل ہوگا، جو ان سے محبت کرتا ہوگا، چناں چہ وہی جنت اور جہنم کی تقسیم کرنے والے ہیں۔[5]

اس مسئلے سے متعلق شیعہ کی معتبر کتب الكافي[6]، الوافي[7]، البحار[8]، مستدرك الوسائل[9]،

---

1. دیکھیں: البحار (١١/ ٦٠) البحراني: المعالم الزلفیٰ (ص: ٣٠٣) یہ روایت "بصائر الدرجات للصفاء" اور "الاختصاص للمفيد" میں بھی موجود ہے۔
2. المعالم الزلفیٰ (ص: ٣٠٣)
3. النوري الطبرسي: مستدرك الوسائل (٢/ ١٩٢) المعالم الزلفیٰ (ص: ٣٠٣)
4. المعالم الزلفیٰ (ص: ٣٠٣)
5. الكاشاني: تفسير الصافي (١/ ١٦)
6. الكليني: أصول الكافي (٢/ ٨)
7. الكاشاني: الوافي (٢/ ١٥٥، ٣/ ١٠)
8. المجلسي: البحار (٣٥/ ١٥١) القمي: سفينة البحار (١/ ٧٢٩)
9. النوري: مستدرك الوسائل (٢/ ١٩٥)

الخصال[1]، علل الشرائع[2]، الفصول المهمة[3]، تفسير فرات[4]، الصافي[5]، البرهان[6]، وغیرہ میں کثرت سے روایت منقول ہیں، حتی کہ "وسائل الشيعة" کا، جو شیعہ احادیث کا معتبر مصدر ہے، مولف الحر العاملی کہتا ہے کہ وہ روایات جن میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدایش کے وقت تمام انبیا سے (ولایتِ علی کا) عہد و میثاق لیا تھا، ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔[7]

شیعہ مبالغہ پسندی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ۔عز اسمہ۔ نے ہماری ولایت کو آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور تمام شہروں پر پیش کیا تھا۔[8]

اسی لیے شیعہ عالم ہادی الطہرانی نے، جو موجودہ زمانے میں شیعہ عالم و مرجع ہے، کہا ہے:

"بعض روایات دلالت کرتی ہیں کہ ہر نبی کو ولایتِ علی کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ اس ولایت کو ہر چیز پر پیش کیا گیا تھا، چنانچہ جس نے اسے قبول کر لیا، وہ صالح بن گئی اور جس نے اس کو رد کر دیا، وہ فاسد بن گئی۔"[9]

## اس رائے پر نقد و تبصرہ:

بعض عقائد و افکار ایسے ہوتے ہیں، جن کا ذکر کر دینا ہی ان کا فساد و بطلان بیان کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا شیعہ نظریہ بھی اسی قبیل سے ہے، کیوں کہ اس کا بطلان بداہتاً معلوم و مفہوم ہے، اس لیے کہ قرآن مجید ہمارے سامنے موجود ہے، جو ایسے ہر قسم کے دعووں سے مبرا ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام نے صرف توحید کی دعوت دی ہے، نہ کہ جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں کہ ان کی دعوت کا محور علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ شیعہ کی ولایت کی دعوت دینا تھا۔

---

[1] الصدوق: الخصال (١/ ٢٧٠)

[2] الصدوق: علل الشرائع (ص: ١٢٢، ١٣٥، ١٣٦، ١٤٣، ١٤٤، ١٧٤)

[3] الحر العاملي: الفصول المهمة (ص: ١٥٨)

[4] تفسير فرات (ص: ١١، ١٣)

[5] تفسير الصافي (٢/ ٨٠)

[6] البحراني (١/ ٨٦)

[7] الفصول المهمة (ص: ١٥٩)

[8] النوري: مستدرك الوسائل (٢/ ١٩٥)

[9] هادي الطهراني: ودايع النبوة (ص: ١١٥)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾

[الأنبياء: ٢٥]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ لَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ﴾ [النحل: ٣٦]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

تمام انبیا و رسل اپنی اپنی قوم کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے، چنانچہ نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو کہا:

﴿اُعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ﴾ [الأعراف: ٥٩، ٦٥، ٧٣، ٨٥]

''اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔''

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں، جب تک وہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ صرف ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:

''تم اہلِ کتاب کے ایک گروہ کے پاس جا رہے ہو، لہٰذا تم سب سے پہلے انھیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔''[2]

معلوم ہوا کہ سنتِ صحیحہ میں بھی اس نظریے کا ابطال ہی وارد ہے، اسی لیے ائمہ سلف کا بھی اتفاق ہے کہ بندے کو سب سے پہلے شہادتین کا حکم دیا جائے گا۔[3]

تو ولایتِ علی کے لزوم کا شیعہ دعویٰ کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟! مزید برآں جب ولایتِ علی کا حکم انبیا

---

[1] صحيح البخاري (١/ ١١) صحيح مسلم (١/ ٥١۔ ٥٢)

[2] صحيح البخاري (٢/ ١٠٨) صحيح مسلم، واللفظ له (١/ ٥٠۔ ٥١)

[3] شرح العقيدة الطحاوية (ص: ٧٥)

کے تمام صحیفوں میں موجود ہے تو پھر اکیلے شیعہ ہی اسے کیوں نقل کرتے ہیں؟ ان کے علاوہ کسی اور کو اس کا علم کیوں نہیں ہے؟ ایسے ہی دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو اس کا علم کیوں نہیں ہوسکا؟ بلکہ یہ مزعومہ ولایت قرآن مجید میں کیوں درج نہیں کی گئی؟ حالاں کہ وہ تمام سابقہ کتب پر نگران اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ابدی طور پر محفوظ ہے؟!

معلوم ہوا کہ یہ محض ایک دعویٰ ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دعوؤں میں مبالغہ کرنے سے انسان تبھی رک سکتا ہے، جب اس کے پاس دین، عقل یا حیا کی شکل میں کوئی محافظ موجود ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''گذشتہ انبیا کی کتب میں جہاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود تھا، لوگوں نے اسے نکال کر بیان کر دیا ہے، لیکن اس میں کہیں بھی علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اسی طرح جو اہلِ کتاب مسلمان ہوئے، ان میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ ان کے ہاں علی رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود تھا، لہٰذا یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ تمام انبیا کو ولایتِ علی رضی اللہ عنہ کا اقرار کروا کر مبعوث کیا گیا تھا؟ لیکن کسی نبی نے اپنی امت کے سامنے اس کا ذکر کیا نہ ان میں سے کسی نے ایسی کوئی بات نقل کی ہے!!''[1]

ان مَن گھڑت کہانیوں میں تمام انبیا پر کتنا بڑا الزام عائد کیا گیا ہے، جو یہ بیان کرتی ہیں کہ اولو العزم رسولوں کے سوا، آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیا و رسل نے ولایتِ علی سے متعلق امر الٰہی سے روگردانی کی ہے۔ یہ صریحاً بہتان عظیم ہے۔ ایسی ولایت بھی باطل ہے اور انبیائے کرام سے متعلق ایسا افترا جرم عظیم ہے۔

یہ عجیب تضاد ہے کہ عصمتِ ائمہ سے متعلق تو اتنا غلو کیا جاتا ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، جبکہ دوسری طرف پاکیزہ ترین مخلوق انبیائے کرام کے حق میں اتنا ظلم اور زیادتی روا رکھی جاتی ہے؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایسی کہانیاں بنانے والوں کے دل و دماغ علم اور ایمان سے تہی دامن اور اَخیارِ امت اور مصلحین کے خلاف بغض اور سازشوں سے بھرے ہوئے تھے؟ نیز کیا اِس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ شیعیت کی راہ سے لوگوں میں داخل ہو کر ان کا دین اور عقائد تباہ کرنا چاہتے ہیں؟ یقیناً ایسی ہی بات ہے، کیوں کہ ایسی افترا پردازی کی جراَت کوئی زندیق ہی کر سکتا ہے۔ گویا یہ لوگ ایسی باتوں کے ذریعے اپنے ائمہ کے پیروکاروں کو اولو العزم رسولوں کے سوا دیگر انبیا سے افضل ثابت کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان کے پیروکاروں نے تو (ولایتِ علی وغیرہ

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٤٦)

سے متعلق تعلیمات کی) پیروی کی ہے، جبکہ انبیا نے اس کی طرف دعوت کا فریضہ ترک کر دیا ہے! یقیناً ایسی بات صریحاً گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ میثاق لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوگئے تو وہ ضرور ایمان لا کر ان کی نصرت و تائید کریں گے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا ہے۔[1] ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ [آل عمران: ۸۱]

''اور جب اللہ نے سب نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں کتاب وحکمت میں سے جو کچھ تمھیں دوں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کیا؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا، فرمایا: تو گواہ رہو اور تمھارے ساتھ میں بھی گواہوں سے ہوں۔''

گویا یہ لوگ حسبِ عادت نبی کریم ﷺ کی امتیازی خوبیاں اور خصائص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ڈال دینا چاہتے ہیں۔ مزید برآں نبی کریم ﷺ کو جو تفصیلی ہدایات وتعلیمات دے کر بھیجا گیا تھا، جب ان سب پر ایمان لانے کا تمام انبیا سے عہد نہیں لیا گیا تھا تو تمام مومنوں کو چھوڑ کر صرف ان کے ایک صحابی کی محبت و ولایت کا عہد ان سے کیوں کر لیا جا سکتا ہے؟!

تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا، پھر ان کی اطاعت کی اور ان کی زندگی ہی میں ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے وجود سے بھی بے خبر رہ کر وفات پا گیا تو اسے قطعاً کوئی نقصان نہیں ہوگا اور یہ چیز اسے دخولِ جنت سے نہیں روک سکتی۔ جب امتِ محمدیہ کے ایک فرد کی یہ حالت ہے تو یہ کہنا کس طرح روا ہے کہ تمام انبیا کے لیے ایک صحابی پر ایمان لانا ضروری تھا؟[2]

معلوم نہیں ایسے لوگوں کی عقلیں کہاں گم ہو جاتی ہیں، جو ایسی لغویات کی تصدیق کرتے ہیں؟! یہ امر کیسے ممکن ہے کہ گذشتہ انبیا اور ان کی امتوں سے امامتِ علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت گزاری کا عہد لیا جا سکے؟ ایسی گفتگو،

---

[1] تفسير الطبري (٦/ ٥٥٧ وما بعدها)

[2] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ٤٦)

جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو عقل سے تہی دامن ہوتے ہیں۔ یہ لوگ تو علی رضی اللہ عنہ کی پیدایش سے قبل ہی وفات پا چکے تھے، پھر وہ (علی رضی اللہ عنہ) ان (انبیا) پر کس طرح امیر بن سکتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اہلِ زمانہ کے امیر ہوں، لیکن یہ بات کہ وہ اپنے سے پہلے اور بعد میں پیدا ہونے والے تمام لوگوں کے امیر تھے، تو ایسا جھوٹ صرف وہی شخص بول سکتا ہے، جو خود اپنی بات سمجھتا ہے نہ کچھ کہنے سے حیا اسے روکتی ہے۔

یہ بات ابن عربی اور اس جیسے دیگر ملحد صوفیوں کی ان باتوں کی طرح ہے کہ تمام انبیا ''خاتم الاولیاء'' کے نورانی طاقچے سے علمِ الٰہی حاصل کرتے تھے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چھے سو سال بعد عالمِ وجود میں آیا۔ ان دونوں کی اساس محض کذب، غلو، شرک، باطل دعوے اور کتاب وسنت اور سلفِ امت کے اجماع کی مخالفت پر استوار ہے۔[1] ایسی بات، کی غرض و غایت کیا ہوسکتی ہے، جس کا کذب کسی پر مخفی نہیں؟ کیا اس سے مقصود لوگوں کو دینِ الٰہی سے محض روکنا تو نہیں ہے؟! کیوں کہ ایسی باتوں کا بطلان ہر ایک کو بداہتاً معلوم ہوتا ہے۔

جب یہ لوگ علانیہ ایسے دعاویٰ اور نظریات اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں تو دوسرے مذاہب کے ماننے والے ایسی باتوں پر مطلع ہوکر اور عقل ونقل کی رو سے ان کا بطلان جان کر سرے سے اسلام ہی میں شک کرنے لگتے ہیں۔

مزید برآں جمادات و نباتات اور مائعات کے فساد و صلاح کی ایسی عجیب وغریب توجیہ سے متعلق اصحابِ علم اور اہلِ خرد کیا فرمائیں گے کہ یہ سب کچھ ولایتِ علی کے بارے میں ان کے اختیار کردہ عقیدے کے سبب وقوع پذیر ہوتا ہے!!

کوئی علم سے بہرہ ور شخص اس بارے میں کیا کہے گا؟ کیا یہی وہ دین ہے، جسے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں؟ یا اس سے مقصود اسلام کے خدو خال کو بگاڑنا اور لوگوں کو اس سے روکنا ہے؟ بہر حال شیعہ سے ایسی حیرت انگیز آرا کا صدور کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگ ایسے عجیب وغریب مبالغہ آمیز دعویٰ جات کرنے کے خوگر ہیں، جو واضح حقائق اور متواتر اخبار کو جھٹلاتے اور عقل ونقل کے نزدیک جھوٹی اشیا کی تصدیق کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ بہ زعم خویش اپنے ائمہ کے حق میں ایسی آرا کا اظہار کرتے ہیں تو یہی لوگ اپنے ائمہ اور شیعہ کے دشمنوں کے حق میں بھی ایسی ہی حیرت انگیز باتیں کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ لوگ خلفاے راشدین سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہتے ہیں:

''حدیث میں مروی ہے کہ جب قائم رضی اللہ عنہ (امام منتظر) ظاہر ہو گا تو انھیں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) زندہ

---

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٧٨)

کرے گا اور انھیں دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ہر گناہ اور فساد کا سزاوار ٹھہرائے گا، حتی کہ قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا، یوسف کے بھائیوں کا انھیں کنویں میں پھینکنا اور ابراہیم کا آگ میں پھینکا جانا وغیرہ (ان تمام گناہوں کا بار بھی انھیں پر ہوگا)۔‘‘

اسی طرح جعفر صادق سے مروی ہے:

’’اگر روے زمین پر کوئی پتھر بھی اپنی جگہ سے سرکایا گیا ہے اور کہیں خون کا قطرہ بھی بہایا گیا ہے تو وہ ان دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی گردن میں ہے۔‘‘[1]

## دوسری رائے:

بعض رافضی قدیم و جدید ہر دور میں یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بہ ذات خود شیعیت کا بیج بویا اور یہ مذہب آپ ﷺ کی زندگی میں معرضِ وجود میں آیا تھا، چنانچہ بعض صحابہ کرام حیاتِ نبوی ہی میں علی رضی اللہ عنہ سے تشیع اور خصوصی محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ شیعہ عالم قمی رقم طراز ہے:

’’تمام فرقوں میں سب سے پہلے شیعہ فرقہ نمودار ہوا، جس سے مراد علی بن ابی طالب کا گروہ ہے، انھیں زمانہ رسالت اور بعد میں شیعانِ علی کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ انھی کی پیروی اور ان کی امامت کے قائلین کے طور پر معروف و مشہور تھے۔ ان میں مقداد بن اسود کندی، سلمان فارسی، ابو ذر جندب بن جنادہ غفاری اور عمار بن یاسر مذحجی شامل ہیں۔ یہی لوگ ہیں، جنھیں اس امت میں سب سے پہلے شیعہ لقب سے موسوم کیا گیا تھا۔‘‘[2]

دیگر شیعہ علما نوبختی[3] اور رازی کی بھی یہی رائے ہے۔[4]

نیز محمد حسین آل کاشف الغطا (المتوفی ۱۳۷۳ھ) لکھتا ہے:

’’اسلام کے کھیت میں سب سے پہلے خود صاحبِ شریعت (رسول اللہ ﷺ) نے شیعہ مذہب کا بیج بویا تھا۔ یعنی شیعہ مذہب کی بنیاد دین اسلام کی بنیاد کے پہلو بہ پہلو رکھی گئی تھی۔[5] پھر اس کو کاشت

---

[1] البحراني: درة نجفية (ص: ۳۷) نیز دیکھیں: رجال الكشي (ص: ۲۰۵۔ ۲۰۶) الأنوار النعمانية (۱/ ۸۲)

[2] المقالات والفرق (ص: ۱۵)

[3] فرق الشيعة (ص: ۱۷) نوبختی کی رائے نقل کرنے میں شیبی کو غلطی لگی ہے، کیوں کہ اس نے نوبختی کی طرف یہ قول منسوب کر دیا ہے کہ شیعہ مذہب وفاتِ رسول ﷺ کے بعد نمودار ہوا ہے۔ دیکھیں: الصلة بين التصوف والتشيع (ص: ۲۲)

[4] الرازي: الزينة (ص: ۲۰۵، مخطوط)

[5] غور کریں کہ یہ مولف اعتراف کر رہا ہے کہ شیعیت کی بنیاد اسلام کی بنیاد سے الگ رکھی گئی ہے؟!

کرنے والا خود ہی اس کو اپنی نگہداشت میں پروان چڑھاتا رہا،حتی کہ یہ ان کی زندگی ہی میں تنومند درخت بن گیا اور ان کی وفات کے بعد پھل آور بن گیا۔''[1]

دیگر کئی شیعہ معاصر علما بھی اسی رائے کے قائل ہیں۔[2]

## اس رائے کا جائزہ:

① غور کریں کہ اس رائے کا اظہار سب سے پہلے قمی نے ''المقالات والفرق'' میں اور نوبختی نے ''فرق الشیعة'' میں کیا ہے۔ غالباً یہ رائے اس لیے معرضِ وجود میں آئی، کیوں کہ بعض علماے اسلام نے شیعہ مذہب کے آغاز کا سبب غیر اسلامی اصول وعقائد کو ٹھہرایا ہے، اس لیے کہ ایسے واضح قرائن موجود ہیں،[3] جو اس امر کو ثابت کرتے ہیں۔ اسی بنا پر شیعہ نے اپنے مخالفین کے اس دعوے کی تردید کرنے کے لیے اسے شرعی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور ایسے دعوے کیے، پھر انھیں ہر طریقے سے ثابت کرنے کی کوشش کی، چنانچہ انھوں نے اس سلسلے میں کثرت سے روایات گھڑ کر ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ احادیث اہلِ سنت کے طرق و اسانید سے مروی ہیں،[4] حالاں کہ ان روایات کو ائمہ سنت اور ناقلینِ شریعت میں سے کوئی بھی نہیں پہچانتا، بلکہ اکثر یہ روایات موضوع ہیں یا ان کی اسانید میں طعن کیا گیا ہے یا یہ روایات شیعہ کی فاسد تاویلات سے بالکل کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔[5]

② کتاب وسنت میں اس رائے کی قطعاً کوئی دلیل ہے نہ اس کی کوئی تاریخی سند ہی موجود ہے، بلکہ یہ رائے اصولِ دین سے بعید اور محکم تاریخی حقائق کے منافی ہے، کیوں کہ دینِ اسلام اس امت کو مساوی طور پر

---

[1] أصل الشيعة (ص: ٤٣)

[2] دیکھیں: محسن العاملي: أعيان الشيعة (١/ ١٣، ١٦) محمد جواد مغنية: الاثنا عشرية وأهل البيت (ص: ٢٩) هاشم معروف: تاريخ الفقه الجعفري (ص: ١٠٥) الوابلي: هوية التشيع (ص: ٢٧) الشيرازي: هكذا الشيعة (ص: ٤) محمد الحسني: في ظلال التشيع (ص: ٥٠۔ ٥١) الزين: الشيعة في التاريخ (ص: ٢٩۔ ٣٠) المظفر: تاريخ الشيعة (ص: ١٨) الصدر: بحث حول الولاية (ص: ٦٣) أحمد تفاحة: أصول الدين (ص: ١٨، ١٩)

[3] ان دلائل وقرائن کی تفصیل آگے (ص: ١٠١) آرہی ہے۔

[4] اہلِ سنت کی کتبِ موضوعات میں ایسی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہیں، جو روافض کی وضع کردہ ہیں۔ مثلاً دیکھیں: ابن الجوزي: الموضوعات (١/ ٣٣٨ وما بعدها) الشوكاني: الفوائد المجموعة (ص: ٣٤٢ وما بعدها) الكتاني: تنزيه الشريعة (١/ ٣٥١ وما بعدها) شیعہ کے اہلِ سنت کے خلاف استدلال واحتجاج کرنے کے متعدد طرق واسالیب ہیں، جن کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ''فكرة التقريب'' (ص: ٥١ وما بعدها) میں بیان کی ہے۔

[5] ابن خلدون: المقدمة (٢/ ٥٢٧) تحقيق د. علي عبد الواحد وافي.

ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے آیا تھا، نہ کہ اسے گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں بانٹنے کے لیے معرضِ وجود میں آیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی شیعہ سنی کی قطعاً ایسی کوئی تقسیم نہ تھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران: ٨٥]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

ایسے متواتر تاریخی حقائق موجود ہیں، جو اس بے ہودہ رائے کی لغویت کو آشکارا کرتے اور اسے خلافِ حقیقت ثابت کرتے ہیں، جیسے یہ حقیقت ہے کہ ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں شیعہ مذہب کا کوئی وجود نہیں تھا۔[1] یہ ایسی اٹل حقیقت ہے، جس کا اقرار مجبوراً بعض شیعہ علما نے بھی کیا ہے، حالاں کہ یہ لوگ متواتر حقائق کا انکار کرنے کے عادی ہیں۔ اپنے زمانے کا شیعہ مرجع اور مجتہد اکبر محمد حسین آل کاشف الغطاء کہتا ہے:

''شیعہ اور شیعیت کے لیے (عہدِ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں) ظاہر ہونے کی قطعاً کوئی گنجایش نہیں تھی، کیوں کہ اس وقت اسلام اپنے مضبوط اصول و مناہج کے مطابق رواں دواں تھا۔''[2]

اسی طرح ایک اور شیعہ عالم محمد حسین عاملی اعتراف کرتا ہے:

''جب خلافت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے سپرد ہوئی تو لفظِ شیعہ بے معنی ہو کر رہ گیا اور خلیفہ ثالث کے آخری ایام تک تمام مسلمان ایک ہی جماعت بنے رہے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ اس لیے بے کار ہو گیا، کیوں کہ اصلاً اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ آخر یہ لفظ کیوں بے معنی اور مخفی نہ ہوتا، جبکہ ان کی حکومت تمھارے نزدیک کفر پر قائم تھی؟ جیسا کہ تمھاری کتابوں میں تواتر سے یہ بات منقول ہے، اس کی تفصیل آیندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عہدِ رسالت میں تو مسلمان مختلف گروہوں میں منقسم ہوں اور خلفاے ثلاثہ کے زمانے میں ایک ہی جماعت بن گئے ہوں؟!

③ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ شیعہ مذہب عمار بن یاسر، ابو ذر اور مقداد رضی اللہ عنہم کے مجموعے کا نام تھا، تو کیا یہ لوگ دعواے وصیت، ابوبکر و عمر اور اکثر صحابہ کی تکفیر یا ان سے اظہارِ براءت اور انھیں سب و شتم کرنا یا ان سے

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافتِ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں کوئی شخص شیعہ کہلاتا تھا نہ کسی کی طرف شیعہ لقب کی نسبت کی جاتی تھی۔ (منهاج السنة: ٢/ ٦٤)

[2] أصل الشيعة (ص: ٤٨)

[3] الشيعة في التاريخ (ص: ٣٩، ٤٠)

نفرت کرنا وغیرہ جیسے شیعی عقائد کے قائل تھے؟ قطعاً نہیں..! ایسی کسی بات کا کوئی وجود نہیں۔ شیعہ نے ایسے جتنے دعوے بھی کیے اور ان سے اپنی کتابوں کے اوراق سیاہ کیے ہیں، وہ صرف ان کے اوہام و وساوس ہیں، جنھیں اعدائے دین اور حاسدینِ اسلام کی خواہشات نے تراشا ہے۔[1]

ایک زیدی شیعہ عالم ابن مرتضیٰ کہتا ہے:

''اگر یہ لوگ دعویٰ کریں کہ عمار، ابو ذر غفاری، مقداد بن اسود اور سلمان فارسی امامتِ علی علیہ السلام کے قائل ہونے کی بنا پر ان کے سلف تھے تو انہی صحابہ کرام کا طرزِ عمل انھیں جھٹلانے کے لیے کافی ہے، کیوں کہ ان میں سے کسی نے شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے کبھی اظہارِ براءت کیا تھا نہ انھیں سب و شتم کا نشانہ بنایا۔ مزید دیکھیں کہ عمار کوفے پر[2] اور سلمان فارسی مدائن پر عمر بن خطاب کے گورنر بنے ہوئے تھے۔''[3]

یہ تمام محکم تاریخی حقائق گذشتہ صدیوں میں شیعہ دعاویٰ کی تعمیر کردہ عمارت کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔

④ علامہ موسیٰ جار اللہ شیعہ کی اس رائے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ شیعہ دعویٰ ایک بے ہودہ مغالطہ ہے، جو ہر طرح کے ادب و حیا سے عاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا اور الفاظ سے کھلواڑ ہے۔ پھر اس شیعی قول کہ ''خود صاحبِ شریعت نے اسلام کے کھیت میں شیعہ مذہب کا بیج بویا تھا'' پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسا بیج بویا تھا، جس سے طعن و تشنیع اور خیارِ امت اور صحابہ کرام کی تکفیر کی شاخیں نمودار ہوئیں؟ پھر اس نظریے کی شاخیں پھوٹیں کہ منافق صحابہ کے ہاتھوں قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور امت کا اتفاق گمراہی جبکہ رشد و ہدایت اس کے خلاف چلنے پر موقوف ہیں، حتی کہ یہ عقیدہ شیعہ ضلالت کی گہری تاریکی میں روپوش ہوگیا؟!''[4]

---

[1] مثلاً ان لوگوں کا کہنا ہے کہ زبیر، مقداد اور سلمان نے ابوبکر سے قتال کرنے کے لیے اپنے سروں کو مونڈ لیا تھا۔ (رجال الكشي، ص: ۱۳۳، برقم: ۲۱۰) ان کی ایسی باتوں سے کئی مجلدات بھری پڑی ہے۔ مذکورہ بالا روایت میں غور کریں کہ شیعہ نے اس میں زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے، حالاں کہ زبیر رضی اللہ عنہ تو ان لوگوں میں شامل تھے، جنھوں نے بعد میں علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی، علاوہ ازیں یہ لوگ اس سلسلے میں ابوذر، عمار اور آلِ بیت کا ذکر کرنا بھی بھول گئے ہیں۔

[2] دیکھیں: ابن الأثير: أسد الغابة (٤/ ٤٦) ابن حجر: الإصابة (٢/ ٥٠٦) ابن عبد البر: الاستيعاب (٢/ ٤٧٣)

[3] المنية والأمل (ص: ١٢٤، ١٢٥) نیز دیکھیں: طبقات ابن سعد (٤/ ٨٧)

[4] الوشيعة (ص: مه)

## تیسری رائے:

بعض لوگ شیعہ مذہب کے ظہور کی ابتدائی تاریخ یوم الجمل کو بتاتے ہیں۔ ابن ندیم[1] کہتا ہے:

''علی نے طلحہ اور زبیر سے لڑائی کرنے کا قصد کیا، حتی کہ وہ دونوں امرِ الٰہی کی طرف پلٹ آئیں، تو اس وقت علی نے اپنے ساتھ آنے والوں کا نام شیعہ رکھا اور انھیں اپنا شیعہ کہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس کے علاوہ ان کے اور نام "الأصفياء"، "الأولياء"، "شرطة الخميس" اور "الأصحاب" بھی رکھے تھے۔''[2]

میری معلومات کے مطابق ابن ندیم اس رائے میں منفرد ہے۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ لفظ کے لغوی معانی اَتباع و اَنصار اور علی رضی اللہ عنہ کے معاونین و متبعین پر شیعہ لفظ کے اطلاق کی ابتدائی تاریخ کا تذکرہ کر رہا ہے، نیز یہ کہ علی رضی اللہ عنہ ہی نے انھیں اپنا شیعہ کہہ کر اس لقب سے ملقب کیا تھا۔ لیکن اس قول سے شیعہ مذہب کے فکری و نظریاتی اصولوں کے آغاز سے متعلق کوئی راہنمائی نہیں ملتی، کیوں کہ یہاں انھوں نے شیعہ کو اس کے لغوی معنی اَنصار و معاونین میں استعمال کیا ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ ہی ان کے لیے دیگر القاب اَصحاب اور اولیا وغیرہ بھی استعمال کیے، جو اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز تاریخی معاہدات بھی، جیسا کہ گزر چکا ہے، یہی ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح شیعہ لقب علی رضی اللہ عنہ نے استعمال کیا تھا، ویسے ہی معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اَتباع و اَنصار کے حق میں یہ لفظ بولا تھا۔

ایک معاصر شیعہ عالم ڈاکٹر مصطفیٰ کامل شیبی، ابن ندیم کی اس رائے کو کہ ''علی رضی اللہ عنہ نے بہ ذاتِ خود اپنے ساتھیوں کے لیے شیعہ لقب استعمال کیا تھا'' تعجب خیز قرار دیتے ہیں۔[3] لیکن معلوم نہیں علی رضی اللہ عنہ کے اپنے ساتھیوں کو شیعہ کہنے میں تعجب اور حیرانی والی کیا بات ہے؟! اسی طرح ایک اور شیعہ عالم ڈاکٹر نشار، ابن ندیم کے کلام میں قدرے غلو کی آمیزش بتاتے ہیں۔[4] لیکن اس نے اس غلو کی کوئی وضاحت نہیں کی۔

---

[1] محمد بن إسحاق بن محمد بن أبي يعقوب النديم. معتزلی شیعہ تھا۔ اس کی تصانیف میں "الفهرست" قابل ذکر ہے۔ اس نے ۴۳۸ھ کو وفات پائی۔

[2] ابن النديم: الفهرست (ص: ۱۷۵)

[3] الصلة بين التصوف والتشيع (ص: ۱۸)

[4] نشأة الفكر الفلسفي (۲/ ۳۲)

# شیعہ مذہب کے آغاز کے بارے میں غیر شیعہ لوگوں کی آرا

## پہلا قول:

شیعہ مذہب وفاتِ رسول ﷺ کے بعد ظہور پذیر ہوا، جب کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامت و خلافت کا سب سے زیادہ حق دار خیال کیا۔

یہ متقدمین اور معاصرین میں سے ایک جماعت کی رائے ہے، جن میں علامہ ابن خلدون، احمد امین اور بعض مستشرقین شامل ہیں۔ ان لوگوں کی رائے بعض لوگوں کی نقل کردہ اس بات پر مبنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ آپ ﷺ کے رشتے دار خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

''جان لو کہ اس (شیعہ) حکومت و سلطنت کا آغاز اس وقت ہوا، جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو اہلِ بیت نے سمجھا کہ وہی امرِ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ منصبِ خلافت دوسروں کے علاوہ ان کے مردوں کے لیے مخصوص ہے۔''[1]

احمد امین رقم طراز ہے:

''شیعہ مذہب کی اساس وہ جماعت تھی، جنھوں نے یہ سمجھا کہ وفات نبوی کے بعد ان کے اہلِ بیت تمام لوگوں سے زیادہ ان کی جانشینی اور خلافت کا حق رکھتے ہیں۔''[2]

بعض مستشرقین نے بھی ایسی ہی آرا کا اظہار کیا ہے۔[3]

---

[1] العبر (۳/ ۱۷۰۔ ۱۷۱)

[2] فجر الإسلام (ص: ٢٦٦) نیز دیکھیں: ضحیٰ الإسلام (۳/ ۲۰۹) ڈاکٹر علی خربوطی کہتے ہیں کہ ہماری رائے میں شیعہ مذہب کا آغاز اس وقت ہوا، جب علی بن ابی طالب کے بجائے خلافت ابوبکر کو مل گئی۔ (الإسلام والخلافة، ص: ٦٢) اسی طرح محمد عبداللہ عنان نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ دیکھیں: تاریخ الجمعیات السریة (ص: ١٣)

[3] دائرة المعارف الإسلامية (١٤/ ٥٨)

## اس رائے کا جائزہ:

اس رائے کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ وفاتِ نبوی کے بعد یہ رائے موجود تھی کہ نبی کریم ﷺ کے قرابت دار امامت وخلافت کے زیادہ حق دار ہیں، لیکن اگر اس وقت یہ رائے موجود تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اور قرابت دار امامت وخلافت کا زیادہ حق رکھتے ہیں تو اسی عہد میں یہ رائے بھی موجود تھی کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ نامزد کیا جائے اور امامت وخلافت انصار میں ہونی چاہیے۔

اس لیے یہ اختلاف کسی معین جماعت یا مخصوص فرقے کے معرضِ وجود میں آنے پر دلالت نہیں کرتا، کیوں کہ آرا کا اختلاف ایک فطری چیز ہے، جو اسلام کے شورائی نظام کا ایک اہم تقاضا ہے۔ وہ لوگ ایک ہی مجلس میں اکٹھے تھے، جہاں ان میں باہم دیگر آرا کا اختلاف ہوا اور وہاں سے جدا ہونے سے پہلے پہلے ان کا اتفاق ہوگیا، ایسی صورتِ حال کو قطعاً نزاع شمار نہیں کیا جاتا۔[1]

چناں چہ تمام صحابہ کرام ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت گزاری میں داخل ہوگئے اور علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی اطاعت کرنے والوں میں شامل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کے سامنے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور بنو حنیفہ سے جہاد کرنے کے لیے نکلے۔[2] وہ اسی الفت اور اتفاق کے ساتھ اپنے ائمہ وخلفا کی اطاعت میں اپنی جانوں اور بہترین اموال کی قربانیاں دیتے رہے، جیسے وہ نبی ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔[3]

اگر اس رائے کا وجود کہ قرابت دار ہی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں، شیعہ مذہب کی بنیاد رکھنے کے مترادف ہے تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں بھی ضرور بالضرور اس مذہب کا ظہور اور وجود ہونا چاہیے تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سقیفہ کے اجتماع میں دیگر آرا کا اظہار کیا گیا، وہیں بہ فرضِ ثبوت یہ رائے بھی تھی کہ نبی کریم ﷺ کے رشتے دار خلافت کا زیادہ حق رکھتے ہیں، لیکن جب بیعت ہوئی اور سب کا اس پر اتفاق ہوگیا تو فوراً ہی دیگر آرا کی طرح یہ رائے بھی ختم ہوگئی اور سب ایک ہی رائے پر متفق ہوگئے۔ مزید برآں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنا کردار بھی صحابہ کرام کے درمیان ایسی رائے کے استمرار یا اس کے دوام کی نفی کرتا ہے، کیوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ طرق سے مروی ہے کہ انھوں نے کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا:

---

[1] ابن تيمية: منهاج السنة (١/ ٣٦)

[2] الحويني: الإرشاد (ص: ٤٢٨)

[3] الناشئ الأكبر: مسائل الإمامة (ص: ١٥)

''خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ''[1]

''نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کی بہترین شخصیت ابوبکر، پھر عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

لہٰذا دیگر صحابہ کرام علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسی رائے کس طرح قائم کر سکتے ہیں، جو خود ان کی اپنے بارے میں نہیں تھی؟ بنابریں جب ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں شیعہ کا کوئی تذکرہ اور وجود تک نہیں تھا تو یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد معرضِ وجود میں آیا ہے؟[2] اسی بنا پر کئی شیعہ علما نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔[3]

## دوسرا قول:

شیعہ مذہب شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے اسی یا اس سے بھی زیادہ طرق سے مروی ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ اثر ہمدان قبیلے کے لوگوں سے مروی ہے، جن کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوتا تو ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ امام بخاری رحمہ اللہ محمد بن حنفیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (علی رضی اللہ عنہ) کو کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ انھوں نے کہا: ابوبکر۔ میں نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: عمر۔ پھر میں نے اس خدشے کی بنا پر کہ کہیں ان کے بعد وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لے لیں، کہا: پھر آپ (سب سے بہتر ہیں) یہ سن کر انھوں نے کہا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام شخص ہوں۔ صحیح البخاري مع فتح الباري (٧/ ٢٠) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات وہ اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں، جس کے بارے میں انھیں کوئی خوف نہیں ہے کہ وہ ان کے سامنے تقیے سے کام لے رہے ہوں۔ (الفتاویٰ: ٤/ ٤٠٧، منهاج السنة: ٤/ ١٣٧۔ ١٣٨)

[2] اس سلسلے میں بعض لوگوں نے جو ایک جماعت کے ظہور کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو امامت کا زیادہ حق دار خیال کرتی تھی تو اس کی کوئی پایدار تاریخی دلیل نہیں ہے۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اساس تاریخ یعقوبی کی ایک روایت ہے، جس میں منقول ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت، جن میں سلمان، ابوذر، عمار اور مقداد شامل تھے، ابوبکر کی بیعت سے پیچھے رہے اور علی کی طرف مائل ہوگئے۔ (تاريخ اليعقوبي: ٢/ ١٢٤) واضح رہے کہ یعقوبی، اسی طرح مسعودی کی روایات سے بچ کر رہنا چاہیے، کیوں کہ یہ دونوں رفض وتشیع کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ خصوصاً وہ روایات جو ان کے مذہبی میلان کے موافق ہوتی ہیں اور جن کو نقل کرنے میں یہ دونوں منفرد ہوں، ان سے سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: ''مورخین میں سے طبری کے علاوہ کسی کا کلام نہ سنو، کیوں کہ ان کے علاوہ صرف خونی واردات اور شدید خطرناک بیماری ہی ہوتی ہے۔'' نیز مسعودی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ بدعتی اور حیلہ باز انسان ہے۔ (العواصم من القواصم، ص: ٢٤٨۔ ٢٤٩) طبری کو ترجیح دینے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تمام چیزیں سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جس کی جانچ پڑتال کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔

[3] دیکھیں (ص: ٨٥)

’’پھر عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور انھوں نے بارہ سال حکومت کی۔ پھر ان کی شہادت کے ساتھ اختلاف شروع ہوا اور روافض کی ابتدا ہوئی۔‘‘[1]

شیعہ مذہب کا بیج بونے والا شخص عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔[2] اس نے اپنی سرگرمی کا آغاز عہدِ عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں کیا تھا۔ متقدمین اور معاصر علما و محققین کی ایک جماعت نے ثابت کیا ہے کہ شیعی مذہب کی اولین بنیاد اسی شخص ابن سبا نے رکھی تھی،[3] جس کا ذکر اہلِ سنت اور شیعہ کتب دونوں ہی میں تواتر کے ساتھ منقول

[1] الفصل لابن حزم (٢/ ٨) علما اور محققین کی ایک جماعت بھی ابن حزم والی رائے رکھتی ہے، جیسے الشیخ عثمان بن عبداللہ الحنفی صاحب "الفرق المتفرقة بين أهل الزيغ والزندقة" (الفرق المتفرقة، ص: ٦) اور مستشرق فلهوزن ہیں۔ دیکھیں: الخوارج والشيعة (ص: ١١٢)

[2] عبداللہ بن سبا فرقہ سبئیہ کا سردار تھا، جو الوہیتِ علی (رضی اللہ عنہ) کا قائل ہے۔ نیز یہ فرقہ رجعتِ علی (رضی اللہ عنہ) کا معتقد اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ عبداللہ بن سبا اصلاً یمن کا رہنے والا یہودی تھا، جو بہ ظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔ اس نے اپنا عقیدہ اور فساد پھیلانے کے لیے حجاز، بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا۔ یہ خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے دوران میں دمشق بھی گیا، لیکن انھوں نے اسے اپنے شہر سے نکال دیا، پھر یہ مصر گیا اور وہاں اپنے بدعتی عقائد کو علانیہ بیان کرنے لگا۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’عبداللہ بن سبا غالی زندیق لوگوں میں سے اور خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا شخص تھا۔ میرا خیال ہے، اسے علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلا دیا تھا۔‘‘
کتبِ رجال و فرق اور تاریخ وغیرہ کے شیعی سنی مصادر میں اس کے فتنے اور سازشوں اور اس کی جماعت کے احوال تفصیل سے مذکور ہیں۔ دیکھیں: الملطي: التنبيه والرد (ص: ١٨) الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٢٣٣) الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٧٤) الإسفراييني: التبصير في الدين (ص: ٧١۔ ٧٢) الرازي: اعتقادات فرق المسلمين (ص: ٨٦) ابن المرتضىٰ: المنية والأمل (ص: ٢٩) ابن حجر: لسان الميزان (٣/ ٢٨٩) ابن عساكر: تهذيب تاريخ دمشق (٧/ ٨٣١) السمعاني: الأنساب (٧/ ٤٦) ابن الأثير: اللباب (١/ ٥٢٧) المقدسي: البدء والتاريخ (٥/ ١٢٩) تاريخ الطبري (٤/ ٣٤٠) ابن الأثير: الكامل (٣/ ٧٧) ابن كثير: البداية والنهاية (٧/ ١٦٧) ابن خلدون: العبر (٢/ ١٦٠) الطبري: تبصير أولي النهىٰ (الورقة: ١٤، مخطوط)
شیعی مصادر میں دیکھیں: الناشئ الأكبر: مسائل الإمامة (ص: ٢٢۔٢٣) القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٢) شیعی عالم الکشی نے ابن سبا سے متعلق کئی روایات نقل کی ہیں۔ دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٠٦، ١٠٨، الروايات، برقم: ١٧٠، ١٧١، ١٧٢، ١٧٣، ١٧٤) ابن أبي الحديد: شرح نهج البلاغة (٢/ ٣٠٨)

[3] مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ابن سبا کو سب سے پہلا شخص شمار کرتے ہیں، جس نے عصمتِ علی اور ان کے حق میں وصیتِ خلافت کا نظریہ ایجاد کیا تھا، اس کا اصل مقصود دینِ اسلام میں فساد انگیزی کرنا تھا، جیسے پولس نے عیسائیت میں فساد برپا کیا تھا۔ (مجموع الفتاوىٰ: ٤/ ٥١٨) اسی طرح ابن مرتضیٰ اپنی کتاب "المنية والأمل" (ص: ١٢٥) میں بیان کرتا ہے۔
ایسے ہی معاصرین میں شیخ ابو زہرہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا ہی وہ طاغوت اکبر ہے، جو اسلام میں عیب جوئی کرنے والی اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے والی جماعتوں کا سرغنہ ہے، نیز یہ شخص رجعتِ علی اور ان کے وصیِ محمد ہونے کا قائل اور اس کی طرف دعوت دینے والا تھا۔

←

ہے۔ لیکن عصر حاضر میں شیعہ میں ایک نیا گروہ نمودار ہوا ہے، جو کسی حقیقی ثبوت اور قطعی دلیل کے بغیر محض قلم کے زور پر ابن سبا کے وجود سے انکار کی سعی میں مگن ہے۔[1] بلکہ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا سے مراد عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔[2]

اس دعوے کا مقصد صرف یہ دھوکا دینا ہے کہ یہود مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک نہیں۔ اسی طرح ایسے دعووں سے مقصود رافضیت کو شرعی قالب میں ڈھالنا اور اپنے مخالفین کے اس دعوے کی تردید کرنا ہے کہ شیعیت کی اساس یہودیت پر استوار ہے۔

اہل سنت اور شیعہ دونوں کے علمائے سابقین ابن سبا کو ایک حقیقی شخصیت قرار دینے پر متفق ہیں، تو پھر کچھ لوگ فریقین کے درمیان ایک اتفاقی امر کی کس طرح نفی کر سکتے ہیں؟ یہ کہنا کہ ابن سبا سے مراد درحقیقت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) ہیں، عقل ونقل اور تاریخ کی روشنی میں یہ بات قطعاً پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، پھر جن عقائد کا اظہار ابن سبا نے کیا ہے، انھیں کس طرح عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) کے ذمے لگایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ محض صحابہ کرام کو ناکردہ گناہوں کا الزام دینا اور ان پر طعن نہیں ہے؟ ہمیں اس مسئلے کی مزید بحث وتحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اس کے متعلق مستقل کتب وتحقیقات شائع ہو چکی ہیں، جن میں اس مسئلے کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔[3]

---

← پھر ابوزہرہ ذکر کرتے ہیں کہ ابن سبا کا فتنہ اور اس کی جماعت ان عظیم فتنوں میں سے ہیں، جس کے سائے میں شیعہ مذہب معرضِ وجود میں آیا۔ (تاريخ المذاهب الإسلامية: ١/ ٣١۔ ٣٣) اسی طرح معاصرین میں سے سعید افغانی کہتے ہیں کہ ابن سبا ایک خفیہ تنظیم ''تلمودیہ'' کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک ہے، اس تنظیم کی غرض و غایت اسلامی حکومت کو ختم کرنا ہے اور یہ سلطنتِ روم کی آلہ کار ہے۔ دیکھیں: عائشة والسياسة (ص: ٦٠) نیز دیکھیں: القصيمي في الصراع (١/ ٤١)

[1] دیکھیں: مرتضیٰ عسکری کی کتاب ''عبدالله بن سبا'' (ص: ٣٥ وما بعدها)

[2] علي الوردي: وعاظ السلاطين (ص: ٢٧٤) ایک اور شیعہ عالم مصطفیٰ شیبی نے بھی اس کی تقلید میں یہی بات کہی ہے۔ دیکھیں: الصلة بين التصوف والتشيع (ص: ٤٠۔ ٤١) لیکن شیخ علی البصری بیان کرتے ہیں کہ دراصل وردی ان آرا میں پروفیسر هدايت الوحكيم الهلي (استاد جامعہ لندن) کا مقلد ہے، جنھیں اس نے اپنی کتاب ''تخس إمام'' (امام اول) میں ذکر کیا ہے، پھر وردی نے اپنی کتاب ''وعاظ السلاطين'' میں تقریباً اسی کا ترجمہ شائع کیا۔ دیکھیں: مجلة الثقافة الإسلامية، بغداد (العدد: ١١، السنة الأولى) مقال علي البصري بعنوان ''من طلاب الشهرة: علي الوردي''

[3] ان تمام تالیفات اور تحقیقات میں سب سے نمایاں اور اہم ترین کتاب ڈاکٹر سلمان عودہ کی تالیف ''عبدالله بن سبأ و أثره في إحداث الفتنة'' ہے، جس میں ابن سبا کے حقیقی وجود اور اس کی سازشوں پر کثرت سے قطعی دلائل موجود ہیں۔ یہ اس مسئلے کی عمدہ اور مکمل تحقیق ہے، جس میں مولف نے ابن سبا کے شخصی وجود میں تشکیک پیدا کرنے والوں، اس کی شخصیت کا کلیتًا انکار کرنے والوں اور ابن سبا ہی کو عمار بن یاسر قرار دینے والوں کا بھرپور محاکمہ کیا اور حجت و برہان کے ساتھ ان اقوال کا خلافِ واقعہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر عمار طالبی نے اپنی کتاب ''آراء الخوارج'' (ص: ٧٥۔ ٨١) میں اور ←

لہٰذا یہاں لمبی چوڑی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ شیعہ کی معتبر کتب میں ابن سبا سے متعلق جو منقول ہے، اسی سے استشہاد کیا جائے، کیوں کہ علمی بحث وتحقیق کا اصولی تقاضا یہ ہے کہ خود ان کے اصل مراجع ومصادر پر اعتماد کیا جائے۔

ثانیاً: چونکہ ابن سبا کے شخصی وجود کے انکار کی صداے بازگشت بھی شیعہ کی طرف سے سنائی دیتی ہے، لہٰذا جب ان کے خلاف انھی کی معتبر کتب سے احتجاج واستدلال کیا جائے، تو اس سے خود بہ خود ان کا یہ دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔

ثالثاً: کیوں کہ کتبِ شیعہ سے ابن سبا کی آرا اور نظریات کی تفصیل ذکر کرنے سے شیعہ مذہب کی اصولوں کی تصویر کشی ہوتی ہے اور خود شیعہ کے اپنے کلام سے ان کی بنیادوں پر روشنی پڑتی ہے، اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے۔ تو آیئے دیکھیں کہ شیعہ کتب ابن سبا کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟

## شیعہ کتب کی روشنی میں ابن سبا کی شخصیت اور اس کے عقائد ونظریات:

شیعہ مذہب کا نامور عالم اور فقیہ سعد بن عبد اللہ القمی[1] ابن سبا کے وجود کا اعتراف اور اس کے چند ساتھیوں کا نام تک ذکر کرتا ہے، جو اس کے ساتھ مل کر سازشیں کرتے تھے۔ پھر اس کے فرقے کو ''سبئیہ'' نام سے ملقب کرتا اور کہتا ہے کہ دینِ اسلام میں سب سے پہلے غلو کا اظہار کرنے والا یہی فرقہ تھا۔ بعد ازاں ابن سبا کو وہ پہلا شخص قرار دیتا ہے، جس نے ابوبکر، عمر، عثمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر علانیہ طعن وتشنیع کا اظہار کیا اور ان سے براءت ظاہر کی اور دعویٰ کیا کہ علی (رضی اللہ عنہ) ہی نے اسے اس کام کا حکم دیا ہے۔

پھر سعد قمی ذکر کرتا ہے کہ جب علی (رضی اللہ عنہ) کو اس کے عقائد کی خبر ہوئی تو انھوں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن پھر چھوڑ دیا اور صرف اسے مدائن کی طرف جلا وطن کرنے پر اکتفا کیا،[2] جس طرح اہلِ علم کی ایک جماعت (جیسا کہ قمی انھیں ذکر کرتا ہے) سے منقول ہے:

''عبداللہ بن سبا یہودی تھا، پھر اس نے اسلام قبول کیا اور علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت کا اظہار کیا۔ جب وہ

---

← ڈاکٹر عزت عطیہ نے اپنی کتاب ''البدعة'' (ص: ٦٤ وما بعدها) میں ان اقوال کا بے اصل ہونا اور ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ نیز ڈاکٹر سعید ہاشمی نے اس موضوع پر ایک نہایت قیمتی لیکچر دیا ہے، جس میں فریقین کے دلائل سے ابن سبا کی شخصیت کو ثابت کیا ہے۔ دیکھیں: محاضرات الجامعة الإسلامية، عام ٩٨۔ ١٣٩٩ھ، بعنوان ''ابن سبأ حقيقة لا خيال'' (ص: ٢٠١۔ ٢٢٣)

[1] جسے شیعہ عالم نجاشی ''شيخ الطائفة و فقيهها ووجهها'' جسے بلند پایہ القاب سے ذکر کرتا ہے۔ (رجال النجاشي، ص: ١٢٦)

[2] المقالات والفرق (ص: ٢٠)

یہودی تھا تو یوشع بن نون سے متعلق یہی کہتا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں، پھر وفاتِ نبوی کے بعد اسلام قبول کر کے یہی بات علی رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنے لگا (کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں) اس شخص نے سب سے پہلے علی بن ابی طالب کی امامت کے لزوم کا قول ذکر کیا اور ان کے دشمنوں سے براءت ظاہر کی اور انھیں کافر قرار دیا۔ اسی بنیاد پر شیعہ کے مخالفین نے کہا ہے کہ رافضی مذہب دراصل یہودیت سے ماخوذ ہے۔"[1]

پھر قمی ذکر کرتا ہے کہ جب ابن سبا کو علی (رضی اللہ عنہ) کی وفات کی اطلاع ملی تو اس نے دعویٰ کیا کہ وہ فوت نہیں ہوئے، بلکہ دوبارہ دنیا میں واپس آ کر اپنے دشمنوں سے لڑیں گے، پھر وہ اس عقیدے ونظریے میں غلو کرنے لگا۔[2]

یہ ہے وہ حقیقت جو قمی ابن سبا سے متعلق بیان کرتا ہے۔ یہ قمی شیعہ کے نزدیک ثقہ اور معرفتِ روایات میں وسیع النظر ہے،[3] ان کے نزدیک اس کی معلومات نہایت اہمیت کی حامل ہیں، کیوں کہ ایک تو وہ زمانے کے اعتبار سے متقدم ہے اور دوسرا جیسا کہ شیعہ عالم صدوق بیان کرتا ہے کہ یہ (قمی) شیعہ کے امام معصوم حسن عسکری سے ملا اور اس نے ان سے سماع کیا ہے۔[4]

اسی طرح ایک اور شیعہ عالم نوبختی، ابن سبا سے متعلق گفتگو کرتا ہے اور اس کے بارے میں قمی کے الفاظ سے حرف بہ حرف اتفاق کرتا ہے۔[5] یہ نوبختی بھی شیعہ کے نزدیک ثقہ اور معتبر عالم ہے۔[6]

ایک تیسرا شیعہ عالم الکشی[7] اپنی معروف کتاب "رجال الكشي" میں جو شیعہ کی قدیم ترین اور علم الرجال میں معتمد کتاب ہے، ابن سبا کے ذکر میں چھے روایات نقل کرتا ہے۔[8]

یہ روایات بیان کرتی ہیں کہ ابن سبا نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ نظریہ اپنایا کہ امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ)

---

[1] المصدر السابق (ص: ٢٠)

[2] المصدر السابق (ص: ٢١)

[3] دیکھیں: الطوسي: الفهرست (ص: ١٠٥) الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٣٥٢)

[4] دیکھیں: ابن بابويه القمي: إكمال الدين (ص: ٤٢٥، ٤٣٥)

[5] فرق الشيعة للنوبختي (٢٢۔ ٢٣)

[6] دیکھیں: الطوسي: الفهرست (ص: ٧٥) الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٢٢٨) عباس القمي: الكنى والألقاب (١/ ١٤٨) الحائري: مقتبس الأثر (١٦/ ١٢٥)

[7] یہ شیعہ کے نزدیک ثقہ اور اخبار و رجالِ شیعہ پر بہترین نظر رکھنے والا عالم ہے۔ (الطوسي: الفهرست، ص: ١٧١)

[8] رجال الكشي (ص: ١٠٦، ١٠٨، ٣٠٥)

۔تعالی اللہ وتقدس۔ ہی خدا ہیں۔ نیز ان روایات میں منقول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کو ان عقائد سے توبہ کرنے کا حکم دیا، لیکن وہ تائب نہ ہوا تو انھوں نے اس کو آگ میں جلا دیا، اسی طرح کشی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ ائمہ وخلفا پر لعن طعن کرتا اور علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا کرتا تھا، جیسے علی بن حسین فرماتے ہیں:

''ہم پر جھوٹ گھڑنے والے پر اللہ کی لعنت ہو، جب مجھے عبد اللہ بن سبا کا خیال آیا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، کیوں کہ اس نے بہت خطرناک دعویٰ کیا ہے۔ نہ جانے کیوں اس نے ایسا کہا ہے؟ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ کی قسم! علی رضی اللہ عنہ تو محض ایک اللہ کے نیک بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی بھی عزت وکرامت ملی ہے، وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گزاری کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔''[1]

پھر کشی ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

''اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، پھر مسلمان ہوا اور علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت کا اظہار کرنے لگا۔ جب وہ یہودی تھا تو یوشع بن نون کے حق میں غلو کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی ہیں، پھر وفاتِ نبوی کے بعد مسلمان ہو کر علی (رضی اللہ عنہ) کے متعلق یہی بات کہنے لگا (کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں)۔ اسی نے سب سے پہلے علی (رضی اللہ عنہ) کی امامت کے لزوم کی بات کی، ان کے دشمنوں سے براءت ظاہر کی، ان کے مخالفین سے دشمنی کا اظہار کیا اور انھیں کافر کہا۔ اسی بنا پر شیعہ کے مخالفین نے کہا ہے کہ رفض وتشیع دراصل یہودیت سے ماخوذ ہے۔''[2]

یہ کشی کا کلام ہے، جو قمی اور نوبختی کے کلام سے مکمل طور پر متفق ہے۔ یہ سب لوگ اپنے اس قول کی تصدیق وتوثیق کی خاطر اسے اہلِ علم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

مزید برآں یہ چھپے روایات ساری کی ساری ''رجال الكشي'' میں موجود ہیں، جسے یہ لوگ اپنے اصول اربعہ میں، جن پر شیعہ تراجم رجال کا دارومدار ہے، سے ایک شمار کرتے ہیں۔ پھر شیعہ کا ایک اور بڑا عالم طوسی آیا تو اس نے اس کتاب (رجال الكشي) کی تہذیب وتنقیح کی، چناں چہ اب یہ شیعہ کے نزدیک پہلے سے بھی زیادہ معتبر اور محکم کتاب بن گئی ہے، کیوں کہ ایک تو یہ کشی کی تالیف ہے، جو ان کے نزدیک ثقہ اور اَخبار و رجالِ شیعہ پر گہری نظر رکھنے والا ہے اور دوسرا طوسی بھی اس کی تالیف میں شریک ہے، جو شیعہ کی صحاح

---

[1] رجال الكشي (ص: ١٠٨)

[2] المصدر السابق (ص: ١٠٨)

اربعہ میں سے دو کتابوں کا مصنف ہے اور ایسے ہی شیعہ کی کتبِ اربعہ میں، جن پر ان کے علم الرجال کا دارومدار ہے، سے دو کتابوں کا مولف ہے۔[1]

علاوہ ازیں دیگر کئی شیعہ رجال کی کتابوں میں ابن سبا کا ذکر موجود ہے۔[2] جیسا کہ شیعہ کتبِ رجال میں سے اہم اور وسیع ترین معاصر کتاب "تنقيح المقال"[3] لشيخ الشيعة عبد الله الممقاني (المتوفى ۱۳۵۱ھ) میں بھی ابن سبا کا ذکر موجود ہے۔[4]

اسی بنا پر بعض شیعہ معاصرین اب اس انکار والے موقف کو چھوڑنے پر مجبور ہیں، جیسا کہ محمد حسین الزین کہتا ہے:

''بہر حال یہ شخص (ابن سبا) واقعتاً موجود تھا اور اسی نے غلو کا اظہار کیا۔ اگرچہ بعض شیعہ اس کے وجود میں شک کرتے ہوئے اسے ایک خیالی شخصیت قرار دیتے ہیں، لیکن ہم بحث وتحقیق کے نتیجے میں اس کے وجود اور غلو میں کوئی شک نہیں کرتے۔''[5]

کیوں کہ ابن سبا کے وجود سے انکار کرنے کے نتیجے میں شیعہ علما اور ان کی ان کتابوں کی تکذیب ہوتی ہے، جن میں بہ کثرت اس کا ذکر ہوا ہے، اگرچہ یہ لوگ اس کی صراحت نہیں کرتے، تاہم غیر شعوری طور پر شیعہ کی طرف سے یہ اعتراف بھی سامنے آتا ہے کہ شیعہ کتبِ رجال کوئی قابل اعتماد مرجع ہیں نہ ان کا کسی امر پر

---

[1] مندرجہ بالا سطور میں ہم نے جو کچھ کشی سے متعلق نقل کیا ہے، وہ طوسی کی تہذیب واختیار سے ماخوذ ہے، کیوں کہ اصل کتاب، جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں، مفقود ہے اور اس کا کوئی اتا پتا معلوم نہیں۔ دیکھیں: مقدمة رجال الكشي (ص: ۱۷۔ ۱۸) يوسف البحراني: لؤلؤة البحرين (ص: ۴۰۳)

[2] غالباً شیعہ مصادر میں قدیم ترین کتاب "مسائل الإمامة" (ص: ۲۲۔ ۲۳) لعبد الله الناشئ الأكبر (المتوفى ۲۹۳ھ) ہے، جس میں ابن سبا اور اس کی جماعت سبئیہ کے متعلق کلام کیا گیا ہے۔

اس کے مولف کے حالات کے لیے دیکھیں: وفيات الأعيان (۳/ ۹۱۔ ۹۲) أنباء الرواة (۲/ ۱۲۸۔ ۱۲۹)

نیز مندرجہ ذیل شیعہ کتبِ رجال میں بھی ابن سبا کا ذکر موجود ہے: المازندلاني: منتهى المقال (غير مرقم الصفحات) الاسترابادي: منهج المقال في تحقيق أحوال الرجال (ص: ۲۰۳۔ ۲۰۴) الأردبيلي: جامع الرواة (۱/ ۴۸۵) ابن داود الحلي: الرجال (۲/ ۷۱) التستري: قاموس الرجال (۵/ ۴۶۱ وما بعدها) رجال الطوسي (ص: ۵۱)

مندرجہ ذیل شیعہ کی کتبِ حدیث وفقہ میں بھی ابن سبا کا ذکر موجود ہے۔ ابن بابويه القمي: من لا يحضره الفقيه (۱/ ۲۱۳) الخصال (ص: ۶۲۸) الطوسي: تهذيب الأحكام (۲/ ۳۲۲) المجلسي: بحار الأنوار (۲۵/ ۲۸۶ وما بعدها)

[3] تنقيح المقال (۲/ ۱۸۳)

[4] دیکھیں: الأعلمي: مقتبس الأثر (۲۱/ ۲۳۰)

[5] الشيعة في التاريخ (ص: ۲۱۳)

اتفاق ہی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔

اسی طرح کتبِ شیعہ اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتی ہیں کہ ابن سبا ہی وہ پہلا شخص تھا، جو علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت اور ان کی رجعت کا قائل تھا اور اسی نے سب سے پہلے خلفاے ثلاثہ اور صحابہ کرام کے بارے میں زبانِ طعن دراز کی تھی۔ یہی وہ آرا اور عقائد ہیں، جن کو جھوٹ اور بہتان سے کام لیتے ہوئے روایات و احادیث کی شکل میں ڈھال کر اہلِ بیت کی طرف منسوب کیا گیا، جو بعد میں شیعہ مذہب کی اساس ٹھہرے اور عوام بالخصوص عجم میں بڑی قبولیت سے ہم کنار ہوئے۔

## تیسرا قول:

شیعہ مذہب کی ایجاد ۳۷ھ کو ہوئی۔ اس کے قائلین میں مشہور ترین "مختصر التحفة الاثنی عشریة" کے مولف ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ شیعہ نام ۳۷ھ کو ظاہر ہوا تھا۔[1] اسی طرح پروفیسر واٹ منٹگمری بھی اسی رائے کے قائل ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

''شیعہ تحریک کا آغاز ۶۵۸ء بہ مطابق ۳۷ھ میں کسی دن ہوا تھا۔''[2]

غالبًا یہ لوگ شیعہ مذہب کی ایجاد کا سبب واقعہ صفین، جو ۳۷ھ کو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آیا تھا، اور اس کے پس و پیش رونما ہونے والے آثار و حوادث کو ٹھہراتے ہیں، لیکن اس رائے سے شیعہ مذہب کے اصول و عقائد کی ابتدا مقصود نہیں ہے، کیوں کہ مورخین نے اس سال میں رونما ہونے والے جو حالات و واقعات نقل کیے ہیں، ان میں ہمیں کوئی ایسا شخص یا فرقہ نظر نہیں آتا، جس نے وصیت، خلافت یا رجعتِ علی (رضی اللہ عنہ) کے نظریے کا اظہار کیا ہو یا شیعہ مذہب کے معروف اصول و قواعد میں سے کسی عقیدے کی دعوت دی ہو، اسی طرح یہ کہنا بھی ناممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے معاونین شیعہ مذہب یا کسی شیعہ عقیدے کے پیروکار تھے، اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کے لشکر میں کچھ دین دشمن لوگ بھی موجود تھے، جنھوں نے بہ ظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا، تاکہ بہ باطن اس کے خلاف سازشیں تیار کر سکیں، لیکن اس حقیقت سے انکار کرنا بھی ناممکن ہے کہ فرقہ سبئیہ، جو اس سے پہلے ہی وجود میں آچکا تھا، فساد کی آگ بھڑکانے میں نمایاں اثر رکھتا ہے۔

---

[1] مختصر التحفة (ص: ٥)

[2] Montgomery watt: Islam and Integration of Society, P: 104

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ تحکیم کے بعد اور خود تحکیم کے وقت شرائطِ صلح میں کسی تخصیص کے بغیر دونوں جانب کے فریقین پر لفظِ شیعہ کا اطلاق کیا گیا تھا، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔[1]

## چوتھا قول:

شیعہ مذہب شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے فوراً بعد معرضِ وجود میں آیا تھا۔ ایک مستشرق سٹروٹمین[2] کہتا ہے کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کا خون ایک نظریے کے طور پر شیعہ مذہب کی اولین بنیاد تھی۔[3]

## راجح قول:

گذشتہ صفحات میں ہم نے شیعہ مذہب کے آغاز کے متعلق اہم آرا ذکر کی ہیں اور ان پر حسبِ ضرورت نقد و تبصرہ بھی کیا ہے۔ میری نظر میں شیعہ مذہب ایک نظریہ اور عقیدہ بن کر اچانک ہی نمودار نہیں ہوا، بلکہ یہ کئی وقتی تبدیلیوں سے دوچار ہوا اور مختلف مراحل سے گزرا ہے۔ البتہ شیعہ مذہب کے ابتدائی عقائد اور اس کے بنیادی اصول فرقہ سبئیہ کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوئے تھے، جیسا کہ کتبِ شیعہ بھی اس حقیقت کا اعتراف و اقرار کرتی ہیں کہ ابن سبا ہی نے سب سے پہلے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت ضروری ہے اور یہ کہ علی (رضی اللہ عنہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصی ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

بعینہٖ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منصوص امامت کا عقیدہ ہے، جو شیعہ مذہب کی اساس ہے، جیسا کہ شیعہ مذہب کی تعریف کے ضمن میں ہم شیعہ عالم کا نظریہ ذکر کر چکے ہیں۔ پھر شیعہ کتب ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا اور اس کی جماعت نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور سسر، نسبی رشتے دار، خلفا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی ساتھیوں ابوبکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان طعن دراز کی تھی اور شیعہ بھی صحابہ کرام کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں، جیسا کہ ان کی معتبر کتب میں مرقوم ہے۔ نیز ابن سبا ہی سب سے پہلے رجعتِ علی (رضی اللہ عنہ) کا قائل تھا[4] اور اب یہی رجعت شیعہ مذہب کا بنیادی اصول ہے، جس کی تفصیل آگے

[1] دیکھیں (ص:۵۶)

[2] رڈولف سٹروٹمین مذاہب و فرق کا ایک متخصص مستشرق عالم تھا اور اس نے اس سلسلے میں کئی تحقیقات رقم کی ہیں، جن میں "الزيدية" اور "أربعة كتب إسماعيلية" شامل ہیں۔

[3] دائرة المعارف الإسماعيلية (١٤/ ٥٩)

[4] دیکھیں: القمي: المقالات والفرق (ص: ٢١) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٣) الناشئ الأكبر: مسائل الإمامة (ص: ٢٢۔ ٢٣) الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦) الملطي: التنبيه والرد (ص: ١٨) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٢٣٤) الإسفرايني: التبصير في الدين (ص: ٧٢) الرازي: محصل أفكار المتقدمين والمتأخرين (ص: ٢٤٢) الأيجي: المواقف (ص: ٤١٩)

آ رہی ہے۔ مزید برآں ابن سبا ہی نے یہ بات کہی تھی کہ علی اور اہلِ بیت کے پاس چند مخصوص مخفی علوم ہیں، جیسا کہ حسن بن محمد بن حنفیہ[1] نے رسالہ ''الإرجاء''[2] میں کہا ہے۔ اب یہ مسئلہ شیعہ کے بنیادی عقیدے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایک اثر مروی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ بہت پہلے ظاہر ہو گیا تھا اور علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں یا لوگوں کے پاس نہیں ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکمل طور پر اس کی حتمی تردید کی تھی۔[3] یہی شیعہ مذہب کے اہم دینی اصول ہیں،[4] جو یقیناً شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں معرضِ وجود میں آئے تھے، لیکن لوگوں میں ایک مخصوص فرقے کی صورت میں متعارف نہیں ہوئے تھے، بلکہ فرقہ سبئیہ نے جیسے ہی اپنا سر نکالا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے نیست و نابود کر دیا،[5] لیکن اس کے متصل بعد رونما ہونے والے واقعات

---

[1] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''الحسن بن محمد بن علي بن أبي طالب، أبو محمد المدني، ان کے والد ابن الحنفیہ کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کا ایک رسالہ ''الإرجاء'' ہے، جو محمد بن یحییٰ المدنی نے کتاب الایمان میں نقل کیا ہے۔'' (تهذيب التهذيب: ٢/ ٣٢)

[2] رسالة الإرجاء (ضمن كتاب الإيمان لمحمد بن يحييٰ المدني، ص: ٢٤٩۔ ٢٥٠)

[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ''باب كتابة العلم'' (البخاري مع الفتح: ١/ ٢٠٤) ''باب حرم المدينة'' (البخاري مع الفتح: ٤/ ٨١) ''باب فكاك الأسير'' (٦/ ١٦٧) ''باب ذمة المسلمين و جوارهم'' (٦/ ٢٧٣) ''باب اثم من عاهد ثم غدر'' (٦/ ٢٧٩۔ ٢٨٠) ''باب اثم من تبرأ من مواليه'' (١٢/ ٤١۔ ٤٢) ''باب العاقلة'' (١٢/ ٢٤٦) ''باب لا يقتل مسلم بكافر'' (١٢/ ٢٦٠) اور ''باب ما يكره من التعمق والتنازع والغلو'' (١٣/ ٢٧٥۔ ٢٧٦) میں ذکر کی ہے۔ نیز یہ حدیث امام مسلم (مسلم مع النووي: ٩/ ١٤٣۔ ١٤٤، ١٣/ ١٤١) امام نسائی (المجتبیٰ: ٨/ ١٩) امام ترمذی (٤/ ٦٦٨) اور امام احمد (المسند ١/ ١٠٠) نے بھی روایت کی ہے۔

[4] یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جس شیعہ مذہب کی ایجاد ابن سبا سے مربوط ہے، اس سے مراد وہ شیعہ مذہب ہے، جو ان غلو آمیز اصول و عقائد پر مشتمل ہے، لیکن ''معتدل شیعہ مذہب جو علی رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر فضیلت و فوقیت دینے پر مبنی ہے، تو یہ زندیقوں کی اختراع نہیں، اس دعویٰ کے خلاف کہ علی رضی اللہ عنہ کی امامت منصوص ہے اور آپ رضی اللہ عنہ معصوم ہیں، اس نظریے کو ایجاد کرنے والا منافق اور زندیق ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ لابن تيمية: ٢٠/ ٤٦٦) اس (منافق اور زندیق) سے مراد ابن سبا اور اس کی جماعت ہے، جو یہودیوں، منافقین اور اسلام کے باطنی دشمنوں پر مشتمل ہے۔

[5] جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا دعویٰ کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں جلانے کا حکم دیا تھا۔ دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة (١/ ٢١٩) فتح الباري (٢/ ٢٧٠) الملطي: التنبيه والرد (ص: ١٨) الإسفراييني: التبصير في الدين (ص: ٧٠)

جب علی رضی اللہ عنہ کو فرقہ سبّابہ (جو لوگ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں) کے متعلق خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ابن سوداء کو بلایا، کیوں کہ اس کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ کو ایسی حرکت کی اطلاع ملی تھی، لیکن وہ بھاگ گیا۔ ایک قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ فرار ہو گیا۔

←

معرکہ صفین، واقعہ تحکیم اور سیدنا علی اور حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت وغیرہ نے ان عقائد کے ظہور اور انھیں جماعتی قالب میں ڈھالنے کے لیے مناسب فضا مہیا کر دی۔ ان تمام واقعات نے لوگوں کے دلوں اور ان کے جذبات کو اہلِ بیت کی خاطر گروہی عصبیت اور شیعیت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے لیے پیدا ہونے والی اسی شیعیت اور حزبیت کی راہ سے لوگوں کے احساسات میں یہ فکر جاگزیں ہوگئی اور پھر یہی شیعہ فکر اسلام کو مٹانے کی خواہش رکھنے والے ہر ملحد، منافق اور طاغوت کے لیے ایک ذریعہ بن گئی اور مسلمانوں میں شیعی لبادے کی آڑ میں غیر اسلامی عقائد و افکار بہ آسانی داخل ہوگئے، پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے، اس بدعت کا دائرہ وسیع ہوتا رہا اور اس کے نقصانات بڑھتے گئے، کیوں کہ کثیر تعداد میں ابن سبا کے جانشین پیدا ہوگئے۔

علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شیعہ لقب صرف محبت اور نصرت ہی کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، اس سے آج کے شیعہ عقائد میں سے کسی عقیدے پر ایمان لانا قطعاً مقصود نہیں تھا اور نہ اس لقب کا اطلاق علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا، جس کی دلیل معاہدہ تحکیم کے وہ الفاظ ہیں، جن میں علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں ہی کے اَتباع پر شیعہ لفظ کا اطلاق موجود ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔[1] لہٰذا اہلِ بیت پر گزرنے والے واقعات (شہادتِ علی اور حسین رضی اللہ عنہما وغیرہ) ہی آلِ بیت کے تشیع کی طرف دھکیلنے والے موثر ترین اسباب و عوامل تھے، پھر جب لوگوں کے دلوں میں آلِ بیت کے حق میں یہ میلان اور تاثر پیدا ہوگیا تو ہر مسلمان کے دل و دماغ میں یہی جذبہ موجزن ہوگیا اور اس صورتِ حال کو موقع غنیمت جان کر دشمنانِ دین، جو مسلمانوں کے برے حالات کی تاک میں رہتے ہیں، اس دروازے سے داخل ہوگئے، پھر انھوں نے اس امت کی صفوں میں فرقہ واریت کو پھیلا دیا اور اپنی ان سازشوں کی تکمیل کی، جنھیں وہ سیف و سنان کے زور پر پورا کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔ پھر دوسرے مذاہب کے پیروکار، سازشیں کرنے والے لوگ اور گھات میں بیٹھے ہوئے دینِ اسلام کے دشمن شیعہ مذہب میں داخل ہوئے اور اپنے اپنے دین سے اخذ کردہ اصولوں کو اسلام کا لبادہ پہنانے لگے، جس پر ہم ''شیعہ مذہب کی بنیاد'' کی بحث میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

---

← سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرقہ مفضلہ (جو علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتے ہیں) کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے کہا: اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا، جو مجھے ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) پر فوقیت دیتا ہے تو میں اسے ایک افترا پرداز کو ملنے والی سزا دوں گا۔ (منهاج السنة: ۱/ ۲۱۹۔ ۲۲۰)

[1] دیکھیں (ص: ۵۶)

# شیعہ مذہب کی بنیاد
# (یا شیعہ مذہب میں قدیم فلسفوں کے اثرات)

شیعہ مذہب کے فکری ونظریاتی اصولوں کے ماخذ سے متعلق علما ومحققین کی آرا میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کا مصدر یہودیت ہے، کوئی اس کو فارسی الاصل بتاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ شیعہ مذہب بدھ مت وغیرہ جیسے قدیم ایشیائی مذاہب[1] کے عقائد سے ماخوذ ہے۔

## پہلا قول: شیعہ مذہب کی بنیاد یہودیت پر استوار ہے:

بعض محققین کی رائے ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیاد یہودیت پر قائم ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں:

۱. ابن سبا ہی وہ پہلا شخص ہے، جو وصیت اور رجعت کا قائل ہے اور وہ یہودی تھا، پھر یہی افکار ونظریات شیعہ مذہب کے اصول وعقائد قرار پا گئے۔ متقدمین شیعہ علما قمی، نوبختی اور کشی نے بھی جب ابن سبا کے نظریات کا تذکرہ کیا، جو بعد میں شیعہ کے عقائد بن گئے تو اس امر کی طرف اشارہ کیا اور کہا ہے:
"اسی بنا پر شیعہ کے مخالفین نے کہا ہے کہ رافضیت کی اصلیت یہودیت سے ماخوذ ہے۔"[2]

۲. شیعہ اور یہود کے فکری ونظریاتی اصولوں میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ غالباً اس بارے میں سب سے پہلا اور جامع ترین بیان امام شعبی[3] سے مروی ہے،[4] جیسا کہ ابن حزم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

---

[1] بدھ مت کے ماننے والے گوتم بدھ کے پیروکار ہیں۔ یہ مذہب متعدد ایشیائی اقوام کے درمیان رائج ہے، لیکن ایک مذہب کے پیروکار ہونے کے باوجود ان کے درمیان باہم عقائد کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جاپانی بدھ مت کے پیروکار گوتم بدھ کو ایک خدائی جوہر تسلیم کرتے ہیں، جو کائنات میں حلول کیے ہوئے ہے۔ ہندوستانی بدھ، جو اصل بدھ ہیں، کسی الٰہ کو تسلیم نہیں کرتے اور چینی بدھ موجود مطلق کا نظریہ رکھتے ہیں، جو مختلف شخصیات کی صورت میں سامنے آتا ہے اور گوتم بدھ بھی ان ہی شخصیات میں سے ایک فرد ہے۔ بدھ مت سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: محمد سيد كيلاني: ذيل الملل والنحل (ص: ١٣، ٢٦، ٣١) محمد أبو زهرة: الديانات القديمة (ص: ٥٣) سليمان مظهر: قصة الديانات (ص: ٧٣)

[2] القمي: المقالات والفرق (ص: ٢٠) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٢) رجال الكشي (ص: ١٠٨)

[3] عامر بن شراحيل بن عبد ذي كبار الشعبي (المتوفى ١٠٢هـ) تابعین سے بہ کثرت روایت کرنے والے اور قوتِ حافظہ میں ضرب المثل ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ٥/ ٥)

←

''یہ شیعہ بھی یہود کے نقش قدم پر گامزن ہیں، جو کہتے ہیں کہ یقیناً الیاس علیہ السلام اور فنحاس بن العازار بن ہارون علیہ السلام آج تک زندہ ہیں۔''[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ شیعہ میں جہالت، غلو اور خواہش کی پیروی جیسی خصلتیں موجود ہیں، جن کے سبب ایک اعتبار سے وہ نصاریٰ سے مشابہت رکھتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے یہود کے ساتھ، اسی لیے ہمیشہ لوگ ان کی اس مشابہت کا تذکرہ کرتے رہے ہیں، پھر امام ابن تیمیہ نے شیعہ کی یہود و نصاریٰ سے مشابہت سے متعلق امام شعبی کا اثر ذکر کیا ہے۔[2] یہی بات محققین کی ایک جماعت نے بھی کہی ہے۔[3]

## دوسرا قول: شیعہ مذہب فارسی الاصل ہے:

بعض محققین شیعہ مذہب کو فارسی اثرات کی پیداوار قرار دیتے ہیں، جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1. امام ابن حزم اور مقریزی کہتے ہیں کہ اہلِ فارس وسعتِ سلطنت، دوسری اقوام پر غلبے اور ان کے دلوں میں رعب و دبدبے کے سبب اپنے آپ کو اَحرار (آزاد) اور اَسیاد (سردار) کہا کرتے تھے اور دوسرے تمام لوگوں کو اپنا غلام شمار کرتے تھے، لیکن جب عرب کے ہاتھوں زوالِ حکومت کی آزمایش سے دو چار ہوئے، جب کہ عرب اہلِ فارس کی نظر میں سب سے کم وقعت کے حامل تھے، تو یہ امر ان پر بڑا گراں گزرا اور انھیں دہری تکالیف پہنچی، چنانچہ انھوں نے مختلف اوقات میں جنگ و جدال کے ذریعے اسلام کو مٹانا چاہا، لیکن ہر بار اللہ نے اپنے دین کو غالب کیا تو ان لوگوں نے سوچا کہ سازشی طریقہ کار سے کامیابی کی امید زیادہ ہے، اس بنا پر ان میں سے ایک گروہ نے بہ ظاہر اسلام قبول کر لیا اور اہلِ بیت کی محبت اور

---

← [4] اسے امام خلال نے "السنة" میں روایت کیا ہے، محقق کتاب کہتے ہیں: ''اس کی سند صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس میں "عبدالرحمن بن مالك بن مغول" راوی متروک ہے، لیکن اس روایت میں ذکر کردہ امور رافضہ میں موجود ہیں۔''

[1] الفصل (٥/ ٣٧)

[2] منهاج السنة (١/ ٦)

[3] جیسا کہ پروفیسر احمد امین کہتے ہیں کہ شیعہ مذہب میں رجعت کا نظریہ یہودیت کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ نیز شیعہ کہتے ہیں کہ شیعہ شخص پر تھوڑی مدت کے سوا آگ حرام کی گئی ہے اور یہی بات بعینہ یہود نے کہی تھی: ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ اسی طرح شیعہ کا یہ کہنا کہ امام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مسیح کی نسبت کے مانند ہے، عیسائی اثرات کا نتیجہ ہے۔ (فجر الإسلام، ص: ٢٧٦) ایک مستشرق عالم گولڈ زیہر کہتا ہے کہ شیعہ مذہب میں رجعت کا عقیدہ یہودیت اور نصرانیت کے زیر اثر پیدا ہوا ہے۔ (العقيدة والشريعة، ص: ٢١٥) اسی طرح ایک اور مستشرق فریڈ لنڈر کہتا ہے کہ شیعہ نے اپنے بنیادی عقائد یہودیت سے اخذ کیے ہیں۔ (العقيدة والشريعة، ص: ١٠٠ وما بعدها) مستشرق فلہوزن بھی شیعیت کو یہودیت سے ماخوذ بتاتا اور ان دونوں کے درمیان فکری مشابہت کا تذکرہ کرتا ہے۔ دیکھیں: أحزاب المعارضة (ص: ١٧٠)

علی رضی اللہ عنہ پر (اپنے خیال میں) ہونے والے ظلم و زیادتی کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کر کے شیعہ کو اپنی جانب مائل کر لیا اور انھیں مختلف راستوں پر چلاتے رہے، حتی کہ انھیں راہِ ہدایت سے برگشتہ کر دیا۔[1]

٢ اہلِ عرب کا شیوۂ زندگی آزادی اور حریت تھا، جبکہ اہلِ فارس کا نظامِ زندگی بادشاہت و ملوکیت پر قائم تھا، جو بادشاہ ہی کے خاندان میں باقی رہتا تھا اور وہ لوگ خلیفہ کے لیے انتخاب کے معنی سے بھی ناآشنا تھے، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور اپنے پیچھے جانشینی کے لیے کوئی اولاد نہ چھوڑی تو اب لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتے دار آپ کے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ہی تھے، لہٰذا اگر خلافت ابوبکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) جیسے کسی شخص نے حاصل کی ہے تو اس نے اصل حق دار سے یہ منصب غصب کیا ہے۔

جبکہ اہلِ فارس بادشاہت اور شاہی خاندان میں اس کی موروثیت کو دین کی حد تک مقدس سمجھا کرتے تھے، لہٰذا انھوں نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی اسی نظر سے دیکھا اور کہا کہ امام (حکمران) کی فرماں برداری ضروری ہے اور اس کی اطاعت گزاری درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔[2]

فارس کے لوگ بہت بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے، لیکن اپنے قدیم عقائد سے کلیتاً چھٹکارا نہ پا سکے اور گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ اپنے انہی قدیم نظریات کو اسلامی رنگ میں بنا سنوار کر پیش کرتے رہے۔ اسی بنا پر شیعہ لوگ حضرت علی اور ان کی اولاد کی طرف بعینہٖ انھی نظروں سے دیکھتے ہیں، جن نظروں سے وہ (فارسی) اپنے اولین آبا و اجداد ساسانی حکمرانوں کو دیکھا کرتے تھے۔

شیخ ابو زہرہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ بادشاہت اور اس کی موروثیت سے متعلق فارسی افکار سے متاثر ہیں، اسی لیے شیعہ مذہب اور اہلِ فارس کے بادشاہی نظام کے درمیان بڑی واضح مشابہت پائی جاتی ہے، جس کی مزید تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر اہلِ فارس شیعہ ہیں اور اولین شیعہ فارسی النسل تھے۔[3]

٣ جب مسلمانوں کے ہاتھوں ملکِ ایران فتح ہوا تو قیدیوں میں ایک ایرانی بادشاہ یزدگرد کی بیٹی بھی تھی، جس سے حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور اسی سے ان کا ایک بیٹا علی بن حسین تولد ہوا۔ فارسیوں نے اپنے

---

[1] ابن حزم: الفصل (٢/ ٢٧٣) المقريزي: الخطط (٢/ ٢٦٢)

[2] دیکھیں: محمد أبو زهرة: تاريخ المذاهب الإسلامية (١/ ٣٧) أحمد أمين: فجر الإسلام (ص: ٢٧٧) عرفان عبد الحميد: دراسات في الفرق (ص: ٢٣) فلهوزن: أحزاب المعارضة السياسية (ص: ١٦٨) فلوتن: السيادة العربية (ص: ٧٦)

[3] محمد أبو زهرة: تاريخ المذاهب الإسلامية (١/ ٣٨)

بادشاہ کی بیٹی سے پیدا ہونے والی اولاد کو اپنے قدیم بادشاہوں کا وارث خیال کیا اور سمجھا کہ علی بن حسین اور ان کی اولاد کی رگوں میں فارسی حکمران یزدگرد کی بیٹی سے تولد پذیر ہونے کے ناتے ایرانی اور ان کے مقدس ساسانی بادشاہوں کا خون دوڑتا ہے۔[1] مزید برآں کہا جاتا ہے کہ فاطمہ نام فارسیوں کے نزدیک بڑا مقدس نام ہے، کیوں کہ ان کی قدیم تاریخ میں فاطمہ کا مقام و مرتبہ نہایت قابلِ تعریف ہے۔[2]

٣ نیز شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں متعدد روایات ایسی ہیں، جن کے مشاہدے سے شیعہ مذہب کے فارسی الاصل ہونے کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً شیعہ کے نزدیک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان لوگوں کی افترا پردازیوں سے مبرّا ہیں) متعدد ایسی خصوصیات اور صفات سے متصف ہیں، جو بشری طاقت سے ماورا ہیں، چناں چہ شیعہ روایات میں منقول ہے کہ یقیناً سلمان زمین میں اللہ کا دروازہ ہے، جس نے اسے پہچان لیا، وہ مومن ہے اور جس نے اسے نہ پہچانا، وہ کافر ہے۔[3]

سلمان رضی اللہ عنہ کے اسی وصف کو شیعہ اپنی روایات میں اپنے بارہ ائمہ کے بارے میں بھی استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اسی طرح شیعہ روایات سلمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے، جو ان کے کان میں پھونکتا اور کہتا ہے کہ ایسے ایسے ہوا ہے۔[4]

حسن بن منصور سے مروی ہے کہ میں نے صادق علیہ السلام سے کہا: کیا سلمان کو الہام ہوتا تھا؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: انھیں کون الہام کرتا تھا؟ فرمایا: معزز فرشتہ۔ میں نے کہا: اگر سلمان ایسا ہے تو ان کے ساتھی (علی رضی اللہ عنہ) کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا؟ تو انھوں نے فرمایا: جاؤ اپنا کام کرو![1]

---

[1] اس سلسلے میں کہ علی بن حسین کی والدہ فارسی حکمران یزدگرد کی بیٹی ہے، تفصیل کے لیے دیکھیں: تاريخ اليعقوبي (٢/ ٢٤٧) صحيح الكافي (١/ ٥٣) نیز دیکھیں: سميرة الليثي: الزندقة والشعوبية (ص: ٥٦) عبد الله الغريب: وجاء دور المجوس (ص: ٧٧) النشار: نشأة الفكر الفلسفي (٢/ ١١١) عبد الرزاق الحصان: المهدي والمهدوية (ص: ٨٢) رونلدسن: عقيدة الشيعة (ص: ١٠١)

[2] کیوں کہ ان کے خیال میں فاطمہ ہی کی بدولت سمردیس مجوسی کے، جو کیسانیوں کے پایہ تخت پر قابض ہوگیا تھا، متعلق حقیقتِ حال کا انکشاف ہوا تھا، چنانچہ فاطمہ بڑی بہادر اور مقدس خاتون تھی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو سمردیس مجوسی کے متعلق کچھ پتا نہ چلتا اور اگر وہ نہ ہوتی تو اس کا باب اوتانس اور اس کے ساتھی، سمردیس کے مقابلے میں مناسب تدبیر اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ دیکھیں: عبد الرزاق الحصان: المهدي والمهدوية (ص: ٨٤) عن هيرو دوتس (٢/ ٤٦٢) المقدسي: البدء والتاريخ (٤/ ١٣٤، ٦/ ٩٥)

[3] رجال الكشي (ص: ١٥)

[4] المصدر السابق (ص: ١٦)

یہ روایت سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے وحی کا اثبات کرتی اور اشارہ کرتی ہے کہ ان کے ساتھی (علی رضی اللہ عنہ) کا مقام اس سے بھی بلند ہے!! بلکہ شیعہ روایات کی رو سے سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس ائمہ (شیعہ) اور انبیاے کرام کا علم بھی موجود تھا، نیز یہی روایات بتاتی ہیں کہ سلمان نے اول کا علم بھی پایا اور آخر کا بھی، جیسا کہ ان روایات میں ہے:

"يعني علم النبي ﷺ و علم علي، وأمر النبي وأمر علي"[2]

یعنی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کا علم اور ان کا رتبہ بھی حاصل تھا۔

شیعہ روایات میں یہ بات بھی موجود ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ ان شیعہ میں سے ایک ہیں، جن کی بدولت (جیسا کہ یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں) انھیں رزق، مدد اور بارش عطا ہوتی ہے۔[3]

بلکہ بعض شیعہ فرقوں نے تو اتنا غلو کیا ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ کو الٰہ ہی قرار دے دیا ہے۔ یہ فرقہ ابو الحسن اشعری (المتوفی ۳۳۰ھ) کے زمانے میں موجود تھا، چنانچہ وہ اس فرقے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں بعض لوگ (شیعہ) نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو الٰہ قرار دے دیا ہے۔''[4]

ممکن ہے فرقہ اثنا عشریہ کی کتب میں ان روایات کا وجود اسی فرقے کے اثرات کا نتیجہ ہو، کیوں کہ اثناعشریہ کی کتب میں شیعہ فرقوں کی بیشتر آرا کا استیعاب کیا گیا ہے، خواہ وہ کتنی ہی شاذ اور خلافِ عقل کیوں نہ ہوں۔ ان شاذ آرا کا شیعہ کی کتابوں میں باقی رہنا، ایک مرتبہ پھر ان گروہوں کے ظہور کا سبب بن سکتا ہے، بلکہ شیعہ حلقوں میں یہ رجحان نظر آتا ہے کہ وہ بعض فارسی عناصر کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں، جنھوں نے خلفاے راشدین کی حکومت کے خلاف سازشوں اور لڑائیوں میں شرکت کی تھی، جیسے ابولؤلؤ مجوسی، جس نے خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اسے یہ لوگ ''بابا شجاع الدین'' کہا کرتے تھے[5] اور جس دن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس مجوسی کے ہاتھوں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے تھے، اس دن کو شیعہ لوگ عید مناتے ہیں۔ شیعہ عالم جزائری نے اس سلسلے میں کئی شیعہ روایات کا تذکرہ کیا ہے۔[6]

اسی طرح یہ لوگ مجوسی تہوار ''یومِ نیروز'' کی بھی مجوسیوں کی طرح تعظیم کرتے ہیں،[1] حالاں کہ شیعہ

---

[1] رجال الكشي (ص: ١٩)

[2] المصدر السابق (ص: ١٦)

[3] المصدر السابق (ص: ٦۔ ٧)

[4] مقالات الجسلامين (١/ ٨٠)

[5] دیکھیں: عباس القمي: الكنىٰ والألقاب (٢/ ٥٥)

[6] دیکھیں: الأنوار النعمانية (١/ ١٠٨)

روایات میں یہ اعتراف واقرار موجود ہے کہ یومِ نیروز اہلِ فارس (مجوسیوں) کا تہوار اوران کی عید ہے۔[2]

## تیسرا قول: شیعہ مذہب قدیم ایشیائی مذاہب کی آماج گاہ ہے:

بعض محققین کے مطابق شیعہ مذہب قدیم ایشائی مذاہب بدھ مت وغیرہ کے عقائد پر مبنی ہے۔[3]

پروفیسر احمد امین کہتے ہیں:

''شیعیت ہی کے زیرِ سایہ تناسخِ اَرواح،[4] تجسیمِ الٰہی[5] اور حلول[6] جیسے دیگر عقائد، جو زمانہ قبل از اسلام میں براہمہ،[7] فلاسفہ اور مجوس[8] کے ہاں معروف تھے، مسلمانوں میں پھیل گئے۔[9]

بعض مستشرقین بھی شیعہ میں بہت سے غیر اسلامی عقائد کے سرایت کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

1. دیکھیں: الأعلمي: مقتبس الأثر (۲۹/ ۲۰۲۔ ۲۰۳) المجلسي: بحار الأنوار، باب عمل یوم النیروز (۹۸/ ٤١٩) نیز دیکھیں: وسائل الشیعة، باب استحباب صوم یوم النیروز والغسل فیه ولبس أنظف الثیاب والطیب (۷/ ۳٤٦)
2. دیکھیں: بحار الأنوار (٤٨/ ۱۰۸)
3. دیکھیں: تاریخ المذاهب الإسلامیة لأبي زهرة (۱/ ۳۷)
4. تناسخِ اَرواح: یعنی موت کے بعد روح کا ایک بدن سے دوسرے میں منتقل ہونا۔ بعض ہندو اور فیثا غورث یونانی اس نظریے کے قائل ہیں اور پھر عالمِ اسلام (شیعہ) میں بھی یہ عقیدہ سرایت کر گیا۔ دیکھیں: المعجم الفلسفي (ص: ٥٥) التعریفات للجرجاني (ص: ۹۳)
5. تجسیمِ الٰہی: یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق کی صفات بیان کرنا۔ یہ عقیدہ بعض شیعہ فرقوں کے ہاں، جیسے ہشامیہ (ہشام بن حکم کے پیروکار) وغیرہ ہیں، پایا جاتا ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ لفظِ جسم سے متعلق لوگوں میں لغوی معنی سے ہٹ کر متعدد اصطلاحی اقوال پائے جاتے ہیں۔ دیکھیں: ابن تیمیة: التدمریة (ص: ۳۲۔ ۳۳، ضمن مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام ابن تیمیة، ج: ۳) منهاج السنة (۲/ ۹۷ وما بعدها، ۲/ ۱٤٥ وما بعدها) درء تعارض العقل والنقل (۱/ ۱۱۸۔ ۱۱۹) التعریفات للجرجاني (۱۰۳)
6. حلول: یہ عقیدہ رکھنا کہ الٰہ مختلف بندوں کے جسموں میں سرایت کر جاتا ہے، یا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا کہ لاہوت، ناسوت میں سرایت کر جاتا ہے۔ (المعجم الفلسفي، ص: ۷٦)
7. براہمہ: یہ فرقہ ایک شخص ''براہم'' یا ایک فارسی بادشاہ ''برہام'' کی طرف منسوب ہے۔ یہ وجودِ باری تعالیٰ کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن رسولوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے متعدد فرقے ہیں۔ دیکھیں: الملل والنحل (۲/ ۲٥۱) المنیة والأمل (ص: ۷۲)
8. مجوس: یہ لوگ آتش پرست ہیں اور دو اصول ''نور'' اور ''ظلمت'' کے قائل ہیں۔ نور کو ازلی اور ظلمت کو حادث مانتے ہیں۔ مجوس کے تمام مسائل کا دارومدار دو قاعدوں پر مبنی ہے: ① نور کا ظلمت کے ساتھ اختلاط کے باعث کو بیان کرنا۔ ② ظلمت سے نور کو علاحدہ کرنے کے سبب کا بیان کرنا۔ انھوں نے امتزاج اور اختلاط کو مبدا اور علاحدگی کو معاد مقرر کیا ہوا ہے۔ دیکھیں: الملل والنحل (۱/ ۲۳۲ وما بعدها) الرازي: اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین (ص: ۱۳٤) الکسندر سیبیل: أخبار أمم المجوس.
9. فجر الإسلام (ص: ۲۷۷)

''شیعہ میں یہ عقائد مجوسیت، مانویت[1] اور بدھ مت وغیرہ مذاہب سے منتقل ہوئے ہیں، جو ظہورِ اسلام سے قبل ایشیا میں رائج تھے۔''[2]

''مختصر التحفة'' کے مولف فرماتے ہیں کہ شیعہ مذہب کی یہود و نصاریٰ اور مجوس و مشرکین کے فرقوں کے ساتھ مکمل مشابہت پائی جاتی ہے۔ پھر انھوں نے ان مذاہب کے تمام فرقوں کے ساتھ شیعہ مذہب کی مشابہت کی وجوہات ذکر کی ہیں۔[3]

اسی طرح بعض محققین کا کہنا ہے کہ جب میں نے شیعی فرقوں پر تحقیق اور ان کا مطالعہ کیا تو ان میں تمام مذاہب و ادیان کے عقائد موجود تھے، جن کو مٹانے کے لیے اسلام دنیا میں آیا تھا۔[4]

## شیعہ مذہب کی اصلیت سے متعلق راجح قول:

میں سمجھتا ہوں کہ وصیتِ خلافت کے دعوے کو چھوڑ کر شیعہ مذہب غیر اسلامی اور اجنبی اثرات کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ آلِ بیت کی طرف میلان اور محبت کا اظہار ایک طبعی امر ہے، لیکن یہ محبت ایسی ہو، جو آلِ بیت کے درمیان فرق کرتی ہو، ان کے حق میں غلو کرتی ہو اور نہ کسی صحابی کی توہین کرتی ہو، جیسا کہ شیعہ کی طرف منسوب کچھ فرقوں کا طرزِ عمل ہے۔ جب آلِ بیت شہادتِ علی اور حسین رضی اللہ عنہما سمیت مختلف مصائب و تکالیف میں مبتلا ہوئے تو ان کے لیے یہ محبت بڑھتی ہی گئی۔ پھر ان حوادث نے مسلمانوں کے احساسات کو برانگیختہ کر دیا تو اسلام دشمن لوگ اس دروازے سے داخل ہوگئے اور ابن سبا کے افکار و نظریات کو بھی صرف انہی حوادث کے بعد پھلنے پھولنے کا موقع ملا، لیکن اگر شیعہ مذہب کو وصیتِ خلافت، رجعت، بداء، غیبت اور عصمتِ ائمہ وغیرہ عقائد کے تناظر میں دیکھا جائے تو بلاشبہہ یہ نظریات امت مسلمہ میں پھیلنے والے غیر اسلامی بدیسی عقائد ہیں، جن کا

---

[1] مانویہ: یہ فرقہ مانی بن فاتک کا پیروکار ہے۔ یہ شخص دراصل مجوسی تھا، پھر اس نے مجوسیت اور نصرانیت کے ملاپ سے ایک نیا دین ایجاد کیا تو مجوس نے اس کی شدید مخالفت کی اور اسے قتل کرنے کی کوششیں بھی کیں، حتی کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بہرام بن ہرمز بن سابور نے اسے قتل کر دیا، لیکن پھر بھی اس کا مذہب اس کے پیروکاروں میں زندہ رہا۔ یہ لوگ دو اصولوں نور و ظلمت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عالم انہی سے وجود میں آیا ہے اور یہ کہ نور، ظلمت سے بہتر ہے اور وہی قابل تعریف الٰہ ہے۔ دیکھیں: الملل والنحل (١/ ٢٤٤ وما بعدها) المنية والأمل (ص: ٦٠) شرح الطحاوية (ص: ١٨) الرازي: اعتقادات فرق المسلمين والمشركين (ص: ١٣٨)

[2] فلوتن: السيادة العربية (ص: ٨٣۔ ٨٤)

[3] دیکھیں: مختصر التحفة (ص: ٢٩٨ وما بعدها)

[4] دیکھیں: بركات عبد الفتاح: الوحدانية (ص: ١٢٥)

ماخذ مختلف مذاہب ہیں، کیوں کہ جو شخص بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کرنا چاہتا اور جو یہودی، نصرانی اور مجوسی وغیرہ اپنے سابقہ عقائد کے ساتھ ہی برائے نام مسلمان بن کر زندگی بسر کرنا چاہتا، وہ شیعیت کا لبادہ اوڑھ لیتا تھا۔ اس بنا پر شیعہ مذہب میں بہت سارے غیر اسلامی افکار ونظریات داخل ہو گئے، جیسا کہ شیعہ مذہب کے اصول وقواعد کی وسیع تر تحقیق سے واضح ہوگا، اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیعہ مذہب کی طرف نسبت رکھنے والوں نے فارس، روم، یونان اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سے مختلف عقائد کو لے کر شیعیت میں ملا دیا ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ امت اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر ضرور چلے گی۔ پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں وارد شدہ مختلف احادیث کا تذکرہ کیا اور فرمایا ہے کہ یہ امر بعینہٖ شیعہ مذہب کی طرح نسبت رکھنے والوں میں موجود ہے۔[1]

[1] منهاج السنة (٤/ ١٤٧) اس سلسلے میں مروی احادیث کے لیے دیکھیں: صحيح البخاري (٨/ ١٥١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٦٩) مسند أحمد (٢/ ٤٥٠، ٥١١، ٥٢٧)

# شیعہ فرقے

کتبِ مقالات و فرق شیعہ فرقوں کے تذکرے سے بھری ہوئی ہیں۔ ان فرقوں کی کثرت اور اتنی بڑی تعداد ایک حیرت انگیز امر ہے۔ غالباً شیعہ اس وصف میں منفرد ہیں۔ ہر امام کی وفات کے بعد شیعوں میں کئی نئے فرقے معرضِ وجود میں آ جاتے ہیں اور ہر گروہ امام کی تعیین میں ایک نیا نظریہ ایجاد کر لیتا ہے، پھر ساتھ ہی دیگر جماعتوں سے ہٹ کر بعض نئے عقائد و افکار اپنا لیتا اور اپنے متعلق دعویٰ کرتا ہے کہ صرف وہی حق پر ہے۔ حتیٰ کہ خود شیعہ بھی اس کی بنا پر شکایت اور خود ملامتی کا شکار نظر آتے ہیں۔

”رجال الکشي“ میں ہے کہ ایک شیعہ اپنے امام سے پوچھتا ہے:

”اللہ مجھے آپ پر قربان کرے! یہ آپ کے شیعہ میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ انھوں نے کہا: کون سا اختلاف؟ اس نے کہا کہ میں جب کوفے میں شیعوں کے مختلف حلقوں میں بیٹھتا ہوں تو ان کے حدیث میں اختلاف کے باعث شک میں پڑ جاتا ہوں۔ ابو عبداللہ نے کہا: تم نے صحیح کہا ہے۔ لوگ ہم پر جھوٹ بولنے کے بڑے شوقین ہیں۔ جب میں ان میں سے ایک کو حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے جانے سے پہلے ہی اس کے اصل معنی کے بجائے کوئی اور ہی معنی کرنے لگ جاتا ہے، جس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا مطمع نظر صرف دنیا ہے اور ہر ایک سردار کہلانے کی خواہش رکھتا ہے۔“[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حبِ ریاست اور اس فانی دنیا کے ساز و سامان کی محبت ہی دراصل بہت سے لوگوں کے شیعہ بننے کی بنیادی وجہ ہے اور یہ لوگ آلِ بیت پر جھوٹ بولنے کے بڑے شوقین ہیں، جس کی وجہ سے ان میں یہ کثرت اختلاف و افتراق پایا جاتا ہے۔

---

[1] رجال الکشي (ص: ١٣٥۔ ١٣٦) بحار الأنوار (٢/ ٢٤٦)

شیعہ مورخ مسعودی[1] نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ فرقوں کی تعداد تہتر (۷۳) تک پہنچتی ہے۔[2] ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے، جیسا کہ ایک رافضی میر باقر الداماد[3] دعویٰ کرتا ہے کہ افتراقِ امت والی حدیث[4] میں تہتر فرقوں سے مذکور شیعہ فرقے ہیں اور ان میں سے نجات پانے والا گروہ صرف فرقہ امامیہ ہے۔[5]

لیکن اہلِ سنت اور معتزلہ وغیرہ کے نزدیک شیعہ صرف امتِ دعوت میں شامل ہیں، یعنی وہ اس امت

---

[1] علي بن الحسين بن علي المسعودي المؤرخ. حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی کتابیں بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہیں کہ یہ شیعہ اور معتزلی تھا۔ فرقہ اثنا عشریہ اپنے علما کے تراجم میں اسے اپنا عالم تسلیم کرتا ہے۔ دیکھیں: ابن حجر: لسان الميزان (٤/ ٢٢٤) ابن شاكر الكتبي: فوات الوفيات (٣/ ١٢) نیز دیکھیں: عباس القمي: الكنىٰ والألقاب (٣/ ١٦٠) الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٥٧٤)

[2] مروج الذهب (٣/ ٢٢١) نیز دیکھیں: الرازي: اعتقادات فرق المسلمين (ص: ٨٥)

[3] محمد باقر بن محمد الاسترابادی الشهير بداماد. دولت صفویہ میں شیعہ کے کبار علما میں سے تھا۔ اس کی وفات ۱۰۴۰ھ کو ہوئی۔ اس کا سوانحی ترجمہ مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے: الكنىٰ والألقاب (٢/ ٢٠٦) المحبي: خلاصة الأثر (ص: ٣٠١) الحكيمي: تاريخ العلماء (ص: ٨٣)

[4] اس حدیث کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور کتبِ سنن و مسانید میں مشہور ہے۔ (مجموع الفتاوىٰ: ٣/ ٣٤٥) علامہ مقبلی کہتے ہیں کہ افتراقِ امت والی حدیث متعدد طرق اور اسانید سے مروی ہے، جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ اس کے بعد حدیث کے مفہوم میں کسی قسم کا شک اور تردد باقی نہیں رہتا۔ (العلم الشامخ، ص: ٤١٤)
ان احادیث و روایات میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کسی روایت میں ان فرقوں کے ہلاک ہونے کی صراحت نہیں ہے، اسی روایت کو اکثر محدثین اور سنن اربعہ کے مولفین نے (نسائی کے سوا) روایت کیا ہے اور بعض روایات میں یہ صراحت موجود ہے کہ ایک فرقہ ناجیہ ہے اور دیگر تمام فرقے ہلاک ہونے والے ہیں۔ اس روایت کو اصحابِ سنن میں سے صرف امام ابو داود (۴۵۷۳) نے اور دیگر ائمہ حدیث دارمی (٢/ ٢٤١) احمد (٤/ ١٠٢) حاكم (١/ ١٢٨) آجری (الشريعة، ص: ١٨) نے ذکر کیا ہے۔ بعض طرق میں زنادقہ کے سوا تمام فرقوں کے نجات پانے کی صراحت بھی موجود ہے، لیکن یہ روایت علمائے حدیث کے نزدیک موضوع ہے۔ دیکھیں: كشف الخفاء (١/ ٣٦٩) الأسرار المرفوعة (ص: ١٦١) اہلِ سنت کی طرح شیعہ کتب میں بھی یہ روایت موجود ہے، جس کے الفاظ ہیں کہ میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے سوا تمام فرقے ہلاک ہو جائیں گے۔ انھوں نے کہا: وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ جماعت ہے، جماعت ہے، جماعت ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میرے بعد میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، جن میں صرف ایک فرقہ نجات پانے والا ہے اور بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے۔ (ابن بابويه القمي: الخصال: ٢/ ٥٨٤۔ ٥٨٥) ان شیعہ روایات میں کسی میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ تمام فرقے شیعہ کے ہیں، البتہ ان میں یہ وضاحت موجود ہے کہ وہ نجات یافتہ فرقہ شیعہ نہیں، بلکہ جماعت ہے۔

[5] جمال الدين الأفغاني: التعليقات على شرح الدواني العضدية (ضمن كتاب: الأعمال الكاملة للأفغاني، دراسة و تحقيق: محمد عمارة: ١/ ٢١٥) رشید رضا نے اس کتاب کو محمد عبدہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (تفسير المنار: ٨/ ٢٢١) لیکن محمد عمارہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب جمال الدین افغانی ہی کی تالیف کردہ ہے۔ دیکھیں: محمد عمارہ: الأعمال الكاملة للأفغاني (١/ ١٥٥۔ ١٥٦) الأعمال الكاملة لمحمد عبده (١/ ٢٠٩)

محمد یہ کا حصہ نہیں ہیں، جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت و رسالت کو قبول کیا ہے، کیوں کہ یہ اپنے عقیدے کے لحاظ سے اسلام میں داخل نہیں ہیں۔ شیعہ نے یہی بات (کہ وہ تہتر فرقوں میں منقسم ہیں) قبل ازیں خود بھی کہی ہے، جس کی طرف شہرستانی اور رازی نے بھی اشارہ کیا ہے۔[1] ''دائرۃ المعارف'' میں مذکور ہے:

''شیعہ فرقوں کی فروع اتنی بڑی تعداد میں ظاہر ہوئی ہیں، جو بہتر فرقوں سے کہیں زیادہ ہیں،[2] جبکہ مقریزی نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ فرقوں کی تعداد تین سو تک پہنچتی ہے۔''[3]

اس اختلاف کا غالب سبب شیعہ کا ائمہ آلِ بیت سے متعلق اختلاف کا شکار ہونا ہے۔ یہ لوگ ائمہ کی ذوات اور ان کی تعداد کے بارے میں مختلف نظریات کے حامل ہیں، اسی طرح کسی امام پر توقف اور اس کے انتظار میں یا مزید کسی دوسرے کو امام بنانے جیسے مسائل کی بدولت مختلف عقائد کے حامل ہیں، پھر اس پر مستزاد کہ یہ لوگ مسائل کی تفریع اور تاویل میں تباین اور تنازع کا شکار ہیں، اسی لیے علامہ ابن خلدون نے تعیینِ ائمہ میں شیعہ اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ اتنا بڑا اختلاف بتاتا ہے کہ صراحتِ خلافت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔[4]

یعنی یہ اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ کے اس دعویٰ کی کہ رسول اللہ ﷺ نے علی اور دیگر ائمہ (شیعہ) کی خلافت کی صراحت کی تھی، کوئی حقیقت نہیں ہے، کیوں کہ اگر یہ امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصوص ہوتا تو اس میں اتنا زیادہ اختلاف و تباین رونما نہ ہوتا، لیکن اس میں بہت زیادہ اختلاف موجود ہے اور یہ کثرتِ اختلاف ہی نص (صراحت) کے نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ٨٢]

''اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

حالاں کہ امامت ہی شیعہ مذہب کی اساس ہے، جس میں کسی قسم کا اختلاف قبول نہیں کیا جا سکتا، جب کہ فروعی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ اسی بنا پر زیدی شیعہ کے اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم

---

[1] الملل والنحل (١/ ١٦٥) الرازي: اعتقادات فرق المسلمين (ص: ٨٥)

[2] دائرة المعارف الإسلامية (١٤/ ٦٧)

[3] الخطط (٢/ ٣٥١)

[4] ابن خلدون: لباب المحصل (ص: ١٣٠)

احمد بن یحییٰ المرتضیٰ[1] (المتوفی ۸۴۰ھ) نے ہر امام کی وفات کے بعد اس کے جانشین میں اختلاف کو شیعہ دعوائے نص کے بطلان کی واضح ترین دلیل قرار دیا ہے۔[2]

جب ہم کتبِ فرق یا دیگر مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں، جہاں شیعہ فرقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے تو ہمیں ان کے اصول میں شدید اختلاف نظر آتا ہے، جن سے بہت سارے اور مختلف شیعہ فرقوں کی اقسام نے جنم لیا ہے۔ جاحظ کی رائے میں شیعہ کے دو فرقے زیدیہ اور رافضہ ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جان لو! اللہ تم پر رحم کرے۔ شیعہ دو ہی شخص ہیں، ایک زیدی ہے اور دوسرا رافضی، ان کے علاوہ دیگر مختلف ٹکڑے ہیں، جن کا کوئی نظام نہیں۔[3] اسی تقسیم کو لے کر شیعہ عالم مفید کہتا ہے کہ شیعہ صرف دو شخص ہیں: ایک امامی اور دوسرا زیدی۔[4]

لیکن امام اشعری رحمہ اللہ شیعہ فرقوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ① غالیہ، ② رافضہ (امامیہ)، ③ زیدیہ۔ ان کے نزدیک شیعہ فرقوں کی مجموعی تعداد پینتالیس (۴۵) ہے۔ کیوں کہ انھوں نے غالی فرقے کو پندرہ، رافضہ کو چوبیس اور زیدیہ کو چھے فرقوں میں تقسیم کیا ہے۔[5]

امام اشعری اثنا عشریہ کو رافضہ (امامیہ) کے فرقوں میں شمار کرتے ہیں اور اسے ''قطعیہ'' نام سے موسوم کرتے اور کہتے ہیں کہ وہی شیعہ کی اکثریت ہے۔[6]

فرق وغیرہ پر لکھنے والی مولفین کی ایک جماعت نے شیعہ کی تین بنیادی فرقوں والی اشعری کی مذکورہ بالا تقسیم ہی کو اختیار کیا ہے، مثلاً رازی نے شیعہ فرقوں کے نام زیدیہ، امامیہ اور کیسانیہ ذکر کیے ہیں،[7] اسی طرح اسفرائنی اور ابن مرتضیٰ نے کہا ہے کہ شیعہ کی تین اقسام ہیں: زیدیہ، امامیہ اور باطنیہ۔[8]

---

[1] یہ زیدی شیعوں کا اپنے زمانے میں بہت بڑا عالم تھا، حتی کہ اس کی فقہی مصنفات پر یمنی زیدیوں کا دارومدار ہے۔ یہ اہلِ بیت کی طرف نسبت رکھنے والوں میں سے تھا۔ دیکھیں: الشوکاني: البدر الطالع (۱/ ۱۲۲)

[2] المنیة والأمل (ص: ۲۱)

[3] ثلاث رسائل للجاحظ، نشرها السندوني (ص: ۲٤۱) رسالة استحقاق الإمامة (ص: ۲۰۷) تحقیق عبد السلام هارون.

[4] الإرشاد (ص: ۱۹۵)

[5] مقالات الإسلامیین (۱/ ٦٦، ۸۸، ۱٤۰)

[6] المصدر السابق (۱/ ۹۰)

[7] اعتقادات فرق المسلمین (ص: ۷۷)

[8] المنیة والأمل (ص: ۲۰) المقدسي: البدء والتاریخ (۵/ ۱۲۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی شیعہ کو تین درجات میں تقسیم کیا ہے، جن میں سب سے زیادہ برا فرقہ غالیہ ہے، جو علی رضی اللہ عنہ میں الوہیت کا کچھ حصہ تسلیم کرتے ہیں یا ان کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔ دوسرا درجہ رافضہ کا ہے اور تیسرا درجہ زیدیہ وغیرہ کے فرقہ مفضلہ کا ہے، جو علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتے ہیں، لیکن ان دونوں کی امامت وعدالت کا عقیدہ رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں۔[1] اس کے علاوہ بھی فرق و مذاہب کا علم رکھنے والی ایک جماعت نے یہی تقسیم ذکر کی ہے۔[2]

البتہ عبد القاہر بغدادی شیعہ فرقوں کا بنیادی مرجع چار فرقوں زیدیہ، امامیہ، کیسانیہ اور غلاۃ کو قرار دیتے اور ان سب کو رافضہ کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔[3] ان کے ہاں شیعہ فرقوں کی تعداد، فرقہ غالیہ کے سوا،[4] بیس تک پہنچتی ہے۔[5] وہ اثنا عشریہ کو امامیہ ہی کا ایک فرقہ شمار کرتے اور اسے قطعیہ اور اثنا عشریہ دونوں ناموں سے ذکر کرتے ہیں،[6] لیکن اس سے پہلے انھوں نے بھی قطعیہ اور اثنا عشریہ کو امامیہ کے ایک فرقے کے بجائے[7] اس کے دو مستقل فرقوں کے طور پر دونوں ناموں (قطعیہ اور اثنا عشریہ) سے ذکر کیا ہے۔[8]

امام شہرستانی کی رائے میں شیعہ فرقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر امام کے کنارہ کش ہوتے وقت ان میں بہ کثرت کلام اور اختلاف ہوتا ہے اور کنارہ کشی اور توقف کے وقت ان میں ایک نیا نظریہ، جدید مذہب اور الجھاؤ (افتراق) پیدا ہوتا ہے،[9] لیکن وہ بھی شیعہ کو پانچ بنیادی فرقوں کیسانیہ، زیدیہ، امامیہ، غلاۃ اور اسماعیلیہ میں تقسیم کرتے ہیں۔[10]

---

[1] ابن تيمية: التسعينية (ص: ٤٠) ضمن مجموع فتاوىٰ شيخ الإسلام، المجلد الخامس، ط. كردستان ١٣٢٩هـ.

[2] زين العابدين بن يوسف الأسكوني کہتے ہیں کہ شیعہ کے بائیس فرقے ہیں، جن کی اصل تین فرقے غلاۃ، زیدیہ اور امامیہ ہیں۔ (الرد على الشيعة، الورقة: ٩، مخطوط)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٢١)

[4] ان کے ہاں صرف غلاۃ کے مختلف فرقوں کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے۔ (الفرق بين الفرق، ص: ٢٣٢)

[5] الفرق بين الفرق (ص: ٢٣)

[6] المصدر السابق (ص: ٦٤)

[7] المصدر السابق (ص: ٥٣)

[8] اسی لیے محی الدین عبد الحمید نے ذکر کیا ہے کہ "الفرق بين الفرق" میں بغدادی کی تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اثنا عشریہ، قطعیہ کے سوا مستقل فرقہ ہے۔ (هامش مقالات الإسلاميين: ١/ ٩٠) لیکن یہ بات ان کی نظر سے اوجھل رہی کہ بغدادی نے قطعیہ اور اثنا عشریہ کے ایک ہی فرقہ ہونے کی صراحت بھی کی ہے۔ (الفرق بين الفرق، ص: ٦٤)

[9] الملل والنحل (١/ ١٤٧)

[10] الملل والنحل (١/ ١٤٧)

"الحور العين" کے مولف شیعہ فرقوں کی کثیر تعداد کو چھے بنیادی فرقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔[1] ابن قتیبہ کے نزدیک شیعہ فرقوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے۔[2] ابو الحسین ملطی کی رائے میں شیعہ کے اٹھارہ فرقے ہیں اور وہ ان سب کو رافضہ کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔[3] سکسکی نے اپنی کتاب "البرهان في معرفة عقائد أهل الأديان" میں ملطی کی رائے سے اتفاق کیا ہے،[4] لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ملطی اثنا عشریہ کو اسماعیلیہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔[5] امام ابن جوزی شیعہ کو بارہ فرقے شمار کرتے اور ان سب کو رافضہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔[6] اس تقسیم پر امام قرطبی بھی ان سے موافقت کرتے ہیں۔[7]

تمام شیعہ فرقوں پر رافضہ نام کا اطلاق کرتے وقت یہ بات مدنظر رہنی چاہیے کہ اس نام سے زیدیہ کو، یا دقیق نظر سے دیکھیں تو فرقہ جارودیہ کے سوا زیدیہ کو اس نام سے مستثنیٰ قرار دینا چاہیے، کیوں کہ زیدی شیعوں کا فرقہ جارودیہ بھی روافض کے مسلک پر کاربند ہے، اسی لیے شیعہ عالم مفید نے زیدیہ کے صرف فرقہ جارودیہ کو شیعہ قرار دیا ہے اور دیگر زیدی فرقے اس کے نزدیک شیعہ نہیں ہیں، کیوں کہ صرف جارودیہ ہی شیعہ مذہب کی بنیاد رافضیت میں ان کا شریک وسہیم ہیں۔[8]

شیعہ اثنا عشریہ کی کتبِ فرق ایک نئے اعتبار سے شیعہ فرقوں کا تذکرہ کرتی ہیں، چنانچہ وہ شیعہ فرقوں کا ائمہ کے لحاظ سے ذکر کرتی ہیں، کیوں کہ ہر امام کی وفات کے بعد شیعہ مزید کئی فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ "المقالات والفرق للقمي" اور "فرق الشيعة للنوبختي" میں شیعہ فرقوں کی تعداد ساٹھ سے اوپر مذکور ہے۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ نوبختی اور قمی کے نزدیک اثنا عشریہ ان چودہ یا پندرہ شیعہ فرقوں میں سے

---

1. الحور العين (ص: ١٥٤)
2. ابن قتيبه: المعارف (ص: ٦٢٢۔ ٦٢٣)
3. التنبيه والرد (ص: ١٨)
4. البرهان (ص: ٣٦)
5. دیکھیں: التنبيه والرد (ص: ٣٢۔ ٣٣)
6. تلبيس إبليس (ص: ٣٢) تحقيق خير الدين علي.
7. بيان الفرق (الورقة: ١، مخطوط)
8. دیکھیں: المفيد: أوائل المقالات (ص: ٣٩) جارودیہ کے متعلق تفصیل گذشتہ صفحات (ص: ٦٠، حاشیہ: ٢) میں گزر چکی ہے۔

ایک ہے، جو ان کے امام حسن عسکری کی وفات (۲۶۰ھ) کے بعد معرضِ وجود میں آئے تھے،[1] البتہ شیعہ کی کتبِ حدیث میں سے اصولِ کافی میں کلینی نے ایک روایت ذکر کی ہے، جس کی رو سے شیعہ فرقوں کی تعداد تیرہ ہے، جن میں ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے!![2]

شیعہ فرقوں کی پیدایش اور ان کے تدریجی مراحل کا مطالعہ وتحقیق ایک الگ بحث کا متقاضی ہے، جو تاریخی موضوع ہے، چنانچہ ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، البتہ یہ بات قابل غور ہے، جیسا کہ اثناعشریہ کے عقائد و افکار پر بحث میں آگے آرہا ہے کہ فرقہ اثناعشریہ دیگر شیعہ فرقوں کے بیشتر عقائد ونظریات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، گویا یہ ایک دریا کے مانند ہے، جس میں شیعہ کے تمام مختلف فرقوں کے ندی نالے جا گرتے ہیں۔ اس مسئلے یعنی اثناعشریہ کی روایات اور دیگر فرقوں کی آرا کا تقابلی جائزہ ایک مستقل کتاب کا تقاضا کرتا ہے اور اس سلسلے کی بعض وجوہات کی طرف میں نے اپنے ایم۔اے کے مقالے میں اشارہ کر دیا ہے۔[3]

یہ شیعہ فرقے ختم نہیں ہوئے، جیسا کہ کہا جاتا ہے، بلکہ یہ اکثر فرقے اب بھی موجود ہیں، جو اثناعشری فکر کے راستے سے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ عصر حاضر کے تمام شیعہ فرقے اب صرف تین گروہوں میں محدود ہیں:[4]

① اثناعشریہ۔

② اسماعیلیہ۔[5]

---

[1] دیکھیں: النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٩٦) اس میں مذکور ہے کہ حسن عسکری کی وفات کے بعد ان کے اصحاب چودہ فرقوں میں تقسیم ہوگئے، جبکہ قمی نے یہ تعداد پندرہ فرقے ذکر کی ہے۔ (القمي: المقالات والفرق، ص: ١٠٢)

[2] أصول الكافي المطبوع على هامش مرآة العقول (٤/ ٣٤٤) ملا باقر مجلسی نے اپنے قواعد کے لحاظ سے اس روایت پر یہ حکم لگایا ہے کہ یہ روایت حسن درجے تک پہنچتی ہے۔ (مرآة العقول: ٤/ ٣٤٤)

[3] دیکھیں: فكرة التقريب بين أهل السنة والشيعة (ص: ٣٤٦ وما بعدها)

[4] دیکھیں: النشار: نشأة الفكر الفلسفي (٢/ ١٢) العاملي: أعيان الشيعة (١/ ٢٢) محمد مهدي شمس الدين: نظام الحكم والإدارة في الإسلام (ص: ٦١) هبة الدين الشهرستاني: مقدمة فرق الشيعة (ص: كا)

[5] اسماعیلیہ: سے مراد وہ لوگ ہیں، جو جعفر کے بعد اسماعیل بن جعفر اور اس کے بعد محمد بن اسماعیل بن جعفر کی امامت کے قائل ہیں۔ یہ لوگ جعفر کے دوسرے بیٹوں کی امامت کے منکر ہیں۔ اسماعیلیہ سے مختلف فرقے قرامطہ، حشاشین، فاطمیین اور دروز وغیرہ نکلے ہیں۔ اسماعیلیہ کے متعدد فرقے ہیں، جن کے بہت زیادہ لقب ہیں۔ ان کا ہر علاقے میں ایک نیا فرقہ ہے، کیوں کہ شہرستانی کے بہ قول ان کی ہر زمانے میں نئی دعوت اور ہر زبان میں ایک نیا ہی نظریہ ہوتا ہے۔ جہاں تک ان کے مذہب کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں غزالی کہتے ہیں کہ ان کا مذہب بہ ظاہر رافضیت اور بہ باطن خالصتاً کفر ہے۔ ←

## ③ زیدیہ۔[1]

← ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب کا خلاصہ خالق کی نفی، نبوت اور عبادات کا اِبطال اور روزِ قیامت کا انکار ہے، لیکن یہ لوگ شروع ہی میں ان امور کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ ان کی دعوت کے کئی درجات ہیں۔ یہ اپنے مذہب کی حقیقت صرف اسی پر افشا کرتے ہیں، جو ان کے ہاں آخری درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ البتہ کئی اہلِ علم ان کے حالات اور اَسرار سے آگاہ ہوئے ہیں۔ علامہ بغدادی نے ان کی ایک کتاب "السياسة والبلاغ الأكيد والناموس الأكبر" دیکھی، تو اس میں انھیں نظر آیا کہ یہ لوگ دہریے اور زندیق ہیں، جو شیعیت کی آڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ حمادی الیمانی ان میں گھس کر ان کے حالات پر مطلع ہوئے اور پھر ان کی حقیقت اپنی کتاب "كشف أسرار الباطنية" میں واضح کی۔

ابن الندیم نے جب ان کی کتاب "البلاغات السبعة" کو دیکھا اور اس کا باب "البلاغ السابع" پڑھا تو اس میں انھیں محرمات کی اِباحت اور شرعی احکامات اور انبیا کی اہانت وغیرہ جیسی ہولناک چیزیں نظر آئیں۔ ان لوگوں کی سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں اور ان کی خفیہ کتابیں بھی موجود ہیں۔ ایک اسماعیلی کہتا ہے:

''ہماری کتابوں سے کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہوسکتا اور نہ ان میں مذکور حقائق پر ہمارے سوا کوئی اور مطلع ہوسکتا ہے۔''

(مصطفیٰ غالب: الحركات الباطنية في الإسلام، ص: ٦٧) نیز دیکھیں: أبو حاتم الرازي الإسماعيلي: الزينة (ص: ٢٨٧، ضمن كتاب الغلو والفرق الغالية) الغزالي: فضائح الباطنية (ص: ٣٧ وما بعدها) الملل والنحل (١/ ١٦٧، ١٩١) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٢٩٤، ٦٢١) ابن النديم: الفهرست (ص: ٢٦٧۔ ٢٦٨) الملطي: التنبيه والرد (ص: ٢١٨) المقدسي: البدء والتاريخ (٥/ ١٢٤) الإسفرايني: التبصير في الدين. ابن الجوزي: تلبيس إبليس (ص: ٩٩) دیکھیں: الإسماعيلية، إحسان إلٰهی ظهير.

[1] اس سے مراد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے پیروکار ہیں۔ (الملل والنحل: ١/ ١٥٤، مقدمة البحر الزخار، ص: ٤٠) انھی کی طرف نسبت کی بنا پر انھیں زیدیہ کہا جاتا ہے۔ (يحيىٰ بن حمزة: الرسالة الوازعة، ص: ٢٨، السمعاني: الأنساب: ٦/ ٣٤٠) یہ فرقہ اس بنا پر فرقہ امامیہ سے علاحدہ ہوا کہ جب زید بن علی سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بابت سوال کیا گیا تو انھوں نے ان سے محبت اور رضا مندی کا اظہار کیا تو ایک قوم نے ان سے رفض (کنارہ کشی) کیا تو ان کا نام ہی رافضہ پڑ گیا۔ پھر جو شیعہ بھی ان (زید بن علی) کی اتباع کی وجہ سے ان سے کنارہ کش نہ ہوتا، اسے زیدی کہا جاتا تھا۔ یہ ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے آخری سال ۲۱ھ یا ۲۲ھ کا زمانہ تھا۔ (منهاج السنة: ١/ ٢١، الرسالة الوازعة، ص: ٨٧، ٨٨)

زیدیہ عقائد میں معتزلہ کا ہم مشرب ہے۔ (المقبلي: العلم الشامخ، ص: ٣١٩) الملل والنحل: ١/ ١٦٢، الرازي: المحصل، ص: ٢٤٧) زیدیہ کے بھی متعدد فرقے ہیں، بعض تو صرف نام کے زیدی ہیں اور حقیقت میں رافضی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ علی کے سوا دوسروں کو امرِ خلافت دے کر یہ امت گمراہ اور کافر ہو چکی ہے۔ یہ فرقہ جارودیہ کا نظریہ ہے، جو ابو الجارود کے پیروکار ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ بعض زیدی فرقے بڑی حد تک اہلِ سنت کے قریب ہیں۔ یہ حسن بن صالح بن حی کے اَتباع ہیں، جو کہتے ہیں کہ امامت صرف اولادِ علی (رضی اللہ عنہ) کا حق ہے۔ (ابن حزم کہتے ہیں کہ حسن بن صالح سے صحیح ثابت یہ موقف ہے کہ تمام قریشیوں کی امامت درست ہے) یہ لوگ تمام صحابہ سے محبت رکھتے ہیں، البتہ علی رضی اللہ عنہ کو ان تمام پر فوقیت دیتے ہیں۔ (ابن حزم: الفصل: ٢/ ٢٦٦) صحابہ کرام سے متعلق حق پرست زیدیہ کا مسلکِ اعتدال ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: ابن الوزير: الروض الباسم (ص: ٤٩۔ ٥٠) المقبلي: العلم الشامخ (ص: ٣٢٦) زیدیہ سے متعلق میری رقم کردہ تفصیلی تحقیق کے لیے دیکھیں: فكرة التقريب (ص: ١٤٦)

ان سب میں فرقہ اثنا عشریہ ہی آج تعداد میں سب سے بڑا فرقہ ہے، جیسا کہ مختلف تاریخی ادوار میں بھی یہ فرقہ شیعہ اکثریت کا نمایندہ مذہب رہا ہے۔ علمائے فرق کی ایک جماعت نے اسے "جمهور الشيعة" کے الفاظ سے موصوف کیا ہے، جن میں اشعری، مسعودی، عبد الجبار ہمدانی، ابن حزم اور نشوان حمیری شامل ہیں۔[1]

فرقہ اثنا عشریہ کی یہ اکثریت ہر زمانے میں نہیں رہی۔ مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ابن خلدون اپنے زمانے میں محمد بن حنفیہ کے شیعوں کی اکثریت بتاتے ہیں،[2] لیکن پھر جلد ہی اس مذہب کے پیروکار کم ہو کر پردہ خفا میں چلے گئے۔ اسی طرح بلخی کہتے ہیں، جیسا کہ "الحور العين" کے مصنف نے ان سے نقل کیا ہے کہ فرقہ فطحیہ[3] اس کے زمانے میں جعفریہ کا سب سے بڑا اور تعداد میں سب سے زیادہ فرقہ تھا۔[4]

## فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے مختلف اَلقاب:

فرق اور نظریات سے متعلقہ کتب کے مولفین اثنا عشریہ پر مندرجہ ذیل القاب کا اطلاق کرتے ہیں:

### ① شیعہ:

شیعہ لقب کا اطلاق دراصل تمام شیعہ فرقوں پر کیا جاتا ہے، لیکن شیعہ وغیرہ کی ایک جماعت کی نظر میں

① دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٩٠) مروج الذهب (٤/ ١٩٩) المغني (ج: ٢، القسم الثاني، ص: ١٧٦) الفصل (٥/ ٣٨، ٤/ ١٥٨) الحور العين (ص: ١١٦) تاريخ ابن خلدون (٣/ ١٧٢)

② تاريخ ابن خلدون (٣/ ١٧٢)

③ یہ عبداللہ بن جعفر بن محمد صادق کے پیروکار ہیں۔ یہ صادق کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ انھیں "فطحيه" کہنے کا سبب یہ ہے کہ عبداللہ "أفطح الرأس" (چوڑے سر والے) تھے۔ انھیں ان کے ایک سردار عمار کی طرف نسبت کی بنا پر "عماریہ" بھی کہا جاتا ہے۔ نوبختی کہتا ہے کہ بیشتر شیعہ مشائخ وفقہا اس کی طرف مائل ہوئے تھے، لیکن وہ اپنے والد کی وفات کے بعد صرف ستر دن زندہ رہے، جس کی وجہ سے انھوں نے ان کی امامت کے قول سے رجوع کر لیا۔ (مسائل الإمامة، ص: ٤٦، فرق الشيعة للنوبختي، ص: ٧٧۔ ٧٨، مقالات الإسلاميين: ١/ ١٠٢، الحور العين، ص: ١٦٣۔ ١٦٤)
"الزينة" کے مولف (ابو حاتم الرازی الاسماعیلی، المتوفی ٣٢٢ھ) نے کہا ہے کہ اب یہ فرقہ ختم ہو چکا ہے اور کوئی اس نظریے کا حامل شخص باقی نہیں رہا۔ عبداللہ اپنے والد کی وفات کے بعد ستر دن زندہ رہے، لیکن کوئی لڑکا چھوڑے بغیر ہی فوت ہو گئے۔ (الزينة، ص: ٢٨٧) غالباً اسی وجہ سے یہ مذہب مٹ گیا، لیکن اس مذہب کے پیروکاروں کی روایات اثنا عشریہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں، جس کی تفصیل "السنة" سے متعلق فصل میں آگے آ رہی ہے۔

④ الحور العين (ص: ١٦٤)

آج جب اس اصطلاح کا اطلاق ہو تو اس سے مراد صرف فرقہ اثنا عشریہ ہی ہوتا ہے، جیسا کہ سٹروٹمین،[1] طبرسی،[2] امیر علی،[3] کاشف الغطا،[4] محمد حسین عاملی،[5] اور عرفان عبد الحمید[6] وغیرہ نے کہا ہے۔[7]

میری بھی یہی رائے ہے، اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ اثنا عشریہ دیگر شیعہ فرقوں سے زیادہ اکثریت کا نمایندہ مذہب ہے، بلکہ اس کا ایک بڑا اہم سبب ہے، (میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس پر بحث وتحقیق کی ہو، اس پر تفصیلی بحث کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے، جس میں اس سبب کا تجزیہ اور تقابلی جائزہ لیا جائے) وہ سبب یہ ہے کہ اثنا عشریہ کے مصادرِ حدیث و روایت میں شیعہ فرقوں کی اگر ساری نہیں تو بیشتر آرا کا احاطہ کیا گیا ہے، جو مختلف تاریخی ادوار میں معرضِ وجود میں آئے تھے، جیسا کہ گزر چکا ہے، لہٰذا اب یہی فرقہ دیگر تمام شیعہ فرقوں کا نمایندہ بن چکا ہے۔

### (2) امامیہ:

مولفینِ فرق ونظریات کی کثیر تعداد کے ہاں اس لقب کا اطلاق شیعہ فرقوں کے مختلف گروہوں پر کیا جاتا ہے، لیکن بعد میں مولفین وغیرہ کی ایک جماعت کے نزدیک یہ نام اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص ہوگیا، غالباً سب سے پہلے اثنا عشریہ کے اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم مفید نے یہ بات اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں کہی ہے۔[8]

امام سمعانی نے اشارہ کیا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی یہی بات معروف تھی۔ فرماتے ہیں: اب اس فرقے (اثنا عشریہ) کو امامیہ کہا جاتا ہے۔[9]

---

(1) دیکھیں: دائرة المعارف الإسلامية (١٤/ ٦٨)

(2) مستدرك الوسائل (٣/ ٣١١)

(3) امیر علی کہتے ہیں کہ اب اثنا عشریہ، شیعہ کے مترادف ہوگیا ہے۔ (روح الإسلام: ٢/ ٩٢)

(4) کاشف الغطا کہتا ہے کہ "اب شیعہ نام کا اطلاق امامیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔" امامیہ سے اس کی مراد اثنا عشریہ ہے، جیسا کہ اس عبارت کے بعد اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیں: أصل الشيعة وأصولها (ص: ٩٢)

(5) عاملی کہتا ہے: چونکہ آج زیدیہ اور اسماعیلیہ صرف انھیں دونوں نسبتوں سے معروف ہیں اور فطحیہ اور واقفیہ کا اس زمانے میں کوئی وجود نہیں ہے، اس لیے شیعہ نام صرف امامیہ اثنا عشریہ میں محدود ہوگیا ہے۔ (الشيعة في التاريخ، ص: ٤٣)

(6) عرفان عبد الحمید نے کہا ہے کہ کسی حصر وتحدید کے بغیر جب شیعہ لقب کا اطلاق کیا جائے تو اس سے صرف اثنا عشری مذہب مراد ہوتا ہے۔ (مجلة كلية الدراسات الإسلامية، العدد الأول، ١٣٨٧هـ، ص: ٣٥)

(7) مثلاً دیکھیں: السامرائي: الغلو والفرق الغالية (ص: ٨٢) أحمد زكي تفاحة: أصول الدين و فروعه عند الشيعة (ص: ٢١) إحسان إلٰهي ظهير: الشيعة والتشيع (ص: ٩)

(8) أوائل المقالات (ص: ٤٤)

(9) الأنساب (١/ ٣٤٤) ابن الأثير: اللباب (١/ ٨٤) السيوطي: لب الألباب في تحرير الأنساب، حرف الهمزة، لفظ إمامیه.

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ متاخرین شیعہ کے نزدیک امامیہ لقب اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے۔[1] مختصر تحفہ اثنا عشریہ کے مولف نے بھی ذکر کیا ہے کہ جب امامیہ لفظ کا اطلاق کیا جائے تو اس سے اثنا عشریہ ہی سمجھا جاتا ہے۔[2] شیخ زاہد کوثری رقم طراز ہیں کہ معروف یہی ہے کہ امامیہ سے مراد اثنا عشریہ ہیں۔[3]

نیز ملاحظہ کریں کہ معاصر شیعوں کا بہت بڑا عالم کاشف الغطا امامیہ لقب علی الاطلاق اثنا عشریہ پر استعمال کرتا ہے۔[4] جبکہ دیگر شیعہ علما کی رائے ہے کہ امامیہ کے کئی فرقے اثنا عشریہ، کیسانیہ، زیدیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ ہیں۔[5]

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ امامیہ، فرقہ اثنا عشریہ کا ایک لقب بن چکا ہے، اب ہم اس کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

## امامیہ کی تعریف:

اپنے زمانے میں شیعہ کا بہت بڑا عالم مفید کہتا ہے:

”امامیہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو امامت وعصمت اور وصیت کے وجوب کے قائل ہیں۔ دراصل ان کا یہ نام ان سب اصول کو اپنے نظریے میں جمع کرنے کی وجہ سے پڑا ہے، لہٰذا جو شخص بھی ان سب اصول کو اکٹھا تسلیم کرتا ہے، وہ امامی ہے، اگرچہ اس کے علاوہ اپنے مذہب میں کسی باطل چیز کا اعتقاد رکھتا ہے یا حق کا، پھر جن کو بھی یہ نام شامل ہے اور اس کے مفہوم کے اعتبار سے وہ اس نام کا استحقاق رکھتے ہیں، خاص کر ائمہ کے متعلق ان کے نظریات مختلف ہوگئے ہیں اور ان فروع میں بھی جن کا تعلق ان اصول سے ہے، اس کے علاوہ بھی کچھ اختلاف ہے، پس امامیہ کے فرقوں میں سے سب سے پہلے کیسانیہ نے راہِ شذوذ اختیار کی ہے۔“[6]

مذکورہ بالا سطور میں مفید امامیہ کو ایک عام لقب قرار دیتا ہے، جو ان ارکان ثلاثہ: امامت، عصمت اور وصیت کے تمام قائلین کو شامل ہے، لیکن اپنی دوسری کتاب میں اس اصطلاح کا دائرہ تنگ کرتے ہوئے اسے تقریباً فرقہ اثنا عشریہ تک ہی محدود کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”امامیہ اس کا نام ہے، جو وجوبِ امامت اور اس کے ہر زمانے میں موجود ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے

---

[1] تاريخ ابن خلدون (١/ ٢٠١)
[2] مختصر التحفة الاثنى عشرية (ص: ٢٠)
[3] الكوثري في تعليقاته على كتاب التنبيه والرد للملطي (ص: ١٨)
[4] أصل الشيعة وأصولها (ص: ٩٢)
[5] محسن الأمين: أعيان الشيعة (١/ ٢١)
[6] العيون والمجالس (٢/ ٩١)

اور ہر امام کے لیے نص جلی، عصمت اور کمال کے وجوب کا قائل ہے۔'' پھر اس (مفید) نے امامت کو حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) کی اولاد میں محصور کر دیا ہے اور اسے علی رضا بن موسیٰ تک بیان کیا ہے۔[1]

ان سطور میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ مفید نے نص جلی کی قید لگائی ہے، جبکہ سابقہ عبارت میں اس نے مطلقاً نص کا لفظ بولا تھا، تاکہ اس میں (نص) جلی اور خفی دونوں شامل ہوں، اسی طرح یہاں تو اس نے ائمہ کو صرف اولادِ حسین (رضی اللہ عنہ) تک محصور کر دیا ہے اور ان میں صرف علی رضا بن موسیٰ تک امامت کا تذکرہ کیا ہے، جبکہ سابقہ سطور میں اس نے ایسی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ کیسانیہ[2] کو بھی ان میں داخل کر دیا تھا۔

غالباً خود مفید نے بھی اپنی رائے میں اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''اگرچہ امامیہ مذکورہ بالا اصول کا اعتقاد رکھنے والوں کا نام تھا اور اعیانِ ائمہ کے متعلق تخصیص اس میں شامل نہ تھی، تاہم یہ لفظ اصل سے منتقل ہو گیا، کیوں کہ یہ اعتقاد رکھنے والے متعدد فرقے اور ناموں کے مستحق ہو گئے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی روایات کی بنیاد پر کچھ نئی آرا اپنا لیں تو ان پر امامیہ کے بجائے ان اَلقابات کا اطلاق ہونے لگا، لیکن پھر وہ اس اصل سے ہٹ گیا، کیوں کہ اس کے معتقدین میں سے مختلف فرقے خود ساختہ احادیث کی بدولت کئی القاب کے حق دار بن گئے، جو ان پر امامیہ لقب کے بجائے غالب آ گئے تو متکلمین وغیرہ میں سے فقہا اور عوام الناس کے عُرف میں یہ نام صرف ہمارے ذکر کردہ لوگوں (امامیہ) کا لقب بن کر رہ گیا۔''[3]

جب آپ مفید کی تعریف سے صرفِ نظر کر کے امامیہ کی تعریف سے متعلق غیر شیعہ مولفین کی آرا جاننے کے لیے فرق و مذاہب کی کتب کو دیکھیں گے تو آپ ملاحظہ کریں گے کہ فرق و مذاہب پر لکھنے والے اکثر مولفین نے امامیہ لقب کی اثنا عشریہ کے ساتھ تخصیص نہیں کی، بلکہ ان کی نظر میں یہ لقب ان (اثنا عشریہ) سے عام اور دیگر فرقوں کو بھی شامل ہے۔ مثلاً شہرستانی رقم طراز ہیں:

''امامیہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو کسی وصف کے ساتھ اشارے کے بجائے عین ذات کی طرف اشارے کے ساتھ نص ظاہر اور تعیین صادق کے مطابق امامتِ علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔''[4]

اسی طرح امام اشعری فرماتے ہیں:

---

[1] أوائل المقالات (ص: ٤٤)

[2] اس کی تعریف آگے آ رہی ہے۔ دیکھیں (ص: ٢٠٣)

[3] أوائل المقالات (ص: ٤٤)

[4] الملل والنحل (١/ ١٦٢)

''انھیں اس وجہ سے امامیہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ وہ امامتِ علی رضی اللہ عنہ کے منصوص ہونے کے قائل ہیں۔''[1]

بعض مولفینِ فرق کی رائے ہے کہ ان کا امامیہ نام قرار پانے کی وجہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ دنیا کبھی کسی امام سے خالی نہیں ہوئی، خواہ وہ امام ظاہر ہو یا چھپا ہوا ہو۔[2]

لیکن ابن مرتضیٰ کہتا ہے کہ امامیہ کہلانے کا سبب یہ ہے کہ وہ تمام امورِ دین کو امام کے سپرد کر دیتے ہیں اور وہ (امام) ان کے نزدیک نبی کے مانند ہوتا ہے۔ کوئی زمانہ بھی ایسے امام سے خالی نہیں ہوتا، جس کی کسی دینی اور دنیوی امر میں ضرورت ہو۔[3]

ان مولفین میں سے کسی نے تو امامیہ نام رکھنے کا سبب مسئلہ وصیت امامت قرار دیا ہے اور کسی نے ان لوگوں کا یہ نظریہ سبب بتایا ہے کہ دنیا کسی وقت بھی ایک امام سے خالی نہیں ہوتی، جبکہ بعض نے اس کے ساتھ ہی ان کا یہ قول بھی ملایا ہے کہ تمام امورِ دین امام کے سپرد ہیں۔ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں، جن کا مفہوم آپس میں ملتا جلتا ہے۔

امامیہ کی اصطلاح شیعہ کی اصطلاح مروج ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس (امامیہ) اصطلاح کا ظہور مسئلہ امامت کے ساتھ شیعہ کے اہتمام کے آغاز اور ان شیعہ فرقوں کے ظہور کا مرہونِ منت ہے، جو اہلِ بیت کے بعض افراد کی امامت کے قائل ہیں۔ اس پر تفصیلی بحث امامت کے موضوع میں آگے آرہی ہے۔

ابن ابی الحدید نے ذکر کیا ہے کہ امامیہ لقب تو کجا یہ نظریہ ہی بہت بعد میں مشہور ہوا ہے۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے:

''امامیہ اور ان کی طرح سلف کی امامت میں طعن کرنے والوں کا نظریہ (عصر اموی میں) اس طرح شہرت پذیر نہیں ہوا تھا۔''[4]

### 3 اثنا عشریہ:

فرق و مذاہب کی قدیم کتب میں ہمیں اس اصطلاحی نام کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ قمی (المتوفی ۲۹۹ھ یا ۳۰۱ھ)

1. مقالات الإسلاميين (١/ ٨٦)
2. عثمان بن عبد الله العراقي: ذكر الفرق الضوال (ق: ١٢ أ، مخطوط) نیز دیکھیں: شرح الاثنين والسبعين فرقة (ق: ١٢ أ، مخطوط)
3. المنية والأمل (ص: ٢١)
4. شرح نهج البلاغة (٤/ ٥٢٢)

نے "المقالات والفرق" میں، نوبختی (المتوفی ۳۱۰ھ) نے "فرق الشیعة" میں اور اشعری (المتوفی ۳۳۰ھ) نے "مقالات الإسلامیین" میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ غالباً (شیعہ سے) مسعودی (المتوفی ۳۴۶ھ) نے سب سے پہلے اس نام کا ذکر کیا ہے۔[1] جبکہ غیر شیعہ میں سے عبد القاہر بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) ہیں، جنھوں نے اس کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے کہ ان کا نام اس لیے اثنا عشریہ رکھا گیا ہے، کیوں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام منتظر ہی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق رکھنے والا بارھواں امام ہوگا۔[2]

ایک معاصر رافضی محمد جواد مغنیہ نے کہا ہے کہ اثنا عشریہ ایک وصف ہے، جو شیعہ امامیہ پر بولا جاتا ہے، کیوں کہ وہ بارہ اماموں کے قائل اور ان کی نام بہ نام تعیین کرتے ہیں۔[3]

بلاشبہہ اس نام کا ظہور بارہ اماموں کا نظریہ ظاہر ہونے کے بعد ہی ہوا ہے۔ یہ عقیدہ حسن عسکری (المتوفی ۲۶۰ھ) کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے، کیوں کہ "حسن عسکری کی وفات سے پہلے کوئی بھی بارھویں امام کے منتظر ہونے کا قائل تھا نہ علی رضی اللہ عنہ کے زمانے اور عہد اموی میں کوئی شخص بارہ اماموں کی امامت کا مدعی تھا۔"[4]

لیکن مختصر تحفہ اثنا عشریہ کے مولف کی رائے ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ کا زمانہ ظہور ۲۵۵ھ ہے۔[5]

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس تاریخ کو اس لیے محدد کیا ہے، کیوں کہ اسی سال (۲۵۵ھ) کے متعلق اثنا عشریہ کا دعویٰ ہے کہ اس میں ان کا بارھواں امام پیدا ہوا تھا،[6] وہ آج تک اس امام کے زندہ ہونے کے قائل اور اس کے (غار سے) نکلنے کے منتظر ہیں۔

جب یہ صورتِ حال ہے تو اس تاریخ کی تحدید ۲۶۰ھ کے ساتھ کرنی چاہیے، کیوں کہ بارھویں امام منتظر کے موجود ہونے کا دعویٰ تو حسن عسکری کی وفات کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا اور ان کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی تھی۔

---

[1] التنبیه والإشراف (ص: ۱۹۸)

[2] الفرق بین الفرق (ص: ٦٤)

[3] الاثنا عشریة وأهل البیت (ص: ۱۵)

[4] دیکھیں: منهاج السنة (٤/ ۲۰۹)

[5] دیکھیں: مختصر التحفة (ص: ۲۱)

[6] جیسا کہ کلینی نے "الکافي" (۱/ ٥١٤) میں، مفید نے "الإرشاد" (ص: ۲۹۰) میں اور طبرسی نے "أعلام الوری" (ص: ۳۹۳) میں اس کی صراحت کی ہے، جبکہ "الأعلام" للزرکلي (۲/ ۲۱٤)، "العقل عند الشیعة" رشدي علیان (ص: ٥٦) اور "تاریخ الإمامیة" عبد اللہ فیاض (ص: ۱۸۳) میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس مزعومہ ولادت کی تاریخ ۲۵۵ھ ہے۔

جعفریہ جن بارہ اماموں کے قائل ہیں، اس سے مراد امیر المومنین علی بن ابی طالب، حسن، حسین اور حسین رضی اللہ عنہم کی اولاد ہیں۔ ذیل میں ان بارہ اماموں کے اسما، القاب، کنیتوں اور ہر امام کے سالِ ولادت و وفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

| نمبر شمار | امام کا نام | کنیت | لقب | سالِ ولادت و وفات |
|---|---|---|---|---|
| ① | علی بن ابی طالب | ابو الحسن | المرتضیٰ | ۲۳ سال ہجرت سے پہلے۔ ۴۰ھ |
| ② | حسن بن علی | ابو محمد | الزکی | ۲۔ ۵۰ھ |
| ③ | حسین بن علی | ابو عبد اللہ | الشہید | ۳۔ ۶۱ھ |
| ④ | علی بن حسین | ابو محمد | زین العابدین | ۳۸۔ ۹۵ھ |
| ⑤ | محمد بن علی | ابو جعفر | الباقر | ۵۷۔ ۱۱۴ھ |
| ⑥ | جعفر بن محمد | ابو عبد اللہ | الصادق | ۸۳۔ ۱۴۸ھ |
| ⑦ | موسیٰ بن جعفر | ابو ابراہیم | الکاظم | ۱۲۸۔ ۱۸۳ھ |
| ⑧ | علی بن موسیٰ | ابو الحسن | الرضا | ۱۴۸۔ ۲۰۳ھ |
| ⑨ | محمد بن علی | ابو جعفر | الجواد | ۱۹۵۔ ۲۲۰ھ |
| ⑩ | علی بن محمد | ابو الحسن | الہادی | ۲۱۲۔ ۲۵۴ھ |
| ⑪ | حسن بن علی | ابو محمد | العسکری | ۲۳۲۔ ۲۶۰ھ |
| ⑫ | محمد بن حسن | ابو القاسم | المہدی | (شیعہ کا دعویٰ ہے کہ وہ ۲۵۵ یا ۲۶۹ھ میں پیدا ہوا تھا اور وہ آج تک زندہ ہے۔)[1] |

### 4 قطعیہ:

یہ نام مولفینِ فرق کی ایک جماعت اشعری، شہرستانی اور اسفرایني وغیرہ[2] کے نزدیک اثنا عشریہ ہی کا ایک

---

[1] اثنا عشریہ سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: الكليني: أصول الكافي (١/ ٤٥٢ وما بعدها) المفيد: الإرشاد. الطبري: أعلام الورىٰ. الأربلي: كشف الغمة. نیز دیکھیں: الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٩١) الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٦٩) ابن خلدون: لباب المحصل (ص: ١٢٨) وغیرہ

[2] مقالات الإسلاميين (١/ ٩٠۔ ٩١) الملل والنحل (١/ ١٦٩) التبصير في الدين (ص: ٣٣) الحور العين (ص: ١٦٦)

لقب ہے۔ انھیں قطعیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ بن جعفر صادق کی قطعی اور یقینی موت کے قائل ہیں[1] اور یہی اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے۔ مسعودی کہتا ہے:

''۲۶۰ھ میں ابو محمد حسن بن علی وفات پا گئے اور امامیہ کے فرقہ قطعیہ کے نزدیک یہ مہدی منتظر بارھویں امام کے والد تھے۔''[2]

بعض علما قطعیہ کو اثنا عشریہ کا لقب نہیں، بلکہ اسے امامیہ ہی کا ایک فرقہ شمار کرتے ہیں۔[3]

## [5] أصحاب الانتظار:

رازی اثنا عشریہ کو "أصحاب الانتظار" کا لقب دیتے ہیں، کیوں کہ ان کا موقف ہے کہ حسن عسکری کے بعد ان کے صاحب زادے محمد بن حسن عسکری امام ہیں اور وہ غائب ہیں، جو عن قریب ظاہر ہوں گے۔ رازی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے امامیہ کا یہی مذہب ہے۔ امام کے انتظار کے کئی شیعہ فرقے قائل ہیں، اگرچہ اس کی تعیین میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ نظریہ صرف اثنا عشریہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔[4]

## [6] رافضہ:

علما کی ایک جماعت اثنا عشریہ پر رافضہ نام کا اطلاق کرتی ہے، جیسا کہ اشعری نے "المقالات"[5] میں اور ابن حزم نے "الفصل" میں کیا ہے۔[6] اسی طرح یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اثنا عشریہ کی کتب بھی یہ صراحت کرتی ہیں کہ دیگر القاب کے ساتھ یہ بھی اس کا ایک لقب ہے۔

---

[1] دیکھیں: القمي: المقالات والفرق (ص: ۸۹) الناشئ الأكبر: مسائل الإمامة (ص: ٤٧) الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٩٠) عبد الجبار الهمداني: المغني (٢٠/ ٢/ ١٧٦) المسعودي: مروج الذهب (٤/ ١٩٩)

[2] مروج الذهب (٤/ ١٩٩)

[3] مختصر التحفة الاثنى عشرية (ص: ١٩۔ ٢٠) یقیناً قطعیہ ہی اثنا عشریہ کے سلف ہیں اور ان کا یہ نام موسیٰ کی امامت کے قطعی اور یقینی قائل ہونے کی بنا پر رکھا گیا ہے۔ اسی بنا پر یہ اسماعیلیہ سے الگ ہوئے ہیں، لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شیعہ ہر امام کی وفات پر اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں تو فرقہ قطعیہ بھی یقیناً اس اختلاف کا شکار ہوا ہے اور اس سے بھی ایسے فرقے الگ ہوئے، جو بارہ اماموں کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ یعنی قطعیہ کے بعض فرقے ایسے بھی ہیں، جو اثنا عشری نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ قطعیہ، اثنا عشریہ سے زیادہ عام ہے کہ اس کے بعض فرقے اثنا عشری ہیں اور بعض اثنا عشری یعنی بارہ اماموں کے قائل نہیں ہیں۔

[4] اعتقادات فرق المسلمين (ص: ٨٤۔ ٨٥)

[5] دیکھیں: مقالات الإسلاميين (١/ ٨٨)

[6] الفصل (٤/ ١٥٧۔ ١٥٨)

شیعہ عالم مجلسی نے اپنی کتاب "البحار" میں جو شیعہ احادیث کا ایک اہم ماخذ ہے، رافضہ نام رکھنے کی مدح میں چار احادیث نقل کی ہیں۔[1] جس سے مقصود یہ ہے کہ اس نام کی مدح و تحسین کے ذریعے اپنے پیروکاروں کو مطمئن کیا جائے، لیکن ان احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ مدح کے لیے نہیں، بلکہ مذمت کے طور پر ان لوگوں کو رافضہ نام سے پکارا کرتے تھے اور ان شیعہ مصادر میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں کہ آخر لوگ مذمت اور سب وشتم کے طور پر انھیں کیوں اس نام سے موسوم کیا کرتے تھے؟[2]

البتہ دیگر (غیر شیعی) مصادر میں اس کا سبب خلافتِ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے متعلق شیعہ کا موقف ہے۔ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں:

"ان کا نام رافضہ اس لیے رکھا گیا ہے، کیوں کہ یہ لوگ ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کا رفض و انکار کرتے ہیں۔"[3]

---

[1] مجلسی نے ان احادیث کا تذکرہ "باب فضل الرافضة و مدح التسمية بها" میں کیا ہے۔ مثلاً وہ ابوبصیر سے روایت نقل کرتا ہے کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ہمارا یہ کیسا نام ہے، جس کی وجہ سے حکمران ہمارے خون مال اور ہمیں اذیت دینا روا سمجھتے ہیں؟ فرمایا: وہ کون سا نام ہے؟ میں نے کہا: رافضہ۔ ابوجعفر نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں ستر آدمی تھے، جو ساری قومِ موسیٰ میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور ہارون سے محبت رکھنے والے تھے تو قومِ موسیٰ نے ان کا نام رافضہ رکھ دیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ان کا یہ نام تورات میں محفوظ کر لو، کیوں کہ میں نے یہ نام انھیں عطا کر دیا ہے، تو یہ نام تمھیں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ (البحار: ٦٨/ ٩٦۔ ٩٧) نیز دیکھیں: تفسیر فرات (ص: ١٣٩) البرقي: المحاسن (ص: ١٩٧) الأعلمي: دائرة المعارف (١٨/ ٢٠٠)

[2] ایک رائے کے مطابق سب سے پہلے مغیرہ بن سعید نے رافضہ نام کا اطلاق کیا تھا۔ ایک فرقہ مغیریہ اسی کی طرف منسوب ہے اور اسے خالد بن عبداللہ قسری نے ١١٩ھ میں قتل کر دیا تھا۔ رافضہ نام کے اطلاق کا سبب یہ تھا کہ یہ محمد باقر کی وفات کے بعد نفس زکیہ (محمد بن عبد اللہ بن حسن) کی امامت کا میلان رکھتا تھا اور اسی بات کا اظہار کرتا تھا، جس کی وجہ سے جعفر بن محمد کے شیعوں نے مغیرہ سے براءت ظاہر کی تو اس نے انھیں رافضہ نام سے موسوم کیا۔ دیکھیں: القمي: المقالات والفرق (ص: ٧٦۔ ٧٧) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٦٢۔ ٦٣) القاضي عبدالجبار: المغني (٢/ ٢٠/ ١٧٩)

معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوے کا مصدر رافضہ ہیں۔ امام طبری نے بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ مغیرہ نے ان لوگوں کو رافضہ نام سے موسوم کیا تھا، جب انھوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔" (تاريخ الطبري: ٧/ ١٨١)

لیکن عبداللہ بن فیاض نے مغیرہ کی طرف منسوب اس روایت کو ضعیف شمار کیا ہے، جو قواعدِ نقد کا سامنا نہیں کر سکتی، کیوں کہ اگر مغیرہ نے ان کا نام رافضہ رکھا ہوتا تو اس کی بنا پر شیعوں پر غیظ و غضب اور حکمرانوں کی طرف سے ان کا قتل و غارت، جیسا کہ شیعی روایات میں مذکور ہے، درست قرار نہیں پاتا۔ (تاريخ الإمامية، ص: ٧٥)

[3] مقالات الإسلاميين (١/ ٨٩) نیز دیکھیں: الشهرستاني: الملل والنحل (١/ ١٥٥) الرازي: اعتقادات فرق المسلمين والمشركين (ص: ٧٧) الإسفرايني: التبصير في الدين (ص: ٣٤) الجيلاني: الغنية (١/ ٧٦) ابن المرتضىٰ: المنية والأمل (ص: ٢١)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اشعری کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد اس پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ جب ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے کوفہ میں خروج کیا اور شیعوں نے ان کو چھوڑ دیا تو انھوں نے اِن کو رافضہ نام سے موسوم کیا تھا۔''[1]

درحقیقت امام ابن تیمیہ اور امام اشعری کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے زید کو تبھی چھوڑا تھا، جب انھوں نے ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور ان کی خلافت سے متعلق اپنے نظریے کا اظہار کیا تھا۔[2]

لہٰذا یہ کہنا کہ ان کا نام رافضہ زید کو چھوڑنے کی وجہ سے پڑا تھا یا زید کے عقیدے و نظریے کو رد کرنے کی وجہ سے رکھا گیا تھا، میری نظر میں اس کا سبب ایک ہی ہے، البتہ شیخ الاسلام نے اشعری پر تعاقب کرتے ہوئے اس بات کا تاریخی پہلو سامنے رکھا ہے، کیوں کہ زید سے شیعوں کے اختلاف سے پہلے بھی بعض شیعہ فرقے سبئیہ وغیرہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت و خلافت کا انکار کرتے تھے، لیکن اس وقت کسی نے انھیں اس نام (رافضہ) سے نہیں پکارا۔ یہ نام اسی وقت معرضِ وجود میں آیا تھا، جب ان لوگوں نے زید کو شیخین کے ساتھ اپنی رضا مندی اور محبت کا اظہار کرنے کے سبب چھوڑ دیا تو انھوں نے ان کو رافضہ کے نام سے موسوم کیا۔ شیعوں کو رافضہ کہنے کے اس کے علاوہ بھی کئی اسباب منقول ہیں،[3] جن سے طوالت کی بنا پر ہم صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ بعض مولفینِ فرق عموماً شیعہ کے تمام فرقوں پر رافضہ نام کا اطلاق کرتے ہیں۔[4]

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٣٠)

[2] دیکھیں: تاريخ الطبري (٧/ ١٨٠۔ ١٨١) ابن الأثير: الكامل (٤/ ٢٤٦) ابن كثير: البداية والنهاية (٩/ ٣٢٩۔ ٣٣٠) ابن العماد الحنبلي: شذرات الذهب (١/ ١٥٨) تاريخ ابن خلدون (٣/ ٩٩)

[3] ایک قول کے مطابق رافضہ نام رکھنے کا سبب شیعوں کا نفس زکیہ کی اعانت نہ کرنا ہے۔ (ابن المرتضیٰ: المنية والأمل، ص: ٢١، حاشیہ: ١، ص: ١١١) ایک قول کے مطابق محبتِ اصحاب کو ترک کرنا اس کا سبب ہے۔ (علي القاري: شم العوارض في ذم الروافض، الورقة: ٢٥٤ ب، مخطوط) ایک قول کے مطابق اس کا سبب دینِ اسلام کا رفض و انکار ہے۔ دیکھیں: الإسكوبي: الرد على الشيعة (الورقة: ٢٣، مخطوط) نیز دیکھیں: محي الدين عبد الحميد: هامش مقالات الإسلاميين (١/ ٨٩)

[4] جیسا کہ بغدادی نے "الفرق بين الفرق" میں، اسفرائنی نے "التبصير في الدين" میں، ملطی نے "التنبيه والرد" میں اور سکسکی نے "البرهان في عقائد أهل الأديان" میں ذکر کیا ہے۔ نیز ملاحظہ کریں (ص: ١١٤)

## ⑦ جعفریہ:

اثنا عشریہ کا نام جعفر صادق کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''جعفریہ'' بھی رکھا گیا ہے، جو ان کے عقیدے کے مطابق ان کا چھٹا امام ہے۔ کشی نے روایت کیا ہے کہ کوفے میں شیعانِ جعفر کا نام جعفریہ رکھا گیا اور یہ نام جعفر کو بتایا گیا تو انھوں نے غضب ناک ہو کر کہا:

''تم میں جعفر کے اَصحاب (پیروکار) بہت تھوڑے لوگ ہیں، کیوں کہ جعفر کے اَصحاب صرف وہی لوگ ہیں، جن میں ورع و تقویٰ بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے خالق (کی رضا) کے لیے عمل کرتے ہیں۔''[1]

اصولِ کافی میں موجود روایت سے پتا چلتا ہے کہ لوگ جعفر صادق کے لیے طرف داری کا دعویٰ کرنے والوں کو ''جعفری خبیث'' کہا کرتے تھے۔ جب بعض شیعہ نے جعفر صادق سے اس امر کی شکایت کی تو انھوں نے کہا:

''تم میں جعفر کی پیروی کرنے والے کتنے تھوڑے لوگ ہیں! میرے اَصحاب تو صرف وہ لوگ ہیں، جو سخت ورع و تقوے والے، اپنے خالق کے لیے عمل کرنے والے اور اسی سے ثواب کی امید رکھنے والے ہیں۔ پس یہی لوگ میرے اَصحاب ہیں۔''[2]

بہ شرطِ صحت یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ جعفریہ نام جعفر صادق کے زمانے میں رائج تھا اور جعفر ان کی کثیر تعداد سے خوش نہیں تھے۔ نیز اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفریہ لقب اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ دونوں پر بولا جاتا تھا، کیوں کہ دونوں گروہ جعفر کی وفات کے بعد ہی اختلاف و افتراق کا شکار ہوئے تھے۔

شیعہ کے ایک اور فرقے پر بھی جعفریہ نام کا اطلاق ہوتا تھا، جو اب ختم ہو چکا ہے، اس کا نظریہ تھا کہ حسن عسکری کے بعد ان کا بھائی جعفر امام ہے۔[3] بعض علاقوں میں اثنا عشریہ کے کئی اور القاب بھی مروج ہیں۔[4]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٢٥٥)

[2] أصول الكافي (٢/ ٧٧)

[3] الرازي: اعتقادات فرق المسلمين والمشركين (ص: ٨٤) مختصر التحفة الاثني عشرية (ص: ٢١)

مثلاً اخیر زمانوں میں جبلِ عامل، بلادِ بعلبک اور جبلِ لبنان کے شیعوں پر ''متاولہ'' لقب کا اطلاق ہوتا تھا۔ یہ لفظ ''متوالی'' کی جمع ہے، جو ''توالیٰ'' کا اسم فاعل ہے۔ یہ لفظ ''الولاء'' اور ''الموالاۃ'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی محبت کرنا ہے، کیوں کہ یہ لوگ بہ زعم خویش اہلِ بیت سے موالات اور محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے قول کے مطابق اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جنگوں میں کہا کرتے تھے: ''مُتْ وَلِيًّا لِعَلِيٍّ'' (علی کا دوست بن کر جان قربان کر دو) تو اس بنا پر ان میں سے ایک ←

## 8 خاصہ:

شیعہ علما اپنی جماعت پر اس لقب ''خاصہ'' کا اطلاق کرتے ہیں اور اہل السنہ والجماعہ کو ''عامہ'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ ''دائرة المعارف الشیعیة'' میں مرقوم ہے:

''بعض اہلِ درایت کی اصطلاح میں ''خاصہ'' سے مراد امامیہ اثنا عشریہ اور ''عامہ'' سے مقصود اہل السنہ والجماعہ ہیں۔''[1]

شیعہ کی روایات میں یہ لفظ بہ کثرت استعمال ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ عامہ (اہلِ سنت) کے طریق سے ہے اور یہ حدیث خاصہ (شیعہ) کے طریق سے ہے۔

---

← کا نام ہی ''متوالی'' پڑ گیا۔ دیکھیں: حاضر العالم الإسلامي (۱/ ۱۹۳۔ ۱۹٤) أعیان الشیعة (۱/ ۲۲)
اسی طرح ان کا ایک لقب ''قزلباش'' ہے۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: سرخ سر والا۔ اب یہ نام ''قلباش'' ایران میں مشہور ہے۔ ہند، روم اور شام میں بھی ہر شیعہ شخص کو ''قزلباش'' کہا جاتا ہے۔ دیکھیں: أعیان الشیعة (۱/ ۲۳۔ ۲٤) آیندہ صفحات میں اثنا عشری فرقوں کے تذکرے میں آئے گا کہ قزلباشیہ ایک اثنا عشری فرقہ ہے۔

4 دائرة المعارف (۱۷/ ۱۲۲)

1 مثلاً دیکھیں: غایة المرام لهاشم البحراني. ایک شیعی روایت ہے: ''مَا خَالفَ الْعَامَّةَ فَفِیْهِ الرَّشَادُ'' (عامہ۔ اہل سنت۔ کے خلاف ہی میں رشد و ہدایت ہے) دیکھیں: أصول الکافي (۱/ ٦۸) وسائل الشیعة (۱۸/ ۷٦)

# فرقہ اثنا عشریہ کے مختلف فرقے

اثنا عشریہ عمومی معنی کے اعتبار سے شیعہ فرقہ امامیہ ہی کا تسلسل اور اسی کا ایک گروہ ہے، بلکہ یہ ان پندرہ فرقوں میں سے ایک ہے، جو حسن عسکری کی وفات کے بعد شیعوں میں پیدا ہوئے تھے،[1] بایں ہمہ اس ایک فرقے سے بہت سارے فرقوں نے جنم لیا۔

پروفیسر محمود ملاح، جو اس فرقے سے متعلق بڑی تحقیق و تفتیش کرنے والوں میں سے ایک محقق ہیں، فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں فرقہ اثنا عشریہ مندرجہ ذیل فرقوں میں منقسم ہے:

- اصولیہ۔[2]
- اخباریہ۔[3]
- شیخیہ۔[4]

---

[1] دیکھیں: القمي: فرق الشيعة (ص: ١٠٢ وما بعدها)

[2]، [3] ان دونوں فرقوں کی تعریف آگے آ رہی ہے۔

[4] **شیخیہ:** اس کو ''احمدیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اَحمد اِحسائی (۱۱۶۶۔۱۲۴۱ھ) کے پیروکار ہیں، جو فرقہ اثنا عشریہ کا ایک بڑا عالم تھا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ احمد اِحسائی اور اس کے اَتباع سے متعلق فرماتے ہیں:

''ان کی عبارات و کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے متعلق ویسا اعتقاد رکھتے ہیں، جیسا فلاسفہ کا عقل اول سے متعلق نظریہ ہے۔ اسی طرح اس کی طرف حلول، الوہیت، ائمہ اور جسمانی معاد کا انکار منسوب ہے، نیز اس کی طرف یہ نظریہ بھی منسوب ہے کہ ایک کامل شخص کا اعتقاد رکھنا، دین کے بنیادی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ ہے اور وہ کامل شخص خود اس کی شکل میں موجود ہے۔''

شیعہ اثنا عشریہ اس (احمد اِحسائی) سے متعلق مختلف نظریات رکھتے ہیں، کوئی اس کی مدح کرتا ہے، جیسا کہ خوانساری ہے۔ (روضات الجنات: ١/ ٩٤) کوئی اس کی مذمت کرتا ہے، جیسا کہ محمد مہدی قزوینی نے اپنی کتاب ''ظهور الحقيقة على فرقة الشيخية'' میں کیا ہے اور کوئی اس سے متعلق توقف کرتا ہے، جیسا کہ علی البلادی ہے۔ (أنوار البدرين، ص: ٤٠٨)

کوئی اس کے متعلق میانہ روی کا قائل ہے اور کہتا ہے:

''لوگوں میں اس کے متعلق اختلاف ہے، کوئی اس کے رکن ہونے کا قائل اور کوئی اس کو کافر کہتا ہے، لیکن میانہ روی ←

۞ کشفیہ۔[1]

← ہی سب سے بہتر ہے۔حق بات یہ ہے کہ وہ امامیہ کے اکابر علما میں سے تھا، پھر (چند الفاظ میں اس کی تعریف کرنے کے بعد) کہتا ہے: ''البتہ اس کی کتابوں میں بعض باتیں متشابہ ضرور پائی جاتی ہیں،لیکن اس بنا پر اسے تنقید اور تکفیر کا نشانہ بنانا جائز نہیں ہے۔'' (محمد حسين آل كاشف الغطا ـحاشيه- المصدر السابق، ص: ٤٠٨- ٤٠٩) اس سے متعلق لوگوں کے اس قدر اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اس کے خطرناک عقائد اور اس کی گمراہ آلود باتیں معمولی چیز ہیں، اس فرقے (شیخیہ) سے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الآلوسي: نهج السلامة (ص: ١٨- ١٩، مختصر التحفة (ص: ٢٢) الأعلمي الحائري: مقتبس الأثر (٢٠/ ١٣٦) محمد حسن آل الطلقاني: الشيخية نشأتها وتطورها، مجلة العرفان (مجلد: ٣٣، ص: ١٩٩) أعيان الشيعة (٨/ ٣٩٠) محسن عبد الحميد: حقيقة البابية والبهائية (ص: ٣٦) مصطفى عمران: تهاقة البابية والبهائية (ص: ٣٤) جولدسيهر: العقيدة والشريعة (ص: ٢٧٠) مبارك إسماعيل: التيارات الفكرية (ص: ١١٠)

[1] کشفیہ: کاظم بن قاسم رشتی (المتوفی ۱۲۵۹ھ) کے پیروکار ہیں، جو فرقہ شیخیہ کے بانی احمد احسائی کا شاگرد، اس کا جانشین اور اسی کے نظریات کو مزید غلو اور انتہا پسندی کے ساتھ اپنانے والا ہے، اس کے سربراہ کی کشف و الہام کی طرف نسبت کی بنا پر انھیں کشفیہ کہا جاتا ہے۔

شیخ آلوسی کشفیہ سے متعلق کہتے ہیں:

''بعض بغدادی وزرا (علی رضا باشا) ـأعلى الله درجته- نے ان کا لقب کشفیہ رکھا تھا۔ یہ لوگ سید کاظم حسینی رشتی کے پیروکار ہیں، جو احسائی کا تلمیذ اور تربیت یافتہ ہے،لیکن بعض مسائل میں وہ اپنے استاد کا مخالف ہے۔اس کے کلمات اور عبارات سے اپنے استاد سے بھی زیادہ غلو آمیز اور حیرت انگیز نظریات کا پتا چلتا ہے،حتی کہ اثنا عشریہ اسے غالی شمار کرتے ہیں،لیکن وہ اپنے الفاظ کے ظاہری مفہوم سے براءت ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اس کے ساتھ بڑا وقت گزارا ہے،لیکن مجھے اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی، جو اس کی تکفیر کرنے والے اثنا عشری علما اس کے بارے میں کہتے ہیں۔البتہ تحقیق کی بنیاد پر ائمہ وغیرہ کے بارے میں مبدا و معاد سے متعلق نظریات میں اس کا دوسرے لوگوں سے اختلاف موجود ہے،لیکن اپنے استاد سے اس کی مخالفت اس طرح کی نہیں ہے، جو اسے اور اس کے پیروکاروں کو شیخیہ کے علاوہ ایک مستقل فرقہ بنا دے۔ (نهج السلامة، ص: ١٩) لیکن بعض لوگوں نے اسے ایک مستقل فرقہ شمار کیا ہے، کیوں کہ خود کاظم رشتی نے اپنی کتاب ''دليل الحيران'' (ص: ١٣٦) میں صراحت کی ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی بھی اس مسلک کا قائل نہیں تھا۔ دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٣٤)

اسی بنا پر محمد حسین آل کاشف الغطا اس کے متعلق کہتا ہے کہ یہ جادہ مستقیم سے بھٹک گیا اور اس سے دور ہو کر بہت بڑی گمراہی میں جا پڑا ہے۔ نیز اس نے شیعہ امامیہ کو بڑے سخت فتنے اور آزمایش سے دوچار کر دیا ہے۔اسی سے اور اس کے پیروکاروں کی وجہ سے اس کے استاد احسائی کے برخلاف فتنہ بابیہ پیدا ہوا ہے۔(حاشية على أنوار البدرين، ص: ٤٠٨- ٤٠٩)

فرقہ کشفیہ سے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مصطفى عمران: تهافة البابية (ص: ٣٧- ٣٩) آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٢٤) اس کتاب میں کشفیہ کے سربراہ اور اس کے شاگردوں کی کتب کی روشنی میں اس فرقے سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ نیز دیکھیں: عبد الرزاق الحسيني: البابيون والبهائيون (ص: ١٠)

- رکنیہ۔[1]
- کریم خانیہ۔[2]
- قزلباشیہ۔[3]

یہ سب فرقے اثنا عشری گروہ میں داخل ہیں اور ان کے اصول وعقائد بھی اثنا عشریہ کی کتب میں مندرج ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ سب ایک دوسرے کی تکفیر بھی کرتے ہیں!![4]

بعض شیعہ محققین[5] نے اثنا عشری فرقوں کے دیگر نام بھی ذکر کیے ہیں:

- قرتیہ۔[6]

---

(1) رکنیہ: یہ مرزا محمد کریم بن ابراہیم خان کرمانی کے پیروکار ہیں، جو رشتی کا شاگرد اور اس کا پیروکار تھا۔ انھیں اس لیے رکنیہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ یہ رکن رابع اور شیعی کامل کے قائل اور اسے دین کا بنیادی مسئلہ و رکن سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامل شیعہ ان کے سربراہ کی شخصیت میں موجود ہے۔ دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٦) بعض لوگ فرقہ رکنیہ اور کشفیہ کو شیخیہ ہی کے دو لقب قرار دیتے اور ان سب کو ایک ہی فرقہ سمجھتے ہیں۔ دیکھیں: مجلة العرفان (مجلد: ٣٣، ص: ١٩٩) محمد آل الطلقاني: الشيخية (ص: ٢٧٤)

(2) کریم خانیہ: یہ محمد فجری کرمانی کریم خان کے پیروکار ہیں اور وہ خود فرقہ شیخیہ کا پیروکار تھا، اس لیے حائری نے اس سے متعلق کہا ہے: "رئيس الطائفة الشيخية" یعنی وہ فرقہ شیخیہ کا سربراہ ہے۔ (مقتبس الأثر: ٢٤/ ٢٧٤۔ ٢٧٥)

(3) قزلباشیہ: یہ صفویین کے پیروکاروں میں سے شیعہ صوفیہ کا ایک فرقہ ہے۔ قزلباش کا معنی سرخ سر ہیں، کیوں کہ وہ لوگ سرخ رنگ کے کپڑے کے ساتھ اپنے سروں کو ڈھانپا کرتے تھے، جس کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ ایک سرخ رنگ کی ٹوپی امتیازی نشان کے طور پر پہنا کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے اس امتیازی نشان کی یوں کیفیت بیان کی ہے کہ حیدر بن جنید صفوی نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے بلند پرتوں والے عمامے کے درمیان میں ایک ٹکڑے کو ہرم (بلند و بالا عمارت جس کی رسی کشادہ چہار گوشہ اور دیواریں مثلث نما ہوتی ہیں، جو اوپر جا کر نوک دار چوٹی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں) کی طرح اوپر اٹھائے، جو اوپر کنارے کی طرف سے چاروں اطراف میں بارہ ٹکڑوں میں منقسم ہو، جو علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے بارہ بیٹوں کی یاد دلائے گا۔ اسی بنا پر صفویین کے پیروکاروں میں سے صوفیہ کو اس سرخ رنگ کے اثنا عشری امتیازی نشان کی پابندی کی وجہ سے قزلباش کہا جانے لگا۔ البتہ محسن امین کا خیال ہے کہ قزلباش بعض علاقوں میں اثنا عشریہ ہی کا ایک لقب ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ شاید اس بات سے اس کا مقصود حسبِ عادت شیعہ فرقوں کی کثرت اور تقسیم در تقسیم پر پردہ ڈالنا ہے۔ دیکھیں: مصطفى الشيبي: الفكر الشيعي (ص: ٤٠٥۔ ٤٠٦) أعيان الشيعة (١/ ٢٣۔ ٢٤)

(4) الآراء الصريحة (ص: ٨١)

(5) آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٥۔ ٥٦)

(6) "قرتیہ: ایک عورت کے پیروکار ہیں، جس کا نام ہند، کنیت ام سلمہ اور لقب قرۃ العین ہے۔ کاظم رشتی نے اسے خط کتابت میں اس لقب سے ملقب کیا تھا، کیوں کہ یہ عورت پہلے اس کی پیروکار تھی اور رشتی کی موت کے بعد باب کی تقلید کرتی تھی، لیکن ←

- بابیہ۔[1]
- گوہریہ۔[2]

بعض نے ان میں ''نور بخشیہ''[3] کا بھی ذکر کیا ہے۔ پھر آلوسی کے قول کے مطابق کہ بعید نہیں کہ اس کے

---

← پھر بعض اشیا میں اس کی مخالفت کرنے لگی، جن میں ایک شرعی تکالیف اور احکام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اباحیت پسند اور شرعی احکام کو بالکلیہ ختم کرنے کی قائل تھی۔
آلوسی (ابوالثنا) نے کہا ہے کہ میں نے اس سے ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی، حالاں کہ یہ عورت دو مہینے تک میرے گھر میں محبوس رہی تھی۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ بابیہ اور قرتیہ ایک ہی فرقہ ہے، جو ائمہ سے متعلق کشفیہ ہی کے طرح کے عقائد ونظریات رکھتا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ پانچ نمازوں کی مشروعیت ختم ہوچکی ہے اور وحی اب بھی جاری ہے۔ (نهج السلامة، ص: ٢١)
قرتیہ سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: آل طعمة: مدينة الحسين (ص: ٥٦۔ ٢٣٩ وما بعدها) بابیہ سے متعلق لکھی گئی بیشتر کتب میں اس عورت اور اس کے اَتباع کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے، جس کی تفصیل اگلے حاشیے میں ملاحظہ کریں۔

[1] بابیہ: یہ مرزا علی محمد شیرازی باب (١٢٣٥۔ ١٢٦٥ھ) کے پیروکار ہیں۔ وہ خود فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کا پیروکار تھا، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ امام منتظر کا دروازہ ہے اور وہی اکیلا اس کی طرف سے کلام کرنے والا ہے۔ بعد ازاں اس نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کا امام غائب ہے، پھر اس نے یہ اعلان کیا کہ اللہ اس میں حلول کر چکا ہے۔ یہ اسی طرح کے دیگر کفر وضلالت پر مشتمل عقائد ونظریات کا حامل تھا۔
بابیہ مذہب سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: محسن عبد الحميد: حقيقة البابية والبهائية. مصطفى عمران: تهافة البابية والبهائية. محمود المداح: البابية والبهاية. إحسان إلٰهى ظهير: البابية.

[2] گوہریہ: یہ آخوند ملا حسن گوہر کے پیروکار ہیں اور آج تک اس کے مذہب کو کربلا میں ترویج دے رہے ہیں۔ (آل طعمة: مدينة الحسين، ص: ٥٥) اس فرقے کے سببِ ظہور میں کشفیہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ (المصدر السابق، ص: ٢٣٩) یہ لوگ ائمہ کی الوہیت اور گناہ گار سے نفیِ عذاب کے قائل ہیں۔ (المصدر السابق، ص: ٥٣۔ ٥٤)

[3] نور بخشیہ: یہ فرقہ محمد نور بخش ابو القاسم کوہستانی (٧٩٥۔ ٨٦٩ھ) کی طرف منسوب ہے۔ اثنا عشریہ کا دعویٰ ہے کہ یہ انھی کا ایک فرقہ ہے۔ یہ فرقہ ہمالیہ اور چینی تبت سے متصل علاقے کوہستان بلتستان میں پایا جاتا ہے۔ اس شخص نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اہلِ سنت کے طریق سے مہدی کے نام اور کنیت سے متعلق مروی روایات کا مصداق اپنے آپ کو قرار دیا۔ اس نے شیعوں کے مہدی منتظر کا انکار کیا اور ان سے الگ ہوگیا، اسی بنا پر بعض کا خیال ہے کہ یہ اثنا عشری فرقہ نہیں، بلکہ یہ وحدت الوجود کے قائل صوفیہ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (إحسان إلٰهى ظهير: الشيعة والتشيع، ص: ٣١٦)
لیکن یہ امر اصل میں اس کے اثنا عشریہ سے ہونے کے مانع نہیں ہے، اس نے مہدیت کا دعویٰ اور اپنے اوپر اہلِ سنت کے طریق سے مہدی کے متعلق روایات کا انطباق اس لیے کیا تھا، کیوں کہ وہ بارہ اماموں کا قائل تھا، اسی وجہ سے مہدیت کی بیعت لیتے وقت اس نے بارہ اماموں کی تعداد کے ساتھ تبرک کی وجہ سے بارہ اشخاص سے بیعت لی تھی۔ (الشيبي: الفكر الشيعي، ص: ٣٣٢) اسی طرح جب یہ عراق گیا، تو اس نے وہاں شیعہ مقامات مقدسہ کی زیارت بھی کی تھی۔ (المصدر السابق، ص: ٣٣٣) جہاں تک صوفیانہ فکر کی بات ہے تو تصوف اور تشیع کے درمیان یہ رشتہ بڑا پرانا اور مضبوط ہے، جو آج بھی قائم ہے۔ اس فرقے کے عقائد سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: الشيعة والتشيع (ص: ٣١٤) مصطفىٰ الشيبي: الفكر الشيعي (ص: ٣٢٨ وما بعدها)

بعد بھی فرقہ امامیہ سے مزید کئی فرقے پیدا ہوئے ہوں۔ نسأل اللّٰہ تعالیٰ العافیة۔[1]

جب میں نے اثنا عشریہ کی نصوص کا مطالعہ وتحقیق کی، جنھیں وہ ائمہ کی طرف منسوب کرتے اور اپنی معتمد کتابوں میں انھیں روایت کرتے ہیں تو میں نے دیکھا کہ وہ روایات مختلف فرق و مذاہب کے عقائد و افکار اور آرا ونظریات پر مشتمل ہیں، جن میں ہر خواہش پرست اور غلو و بدعت پسند اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، ان متضاد آرا ونظریات کا دائرہ کار مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر بہت زیادہ وسعت پذیر ہو چکا ہے:

- تقیے کا نظریہ۔
- ائمہ پر بہ کثرت جھوٹ بولنا اور افترا پردازی کرنا۔
- شیعہ صفوف میں ملحد اور سازشی لوگوں کا در آنا۔
- شیعہ علما و شیوخ کا زمانہ ہائے دراز سے شیعہ مذہب میں داخل ہونے والے ملحدین کے مکر و فریب سے اپنے مذہب کو پاک کرنے سے عاجز آنا۔
- روایات کی تحقیق اور جانچ پڑتال کے لیے صحیح معیار اور محکم اصول وقواعد کا فقدان۔

مذکورہ بالا اور دیگر کئی اسباب کی بنا پر زہریلے عناصر پر مشتمل ہونے کی بنا پر ان نظریات اور بے سروپا روایات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔

ہر شیعہ فرقے سے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے سے بات طویل ہوجائے گی، جو ہمارے بنیادی اور اصل موضوع میں داخل نہیں ہے، کیوں کہ ہمارا مقصود ان فرقوں کی پیدایش، ان کے معتقدین کی اخبار، اقوال اور آرا سے بحث کرنا نہیں، بلکہ ان کے اصول وقواعد کا تحقیقی تجزیہ کرنا ہمارا مقصد ہے۔ اس لیے ہم شیعہ کے دو گروہوں اصولی اور اخباری میں منقسم ہونے سے متعلق کلام کرنے پر اکتفا کریں گے، کیوں کہ اصولی گروہ ہی اثنا عشری مذہب کی اساس اور اکثریت کا نمایندہ ہے، اس کے بالمقابل اِخباری ہے، جو تعداد میں ان سے کم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر فرقوں کا اتنا حجم نہیں، جتنا اصولیہ کا ہے۔ اسی لیے سابقہ حواشی میں ہم نے ان کی مختصر تعریف پر اکتفا کیا ہے۔

یہ اصولی اور اخباری کا اختلاف ہی دراصل اثنا عشری مذہب کی اساس میں اختلاف کو عیاں کرتا ہے۔ یہ ان شیعہ رجال کے درمیان اختلاف ہے، جنھوں نے اثنا عشری مذہب کی علمی وراثت کو جمع کیا ہے، پس آپ دیکھتے ہیں کہ حر عاملی "وسائل الشیعة" کا مولف کاشانی "الوافي" کا مولف اور نوری طبرسی "مستدرك الوسائل"

---

[1] أبو الثناء الألوسي: نهج السلامة (ص: ٢٢)

کا مولف سب کے سب اخباری ہیں، حالاں کہ یہی لوگ شیعہ روایات کے معتبر مصادر کے مصنفین ہیں، بلکہ یہ لوگ ابن بابویہ "من لا يحضره الفقيه" (جو سابقہ چار شیعی مصادر میں سے ایک معتبر مصدر و مرجع ہے) کے مصنف کو "رئيس الاخباريين" قرار دیتے ہیں۔[1]

ان کے مقابلے میں اصولیوں میں سے طوسی "الاستبصار" و "التهذيب" کا مصنف اور مرتضیٰ ہیں، جس کی طرف "نهج البلاغة" منسوب ہے (یہ کتاب اس کے بھائی کی طرف بھی منسوب ہے)۔

معلوم ہوا کہ اصولیوں اور اخباریوں کے درمیان اختلاف درحقیقت مذہب شیعہ کے ستونوں اور عمارت کو پختہ کرنے والے مجددین کے درمیان اختلاف ہے۔ اب ہم پہلے ان دونوں فرقوں کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

اخباری اجتہاد کو ممنوع قرار دیتے اور اپنی روایات ہی پر عمل کرتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شیعہ کی چار کتبِ روایات[2] میں جو کچھ بھی موجود ہے، وہ سب کا سب صحیح اور ائمہ سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہ صرف کتاب اور خبر پر اقتصار کرتے ہیں، اس لیے یہ اخبار کی طرف نسبت کی بنا پر "اخباریہ" کے نام اور لقب سے معروف ہیں۔ یہ لوگ اجماع اور دلیل عقلی کے منکر ہیں۔[3] ان کے نزدیک اصولِ فقہ سیکھنے کی کوئی حاجت ہے نہ یہ اس علم کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اصولی اور مجتہد ہیں، جو اجتہاد کے قائل ہیں اور کتاب، سنت، اجماع اور دلیل عقلی کو دلائلِ اَحکام سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کتبِ اربعہ کی تمام مرویات پر کلیتاً صحت کا حکم نہیں لگاتے اور یہی شیعہ اکثریت کی نمایندگی کرتے ہیں۔[4]

ایک شیعہ عالم انصاری ایک حقیقت کا انکشاف کرتا ہے، جسے ایک شیعہ محقق غلام رضا قمی نے اس سے نقل کیا ہے کہ اخباری شرعی دلائل میں صرف شیعہ اخبار و روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور ان میں صحیح اور ضعیف کی

---

[1] دیکھیں: الأصوليون والأخباريون فرقة واحدة (ص: ٤) ملاحظہ کریں کہ بعض بڑے شیعہ اخباری شیوخ بڑے شہرت یافتہ، جیسے محمد حسین آل کاشف الغطا "أصل الشيعة وأصولها" کا مولف ہے۔ اسی طرح بعض اطرافِ بحرین وغیرہ میں آپ کو اخباریہ کی کثرت نظر آئے گی۔ ایسے ہی محسن حکیم، شریعت مداری، خوئی اور خمینی وغیرہ فرقہ اصولیہ کے بڑے علما ہیں، جو غالب اکثریت کی نمایندگی کرتے ہیں۔

[2] ان کتب سے مراد "الكافي"، "التهذيب"، "الاستبصار" اور "من لا يحضره الفقيه" ہے۔ ان پر تفصیلی کلام اثنا عشریہ کے نزدیک "سنت" کے مبحث میں آگے آئے گا۔

[3] دیکھیں: العقل عند الشيعة الإمامية ـ رشدي عليان.

[4] دیکھیں: حسن الأمين: دائرة المعارف (ص: ١٠٧) عز الدين بحر العلوم: التقليد في الشريعة (ص: ٩٢) فرج العمران: الأصوليون والأخباريون فرقة واحدة (ص: ١٩)

تفریق کیے بغیر ہر عیب سمیت انھیں قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں:

''اس فرقے کے نام ''اخباریہ'' کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو باتیں میرے لیے بڑی مسرت انگیز ہیں: ① کیوں کہ یہ لوگ تمام اقسام کی روایات صحیح، حسن، موثق اور ضعیف[1] اس بات سے قطع نظر کہ مجتہدین کی نگاہ میں یہ قابلِ عمل بھی ہیں کہ نہیں، عمل کرتے ہیں۔ ② جب ان لوگوں نے قرآن کریم سمیت ادلہ ثلاثہ کا انکار کیا اور صرف ان میں سے ایک (اخبار و روایات) ہی کو دلیل بنایا تو اس وجہ سے انھیں اس نام (اخباریہ) سے پکارا جانے لگا۔[2]

دیکھیں یہاں ان لوگوں نے اپنی ان مَن گھڑت کہانیوں اور روایات کو قبول کر لیا ہے، جو قرآن مجید میں نقص و عیب کا بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہیں، چنانچہ انھوں نے مقامِ احتجاج میں کتاب اللہ سے منہ موڑ کر صرف اپنی مَن گھڑت کہانیوں اور حکایات ہی پر اعتماد کیا ہے۔ بنا بریں ان لوگوں نے خود ہی اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے نکال باہر کیا ہے، لیکن فرقہ اخباریہ کے اس علانیہ کفر بواح کے اظہار کے باوجود کئی شیعہ علما یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اصولیوں اور اخباریوں کے درمیان بعض معمولی وجوہات کی بنا پر اختلاف ہے، جو عموماً ایک ہی جماعت کے ماننے والوں کے درمیان فکر و نظر میں اختلاف پیدا ہو جانے کے سبب رونما ہو جایا کرتا ہے۔[3]

''الأصوليون والأخباريون فرقة واحدة'' کا مولف رقم طراز ہے:

''میں نے جہاں تک اصولیوں اور اخباریوں کی کتب کا مطالعہ اور تحقیق و جستجو کی ہے، مجھے ان دونوں گروہوں کے درمیان صرف بعض جزئی امور میں اختلاف نظر آیا ہے، جو کسی قسم کی طعن و تشنیع اور مذمت کا موجب نہیں ہے۔''[4]

تو کیا یہ ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں؟!

بعض شیعہ معاصرین نے بڑی کوشش کی ہے کہ کسی طرح ان لوگوں کے صرف روایات پر عمل اور قرآن مجید کو رد کر دینے والے گذشتہ قول کی شدت کو کم کیا جا سکے، چنانچہ اس نے کہا ہے:

---

[1] ان مصطلحات کی تشریح ''سنت کے متعلق شیعہ کا نظریہ'' کے مبحث میں آگے آ رہی ہے۔

[2] القلائد على الفرائد، حاشية على رسائل الشيخ الأنصاري، مبحث حجية القطع. نیز دیکھیں: التقليد في الشريعة الإسلامية (ص: ٩٣)

[3] التقليد (ص: ٩٢) نیز دیکھیں: البحراني: الحدائق (١/ ١٦٩۔ ١٧٠)

[4] فرج العمران: الأصوليون والأخباريون فرقة واحدة (ص: ٢۔ ٣)

''اخباری مسلمان ہونے کے بعد کس طرح قرآن مجید کی حجیت کا انکار کر سکتے ہیں؟''[1]

پھر اپنے عالم استرابادی کے اس قول کہ ''قرآن عوام کے اذہان کی نسبت سے ایک معمے کے طور پر نازل ہوا ہے۔''[2] کی توجیہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا صرف ان (شیعہ) کی روایات کے مطابق ہی درست ہے۔''[3]

تو قرآن کا فہم اور اس پر عمل ان کی روایات کی روشنی ہی میں جائز ہے، بنابریں دونوں اقوال کا انجام ونتیجہ ایک ہی ہوا، کیوں کہ ان کی روایات نے قرآن کے معانی میں تحریف کی ہے اور اس کے مدلولات میں تصرف کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ گروہ صحیح اور باطل روایات کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق روا نہیں رکھتا۔

اثناعشریہ کے دوگروہوں اصولیہ اور اخباریہ میں تقسیم ہونے کے آغاز کے متعلق بحرانی کہتا ہے کہ ''شیعہ عالم محمد امین استرابادی (المتوفی ۱۰۳۳ھ) نے سب سے پہلے شیعہ مجتہدین پر طعن کا دروازہ کھولا اور اثناعشریہ کو دوگروہوں اخباری اور مجتہد میں تقسیم کیا۔''[4]

لیکن بعض شیعہ کہتے ہیں کہ یہ تقسیم اس سے بھی قبل ہوئی ہے اور استرابادی نے صرف اس کی تجدید واحیا کی ہے۔[5]

ان دونوں فرقوں کے درمیان کثرت سے ایک دوسرے کی تردید و تنازعات اور تکفیر و تشنیع ہوئی، حتی کہ ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کی حرمت کا فتویٰ دیا۔[6]

فرقہ اخباریہ کے بعض شیوخ اصولیوں کی کتابوں کو ان کی نجاست سے بچنے کی خاطر ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ انھیں صرف کپڑوں کی آڑ میں پکڑا کرتے تھے۔[7]

استرابادی (اخباری) نے بعض اصولیوں کی تکفیر کی اور انھیں دین کی (اس کے بقول) تخریب[8] کا ذمے دار قرار دیا ہے۔ اسی طرح کاشانی (اخباری) صاحب "الوافي" (شیعہ کے آٹھ معتبر مصادر میں سے ایک) نے

---

1. عز الدين: التقليد (ص: ٩٣)
2. الفوائد المدنية (ص: ٤٧۔ ٤٨) التقليد (ص: ٩٤) الحدائق (١/ ١٦٩)
3. حوالہ جات بالا
4. لؤلؤة البحرين (ص: ١١٧)
5. دیکھیں: الأصوليون والأخباريون فرقة واحدة (ص: ٤)
6. دیکھیں: محمد جواد مغنية: مع علماء النجف، ص: ٩)
7. محمد آل الطلقاني: الشيخية (ص: ٩)
8. دیکھیں: لؤلؤة البحرين للبحراني (ص: ١١٨)

اصولی علما کی ایک جماعت کو کافر کہا ہے۔[1]

بعض شیعہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس کی بعض باتیں ایسی ہیں، جن میں وہ صوفیہ اور فلاسفہ کی موجبِ کفر روش پر چل نکلا ہے، مثلاً اس کا وحدۃ الوجود کا قائل ہونا ہے۔[2]

اس طرح یہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں، جیسے ان کے پیش رو ایک دوسرے کو کافر کہا کرتے تھے، جس طرح انھی کی روایات اس کی تصویر کشی کرتی ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے،[3] حالاں کہ یہ دونوں گروہ ہی اثنا عشری ہیں!!

دونوں گروہوں کے درمیان اختلاف کے عناصر اور اسباب سے متعلق ایک شیعہ عالم جعفر کاشف الغطا نے "الحق المبین في تخطئة المجتهدین وتخطئة الأخباریین" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے،[4] جس میں اَسّی (۸۰) عناصرِ اختلاف کا ذکر کیا ہے، جبکہ دوسری طرف ہم شیعہ عالم بحرانی کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان اختلافی مسائل کو کم کرنے کی بڑی کوشش کرتا ہے وہ یہاں تک آ گیا ہے کہ انھیں صرف آٹھ[5] یا ان سے بھی کم مسائل تک محدود کر دیتا ہے،[6] کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اختلاف فریقین کے علما وشیوخ کی مذمت اور شیعہ پر طعن وتشنیع کا دروازہ کھولنے کا سبب بنے گا۔[7]

اس کے بعد محسن امین نے ان اختلافی مسائل کو صرف پانچ تک بتایا ہے۔[8]

ایک تیسری قسم کے لوگ ہیں، جنھوں نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے ان مسائل کی تعداد تینتالیس،[9] یا چالیس،[10] یا انتیس بتائی ہے۔[11]

یہ لوگ اس طرح اختلاف کو کم کرتے ہیں بعض مختلف مسائل کو ایک ہی بنا دیتے ہیں یا کہتے ہیں کہ بعض

---

[1] المصدر السابق (ص: ۱۲۱)
[2] اس سے مراد بحرانی ہے۔ دیکھیں: لؤلؤة البحرین (ص: ۱۲۱)
[3] اس کی تفصیل "الغیبة" (امام کی روپوشی) کے مبحث میں آرہی ہے۔
[4] یہ کتاب طہران میں ۱۳۱۶ھ کو طبع ہوئی ہے۔ دیکھیں: الذریعة (۷/ ۳۷۔ ۳۸)
[5] دیکھیں: عز الدین بحر العلوم: التقلید (ص: ۹۵)
[6] کیوں کہ میں نے "الحدائق" کی مراجعت کی تو اس نے صرف چار فرق ثابت کیے ہیں۔ دیکھیں: الحدائق (۱/ ۱٦۷ وما بعدها)
[7] دیکھیں: الحدائق (۱/ ۱٦۷)
[8] دیکھیں: أعیان الشیعة (۱۷/ ٤۵۳۔ ٤۵۸)
[9] یہ بات شیعی عالم عبداللہ بن صالح البحرانی نے اپنی کتاب "منیة الممارسین" میں کہی ہے۔ دیکھیں: الحدائق (۱/ ۱٦۷)
[10] یہ بات شیعہ عالم عبداللہ السماہیجی نے کہی ہے۔ دیکھیں: روضات الجنات (۱/ ۳٦)
[11] یہ بات خوانساری نے کہی ہے۔ دیکھیں: المصدر السابق (۱/ ۳٦ وما بعدها)

مسائل میں علما کا باہمی اختلاف ہے، جو فریقین کا اختلاف شمار نہیں ہوتا یا کہتے ہیں کہ یہ حقیقی اختلاف نہیں، جیسے ان میں اجماع سے متعلق اختلاف ہے کہ اصولی اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اخباری اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن شیعہ عالم بحرانی کی رائے ہے کہ یہ اختلاف اتنا مضبوط اور محکم نہیں، کیوں کہ اگرچہ مجتہدین (اصولیوں) نے اپنی کتب میں اجماع کا تذکرہ کیا ہے اور عام طور پر دلیل شمار کیا ہے، لیکن آپ انھیں استدلالی کتب میں دیکھیں گے کہ وہ مقامِ تحقیق میں اس کے ثبوت اور وقوع میں کچھ اس طرح رد و قدح کرتے اور اس کے وقوع پذیر ہونے اور اس کی دلالت کو کچھ ایسا متنازع بناتے ہیں کہ اس کا اثر بالکل ہی مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے۔[1]

یہاں ان لوگوں کے درمیان اختلافی مسائل کی تفصیل بیان کرنا ہماری غرض نہیں، بلکہ صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ شیعہ بہ ذات خود دو گروہوں میں منقسم ہیں، جو دونوں ہی باہم دیگر دشمن اور اصولِ استدلال وغیرہ میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اگرچہ بعض شیعہ اس اختلاف کو خفیف کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں۔[2]

یہاں یہ اشارہ کرنا بھی مناسب ہے کہ اثنا عشریہ کے ان دونوں گروہوں میں ہونے والے اختلاف نے نزاع کے وقت تقیے کا حکم ختم ہونے کے سبب اس مذہب کے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھا دیا ہے اور اگر یہ اختلاف رونما نہ ہوتا تو ان حقائق کے ظاہر ہونے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ یقیناً فریقین کے اختلاف کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے اور اس کی مکمل تحقیق کی جائے تو یہ اس مذہب کے بہت سے راز افشا ہونے کا سبب بنے گا۔[3]

❀۞❀

---

[1] الحدائق (١/ ١٦٨)

[2] ان مسائل سے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیں: مقتبس الأثر للحائري (٣/ ٩٦ وما بعدها) الخوانساري: روضات الجنات (١/ ٣٦) البحراني: الحدائق (١/ ١٦٧ وما بعدها) الكشكول (٢/ ٣٨٦۔ ٣٨٩) محمد صادق بحر العلوم: دليل القضاء الشرعي، أصوله و فروعه (٣/ ٢٢۔ ٢٦) محسن الأمين: أعيان الشيعة (١٧/ ٤٥٣۔ ٤٥٨) عز الدين بحر العلوم: التقليد (ص: ٩٥ وما بعدها) الغريفي: الاجتهاد والفتویٰ (ص: ٩٩)

علاوہ ازیں بعض شیعہ نے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والے اختلاف کے اہم ترین نقاط چار ہیں:

اول: حدیث کی صحیح وحسن اور موثق وضعیف میں تقسیم، کیوں کہ اصولی اس تقسیم کو درست قرار دیتے ہیں، جبکہ اخباری اس کو ممنوع ٹھہراتے ہیں۔

دوم: مسئلہ تقلید، اصولی فوت شدہ کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے، جبکہ اخباری اس کو درست سمجھتے ہیں۔

سوم و چہارم: اجماع اور عقل، اصولی کتاب وسنت کے بعد ان سے احتجاج کرنے کے قائل ہیں، جبکہ اخباری اس کو ناجائز اور ممنوع سمجھتے ہیں۔ دیکھیں: الإجتهاد والفتویٰ (ص: ٩٩)

[3] میں نے ان دونوں کے درمیان رونما ہونے والے اس اختلاف سے اس کتاب کی فصل ''سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' اور ''الإجماع'' میں استفادہ کیا ہے۔

## پہلا باب

# اسلامی مصادر کے متعلق شیعہ کے عقائد ونظریات

یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے:

- ❁ پہلی فصل: قرآن مجید کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ۔
- ❁ دوسری فصل: سنت نبویہ کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ۔
- ❁ تیسری فصل: اجماع کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ۔

پہلی فصل

# قرآن مجید کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس فصل میں ہم شیعہ کے ان اقوال کو زیرِ بحث لائیں گے، جو کتاب اللہ کے بارے میں ان کے عقیدے کو واضح کرتے ہیں۔ پہلے ہم قرآن کریم کی حجیت کے بارے میں شیعہ کا مذہب اور ان کا اس مسئلے میں مسلمانوں کے اجماعی نظریے سے خروج ومخالفت پیش کریں گے، یہ لوگ کہتے ہیں:

- قرآن کریم صرف ایک نگران کی سرپرستی کے ساتھ ہی حجت بن سکتا ہے اور وہ بارہ اماموں میں سے کوئی ایک امام ہے۔
- قرآن مجید کا علم صرف ائمہ کے پاس ہے اور صرف وہی اس علم کی معرفت رکھتے ہیں، کوئی دوسرا اس علم ومعرفت میں ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔
- ان کا عقیدہ ہے کہ صرف امام کا قول قرآن مجید کے عام حکم کی تخصیص اور اس کے مطلق کی تقیید کرسکتا ہے۔

پھر دوسرے نمبر پر ہم قرآن مجید کی تاویل وتفسیر کے بارے میں ان کا عقیدہ بیان کریں گے، جس کے ضمن میں ہم ان کا یہ نظریہ زیرِ بحث لائیں گے کہ قرآن کریم کے ایسے خفیہ معانی ومطالب ہیں، جنھیں صرف ائمہ (شیعہ) ہی پہچانتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم کے بارے میں ان کے اس عقیدے کا جائزہ بھی لیں گے کہ قرآن مجید کا اکثر حصہ ان کے اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

پھر تیسرے نمبر پر ہم قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں ان کا عقیدہ زیرِ بحث لائیں گے اور تحقیق کریں گے کہ کیا شیعہ قرآن مجید کے نقص اور اس کے تحریف شدہ ہونے کے قائل ہیں؟

علاوہ ازیں شیعہ معتزلہ کی پیروی کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید مخلوق ہے۔ عنقریب ہم اس مسئلے کو اسما وصفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں شیعہ عقیدے کے متعلق فصل میں زیرِ بحث لائیں گے۔

اسی طرح شیعہ کا دعویٰ ہے کہ ان کے ائمہ پر آسمانی کتابیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ شیعی دعویٰ ان کی کتابوں میں جا بہ جا موجود اور معروف ہے، لیکن میرے علم کے مطابق اب تک کسی نے اس پر کوئی خصوصی تحقیق کی ہے نہ

اس کے متعلق کوئی اشارہ ہی کیا ہے، بنا بریں یہ مسئلہ بڑا مخفی ہوگیا ہے، حتیٰ کہ میں نے دیکھا ہے کہ بیشتر محققین اس مسئلے اور شیعہ کی طرف منسوب ان کے تحریفِ قرآن کے نظریے کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں، جیسا کہ گولڈ زیہر، محبّ الدین خطیب اور احسان الٰہی ظہیر سے سرزد ہوا ہے۔ نیز شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انبیا پر نازل ہونے والی تمام آسمانی کتابیں ان کے ائمہ کے پاس موجود ہیں۔

اس مسئلے اور اس سے ماقبل مسئلے پر ہم ''إیمان بالكتب'' کے، جو ایمان کے چھے ارکان میں سے ایک رکن ہے، مبحث میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ یہاں میں نے ان عقائد کی طرف صرف اس لیے اشارہ کیا ہے، تاکہ قرآن مجید کے متعلق شیعی عقائد کا تصور ایک ہی مقام پر اچھی طرح واضح ہوجائے اور میں نے ان تینوں مسائل پر گفتگو مذکورہ بالا دونوں جگہوں تک اس لیے موخر کی ہے، کیوں کہ ان مسائل کے لیے وہی مقام بہ ظاہر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

میری معلومات کے مطابق جن لوگوں نے شیعہ مسئلے پر بحث و تحقیق کی ہے، ان میں سے کسی نے بھی قرآن مجید کے متعلق شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد پر اس طرح کی خصوصی توجہ مبذول نہیں کی۔ اکثر معاصرین نے شیعہ کی طرف منسوب ایک ہی مسئلے پر، کہ قرآن میں نقص بھی وارد ہوا ہے اور تبدیلی بھی، اکثر و بیشتر گفتگو کی ہے۔ عن قریب ہم دیکھیں گے کہ یہ مسئلہ بھی خلطِ مبحث اور زیادہ عموم کے عیوب سے محفوظ نہیں ہے، جس کی بڑی وجہ اس مسئلے میں غالی شیعوں کے اقوال کی تقلید ہے۔ واللہ المستعان.

پہلا موضوع

# حجیتِ قرآن کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ

اس موضوع کو ہم تین مسائل میں تقسیم کریں گے:

① شیعہ کا یہ نظریہ کہ قرآن کریم صرف ایک قیم (نگران) کے ساتھ ہی حجت ہوتا ہے۔

② قرآن مجید کا علم اور اس کی معرفت صرف ائمہ ہی کے پاس ہے۔

③ شیعہ کا یہ عقیدہ کہ امام کا قول قرآن مجید کے عموم کی تخصیص اور اس کے مطلق حکم کی تقیید کرتا ہے۔

## پہلا مسئلہ: شیعہ کا عقیدہ کہ قرآن مجید صرف ایک قیم (نگران) کے ساتھ ہی قابلِ حجت ہے:

کتبِ شیعہ کے مطالعہ کے دوران میں مَیں نے دیکھا ہے کہ شیعہ کی اکثر معتبر کتب میں اس مسئلے پر بڑا زور دیا گیا ہے، حالاں کہ جو گروہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے متعلق یہ سوچنا بھی محال ہے کہ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید حجت و دلیل نہیں ہے، جبکہ صداقتِ رسول ﷺ کی دلیل طلب کرنے والوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَوَ لَمۡ یَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ ﴾ [العنكبوت: ٥١]

''اور کیا انھیں یہ کافی نہیں ہوا کہ بے شک ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔''

معلوم ہوا کہ قرآن مجید یقینی دلیل اور قطعی حجت ہے، لیکن شیعہ کا بہت بڑا عالم، جسے وہ ''ثقة الإسلام'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، کلینی اپنی کتاب ''أصول الكافي'' میں، جس کی قدر و منزلت شیعہ کے نزدیک وہی ہے جو اہلِ سنت کے نزدیک صحیح بخاری کی ہے،[1] ایک روایت نقل کرتا ہے، جس کے الفاظ ہیں:

''قرآن کریم صرف ایک نگران کے ساتھ ہی قابلِ حجت بن سکتا ہے اور وہ نگران علی رضی اللہ عنہ تھے، ان کی اطاعت فرض تھی اور رسول اللہ کے بعد وہی لوگوں پر حجت تھے۔''[2]

---

[1] اس کی تفصیل ''شیعہ کا سنت کے بارے میں عقیدہ'' کے مبحث میں ملاحظہ کریں۔

[2] أصول الكافي (١/ ١٥٥)

یہی بات شیعہ کی کئی معتبر کتابوں "رجال الكشي"[1]، "علل الشرائع"[2]، "المحاسن"[3] اور "وسائل الشيعة"[4] وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

## شیعہ کی اس عقیدے سے کیا مراد ہے؟

کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی الفاظ صرف اسی وقت حجت بن سکتے ہیں، جب ان کے لیے قولِ امام کی سند موجود ہو؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اصل دلیل و حجت قولِ رحمان (قرآن مجید) نہیں، بلکہ قولِ امام ہے!!

یا شیعہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی نظام صرف بہ زورِ سلطان ہی قائم ہوسکتا ہے اور یہی اس کو نافذ کرنے والا نگران ہے؟ لیکن اسی شیعی روایت کے آخر میں ایسے الفاظ ہیں، جو اس احتمالی معنی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''میں نے قرآن میں غور کیا تو مجھے نظر آیا کہ اس کے ساتھ مرجی، قدری اور اس پر ایمان نہ رکھنے والا زندیق بھی جھگڑا کرتا ہے، حتی کہ وہ اس کے ساتھ مخاصمہ (بحث مباحثہ) کر کے بندوں پر غلبہ پالیتا ہے، چنانچہ مجھے یقین ہوگیا کہ قرآن صرف ایک نگران کے ساتھ ہی حجت بن سکتا ہے۔''[5]

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قولِ امام کلامِ رحمان سے بھی زیادہ فصیح ہے!! اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اصل حجت قولِ امام ہی ہے، کیوں کہ وہ قرآن کے بیان کی وضاحت کرنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے، اسی لیے یہ لوگ کتاب اللہ کو ''قرآن صامت'' کہتے ہیں، جبکہ اپنے امام کو ''قرآن ناطق'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

''یہ اللہ کی خاموش کتاب ہے اور میں اللہ کی ناطق کتاب ہوں۔''[6]

نیز انھوں نے کہا:

''یہ قرآن (تمھارے سامنے) ہے، اس کو بلاؤ، یہ تم سے نہیں بولے گا، میں اس کی ترجمانی کر کے تمھیں بتاؤں گا۔''[7]

---

[1] رجال الكشي (ص: ٤٢٠)
[2] الصدوق: علل الشرائع (ص: ١٩٢)
[3] البرقي: المحاسن (ص: ٢٦٨)
[4] الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٨/ ١٤١)
[5] حواله جات سابقه.
[6] الحر العاملي: الفصول المهمة (ص: ٢٣٥)
[7] أصول الكافي (١/ ٦١)

شیعی روایات میں مذکور ہے:

’’علی (رضی اللہ عنہ) کتاب اللہ کی تفسیر ہیں۔‘‘[1]

کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ’’ائمہ ہی قرآن ہیں۔‘‘[2]

دوسری طرف سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر صرف ایک شخص نے کی اور وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔[3]

ہم یہ بات نہیں سمجھ سکے کہ کس طرح علی رضی اللہ عنہ قرآن کے نگران ہیں، حالاں کہ (شیعی عقائد کے مطابق) وہ تو خود قرآن ہیں؟!

پھر جب وہ خود ہی قرآن ہیں یا اس پر نگران ہیں تو انھیں تفسیرِ قرآن کیونکر بتائی جاتی ہے؟!

مزید برآں انھیں تفسیر کیوں بتائی جاتی ہے، حالاں کہ (شیعی عقائد کی رو سے) وہ تو خود ہی تفسیرِ قرآن ہیں؟!

یہ سارے باہم متضاد اقوال ہیں، جو خود ہی ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، یہ اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ یہ کسی زندیق کے وضع کردہ ہیں، جو مسلمانوں کے دین کو برباد کرنا چاہتا ہے، پھر ایسی باتیں اس کتاب کے

---

[1] البحار (۳۷/ ۲۰۹) الطبرسي: الاحتجاج (۳۱۔ ۳۳) البروجردي: تفسير الصراط المستقيم (۳۰/ ۲۰)

[2] اسی لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ [الأعراف: ۱۵۷] کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ ’’نور‘‘ سے مراد علی اور ائمہ علیہم السلام ہیں۔ (أصول الكافي: ۱/ ۱۹٤) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ائمہ (شیعہ) یقیناً آسمان سے اتارے گئے ہیں؟!

اسی طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ﴾ [یونس: ۱۵] میں مذکور الفاظ ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ سے علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں۔

دیکھیں: تفسير العياشي (۲/ ۱۲۰) أصول الكافي (۱/ ٤۱۹) تفسير البرهان (۲/ ۱۸۰) تفسير نور الثقلين (۲/ ۲۹۶) تفسير القمي (۱/ ۳۱۰) بحار الأنوار (۳۶/ ۸۰)

اسی طرح اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ [الطور: ۳۳۔ ۳٤] کے بارے میں ’’تفسير القمي‘‘ میں مذکور ہے:

﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ﴾ اس سے مراد علی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

﴿بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی انھوں نے یہ بات گھڑی ہے نہ اپنی رائے سے کہی ہے۔

﴿فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ﴾ یعنی اللہ کے پاس سے ان (علی رضی اللہ عنہ) جیسا کوئی آدمی لے کر آئیں، اگر وہ سچے ہیں۔

دیکھیں: تفسير القمي (۲/ ۳۳۳) البحراني: البرهان في تفسير القرآن (٤/ ۲٤۲) بحار الأنوار (۳۶/ ۸۵) شیعی تفاسیر میں اور بھی ایسی بہت زیادہ باتیں موجود ہیں۔

[3] أصول الكافي (۱/ ۲۵۰)

بارے میں کیسے کی جا سکتی ہیں جو لوگوں کے لیے سراپا ہدایت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ [الإسراء: ٩]

''بلاشبہہ یہ قرآن اس (راستے) کی ہدایت دیتا ہے، جو سب سے سیدھا ہے۔''

خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں تم سے پہلے کی خبر ہے اور بعد کی اطلاع ہے۔ یہ تمھارے تنازعات کا فیصلہ ہے، کوئی مذاق نہیں۔ جو سرکش انسان بھی اسے چھوڑے گا، اللہ اسے ہلاک کر دے گا اور جو اس کے علاوہ کہیں اور ہدایت تلاش کرے گا، اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہی ذکر حکیم اور صراطِ مستقیم ہے۔ اسے اپنی خواہشات سے ٹیڑھا نہیں کیا جا سکتا اور نہ زبانیں اس میں التباس پیدا کر سکتی ہیں۔ اس کے عجائب ختم ہو سکتے ہیں نہ علما ہی اس سے سیر ہو سکتے ہیں۔ جس نے اس کے مطابق کلام کیا، وہی صادق، جو اس پر عمل پیرا ہوا، وہی ماجور، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا، وہی عادل، اور جو اس کی طرف دعوت دے، وہی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت یافتہ ہے۔''[1]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جو شخص قرآن پڑھے اور اس میں مذکور فرامین پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ ہو سکتا ہے نہ آخرت میں حرماں نصیب بن سکتا ہے۔'' پھر انھوں نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

---

[1] امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس اثر سے متعلق فرماتے ہیں: ''بعض راویوں نے اسے مرفوع روایت بنانے میں غلطی کی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔'' (فضائل القرآن لابن کثیر، ص: ١٥)

اس حدیث کو امام ترمذی (٢٩٠٦) دارمی (ص: ٨٣١) اور احمد (٧٠٤) نے روایت کیا ہے، لیکن اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ''ہم اس حدیث کو صرف اسی ایک سند سے پہچانتے ہیں، لیکن یہ سند مجہول ہے، کیوں کہ اس کا ایک راوی حارث متکلم فیہ ہے۔'' (سنن الترمذي: ٤/ ١٧٢)

حافظ ابن العربی المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حارث کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔'' (عارضة الأحوذي: ١١/ ٣٠)

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حارث کی وجہ سے اس کی سند بہت زیادہ ضعیف ہے۔ (مسند أحمد: ٢/ ٧٠٤، تحقيق أحمد شاكر)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''اس کی سند ضعیف ہے، کیوں کہ اس میں ایک راوی حارث اعور ہے، جو بہت زیادہ کمزور ہے، بلکہ بعض ائمہ حدیث نے اسے جھوٹ کے ساتھ متہم کیا ہے۔ شاید اصل میں یہ اثر علی رضی اللہ عنہ پر موقوف تھا، لیکن حارث نے غلطی سے اسے مرفوع حدیث بنا دیا ہے۔ (شرح العقيدة الطحاوية، تحقيق الألباني، ص: ٦٨)

نیز کتبِ شیعہ میں بھی یہ اثر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ دیکھیں: تفسير العياشي (١/ ٣) تفسير البرهان (١/ ٧) تفسير الصافي (١/ ١٥) بحار الأنوار (١٩/ ١٧)

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی﴾ [طٰهٰ: ۱۲۳]

''تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔''[1]

کتاب اللہ کی حجیت و امامت کے مسئلے میں زیادہ تفصیلی دلائل و براہین محتاج نہیں، اس سلسلے میں ہم نے قرآن مجید سے براہِ راست اور اہلِ سنت کے مصادر میں بہ ذاتِ خود اہلِ بیت کے بعض افراد سے مروی آثار سے استدلال کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں بات ختم کرنے سے پہلے شیعہ کتب ہی سے ہم ان کے اس نظریے کی مخالف بعض روایات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، جو ان کے اندرونی تناقض کی بڑی واضح دلیل ہے، اسی طرح ہم ان سطور میں ان کی یہ رائے قائم کرنے کی غرض و غایت بھی طشت از بام کریں گے۔

شیعہ کے بعض معتبر مصادر میں درج ذیل روایت مروی ہے:

"ذَکَرَ الرِّضَا ۔رضی اللہ عنہ۔ یَوْمًا الْقُرْآنَ، فَعَظَّمَ الْحُجَّةَ فِیهِ... فَقَالَ: هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ، وَعُرْوَتُهُ الْوُثْقٰی ... جَعَلَ دَلِیْلَ الْبُرْهَانِ[2]، وَحُجَّةً عَلٰی کُلِّ إِنْسَانٍ، لَا یَأْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ، وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِیْلٌ مِنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ"[3]

''علی رضا رضی اللہ عنہ نے ایک دن قرآن کا تذکرہ کیا تو اسے حجت بنانے پر بڑا زور دیا اور فرمایا: وہ اللہ کی مضبوط رسی اور اس کا پائیدار کڑا ہے، اس نے (قرآن کو) دلیل محکم اور ہر انسان پر حجت ٹھہرایا ہے۔ اس کے آگے اور پیچھے سے کوئی باطل اَمر اس میں راہ نہیں پا سکتا۔ یہ بڑے حکمت والے نہایت قابلِ تعریف ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

ایک دوسری شیعی روایت ہے:

''جب اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مانند فتنے اور مصائب تم پر ملتبس ہو جائیں تو قرآن کو لازم پکڑو، کیوں کہ وہ ایسا سفارشی ہے، جس کی سفارش مقبول ہوتی ہے۔ جس نے اسے اپنا امام بنا لیا، وہ اسے جنت تک پہنچائے گا اور جس نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا، وہ اسے جہنم کی طرف لے جائے

---

[1] تفسیر ابن جریر الطبري (۱٦/ ۲۲٥)

[2] اس مصدر میں یہ روایت انھی الفاظ سے مذکور ہے، لیکن ممکن ہے کہ یہاں "البرهان" کی بجائے "الحیران" (حیرت زدہ کرنے والی) کا لفظ درست ہو، کیوں کہ برہان کسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔

[3] دیکھیں: المجلسي: البحار (۹۲/ ۱٤) ابن بابویه: عیون أخبار الرضا (۲/ ۱۳۰)

گا۔ یہی وہ راہبر ہے، جو بہترین راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔''[1]

''نهج البلاغة''، میں جو علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے[2] اور شیعہ کے نزدیک اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس کتاب کے آگے اور پیچھے سے (قرآن مجید کے مانند) کوئی باطل امر اس میں راہ یاب نہیں ہوسکتا،[3] مندرجہ ذیل روایت مذکور ہے:

''فَالقُرآنُ آمِرٌ زَاجِرٌ، وَصَامِتٌ نَاطِقٌ، حُجَّةُ اللّٰهِ علیٰ خَلقِهِ''[4]

''پس قرآن حکم دینے والا ڈانٹنے والا ہے اور خاموش رہنے والا بولنے والا ہے، یہ مخلوقِ خدا پر اس کی حجت ہے۔''

ایسی نصوص کے دیگر شواہد بھی موجود ہیں، جو اس قوم کے مصادر و مراجع میں وقوع پذیر تناقض اور اضطراب کی ہمارے سامنے نقاب کشائی کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے۔ ان کی روایات باہم متضاد ہیں، لیکن اس تناقض کی صورت میں انھوں نے ایک بڑا ہی خطرناک طریقہ اور اصول اپنایا ہے کہ وہ روایات مقبول ہیں جو عامۃ الناس (شیعہ کے نزدیک اس لفظ سے مراد اہلِ سنت ہیں) کے مخالف ہیں، اس کی تفصیل اجماع کے متعلق شیعہ کے عقیدے کے مبحث میں بیان ہوگی، چنانچہ وہ جماعت (اہلِ سنت) کے مخالف اور شاذ جانب کو اختیار کرتے ہیں، اگرچہ دوسری (شیعی) روایت اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی شیعی عالم خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر ندائے حق کو توجہ سے سنتا اور شیعہ کی گمراہی کی مخالفت کا اعلان کر دیتا ہے تو وہ ایسی تمام (روایات کو) ''تقیہ'' قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل ''تقیہ'' کے مبحث میں بیان ہوگی۔

شیعی کتب میں تواتر سے منقول اس رائے پر غور کرنے والا جان لے گا کہ یہ نظریہ کسی کینہ پرور دشمن کا وضع کردہ ہے، جو شیعوں کو کتاب اللہ سے روکنا اور انھیں ہدایتِ الٰہی سے دور کرنا چاہتا ہے جب تک اس رائے

---

1. تفسير العياشي (١/ ٢) البحار (٩٢/ ١٧)
2. ائمہ نقد نے قدیماً و حدیثاً علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس کتاب کی نسبت کے متعلق شک وشبہے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے بھی ''نهج البلاغة'' کا مطالعہ کیا ہے، اس نے اسی یقین کا اظہار کیا ہے کہ یہ (کتاب) امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف کذباً و زوراً منسوب کی گئی ہے۔'' پھر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی علامات اور دلائل ذکر کیے ہیں۔ دیکھیں: ميزان الاعتدال (٣/ ١٢٤، ترجمة: الشريف المرتضى) اس کے متعلق تفصیلی کلام اور مصادرِ نقد کا تذکرہ سنت کے مبحث میں آئے گا۔
3. شیعہ کے معاصر علما و شیوخ میں سے ہادی کاشف الغطا نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ کے نزدیک علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف اس کتاب کی نسبت کا انکار کرنا ضروریاتِ دین کے انکار میں شمار ہوتا ہے اور اس میں جو کچھ موجود ہے، اس کا مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کے برابر ہے۔ دیکھیں: مدارك نهج البلاغة (ص: ١٩٠)
4. نهج البلاغة (ص: ٢٦٥) تحقيق صبحى الصالح. بحار الأنوار (٩٢/ ٢٠)

کے مطابق حجیتِ قرآن نگران کے وجود سے مشروط ہے اور یہ نگران بھی صرف بارہ اماموں میں سے کوئی ایک ہی ہوسکتا ہے، کیوں کہ قرآن مجید کی تفسیر صرف علی رضی اللہ عنہ کو بتائی گئی اور پھر قرآن کا علم علی (رضی اللہ عنہ) سے باقی گیارہ اماموں کی طرف منتقل ہوا، ہر امام اس علم کو اپنے بعد والے کے سپرد کرتا رہا، حتی کہ بارہویں امام تک یہ علم پہنچ گیا،[1] جو اثنا عشریہ کے نزدیک غائب اور گم شدہ ہے، جب کہ دیگر کئی شیعی فرقوں اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اس امام کا کوئی وجود نہیں، تو جب تک اس رائے کے مطابق حجیتِ قرآن اس غائب یا معدوم (نگران) کے ساتھ مربوط ہے، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ قرآن کریم سے دلیل لینا، اس نگران کی روپوشی یا معدومیت کے سبب موقوف ہے، چنانچہ قرآن کی طرف رجوع کیا جائے گا نہ استدلال کے وقت اس کی طرف توجہ کی جائے گی، کیوں کہ حجت تو صرف قولِ امام میں ہے اور وہ غائب ہے، لہٰذا اب قرآن کو حجت بنانا روا نہیں۔ ''اسی بنا پر اثنا عشریہ کا فرقہ اخباریہ، اثنا عشری علما کے اعتراف کے مطابق، قرآن کریم سمیت تینوں دلائل[2] کا منکر ہے۔ وہ ان میں سے صرف ایک یعنی اخبار و روایات ہی کو دلیل قرار دیتے ہیں، جس کی وجہ سے انھیں اس نام (اخباریہ) سے موسوم کیا گیا ہے۔''[3]

یہی امر ان کی ضلالت اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکانے پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے۔ پھر کتاب اللہ اور خود شیعہ کے خلاف سازش کی انتہا یہیں تک نہیں ہوجاتی، بلکہ یہ تو ان سازشوں کی صرف ایک کڑی ہے، جنھوں نے مسلمانوں کی جماعت سے بہت دور شیعہ کو ہلاکت کے راستے پر ڈال دیا ہے اور یہ صرف آغاز ہے یا قرآن مجید کی اپنی مرضی کے مطابق تفسیر کرنے اور اپنے اس اعتقاد کی طرف پیش قدمی کی شروعات ہے کہ یہ (تفسیر) وہی ہے، جو اہلِ بیت کے امام اور نگران کی طرف سے ہمیں پہنچا ہے، حجت اسی میں ہے، کسی اور میں نہیں، وہی قرآن سے متعلق بتانے والا اور اس کی وضاحت کرنے والا ہے اور قرآن صرف اسی (تفسیر) کے ساتھ حجت بن سکتا ہے!!

## دوسرا مسئلہ: صرف ائمہ شیعہ ہی معرفتِ قرآن کا ملکہ رکھتے ہیں:

شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ان کے ائمہ ہی معرفتِ قرآن کا ملکہ رکھتے ہیں، کوئی دوسرا ان کی اِس خصوصیت میں حصے دار نہیں، حالاں کہ یہ بات دینِ اسلام میں یقیناً معلوم ہے کہ علمِ قرآن کوئی ایسا راز نہیں، جو صرف ایک

[1] اس کی مزید تفصیل سنت کے مبحث میں بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ

[2] اس سے اجماع، عقل اور قرآن کریم مراد ہیں۔

[3] دیکھیں: التقليد في الشريعة الإسلامية (ص: ٩٣) اسی کتاب کے گذشتہ صفحات (ص: ١٣٤) میں بھی اس پر کلام گزر چکا ہے۔

مخصوص خاندان یا نسل کے افراد میں منتقل ہوتا رہا ہو اور نہ علی رضی اللہ عنہ ہی کو دیگر صحابہ کرام کے علاوہ اس میں کوئی خصوصیت حاصل تھی۔ یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہراول دستہ ہے جو اس قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست حاصل کرنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کی سعادت سے شرف یاب ہوا ہے، لیکن شیعہ (اسلام کے) اس بنیادی اصول کی مخالفت کرتے اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے صرف ان کے بارہ اماموں ہی کو سارے قرآن کے علم سے مخصوص فرمایا ہے اور صرف انھیں کو اس کے حقیقی معنی و مطلب جاننے کا ملکہ ودیعت کیا گیا ہے، جو شخص ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص یا راستے سے قرآن کا علم (تفسیر) حاصل کرتا ہے، وہ یقیناً گمراہ ہو جاتا ہے۔

اہلِ سنت کے بعض مصادر میں یہ بات مذکور ہے کہ اس رائے کی شروعات اور اس کی بنیادی جڑوں کا مرجع ابن سبا ہے، کیوں کہ وہ کہتا تھا کہ ''یقیناً قرآن نو اجزا میں سے ایک جزو ہے اور اس کا علم صرف علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس ہے۔''[1]

نیز اس رائے کا تذکرہ اثنا عشریہ کی کتب میں بھی متنوع اخبار اور مختلف روایات میں مذکور ہے:

① اصولِ کافی کی ایک طویل روایت میں ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''یقیناً یہ قرآن لوگوں کے لیے کافی ہے، اگر انھیں اس (قرآن) کا کوئی مفسر دست یاب ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ایک آدمی کو اس کی تفسیر بتائی تھی اور پھر اپنی امت کے لیے اس آدمی کی قدر و منزلت بیان فرمائی تھی اور وہ آدمی علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''[2]

② شیعہ کے متعدد معتبر مصادر میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یقیناً اللہ نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے اور یہ وہ (کتاب) ہے کہ جس نے اس کی مخالفت کی، وہ گمراہ ہوا اور جو علی کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے پاس اس کا علم (تفسیر) طلب کرے گا، وہ ہلاک ہو گیا۔''[3]

③ کتبِ شیعہ میں یہ دعویٰ بھی موجود ہے کہ ابو جعفر نے کہا: اے قتادہ! کیا تم بصرہ والوں کے فقیہ ہو؟ انھوں نے کہا: لوگ اسی طرح سمجھتے ہیں۔ پھر ابو جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تم قرآن کی تفسیر بھی بیان کرتے ہو؟ قتادہ نے کہا: جی ہاں! یہ روایت طویل ہے، اس کے آخر میں مذکور ہے کہ ابو جعفر نے

---

[1] الجوز جاني: أحوال الرجال (ص: ٣٨)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٠) وسائل الشيعة (١٨/ ١٣١)

[3] وسائل الشيعة (١٨/ ١٣٨) نیز دیکھیں: بحار الأنوار (٧/ ٣٠٢، ١٩/ ٢٣) الطبري (الرافضي): بشارة المصطفىٰ (ص: ٢٦) أمالي الصدوق (ص: ٤٠)

کہا: اے قتادہ! تجھ پر افسوس ہے، قرآن کی تفسیر تو صرف وہی جانتا ہے، جو اس کا مخاطب ہے۔[1]

④ تفسیر فرات میں مذکور ہے:

''لوگوں کا فریضہ صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت اسی طرح کریں، جس طرح وہ نازل کیا گیا ہے، پھر جب انھیں اس کی تفسیر کی ضرورت پڑے تو وہ صرف اور صرف ہمیں دیکھیں اور ہماری طرف رجوع کریں۔''[2]

اس باب میں شیعی روایات بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اگر میں اپنے سامنے موجود وہ ساری روایات نقل کرنے لگوں تو پوری ایک مجلد اسی کی نظر ہو جائے۔ اصولِ کافی میں ایسے کئی ابواب ہیں، جن میں سے ہر باب کے اندر اس موضوع کی متعدد روایات منقول ہیں، مثلاً:

''باب أن الأئمة ـ عليهم السلام ـ ولاة أمر الله وخزنة علمه''[3]

''باب: یقیناً ائمہ علیہم السلام امرِ الٰہی کے نگران اور اس کے علم کے نگہبان ہیں۔''

''باب أن أهل الذكر الذين أمر الله الخلق بسؤالهم، هم الأئمة''[4]

''باب: یقیناً اہلِ ذکر جن سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پوچھنے کا حکم دیا ہے، ان سے مراد ائمہ (شیعہ) ہیں۔''

''باب أن من وصفه الله تعالىٰ في كتابه بالعلم، هم الأئمة''[5]

''باب: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جنھیں علم سے موصوف کیا ہے، ان سے مراد ائمہ (شیعہ) ہیں۔''

''باب أن الراسخين في العلم، هم الأئمة''[6]

''باب: یقیناً علم میں رسوخ رکھنے والوں سے مراد ائمہ ہیں۔''

---

[1] الكافي، كتاب الروضة (١٢/ ٤١٥) رقم (٤٨٥) المطبوع مع شرح جامع للمازندراني، وسائل الشيعة (١٨/ ١٣٦) تفسير الصافي (١/ ٢١ـ ٢٢) البرهان في تفسير القرآن (١/ ١٨) بحار الأنوار (٢٤/ ٢٣٧ـ ٢٣٨)

[2] تفسير فرات (ص: ٩١) وسائل الشيعة (١٨/ ١٤٩)

[3] أصول الكافي (١/ ١٩٢)

[4] المصدر السابق (١/ ٢١٠)

[5] المصدر السابق (١/ ٢١٢)

[6] المصدر السابق (١/ ٢١٣)

"باب أن الأئمة قد أوتوا العلم، وأثبت في صدورهم"①

''باب: یقیناً ائمہ کو علم عطا کیا گیا ہے اور وہ ان کے سینوں میں نقش کر دیا گیا ہے۔''

ایسے ہی "بحار الأنوار" کے مولف نے بھی حسبِ عادت اس میدان میں خوب حصہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں ذیل کے بعض ابواب اس کتاب میں مذکور ہیں:

"باب أنهم أهل علم القرآن"

''باب: یقیناً وہ (ائمہ شیعہ) علمِ قرآن کے حامل ہیں۔''

پھر مولفِ بحار نے اس باب میں چون (۵۴) روایات ذکر کی ہیں۔②

"باب أنهم خزانُ الله على علمه"

''باب: یقیناً وہ (ائمہ شیعہ) اللہ تعالیٰ کے علم پر اس کے خازن ہیں۔''

پھر مولف نے اس باب میں چودہ (۱۴) روایات ذکر کی ہیں۔③

اسی طرح مندرجہ ذیل ابواب میں بھی اس موضوع کی روایات مذکور ہیں:

"باب أنهم لا يحجب عنهم علم السماء والأرض"④

''باب: یقیناً ان (ائمہ شیعہ) سے آسمان و زمین کا علم مخفی نہیں ہے۔''

"باب أنهم لا يحجب عنهم شيء"⑤

''باب: یقیناً ان (ائمہ شیعہ) سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔''

شیعی عالم حر عاملی کی کتاب: "وسائل الشيعة" میں یہ باب مذکور ہے:

"باب عدم جواز استنباط الأحكام النظرية من ظواهر القرآن إلا بعد معرفة تفسيرها من كلام الأئمة ـ عليهم السلام ـ"⑥

''باب: قرآن کے ظواہر سے صرف اسی وقت احکام نظریہ کا استنباط کرنا جائز ہے، جب ائمہ رضی اللہ عنہم کے کلام سے ان کی تفسیر کا علم حاصل ہو جائے۔''

---

① المصدر السابق (۱/ ۲۱۳)

② بحار الأنوار (۲۳/ ۱۸۸ـ ۲۰۵)

③ المصدر السابق (۲۶/ ۱۰۵)

④ المصدر السابق (۲۶/ ۱۰۹)

⑤ المصدر السابق (۲۶/ ۱۳۷)

⑥ وسائل الشيعة (۱۸/ ۱۲۹ـ ۱۵۲)

پھر مولف نے اس باب میں اسی (۸۰) روایات ذکر کی ہیں۔[6]

"الفصول المهمة في أصول الأئمة" میں یہ باب مذکور ہے:

"باب أنه لا يعرف تفسير القرآن إلا الأئمة"[1]

''باب: یقیناً تفسیرِ قرآن کی معرفت صرف ائمہ (شیعہ) ہی کو حاصل ہے۔''

تفسیر صافی کے آغاز میں تفسیر کے متعدد اصول بیان کیے گئے ہیں، جن میں مستقل ایک اصول اسی مسئلے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے:

"المقدمة الثانية في نبذ مما جاء في أن علم القرآن كله إنما هو عند أهل البيت عليهم السلام"[2]

''دوسرا مقدمہ اس امر کے بیان میں کہ قرآن کا مکمل علم صرف اور صرف اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے پاس ہے۔''

ایسے ہی "مقدمة البرهان" کا مولف رقم طراز ہے:

پانچویں فصل میں یہ بیان ہوگا کہ یقیناً سارے قرآن کی تفسیر کا علم صرف اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے پاس ہے۔[3]

پھر اس فصل میں اس مسئلے سے متعلق متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد مولف کہتا ہے:

''میں کہتا ہوں کہ اس موضوع میں روایات کی تعداد شمار سے باہر ہے۔''[4]

اگر ہم اس سلسلے میں کتبِ شیعہ کی مکمل چھان بین کریں تو بات بہت طویل ہوجائے گی، کیوں کہ یہ شیعہ کا بنیادی نظریہ ہے۔ ایک شیعی آیت اللہ[5] کہتا ہے:

''جان لو کہ علمِ قرآن اہلِ بیت کے پاس جمع شدہ ہے اور یہ (ہمارے) مذہب کا بنیادی اور بدیہی مسئلہ ہے۔''[6]

تعجب ہے کہ اپنے اس دعوے ''علمِ قرآن ائمہ کے پاس ہے۔'' کے ساتھ ہی ہر چیز کا علم بھی اپنے ائمہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ابوعبداللہ، شیعہ کے زعم کے مطابق، کہتے ہیں:

''یقیناً آسمان اور زمین اور جنت اور دوزخ میں جو کچھ بھی ہے، میں وہ سب کچھ جانتا ہوں، اسی

---

[1] الحر العاملي: الفصول المهمة (ص: ١٧٣)

[2] تفسير الصافي (١/ ١٩)

[3] مقدمة البرهان (ص: ١٥)

[4] المصدر السابق (ص: ١٦)

[5] اس سے مراد ایک معاصر شیعہ عالم حسین البروجردی ہے۔

[6] تفسير الصراط المستقيم (٣/ ٤)

طرح جو کائنات میں ہو چکا اور آیندہ ہوگا، میں وہ سارے کا سارا جانتا ہوں۔‘‘

پھر انھوں نے کچھ توقف کیا تو دیکھا کہ یہ بات سننے والوں پر بڑی گراں گزری ہے تو فرمایا:

’’مجھے کتاب اللہ سے اس کا علم ہوا ہے، کیوں کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فيه تبيان كل شیء﴾ یعنی اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔‘‘[1]

اس عبارت کو ملاحظہ کریں کہ اس کا بیان کرنے والا، (ہم جعفر صادق رحمہ اللہ کو ایسی بات سے بری قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ان کی امامت اور تدین ایسی بات سے انکار کرتے ہیں) ہر چیز کا علم رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے، حالاں کہ وہ اپنے قریب شے سے نا آشنا ہے، کیوں کہ قرآن مجید میں یہ الفاظ ’’تبيان كل شيء‘‘ موجود ہی نہیں ہیں، بلکہ یہ تو اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل: ٨٩] کی تحریف ہے۔ جبکہ وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے، لیکن اسی بات کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا اور اس کی حقیقت عیاں فرما دی۔ یہ امر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ تمام روایات کسی ملحد اور زندیق کی وضع کردہ ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کی خاطر ان کی صفوں میں گھس آیا تھا۔

## اس رائے پر نقد وتبصرہ

### ا۔ روایات پر تبصرہ:

قارئین کرام ملاحظہ کر رہے ہیں کہ اس مسئلے میں شیعی روایات اس کثرت سے مروی ہیں کہ ان سب کو اس جگہ جمع کرنے کی گنجایش نہیں، کیوں کہ ان کا احاطہ اور نقد کرنے کے لیے بہت زیادہ صفحات درکار ہیں۔ ہمارے لیے اس موضوع کی بعض مثالوں کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے، کیوں کہ یہ سب ایک ہی مفہوم کی حامل ہیں کہ علمِ قرآن بارہ اماموں کے ساتھ مخصوص ہے، وہ انھیں کے پاس جمع ہے اور وہ اس کی بدولت ہر چیز کو جانتے ہیں۔ اب سطورِ ذیل میں ہم مذکورہ بالا ایک ایک روایت پر ٹھہر کر پہلے اس پر تبصرہ وتجزیہ کریں گے اور پھر اصل رائے پر نقد کریں گے۔

### پہلی روایت کا جائزہ:

ہماری ذکر کردہ پہلی شیعی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف علی رضی اللہ عنہ ہی کے لیے

---

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ١١١)

قرآنِ مجید کی شرح وتوضیح فرمائی تھی، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾ [النحل: ٤٤]

''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے، جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔''

لیکن شیعہ کتب بیان کرتی ہیں کہ عام لوگوں کے لیے قرآنِ مجید کی شرح وتوضیح کرنا، رسول کے وظیفے میں شامل نہیں، بلکہ اس کی ذمے داری صرف اتنی ہے کہ لوگوں کے سامنے اس شخص، یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کی قدر ومنزلت بیان کر دے اور جہاں تک عام لوگوں کے لیے قرآن مجید کے بیان وتفسیر کا تعلق ہے تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نہیں، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی رسالت کا حصہ ہے۔[1]

یہاں اثنا عشریہ کے کلام سے ایک غالی فرقے غرابیہ کا کلام یاد آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اس قدر مکمل مشابہت رکھتے ہیں، جیسے ایک کوا دوسرے کوے کے مشابہ ہوتا ہے۔ یقیناً اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کو وحی دے کر علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف بھیجا تھا، لیکن جبریل نے غلطی کی اور وحی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کر دی۔[2]

اس رائے اور مذکورہ بالا اثنا عشری روایت میں کیا فرق ہے؟ یقیناً اثنا عشریہ نے کسی غلطی کا دعویٰ کیے بغیر رسالت سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کو سونپ دی اور یہ دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف علی رضی اللہ عنہ کی پہچان کروانے تک محدود تھی۔ اس روایت کے دیگر معانی پر قارئین کرام خود ہی غور وفکر کریں، کیوں کہ وہ بہ ذاتِ خود ہی اپنا مطلب بیان کر رہے ہیں۔

## دوسری روایت کا جائزہ:

دوسری شیعی روایت میں مذکور ہے کہ جو شخص علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے پاس قرآن کا علم تلاش کرتا ہے، وہ یقیناً ہلاک ہوگیا۔[3]

میں کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن مجید کا علم (تفسیر) قرآن یا سنت نبویہ یا اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جن میں

---

[1] اس بارے میں ایک شیعی روایت کا تذکرہ صفحہ نمبر (١٥٠) میں گزر چکا ہے۔

[2] ابن حزم: الفصل (٥/ ٤٢) نیز دیکھیں: البغدادي: الفرق بین الفرق (ص: ٢٥) الإسفرایني: التبصیر في الدین (ص: ٧٤) ابن المرتضیٰ: المنیة والأمل (ص: ٣٠) الملطي: التنبیه والرد (ص: ١٥٨) ملطی نے اس فرقے کو ''جمہوریہ'' نام سے موسوم کیا ہے۔

[3] اس روایت کے الفاظ صفحہ نمبر (١٥٠) میں گزر چکے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، کے پاس تلاش کرتا ہے، وہ یقیناً ہدایت یافتہ ہے۔ یہ کہنا کہ جو شخص علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے پاس علمِ قرآن تلاش کرتا ہے، وہ ہلاک ہوگیا۔[1] اس بات کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ایسے نظریے کا بطلان اسلام میں بداہتاً اور یقیناً معلوم ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو چھوڑ کر کسی ایک شخص کے لیے علمِ شریعت کی تخصیص نہیں فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾ [النحل: ٤٤]

''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے، جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے۔''

یہ آیت بیان کرتی ہیں کہ یہ شرح وتفصیل تمام لوگوں کے لیے ہے، اس میں کسی ایک فرد یا گروہ کی تخصیص نہیں، خواہ وہ اہلِ بیت ہی سے کیوں نہ ہوں۔ علاوہ ازیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بہ ذاتِ خود اس امر کی نفی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے علاوہ انھیں کوئی خصوصی علم سکھایا تھا۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام اور بعد والے لوگوں کو مخاطب کیا اور انھیں اپنی سنت کی تبلیغ واشاعت کی ترغیب دی ہے، ان میں سے کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی، جیسا کہ زید بن ثابت وغیرہ سے مرفوعاً مروی ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءاً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰی یُبَلِّغَهُ غَیْرَهُ، فَإِنَّهُ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَیْسَ بِفَقِیْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰی مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ))[3]

''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تروتازہ رکھے، جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد کر لیا، پھر اسے دوسرے تک پہنچایا، کیوں کہ بعض لوگوں کے پاس فقہ کی بات ہوتی ہے، لیکن وہ خود فقیہ نہیں ہوتے

---

[1] اس روایت کے الفاظ صفحہ نمبر (۱۵۰) پر گزر چکے ہیں۔

[2] اس حدیث کا تذکرہ اور تخریج صفحہ نمبر (۹۹) حاشیہ (۳) میں ہو چکا ہے۔

[3] مسند أحمد (٥/ ١٨٣) سنن الدارمي (١/ ٧٣) سنن أبي داود (٤/ ٦٨۔ ٦٩) سنن الترمذي (٥/ ٢٣) سنن ابن ماجه (١/ ٨٤) صحيح ابن حبان (موارد الظمآن، ص: ٤٧) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تخریج المختصر میں فرمایا ہے کہ زید بن ثابت کی یہ حدیث صحیح ہے، اسے احمد، ابو داود، ابن حبان، ابن ابی حاتم، خطیب، ابونعیم، طیالسی اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس باب میں معاذ بن جبل، ابو الدرداء اور انس وغیرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ دیکھیں: فيض القدير (٦/ ٢٨٥) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت ''السلسلة الصحيحة'' (١/ ٦٨٩۔ ٦٩٠) میں ذکر کی ہے اور علامہ عبد المحسن العباد حفظہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق ایک مستقل کتاب بہ عنوان ''دراسة حديث نضر الله امرءاً سمع مقالتي رواية ودراية'' تحریر کی ہے۔

اور بعض لوگ فقہ کی بات اپنے سے زیادہ فقیہ شخص کی طرف پہنچا دیتے ہیں۔“
یہ حدیث اثنا عشریہ کی معتبر کتب میں بھی مروی ہے،[1] چناں چہ یہ ان پر بھی حجت ہے۔

## تیسری روایت کا جائزہ:

اس روایت میں یہ دعویٰ مذکور ہے کہ بارہ اماموں کے علاوہ کوئی شخص قرآن کا مخاطب نہیں، بنا بریں ان کے سوا کوئی شخص قرآن کے معنی و مطلب سے آشنا نہیں ہے، ”کیوں کہ قرآن کی معرفت صرف اسی کو حاصل ہے، جو اس کا مخاطب ہے۔“[2]

اس روایت کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین تمام زمانوں میں خود بھی ہلاک ہوئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی ہلاک کیا ہے، کیوں کہ وہ اس اصول کے پیش نظر قرآن کی تفسیر کرتے تھے یا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کتاب اللہ میں بعض باتیں ایسی ہیں، جن سے نا آشنا رہنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں اور اس کتاب میں بعض باتوں کو عرب اپنی لغت کے سبب پہچان لیتے ہیں، اسی طرح بعض احکام وہ ہیں، جنھیں صرف علما ہی جانتے ہیں اور قرآن کے بعض حقائق کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔[3]

شیعہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ائمہ کے علاوہ کوئی قرآن کی معرفت نہیں رکھتا اور صرف انھیں ہی سارے قرآن کی معرفت حاصل ہے، لیکن یہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہے اور عقل و نقل بھی اس قول کی تکذیب کرتی ہیں، اسی طرح خود شیعہ کا اپنا تفسیر قرآن کا طریقہ کار بھی اس دعوے کا بطلان ثابت کرتا ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

## چوتھی روایت کا جائزہ:

یہ روایت بتاتی ہے کہ بارہ اماموں کے سوا تمام لوگوں کا وظیفہ صرف قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے اور کسی شخص کے لیے تفسیرِ قرآن کا منصب سنبھالنا جائز نہیں ہے۔[4] حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی نہیں، کیوں کہ آپ کی ذمے داری صرف ”اس شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی شان و عظمت کو بیان کرنا ہے۔“ چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام، سلفِ امت اور ائمہ دین کے لیے بہ طریقِ اولیٰ ایسے کسی فعل کی ذمے داری اٹھانا روا نہیں ہے، لہٰذا

[1] أصول الكافي (١/ ٤٠٣) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٨/ ٦٣)
[2] اس کتاب کا صفحہ نمبر (۱۵۰، ۱۵۱) ملاحظہ کریں۔
[3] اس معنی میں ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ دیکھیں: تفسير الطبري (١/ ٧٦) تفسير ابن كثير (١/ ٥)
[4] اس روایت کے مکمل الفاظ صفحہ نمبر (۱۵۱) پر گزر چکے ہیں۔

جب کسی شخص کو قرآنی آیت کی تفسیر کی حاجت محسوس ہو تو وہ اس ہستی یعنی ائمہ شیعہ کی طرف رجوع کرے، جن کے پاس قرآن کا علم موجود ہے۔

اگر کوئی شخص شیعی تفاسیر: تفسیر القمی، تفسیر العیاشی، تفسیر البرہان اور تفسیر الصافی کی طرف رجوع کرتا ہے یا شیعی کتب کافی اور بحار الانوار میں آیاتِ قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں جو کچھ مذکور ہے، جن کی نسبت اپنے ائمہ کی طرف کرنے کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اسے کیا نظر آتا ہے؟

اسے ان کتب میں ایسی باطنی تاویلات و توجیہات ملتی ہیں، جن کا قرآن مجید کے الفاظ، آیات کے سیاق، ان کے معانی اور مفہوم سے ادنا تعلق بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم عن قریب اس کے نمونے ملاحظہ کریں گے۔

ان دعویٰ جات کی تردید کے لیے سب سے واضح دلیل خود شیعہ کا اپنا تفسیری منہج اور طریقہ کار ہے۔ پھر یہ روایت قرآن مجید پر عدمِ تدبر اور اس کے معانی کو نہ سمجھنے کی دعوت دیتی ہے، جو در حقیقت دینِ الٰہی اور شریعتِ اسلام سے روکنے کے برابر ہے۔ غالبًا ایسی روایات کو گھڑنے کا مقصد شیعہ عوام کو قرآن مجید کی تلاوت، تدبر اور اسے سمجھنے سے روکنا ہے، کیوں کہ اس کے سبب اس مذہب کی بنا ڈالنے والوں کے جھوٹ کا پول کھلتا ہے، ان کی گمراہیوں کا پردہ چاک ہوتا ہے اور کتاب اللہ کی تاویل میں ان کے خفیہ مقاصد کی پردہ دری ہوتی ہے۔

## ب۔ اس رائے کا ناقدانہ جائزہ:

اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علمِ قرآن علی رضی اللہ عنہ کو ودیعت کیا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں اس رائے کی بنیاد پڑ چکی تھی اور سبائیوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس وہ (علم) موجود ہے، جو دیگر لوگوں (صحابہ کرام) کے پاس نہیں ہے، لیکن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی قطعی نفی کی اور فرمایا:

> ''اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور مخلوق کو پیدا کیا ہے! ہمارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ نہیں ہے، البتہ ایک فہم و بصیرت ہے، جو کسی شخص کو کتاب اللہ کے متعلق عطا کی جاتی ہے۔''[1] جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

نیز اس بات کا جان لینا بھی ضروری ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے قرآن مجید کے الفاظ بیان فرمائے ہیں، ویسے ہی انھیں اس کے معانی کی تعلیم بھی دی ہے، چنانچہ یہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ ان دونوں کو شامل ہے۔

---

[1] اس کی تخریج صفحہ نمبر (۹۹) پر گزر چکی ہے۔

امام ابوعبد الرحمٰن سلمی[1] فرماتے ہیں:

''ہمیں قرآن پڑھانے والوں مثلاً عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ نے ہمیں بتایا ہے کہ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات سیکھ لیتے تو ان میں موجود علم اور عمل دونوں کو اپنائے بغیر آگے نہیں گزرا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ چنانچہ ہم نے قرآن اور علم وعمل ایک ساتھ سیکھا ہے۔''[2]

اسی لیے وہ ایک عرصے تک ایک ہی سورت کو حفظ کرنے میں مشغول رہتے تھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ ﴾ [صٓ: ٢٩]

''یہ ایک کتاب ہے، ہم نے اسے تیری طرف نازل کیا ہے، بہت بابرکت ہے، تاکہ وہ اس کی آیات میں غور وفکر کریں۔''

نیز فرمایا:

---

[1] مقرئ الكوفة الإمام العلم عبدالله بن حبيب بن ربيعه الكوفي. صحابہ کرام کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کی ولادت بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوئی۔ قراءت کا علم عثمان، علی، زید، اُبی اور ابن مسعود سے حاصل کیا۔ دیکھیں: الذهبي: سير أعلام النبلاء (٤/ ٢٦٧) السيوطي: طبقات الحفاظ (ص: ١٩) ان کے علاوہ ایک ابوعبد الرحمٰن سلمی اور بھی ہے، جو صوفیہ کا سربراہ اور ''حقائق التفسير'' کا مولف ہے۔ یہ ۴۱۲ھ میں فوت ہوا۔ اس نے فرقہ باطنیہ کے طریقے کے مطابق قرآن مجید کی تاویل وتفسیر میں عجیب وغریب اقوال جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیے ہیں، جبکہ جعفر رحمہ اللہ یقیناً ان سے بَری ہیں۔ دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ١٤٦) مجموع الفتاویٰ (١٣/ ٢٤٢۔ ٢٤٣)
ثانی الذکر ابوعبد الرحمٰن سلمی کے ترجمے کے لیے ملاحظہ کریں: الخطيب البغدادي: تاريخ بغداد (٢/ ٢٤٨۔ ٢٤٩) الذهبي: ميزان الاعتدال (٣/ ٥٢٣)

[2] دیکھیں: مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (١٣/ ٣٣١) نیز اس اثر کو امام طبری نے اپنی تفسیر (١/ ٨٠) میں روایت کیا ہے اور اس کے محقق نے اس اثر کے حاشیے میں کہا ہے: ''هذا إسناد صحيح متصل'' یعنی اس اثر کی سند صحیح اور متصل ہے۔ دیکھیں: تفسير الطبري، تحقيق و تعليق: محمود شاكر و أحمد شاكر. امام طبری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی شخص جب دس آیات سیکھ لیتا تو اس وقت تک ان سے آگے نہیں گزرتا تھا، جب تک وہ ان کے معانی کو جان نہ لیتا اور ان پر عمل نہ کرتا۔
محقق کتاب نے کہا ہے کہ یہ سند صحیح ہے۔ یہ اثر اگرچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، لیکن معناً مرفوع ہے، کیوں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا، تو وہی ہمارے لیے وہ طریقہ کار بیان کر رہے ہیں، جو اس سلسلے میں عہدِ نبوی جیسے درخشاں دور میں معروف تھا۔ (المصدر السابق: ١/ ٨٠) علامہ شعیب ارناؤوط نے کہا ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ سير أعلام النبلاء (٤/ ٢٧٠، حاشيه)

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ﴾ [النساء: ٨٢] ''تو کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟''

نیز فرمایا:

﴿ اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ﴾ [المؤمنون: ٦٨] ''تو کیا انھوں نے بات میں خوب غور نہیں کیا؟''

قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سمجھے بغیر اس پر تدبر کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ [یوسف: ٢]

''بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھو۔''

قرآن مجید پر غور وفکر کرنا اس کو سمجھنے کو شامل ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ہر کلام کا مقصود محض اس کے الفاظ سیکھنا نہیں، بلکہ اس کے معنی و مطلب کو سمجھنا ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔

اسی لیے شیعہ کی ایک جماعت نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور قرآن مجید کے الفاظ میں موجود ہر طرح کی حقیقت کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یقیناً قرآن مجید کے ظاہری الفاظ و معانی کا علم بارہ اماموں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس میں دوسرے بھی ان کے ساتھ شریک ہیں، لیکن آیات کے باطنی معانی کا علم صرف ائمہ ہی کا اختصاص ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے ظواہر کی حجیت سے متعلق اخباریہ اور اصولیہ میں شدید اختلاف ہے۔ پہلا گروہ سمجھتا ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر و باطن دونوں کی تفسیر صرف اور صرف ائمہ (بارہ شیعی امام) ہی جانتے ہیں، جبکہ دوسرے فرقے کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ و معانی حجت ہیں، کیوں کہ قرآن مجید پر تدبر اور اسے سمجھنے کی ترغیب دینے والے دلائل عام ہیں۔[1]

یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن مجید کی تفسیر صرف علی رضی اللہ عنہ ہی کو سکھائی گئی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی ہے:

---

[1] شیعہ کی بہت زیادہ کتبِ تفسیر اور اصولِ فقہ میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ دیکھیں: الخوئي: البیان (ص: ٢٦٣ وما بعدها) البروجردي: تفسیر الصراط المستقیم (٢/ ١٧٥ وما بعدها) المظفر: أصول الفقه (٣/ ١٣٠) الحکیم: الأصول العامة للفقه المقارن (ص: ١٠٢۔ ١٠٥) المیثمي: قوامع الفضول (ص: ٢٩٨)

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ٤٤]

''اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تا کہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے، جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تا کہ وہ غور وفکر کریں۔''

معلوم ہوا کہ بیان و وضاحت اکیلے علی رضی اللہ عنہ کے لیے نہیں، بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اب ایسی بات کرنے والے کے لیے صرف دو ہی راستے باقی رہتے ہیں: یا تو وہ یہ کہہ دے کہ یقیناً رسول نے اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کی تبلیغ نہیں کی یا وہ شخص قرآن ہی کو جھٹلا دے، لیکن ان میں ہر دو باتیں عقل اور دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہیں۔

اسی طرح یہ دعویٰ کرنا کہ علمِ قرآن کی معرفت صرف ائمہ کی خاصیت ہے، تو صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد، جیسے خلفاے اربعہ، ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت وغیرہ کا تفسیرِ قرآن کے باب میں شہرت پانا اس دعوے کے منافی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ بہ ذاتِ خود سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کی تعریف کرتے تھے۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح اسانید کے ساتھ بہ کثرت قرآن مجید کی تفسیر منقول ہے، جس میں کہیں بھی علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ حالاں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کئی صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں۔ وہ عمر، ابو ہریرہ، عبد الرحمان بن عوف، زید بن ثابت، اُبی بن کعب اور اُسامہ بن زید وغیرہ مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت نہایت کم ہے۔ صحیح کے مولفین نے ان کی علی رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت بیان نہیں کی، جبکہ دیگر صحابہ کرام، عمر، عبد الرحمان بن عوف اور ابو ہریرہ وغیرہ سے ان (ابن عباس) کی روایت نقل کی ہے۔ مسلمانوں کے پاس کوئی ایسی تفسیر بھی نہیں، جو علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو۔ کتبِ حدیث وتفسیر کو دیکھیں کہ وہ صحابہ وتابعین کے آثار سے بھری ہوئی ہیں، لیکن علی رضی اللہ عنہ سے ان کتب میں بہت تھوڑی اشیا مروی ہیں اور جعفر صادق کے واسطے سے جو تفسیر منقول ہے، اس کا زیادہ تر حصہ جعفر پر کذباً وزوراً مروی ہے۔''[2]

پھر اس بات کو عموم کا رنگ دینا کہ ائمہ سارے قرآن کا مکمل علم رکھتے ہیں، بڑا کھلا غلو ہے، کیوں کہ جیسا کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کچھ وہ حصہ نازل کیا ہے، جس کی تفسیر کا علم

---

[1] دیکھیں: ابن عطية: المحرر الوجيز (١/ ١٩) ابن جزي: التسهيل (١/ ٩)

[2] منهاج السنة (٤/ ١٥٥)

صرف رسول اللہ ﷺ کی شرح وتفصیل کی بہ دولت ہی معلوم ہوسکتا ہے، جیسے قرآن مجید کے ظاہری الفاظ میں پائے جانے والے اجمال کی تفصیل بیان کرنا اور دینی قوانین: احکامات وممنوعات، حلال وحرام اور حدود و فرائض میں سے جس کی تفسیر جاننے کی بندوں کو ضرورت ہوتی ہے (ان کی وضاحت کرنا) پس مخلوقِ خدا میں سے کوئی شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی تشریح کے بغیر اس کی تفسیر اور مفہوم کو نہیں جان سکتا اور رسول ﷺ کو بھی وہ علم صرف وحیِ الٰہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کا کچھ حصہ وہ ہے، جس کی تفسیر کو اللہ واحد قہار کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور یہ وہ امور ہیں، جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے، جیسے قیامت قائم ہونے اور صور میں پھونکنے کا وقت ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید کا کچھ حصہ وہ ہے، جس کا معنی ومطلب عربی زبان، جس میں قرآن نازل ہوا ہے، کا علم رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے۔[1]

علاوہ ازیں شیعہ کا یہ کہنا کہ علمِ قرآن تنہا علی رضی اللہ عنہ ہی نقل کرنے والے ہیں، صحابہ کرام سے آیندہ نسلوں تک شریعتِ قرآن کے تواتر میں طعن کا سبب بنتا ہے، کیوں کہ شیعی دعوے کے مطابق اسے رسول اللہ ﷺ سے صرف ایک ہی شخص یعنی علی رضی اللہ عنہ نقل کرنے والے ہیں۔

الغرض یہ نظریہ ایک سازش ہے، جس کا مقصد کتاب اللہ سے روکنا اور اس پر تدبر کرنے، اس سے راہ نمائی چاہنے، اس کی عبرت آموز تعلیمات پر غور کرنے اور اس کے معانی ومقاصد میں تامل کرنے سے دور کرنا ہے۔ پس شیعہ کے دین میں قرآن مجید کے معانی سمجھنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہیں ان کے بارہ امام اور ان کے علاوہ جو دیگر لوگ ہیں، وہ سب قرآن سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہیں۔

درحقیقت یہ ایک بڑے واضح ہدف اور رسوا کن مقصد پر مبنی دھوکا یا حیلہ ہے، کیوں کہ کتاب اللہ تو بڑی واضح عربی زبان میں نازل ہوئی ہے اور تمام لوگوں کو اس کا مخاطب کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ [یوسف: ۲]

''بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھو۔''

نیز فرمایا:

﴿ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ [آل عمران: ۱۳۸]

---

[1] تفسیر الطبري (۱/ ۷۳۔ ۷٤، ۸۷۔ ۸۸)

”یہ لوگوں کے لیے ایک وضاحت ہے اور بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو اس کتاب پر تدبر کرنے، اس کی مثالوں سے عبرت حاصل کرنے اور اس کی نصیحت آموز تعلیمات سے نصیحت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور یہ بات ناممکن ہے کہ جو شخص کسی بات کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ اس کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے، اسے کہا جائے کہ جس بات اور کلام کی تمھیں کوئی سمجھ اور پہچان نہیں، اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرو۔[1]

دراصل یہ تفسیرِ قرآن کے بلند مرتبت علم سے روکنے کی کوشش ہے، جسے اصحاب رسول ﷺ، سلفِ امت اور ائمہ دین نے ہم تک پہنچایا ہے۔ لیکن شیعہ دین میں ان بڑے خزانوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، کیوں کہ یہ ان کے بارہ اماموں سے منقول نہیں، جیسا کہ بعض معاصر شیعی علما نے اس کی صراحت کی اور کہا ہے:

”یقیناً اہلِ بیت کے علاوہ دوسروں سے جتنی تفاسیر بھی منقول ہیں، ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔“[2]

ان لوگوں کے نزدیک صرف انھیں کی کتبِ تفسیر کی قدر و منزلت ہے، لیکن جب ہم ان کی کتب میں اس ”قدر و قیمت“ کو تلاش کرتے ہیں، تو ہمیں کیا ملتا ہے؟

شیعہ کی معتبر کتبِ تفسیر: تفسیر القمی، تفسیر العیاشی، تفسیر الصافی، تفسیر البرہان اور کتبِ حدیث: اصولِ کافی اور بحار الانوار وغیرہ کتاب اللہ کی تاویلات پر مشتمل ہیں، جو آلِ بیت کی طرف منسوب ہیں۔ ان تاویلات کا اکثر و بیشتر حصہ کتاب اللہ سے متعلق واضح ترین جہالت، آیاتِ قرآن کی انحراف پر مبنی تاویل اور تفسیر قرآن میں حد سے بڑھے ہوئے تکلف کو عیاں کرتا ہے اور یہ امر محال ہے کہ ایسی تاویلات و انحرافات کی نسبت علمائے اہلِ بیت کی طرف درست ہو، کیوں کہ ان تاویلات کا قرآنی الفاظ کے مدلولات اور مفہوم کے ساتھ کوئی تعلق ہے نہ قرآنی سیاق ہی سے کوئی مطابقت ہے، جیسا کہ عن قریب اس کی مثالیں آگے بیان ہوں گی۔

اس نظریے کی بنا پر اس کا مطلب یہ ہوا کہ علمائے آلِ بیت کا مبلغِ علم بس یہی ہے اور اس امر میں ان علما کی اہانت اور ان کی طرف جہالت منسوب کرنے جیسے متعدد توہین آمیز امور ہیں اور یہ سب کچھ ایک ایسی قوم کا کیا دھرا ہے، جو ان کی محبت اور طرف داری کا دعویٰ کرتی ہے!!

ایک دوسری بات جو پہلی سے بھی زیادہ بڑی اور خطرناک ہے کہ یقیناً صرف یہی تاویلات قرآن کا علم اور اس کے معانی ہیں، قرآن کا اس سے بڑھ کر اور کوئی معنی نہیں ہے، کیوں کہ یہ تاویلات علم سیکھنے کے اکلوتے

---

[1] دیکھیں: تفسیر الطبري (۱/ ۸۲)

[2] محمد رضا النجفي: الشیعة والرجعة (ص: ۱۹)

صحیح اور بنیادی ماخذ سے صادر ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں یہ قرآن کی شان وعظمت کو ہلکا کرنا، بلکہ یہ ایک ناپاک سازشی ذریعے سے اس کے خلاف جنگ کرنا اور اس سے روکنا ہے۔

## تیسرا مسئلہ: امام کا قول قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے:

شیعہ کا اعتقاد ہے کہ امام کا قول قرآن کو منسوخ کر دیتا ہے اور قرآن کے مطلق کی تقیید اور اس کے عموم کی تخصیص کرتا ہے۔ شیعہ کے اس نظریے کی بنیاد یہ ہے کہ امام ہی قرآن کا نگران ہے، وہی قرآنِ ناطق ہے[1] اور وہ (ائمہ شیعہ) ہی اللہ کے علم کے خزانچی اور وحیِ الٰہی کے راز دان ہیں[2] اور یہ کہ وفاتِ رسول ﷺ کے ساتھ شریعت مکمل نہیں ہوئی، بلکہ شریعت کا بقیہ حصہ رسول نے علی کے سپرد کر دیا ہے، پھر علی نے اپنے زمانے کے حسبِ ضرورت شریعت کا کچھ حصہ ظاہر کیا اور باقی ماندہ اپنے بعد والے (امام) کے سپرد کر دیا، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، حتی کہ شریعت کا آخری حصہ شیعہ کے امام غائب کے پاس باقی ہے۔[3]

بنا بریں قرآن مجید کے عموم کی تخصیص یا اس کے مطلق کی تقیید یا اسے منسوخ کرنے کا مسئلہ وفاتِ رسول ﷺ کے ساتھ ہی ختم نہیں ہوگیا، کیوں کہ نص نبوی اور تشریع الٰہی جاری رہی اور وفاتِ رسول کے ساتھ منقطع نہیں ہوئی، بلکہ شیعہ کے نزدیک تو یہ چوتھی صدی کے آغاز میں غیبت کبریٰ[4] کے وقوع پذیر ہونے تک جاری رہی۔ اس غیبت کبریٰ کے ساتھ ہی امام سے ان کا تعلق ختم ہوگیا اور اس سے وحیِ الٰہی حاصل کرنے کا سلسلہ رک گیا، کیوں کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ''ائمہ طاہرین میں ہر ایک کی حدیث اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے قول میں کوئی اختلاف نہیں، اسی طرح ان ائمہ کے اقوال میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔''[5]

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص ابو عبد اللہ (جعفر بن محمد صادق) سے حدیث سنے، اس کے لیے وہ روایت ان کے والد یا کسی دادے پڑدادے سے روایت کرنا جائز ہے، بلکہ اگر وہ اس روایت کو اللہ تعالیٰ کا قول اور فرمان کہہ دے تو یہ بھی درست ہے۔[6] چناں چہ شیعی عقیدے کے مطابق امام کو قرآن کی تخصیص یا تقیید یا اسے منسوخ

---

[1] یہ مسئلہ کہ قرآن صرف ایک نگران کی موجودگی میں حجت ہے، گذشتہ صفحات (ص:۱۴۱) میں گزر چکا ہے۔

[2] دیکھیں: أصول الكافي باب أن الأئمة ولاة أمر الله وخزنة علمه (۱/ ۱۸۲)

[3] تفصیل کے لیے ''سنت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[4] تفصیل کے لیے اسی کتاب میں ''غیبت'' (بارھویں امام کی روپوشی) کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[5] المازندراني: شرح جامع على الكافي (۲/ ۲۷۲)

[6] المصدر السابق (۲/ ۲۷۲)

کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ درحقیقت قرآن کی قرآن ہی کے ساتھ تخصیص یا تقیید یا نسخ ہے، کیوں کہ ان لوگوں کی افترا پردازی کے مطابق امام کا قول اللہ تعالیٰ ہی کے قول (قرآن) کی طرح ہے، کیوں کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں، جیسا کہ عہدِ حاضر میں ایک شیعی آیت اللہ کہتا ہے:

''کچھ احکام کو بیان کرنا اور کچھ کو چھپا لینا، یہ حکمتِ تدریج کا تقاضا تھا، لیکن انھوں (علی رضی اللہ عنہ) -سلام اللّٰہ علیہ- نے اسے اپنے اوصیا کے سپرد کر دیا۔ ہر وصی اسے اپنے بعد والے کے سپرد کرتا ہے، تاکہ وہ اسے ان احکام کے مناسب وقت میں حسبِ حکمت عام مخصص، یا مطلق یا مقید یا مجمل مبین وغیرہ کی صورت میں ظاہر کر دے، پس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی عام کا ذکر کرتا ہے اور اس کے مخصص کا ذکر اپنی زندگی میں کچھ عرصہ بعد کرتا ہے اور کبھی بالکل اس کا ذکر ہی نہیں کرتا، بلکہ اسے اپنے وصی کے حوالے کر دیتا ہے، جو اپنے وقت میں اسے بتاتا ہے۔''[1]

نسخ، تخصیص اور تقیید کا مسئلہ تو ائمہ کے بنیادی وظیفے ''امرِ دین میں تصرف کا اختیار'' کا محض ایک حصہ ہے۔ اس بنیادی ذمے داری اور منصب کا نظریہ ثابت و محکم کرنے کی خاطر اصولِ کافی کا مولف اپنی کتاب میں اس عنوان سے ایک باب قائم کرتا ہے:

"باب التفويض إلى رسول الله ﷺ وإلىٰ الأئمة -عليهم الصلاة والسلام- في أمر الدين"[2]

''باب: دین کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کے سپرد کرنا۔''

چناں چہ جس طرح امرِ دین میں تصرف کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، بعینہٖ ائمہ شیعہ بھی امرِ دین میں تصرف کے مالک ہیں اور انھیں بھی شریعت سازی کا حق حاصل ہے۔

شیعہ کتب ائمہ (شیعہ) کے متعلق کہتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار اپنے نبی کے سپرد کیا، چناں چہ فرمایا:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر: ۷]

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔''

[1] محمد حسين آلِ كاشف الغطا: أصل الشيعة (ص: ۷۷)

[2] أصول الكافي (۱/ ۲٦٥)

پھر جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا گیا، وہ (اختیار و تصرف) انھوں نے ہمیں سونپ دیا۔‘‘[1]

ابو عبداللہ، شیعہ کتب کے حسبِ بیان، کہتے ہیں:

’’اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ اور ائمہ کے سوا کسی کو (امرِ دین میں) یہ تصرف نہیں دیا گیا۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾ [النساء: ١٠٥]

’’بے شک ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے، جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے۔‘‘

پھر یہ امر اوصیا میں بھی جاری ہے۔‘‘[2]

مزید برآں ائمہ ہی ملائکہ، انبیا اور رسولوں کے علوم کے مخزن (گودام) ہیں اور ان کے پاس آسمان سے نازل ہونے والی تمام کتابیں موجود ہیں، جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتب کی بہت زیادہ روایات میں اس کی تصدیق موجود ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔[3] پس یہ تشریعی فرائض ائمہ کے پاس جمع شدہ انھی علوم کے فیضان ہی سے انجام پاتے ہیں۔

اس عقیدے کی عملی شکل اور اثرات ملاحظہ کرنے ہوں تو وہ بہت بڑی تعداد میں شیعی روایات دیکھیں، جن میں امت مسلمہ کے برخلاف شاذ افکار اور مسائل پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کفر و کفار اور شرک و مشرکین کے الفاظ قرآنِ مجید میں وارد ہوئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والے ہر شخص کو شامل ہیں، لیکن شیعہ کے ہاں ایسی روایات کثیر تعداد میں مروی ہیں، جو کفر کے اس شمول و عموم کو ولایتِ علی کے ساتھ کفر کرنے اور شرک کے عموم کو ان (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کسی اور کو امام بنانے کے ساتھ خاص کرتی ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔[4]

پس ان لوگوں نے کسی تخصیص کرنے والی دلیل اور قرینے کے بغیر ہی کتاب اللہ کے عموم کو مخصوص بنا دیا ہے یا نصوص کی تحریف کر کے اسے تخصیص سمجھ بیٹھے ہیں۔ شیعہ نے کسی عقلی اور صحیح نقلی دلیل کے بغیر ہی مسئلہ امامت کو شرک اور کفر سے بھی زیادہ خطرناک قرار دے دیا اور اجماعِ مسلمین اور متواتر دینی نصوص سے بھی خارج

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٦٦)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٦٨)

[3] تفصیل کے لیے ’’سنت‘‘ اور ’’کتابوں پر ایمان‘‘ کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[4] اس امر کے شواہد ’’قرآنی آیات کی شیعی تاویلات کی مثالیں‘‘ اور ’’توحید الوہیت‘‘ کے مبحث میں ملاحظہ کریں۔

ہوگئے اور اس زبان تک کو نظر انداز کر گئے، جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [یوسف: ۲]

''بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھو۔''

آیندہ صفحات میں ہم اس قسم کی تحریف کی بہت زیادہ مثالیں پیش کریں گے۔

## اس نظریے کا ناقدانہ جائزہ:

- اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام رسالتوں کا خاتمہ کر دیا۔ آپ ﷺ کی رسالت کے ساتھ ہی دین کو مکمل فرما دیا اور آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ امور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، جو ہر مسلمان کو بداہتاً معلوم ہیں، جبکہ شیعہ کے مذکورہ بالا نظریے کی اساس ان ارکانِ دین کے انکار پر مبنی ہے یا کم از کم اس نظریے کے حامل شخص کو اس انکار تک پہنچا دیتی ہے، جو بلاشبہہ رسالت محمدیہ کی شہادت کے منافی ہے، جس پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہوسکتا۔
- شاید اس نظریے پر غور وفکر اور اس کے نتائج کا تجزیہ کرنے والا شخص اس حقیقت کا ادراک کر لے کہ اس عقیدے کی غرض و غایت دینِ اسلام میں تحریف کرنا اور شریعت محمدیہ کو بدل دینا ہے، کیوں کہ اس طرح تو کلام الٰہی کسی ناسخ یا مخصص یا مقید یا مبین یا عام، جیسے شیعی علما اپنے ائمہ سے نقل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، کے سبب تبدیل وتحریف کا نشانہ بن کر رہ جائے گا، اس تبدیلی اور تحریف کی ممکنہ صورت اس شکل میں بہ خوبی واضح ہوجاتی ہے، جب اس قوم کی جبلتِ کذب ہمارے علم میں آتی ہے، حتی کہ ان لوگوں نے اس (جھوٹ) کو دین اور قربتِ الٰہی کا ذریعہ بنا دیا ہے، جیسا کہ عن قریب آگے آرہا ہے۔[1]

''جو شخص کتبِ جرح وتعدیل پر غور وفکر کرے گا، وہ دیکھے گا کہ ان کتب کے مصنفین کے نزدیک جو جھوٹ بولنے میں زیادہ معروف ہیں، ان کی تعداد دیگر فرقوں کی بہ نسبت شیعہ میں زیادہ پائی جاتی ہے۔''[2]

ائمہ مسلمین کی ایک جماعت نے یہ گواہی دی ہے کہ شیعہ سے زیادہ کذب و زور کے دل دادہ کہیں نظر نہیں آئے اور یہ لوگ حدیث وضع کرتے اور اسے دین بنا لیتے ہیں اور ہمیشہ سے لوگ انھیں کذاب کہتے رہے ہیں، اسی لیے اہلِ علم نے روافض سے حدیث لینے سے منع کیا ہے۔[3] بلکہ شیعہ کتب ہی میں ایسی تصریحات موجود

---

[1] تفصیل کے لیے ''تقیے'' کا مبحث دیکھیں۔

[2] المنتقیٰ (ص: ۲۲)

[3] دیکھیں: منهاج السنة (۱/ ۱٦، ۱۷) تدريب الراوي للسيوطي (۱/ ۳۲۷)

ہیں، جن میں خود اہلِ بیت نے ان لوگوں کے جھوٹ اور بہتان طرازی کا شکوہ کیا ہے!![2]

❁ یہ دعویٰ اس بنیاد پر قائم ہے کہ دینِ اسلام ناقص ہے، جو تکمیل کے لیے بارہ اماموں کا محتاج ہے اور قرآن مجید اور سنت نبویہ کے ساتھ شریعت مکمل نہیں ہوئی، کیوں کہ شریعت کا بقیہ حصہ ائمہ شیعہ کے پاس محفوظ ہے اور یقیناً رسولِ ہدایت ﷺ نے اپنے رب کی طرف سے نازل کردہ وحی کی مکمل تبلیغ نہیں کی، بلکہ اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کا کچھ حصہ چھپا لیا اور اسے خفیہ طور پر علی (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر دیا.... یہ سارے نظریات اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر اور ارکانِ اسلام کے منافی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ٣]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل: ٨٩]

''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی، اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ [آل عمران: ١٨٧]

''کہ تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا﴾ [البقرة: ١٥٩]

---

[1] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٥/ ٢٦٣) الممقاني: تنقيح المقال (المقام الثالث من المقدمة) نیز دیکھیں: رجال الكشي، رقم (١٧٤، ٢١٦، ٥٤١، ٥٤٢، ٥٤٤، ٥٤٨، ٥٨٨، ٦٥٩، ٧٤١، ٩٠٩، ١٠٠٧، ١٠٤٨) ایسی بعض روایات کا تذکرہ ''سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' کی بحث میں آگے آئے گا۔

''بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں، جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا۔''

امام اشعری رحمہ اللہ نے اپنی تقسیم کے مطابق اس نظریے کو شیعہ کے غالی فرقوں کی اقسام میں سے پندرھویں قسم کی طرف منسوب کیا ہے، جس سے وہ لوگ مراد ہیں، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ائمہ شرعی احکام کو منسوخ کرتے ہیں، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان سے نشانیاں اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔[1]

یہ نظریات اثنا عشریہ کے بنیادی اصول وقواعد بن چکے ہیں،[2] کیوں کہ وہ تمام غالی فرقوں کے مذاہب کو تلچھٹ سمیت نگل چکے ہیں۔ امام ابو جعفر النحاس (المتوفی ۳۳۸ھ) نے بھی اس رائے کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن اسے کسی فرقے کی طرف منسوب نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

''دوسرے کہتے ہیں: ناسخ اور منسوخ کا دروازہ امام کے سپرد ہے، وہ جو چاہے منسوخ کرے۔''[3] پھر اسے انھوں نے بہت بڑا کفر شمار کیا اور اس کا بطلان واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''کیوں کہ نسخ میں تو نبی کریم ﷺ کو بھی کوئی اختیار نہیں تھا، وہ بھی صرف وحیِ الٰہی کے ساتھ ہی نسخ سے آگاہ فرماتے تھے۔ وہ نسخ، ایک جماعت کی رائے کے مطابق، یا تو اسی جیسے قرآن کے ساتھ ہو سکتا ہے یا قرآن کے علاوہ کسی اور وحی (سنت) کے ساتھ نسخ ہو سکتا ہے۔[4] چنانچہ جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے ساتھ ہی وحی کے یہ دونوں سلسلے (قرآن وسنت) رک گئے تو نسخ کا معاملہ بھی ختم ہو گیا۔''[5]

---

[1] مقالات الإسلامیین (۱/ ۸۸)

[2] اثنا عشریہ کے اس دعوے کہ ائمہ کی طرف وحی آتی اور ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، کے متعلق تفصیل کے لیے اسی کتاب کا مبحثِ سنت ملاحظہ کریں اور اثنا عشریہ کی بات کہ ائمہ سے معجزات ظاہر ہوتے ہیں، اس کے متعلق تفصیل کے لیے اسی کتاب میں ''الإیمان بالأنبیاء'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[3] الناسخ والمنسوخ (ص: ۸)

[4] یعنی سنتِ مصطفیٰ ﷺ۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ۳۔ ٤]

[5] الناسخ والمنسوخ (ص: ۸۔ ۹)

دوسرا موضوع

# تفسیرِ قرآن سے متعلق شیعہ کا عقیدہ

اس مبحث میں دو مسئلے زیرِ بحث آئیں گے:

1. شیعہ کا اعتقاد کہ یقیناً قرآن مجید کے باطنی معانی ہیں، جو ظاہری معنی کے مخالف ہوتے ہیں۔
2. شیعہ کا نظریہ کہ قرآن مجید کا بیشتر حصہ ان کے اور ان کے دشمنوں سے متعلق نازل ہوا ہے۔

## پہلا مسئلہ: قرآن کے باطنی معانی جو ظاہر کے مخالف ہیں:

یہ عقیدہ کہ قرآن کے باطنی معانی ہیں، جو ظاہر کے خلاف ہوتے ہیں، شیعہ کے ہاں بہت زیادہ خطرناک پہلو اختیار کر چکا ہے، اس عقیدے کے اثرات کے نتیجے میں ان کے ہاں کتاب اللہ ایک ایسی شکل اختیار کر چکی ہے، جو مسلمانوں کے پاس موجود قرآن سے بالکل مختلف ہے۔ شیعی علما نے اس اصول کی تطبیق کی خاطر بہت دور کے چکر کاٹے ہیں۔ شیعہ نے ایسی سیکڑوں روایات پیش کی ہیں، جو قرآنی آیات کی قرآنی مفہوم کے خلاف تاویل کرتی ہیں اور ان لوگوں نے ان روایات کو بارہ اماموں کی طرف منسوب کر دیا ہے، پھر اس باطنی تفسیر و تاویل کا کوئی قانون اور قابلِ اعتماد اصول نہیں ہے۔ عن قریب قارئین کرام آیاتِ قرآن کی شیعی تاویل میں اس دین کو بدلنے، اس کے معالم کو داغ دار کرنے اور اس کے ارکان کو مٹانے جیسی ناکام کوششوں کا مشاہدہ کریں گے۔

مثال کے طور پر شیعہ ارکانِ دین کی تفسیر ائمہ شیعہ سے کرتے ہیں، کفر و شرک والی آیات کی تفسیر علی رضی اللہ عنہ کی امامت و ولایت میں شرک سے کرتے ہیں، حلال و حرام کی آیات کی تفسیر ائمہ شیعہ اور ان کے دشمنوں سے کرتے ہیں... اس طرح ان تاویلات کو پڑھنے والا دینِ اسلام کے علاوہ کوئی نیا ہی دین لے کر نکلتا ہے، جس کے دو بنیادی رکن ہیں:

1. بارہ اماموں کی امامت پر ایمان لانا۔
2. ان کے دشمنوں پر لعنت کرنا اور ان کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھنا۔

کلینی کی کتاب ''اصولِ کافی'' میں مروی ہے:

''محمد بن منصور بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک نیک بندے[1] سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ [الأعراف: ٣٣] کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یقیناً قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ تمام چیزیں ظاہر ہیں اور اس (حرام) کا باطنی معنی ائمہ استبداد ہیں، اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ تمام چیزیں ظاہر ہیں اور اس (حلال) کا باطنی معنی ائمہ حق ہیں۔''[2]

شیعہ کی چار کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب میں مروی یہ روایت اس قاعدے کا اثبات کرتی ہے کہ یقیناً قرآن مجید کے باطنی معانی ہیں، جو ظاہر کے مکمل طور پر مخالف ہوتے ہیں اور اس کی مثال کے لیے یہ روایت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی حلال و حرام کردہ طیبات وخبیثات کو ذکر کرتی ہے، جس میں حلال سے مراد شیعہ کے ائمہ حق بارہ امام مراد ہیں اور حرام سے ان کے دشمن تمام خلفاے مسلمین مراد ہیں، لیکن اس تاویل کی لغت یا عقل یا دین سے کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہ تو دینِ اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش اور اباحیت کی دعوت ہے!!

شیعہ کی صحیح ترین کتاب میں مروی اس روایت کے اندر ہی سے اس قول کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، کا محرک ظاہر ہوتا ہے، جو یہ ہے کہ یقینی طور پر قرآن مجید شیعہ کے بارہ اماموں کے ذکر اور ان کے دشمنوں کے خلاف کسی واضح دلیل سے خالی ہے، اسی امر نے ان لوگوں کا سکون واطمینان خراب اور ان کا معاملہ تباہ و برباد کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے خود بھی یہ صراحت کی ہے کہ قرآن مجید ائمہ کے ذکر سے خالی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''اگر قرآن کو ویسے پڑھا گیا ہوتا، جیسے یہ اتارا گیا تھا تو اس میں ہمارا نام بہ نام ذکر ہوتا۔''[3]

چنانچہ جب ان کے مذہب کی بنیاد ''امامت'' اور ''ائمہ'' کا قرآن مجید میں کوئی ذکر ہی نہیں تھا تو ان لوگوں نے اپنے فریب خوروں کو مطمئن کرنے اور سیدھے سادے لوگوں اور جاہلوں کے درمیان اپنا مذہب رائج کرنے کے لیے اس رائے کو اختیار کیا، حتی کہ اس رائے کو مقبولیت دینے کے لیے حسبِ عادت اسے بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا۔

یہ مسئلہ کہ یقیناً آیاتِ قرآن کا ایک باطن ہے، جو ان کے ظاہر کے مخالف ہے، کتبِ شیعہ میں بہت

[1] شیعہ کے نزدیک اس سے مراد موسیٰ کاظم ہیں، جنھیں وہ اپنا ساتواں امام شمار کرتے ہیں۔ دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٧٤، حاشیه)

[2] أصول الکافي (١/ ٣٧٤) النعماني: الغیبة (ص: ٨٣) تفسیر العیاشي (٢/ ١٦)

[3] دیکھیں: تفسیر العیاشي (١/ ١٣) المجلسي: بحار الأنوار (١٩/ ٣٠) هاشم البحراني: البرهان (حا، ص: ٢٢)

پھیلا، حتی کہ ان کے مذہب کا بنیادی اصول قرار پایا، کیوں کہ ان کے مذہب کی بقا اس مسئلے یا اس مسئلے کا حکم رکھنے والے کسی ایسے ہی مسئلے پر منحصر ہے، اسی لیے ''بحار الانوار'' کے مولف نے ایک باب ہی اس عنوان "باب أن للقرآن ظهراً و بطناً"[1] سے قائم کیا ہے۔ مولفِ بحار نے اس باب میں چوراسی (۸۴) روایات ذکر کی ہیں اور یہ اس کی کتاب میں اس مسئلے سے متعلق مروی بہت سی روایات کا بہت تھوڑا حصہ ہے۔

یہ مولف اس باب کے آغاز میں کہتا ہے:

''چونکہ ان روایات کی کثیر تعداد "كتاب الإمامة" کے مختلف ابواب میں گزر چکی ہے، لہٰذا یہاں ہم ان روایات کا کچھ حصہ ذکر کریں گے۔''[2] پھر اس نے چوڑاسی (۸۴) روایات ذکر کی ہیں۔

تفسیر البرہان کے مولف نے بھی بحار الانوار کے باب سے ملتا جلتا ایک باب اس عنوان "باب أن القرآن له ظهر وبطن" سے قائم کیا ہے۔[3]

تفسیر البرہان کے مقدمے میں اس مسئلے پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔ مقدمے میں پانچ فصلیں قائم کی ہیں، جن میں اس مسئلے کے بارے میں اپنے ائمہ کی روایات ذکر کی ہیں، جو شیعہ کی معتبر کتابوں سے اس کے متعلق بہت بڑے مجموعے سے منتخب کی ہیں،[4] اسی طرح شیعہ کی بیشتر کتبِ تفسیر: تفسیر القمی،[5] تفسیر العیاشی[6] اور تفسیر الصافی[7] وغیرہ کے مقدمات میں اس مسئلے کو شیعہ مذہب کے ایک بنیادی رکن کی طرح ثابت کیا ہے۔ اس مسئلے سے متعلق ایک شیعی روایت ہے:

"إن للقرآن ظهراً و بطناً، وببطنه بطن إلى سبعة أبطن"[8]

''یقیناً قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور اس کے باطن کے ایک سے لے کر سات تک باطن ہیں۔''

جابر جعفی سے مروی ہے کہ میں نے تفسیرِ قرآن سے متعلق کسی چیز کے بارے میں ابو جعفر سے ایک سوال

---

1. دیکھیں: بحار الأنوار (۹۲/ ۷۸۔ ۱۰۶) یعنی یقیناً قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔
2. المصدر السابق (۹۲/ ۷۸)
3. تفسير البرهان (۱/ ۱۹)
4. مرآة الأنوار (ص: ٤۔ ۱۹)
5. دیکھیں: تفسير القمي (۱/ ١٤، ١٦)
6. دیکھیں: تفسير العياشي (۱/ ۱۱)
7. تفسير الصافي (۱/ ۲۹)
8. المصدر السابق (۱/ ۳۱)

کیا تو انھوں نے مجھے جواب دیا، پھر میں نے دوسری بار وہی سوال کیا تو انھوں نے مجھے کوئی دوسرا جواب دے دیا۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! آج سے پہلے آپ نے اس مسئلے کا مجھے کوئی اور جواب دیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: اے جابر! یقیناً قرآن کا ایک باطن ہے اور پھر اس باطن کا ایک باطن اور ایک ظاہر ہے، پھر اس ظاہر کا بھی ایک ظاہر ہے۔ اے جابر! تفسیرِ قرآن سے زیادہ کوئی شَے لوگوں کی عقلوں سے بعید نہیں ہے، یقیناً آیت کا پہلا حصہ کسی شَے کے بارے میں ہوتا ہے اور دوسرا حصہ کسی اور چیز کے بارے میں ہوتا ہے۔ یہ باہم ملا ہوا کلام ہے، جو کتنے پہلوؤں پر پھرتا ہے۔[1]

شیعی روایات ثابت کرتی ہیں کہ ہر آیت کا ایک باطنی معنی، بلکہ اس سے بھی زیادہ معانی ہوتے ہیں، حتی کہ انھوں نے کہا ہے کہ ہر آیت کے سات باطن ہیں، پھر ان لوگوں کے اندازے خطا ہوئے تو انھوں نے کہا کہ یقیناً ہر آیت کے ستر باطن ہیں اور اس بارے میں ان کی روایات معروف و مشہور ہوگئی۔ ایک شیعی عالم نے کہا ہے:

''کلامِ الٰہی کی ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، بلکہ مشہور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر آیت کے سات بطون اور ستر باطن ہیں۔''[2]

ہمیں معلوم نہیں کہ ان بطون کی حقیقت کیا ہے؟ جس معنی کے اثبات کی خاطر یہ لوگ ساری کوششیں کر رہے ہیں، وہ دو امور سے متجاوز نہیں ہے:

بارہ اماموں کی امامت کا اثبات یا ان کے مخالفین پر طعن اور ان کی تکفیر کرنا، پھر اتنے بطون اور خفیہ معانی بنانے کا کیا فائدہ ہے؟

شیعہ کے اس باطنی مذہب کی تائید کرنے والی روایات جن کے لیے بڑی مجلدات درکار ہوتی ہیں، ان کو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ یہ ان دو موضوعات سے متجاوز نہیں ہوتیں، انھوں نے کہا ہے:

''احادیث کی بہت بڑی تعداد، جو متواتر کے قریب ہے، دلالت کرتی ہے کہ آیات کے باطنی معانی اور ان کی تاویل، بلکہ آیات اور ان کی تفسیر کا بہت بڑا حصہ سادات اطہار کی فضیلت سے متعلق ہے، بلکہ واضح حق بات یہ ہے کہ فضل، انعام اور مدح و اکرام والی اکثر آیات، بلکہ وہ تمام آیات صرف ان (شیعہ) کے اور ان کے دوستوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور یقیناً ملامت، لعن طعن، ڈانٹ

---

[1] تفسير العياشي (۱/ ۱۱) البرقي: المحاسن (ص: ۳۰۰) البرهان في تفسير القرآن (۱/ ۲۰۔ ۲۱) تفسير الصافي (۱/ ۲۹) بحار الأنوار (۹۲/ ۹۵) وسائل الشيعة (۱۸/ ۱۴۲)

[2] أبو الحسن الشريف: مرآة الأنوار (ص: ۳)

ڈپٹ اور برائی بیان کرنے والے بیشتر فقرے، بلکہ ایسے تمام جملے ان کے مخالفین اور دشمنوں کے متعلق نازل ہوئے ہیں... یقیناً اللہ تعالیٰ نے بطنِ قرآن کا بیشتر حصہ امامت اور ولایت کی دعوت کے بارے میں مقرر کیا ہے، جیسے قرآن کے ظاہر کا اکثر حصہ توحید اور نبوت و رسالت کی دعوت سے متعلق مقرر کیا ہے۔''[1]

اس کی مزید تفصیل ''قرآن کا بیشتر حصہ شیعہ اور ان کے دشمنوں سے متعلق نازل ہوا ہے۔'' کے مسئلے میں بیان ہوگی۔

## اس رائے کا ناقدانہ جائزہ:

یقیناً قرآن عظیم میں اَسرار، توجیہات، اشارات اور کنایات موجود ہیں۔ یہ ایسا سمندر ہے، جس کے خزانے اور عجائب کم ہوتے ہیں نہ اس کے اعجاز ہی کی کوئی انتہا ہے۔ بہر حال ان تمام اشیا کے لیے الفاظ میں گنجایش ہوتی ہے اور یہ عام معانی کی حدود سے باہر نہیں ہوتیں، لیکن ان باطنیوں کا دعویٰ اس مقصد سے ناآشنا ہے۔ درحقیقت یہ اجنبی تاویلات جیسا کہ آگے آئے گا، قرآنی الفاظ کے مدلولات، مفہوم اور سیاق سے کوئی میل نہیں کھاتیں، بلکہ یہ مکمل طور پر قرآنی آیات کے مخالفت ہوتی ہیں، جن کا ہدف محض کتاب اللہ میں ایسی دلیل کو تلاش کرنا ہے، جو ان کے شذوذ کی تائید کرے اور اس کی غرض و غایت صرف کتاب اللہ اور دینِ الٰہی سے روکنا ہے۔ نیز نصوصِ شریعت کی تاویل میں اس باطنی نقطہ نظر کا نتیجہ مکمل طور پر دین سے باہر ہونا ہے۔[2]

تمام انسان اختلافِ لغات کے باوصف کسی بات کا معنی سمجھنے کے لیے ظاہری کلام پر ہی اعتماد کرتے ہیں اور پہیلیوں معماؤں کے اسلوب کا وجود تو صرف اور صرف باطنی فکر ہی میں ملتا ہے۔ اگر اس اسلوب کو ایک اصول بنا لیا جائے تو باہم دگر ایک دوسرے کی بات سمجھنا ناممکن ہو جائے اور کسی بات پر بھی اعتماد نہ ہو، کیوں کہ باطنی معانی کا کوئی قانون ہے نہ کوئی نظام!!

اس رائے پر غور وفکر کرنے والا تفسیرِ قرآن میں اس باطنی نقطہ نظر کی سنگینی کا ادراک کر لیتا ہے کہ یہ الفاظ پر اعتماد کے بطلان کا تقاضا کرتا اور اللہ و رسول کے کلام سے استفادہ کرنا ختم کر ڈالتا ہے، کیوں کہ جو بات ظاہری الفاظ کو دیکھ کر فوراً سمجھ میں آئے گی، وہ قابل اعتماد قرار نہیں پائے گی اور باطن کا کوئی قاعدہ قانون نہیں،

---

[1] المصدر السابق (ص: ٣)

[2] فتح الباري لابن حجر (١/ ٢١٦)

بلکہ اس میں خیالات کا تعارض یقینی ہے اور اس سے مختلف معانی پیدا کرنے کا امکان ہوتا ہے۔

چنانچہ فرقہ باطنیہ آیات کے ظواہر کی تاویل اور اپنے حسبِ منشا ان کا مطلب نکالنے کے ذریعے سے تمام شریعت ہی کو ختم کر دینے کے درپے ہے۔ اگر یہ باطنی تاویلات ہی قرآن کے معانی اور دلالات ہوتیں تو اس صورت میں اعجازِ قرآن وقوع پذیر نہ ہوتا، بلکہ یہ تو ایک چیستان بن جاتا، جبکہ عرب قرآن مجید کو اس کے ظاہری معانی کے ذریعے ہی سے سمجھتے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے باطنی علم یا باطن کو جان لینے کا دعویٰ کیا، جو ظاہری علم کے خلاف ہوتا ہے، تو وہ خطاکار ہے، جو ملحد زندیق ہے یا ضلالت کا شکار ایک جاہل ہے۔ باطن جو ظاہری طور پر معلوم ہونے والی بات کے مخالف ہوتا ہے، اس کی مثال اسماعیلیہ اور نصیریہ جیسے فرقوں میں سے باطنیہ قرامطہ کے دعویٰ جات ہیں۔''

پھر فرماتے ہیں:

''فرقہ باطنیہ آیت ﴿وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ [یٰس: ۱۲] کی تفسیر میں علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں اور اس آیت ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ [التوبة: ۱۲] سے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما مراد لیتے ہیں اور ان الفاظ ﴿وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ﴾ [الاسراء: ٦٠] سے بنو امیہ مراد لیتے ہیں۔'' [1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نقل کردہ تاویلات جسے انھوں نے باطنیہ کی طرف منسوب کیا ہے، بعینہٖ اثنا عشریہ کی کتب میں موجود ہیں، چنانچہ پہلی آیت ﴿وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ [یٰس: ۱۲] کی تفسیر شیعہ کی پانچ یا اس سے بھی زیادہ روایات میں مروی ہے، [2] جو اُن کی معتبر کتابوں میں درج شدہ ہے، [3] حالاں کہ اس آیت میں شیعی تاویل کی ادنا دلالت بھی نہیں پائی جاتی۔ [4]

اسی طرح دوسری آیت ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ [التوبة: ۱۲] کی مذکورہ بالا تاویل اثنا عشریہ کی کئی معتبر

---

[1] مجموع الفتاویٰ (۱۳/ ۲۳٦۔ ۲۳۷)

[2] دیکھیں: اللوامع النورانية في أسماء علي و أهل بيته القرآنية، لهاشم البحراني (ص: ۳۲۱، ۳۲۳)

[3] اس سلسلے میں دیکھیں: تفسير القمي (۲/ ۲۱۲) ابن بابويه القمي: معاني الأخبار (ص: ۹۵) هاشم البحراني: تفسير البرهان (٤/ ٦۔ ۷) الكاشاني: تفسير الصافي (٤/ ۲٤۷) تفسير شبر (ص: ٤۱٦)

[4] ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہاں امام مبین سے مراد ام الکتب (لوح محفوظ) ہے، یعنی کائنات میں رونما ہونے والے تمام امور لوحِ محفوظ میں ایک پائیدار کتاب میں رقم کیے گئے ہیں۔ دیکھیں: تفسير ابن كثير (۳/ ٥۹۱)

کتابوں میں مروی ہے،[1] جس کی روایات کی تعداد آٹھ سے بھی زیادہ ہے۔[2] ایسے ہی تیسری ﴿وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ﴾ [الاسراء: ٦٠] کی تفسیر بھی شیخ الاسلام کے قول کے مطابق اثناعشریہ کے ہاں بارہ سے زیادہ روایات میں موجود ہے[3] اور اس تاویل کو شیعہ کے متعدد معتبر مصادر نے نقل کیا ہے۔[4]

عن قریب ہم ملاحظہ کریں گے کہ شیعہ نے اس سے بھی زیادہ اور بڑی باتیں کہی ہیں۔ یہ نقل کرنے سے ہمارا مقصد اس حقیقت کو عیاں کرنا ہے کہ علمائے اسلام نے باطنیہ کی جو شاذ تاویلات ذکر کی ہیں، اب فرقہ اثناعشریہ ان کا وارث بنا ہے اور یہ اشیا ان کا منہج بن گئی ہیں۔ علمائے اسلام ہمیشہ اس باطنی تاویل کی مذمت کرتے رہے ہیں، کیوں کہ ''جس نے صحابہ و تابعین سے معروف تفسیر کے علاوہ قرآن مجید کی کوئی اور تفسیر اور مطلب بیان کیا، تو وہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرنے والا اور آیاتِ الٰہیہ میں الحاد اور کلمات کو ان کے حقیقی مقام سے پھیرنے والا ہے، یہ درحقیقت زندیقیت اور الحاد کا دروازہ کھولنا ہے، جس کا بطلان دینِ اسلام میں یقینی طور پر بداہتاً معلوم ہے۔''[5]

علمائے سلف کو باطنیہ کی جن تاویلات کا علم ہوا ہے، ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے، بہ نسبت اس کے جن کا آج نجف اور طہران کے چھاپہ خانوں (پریس) نے انکشاف کیا ہے اور جو نئے مقالات کے ذریعے معرضِ وجود میں آئے ہیں، جنھیں مکر و فریب کے ہاتھ نے گھڑا ہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے کہ ان لوگوں نے بہت سی قرآنی آیات کی اسی باطنی تاویل کی طرز پر تفسیر کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ قرآنی آیات کا بیشتر حصہ شیعہ اور ان کے دشمنوں سے متعلق نازل ہوا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل مسئلے میں واضح ہوگا۔

## دوسرا مسئلہ: شیعہ کا دعویٰ کہ بیشتر قرآن شیعہ اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا:

شیعہ کہتے ہیں کہ یقیناً ''قرآن کا اکثر حصہ ان (بارہ اماموں) کے اور ان کے دشمنوں کے متعلق نازل

[1] دیکھیں: تفسیر البرهان (٢/ ١٠٦۔ ١٠٧) تفسیر الصافي (٢/ ٣٢٤) تفسیر العیاشي (٢/ ٧٧۔ ٧٨) نیز دیکھیں: تفسیر القمي (١/ ٢٨٣)

[2] حوالا جات سابقه.

[3] دیکھیں: تفسیر البرهان (٢/ ٤٢٤۔ ٤٢٥)

[4] دیکھیں: تفسیر القمي (٢/ ٢١) تفسیر العیاشي (٢/ ٢٩٧) تفسیر الصافي (٣/ ١٩٩۔ ٢٠٢) تفسیر البرهان (٢/ ٤٢٤) تفسیر شبر (ص: ٢٨٤) نیز دیکھیں: مقتبس الأثر (دائرة المعارف الشیعیة: ٢٠/ ٢١)

[5] مجموع الفتاویٰ (١٣/ ٢٤٣)

ہوا ہے۔“[1] حالاں کہ اگر آپ عربی لغت کی تمام ڈکشنریاں سامنے رکھ کر قرآن مجید کی چھان بین کریں اور ان بارہ اماموں کا صرف نام ہی تلاش کریں تو ہرگز ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملے گا، لیکن اس کے باوجود شیعی عالم بحرانی دعوی کرتا ہے کہ تنہا علی (رضی اللہ عنہ) کا قرآن مجید میں ایک ہزار ایک سو چون (۱۱۵۴) مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور اس نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے، جس کا نام ”اللوامع النورانية في أسماء علي وأهل بيته القرآنية“[2] رکھا ہے۔ یہ شخص اس کتاب میں عربی لغت کے ہر قاعدے قانون کو توڑتا، عقل و منطق کے ہر اصول سے تجاوز کرتا اور اس کتاب میں رقم کردہ اپنی تحریفات کے ذریعے اپنی قوم کو رسوا کرتا ہے۔ یہ تاویلات اور تحریفات اس سے قبل مختلف مقامات پر بکھری ہوئی اور غیر معروف تھیں، لیکن اس نے انھیں شیعہ کے معتبر مصادر سے نقل کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

بعض شیعی روایات میں مذکور ہے:

”یقیناً قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے۔ ایک حصہ حلال (کے بارے میں) ہے، ایک حصہ حرام (سے متعلق) ہے، ایک حصہ سنن و احکام (سے متعلق) ہے اور ایک حصہ تم سے پہلے اور بعد کی خبروں اور تمھارے درمیان (نزاعات کے) فیصلوں پر مشتمل ہے۔“[3]

اس روایت کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید میں کہیں بھی ائمہ شیعہ کا صراحتاً ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسری شیعی روایت کتاب اللہ کو ایک اور طرح سے تقسیم کرتی ہے، جس میں ائمہ شیعہ اور ان کے مخالفین کے لیے قرآن کا ایک تہائی حصہ رکھا ہے، گویا یہ روایت اس نسیان کی تلافی کی کوشش کرتی ہے، جو مذکورہ بالا روایت میں ائمہ کے ذکر سے متعلق سرزد ہوا ہے، البتہ یہ روایت ائمہ شیعہ اور ان کے مخالفین کے لیے بیشتر قرآن نہیں، بلکہ اس کا ایک تہائی حصہ مقرر کرتی ہے۔ اس روایت میں مذکور ہے:

”قرآن تین حصوں میں نازل ہوا ہے۔ ایک حصہ ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے، ایک حصے میں سنن اور مثالیں ہیں اور ایک حصہ فرائض و اَحکام پر مشتمل ہے۔“[4]

لیکن ایک تیسری روایت ملاحظہ کریں، جس میں ائمہ شیعہ اور ان کے مخالفین کا حصہ ایک تہائی سے بڑھا

---

[1] تفسير الصافي (١/ ٢٤) مولف نے اس روایت کو اپنی کتاب کے مقدمہ ثانیہ کا عنوان بنایا ہے۔
[2] یہ کتاب مطبعہ علمیہ قم (ایران) میں ۱۳۹۴ھ کو طبع ہوئی ہے۔
[3] أصول الكافي (٢/ ٦٢٧)
[4] أصول الكافي (٢/ ٦٢٧) تفسير البرهان (١/ ٢١) تفسير الصافي (١/ ٢٤) اللوامع النورانية (ص: ٦)

کر آدھا کر دیا گیا ہے۔ اس روایت میں مذکور ہے:

''قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے۔ ایک حصہ ہمارے متعلق ہے، دوسرا حصہ ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے، تیسرا حصہ سنن اور امثال ہیں اور چوتھا حصہ فرائض و احکام کے بارے میں ہے۔''[1]

ملاحظہ کریں کہ تقسیم مذکور کی رو سے ائمہ شیعہ کو قرآن میں اپنے مخالفین کے مقابلے میں کوئی امتیازی خصوصیت حاصل نہیں ہے، چنانچہ بعض شیعی علما نے اس اَمر کو بھانپ لیا اور سابق الذکر متن کے ساتھ ہی ایک چوتھی روایت وضع کی، البتہ اس میں اتنا اضافہ کیا: ''وَلَنَا كَرَائِمُ الْقُرْآنِ''[2] یعنی قرآن کے عمدہ اور بہترین مقامات ہمارے لیے ہیں۔ تفسیر صافی کے مولف نے بھی اس طرف اشارہ کیا اور کہا ہے:

''عیاشی نے اسی روایت میں ان الفاظ ''وَلَنَا كَرَائِمُ الْقُرْآنِ'' کا اضافہ کیا ہے۔''[3]

اس سے شیعہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن کا اکثر حصہ ان کے اور ان کے مخالفین کے متعلق نازل ہوا ہے۔ شیعہ عالم فیض الکاشانی (الوافی کا مولف، جو شیعہ کی حدیث کے معتبر مصادر میں سے ایک ہے) کہتا ہے:

''اہلِ بیت سے بہ کثرت ایسی روایات مروی ہیں، جن میں انھوں نے قرآنی آیات کی اپنے اور اپنے اولیا اور اپنے مخالفین کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے، حتی کہ ہمارے اصحاب نے کئی کتب تالیف کی ہیں، جن میں انھوں نے قرآن کی تاویل میں اہلِ بیت سے جو کچھ مروی ہے، اسے ترتیبِ قرآن کے مطابق ایک ایک آیت کر کے جمع کیا ہے، جو ان (ائمہ شیعہ) کے اور ان کے متبعین (شیعہ) کے بارے میں ہے یا ان کے دشمن سے متعلق ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کتاب دیکھی ہے، جو تقریباً بیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے، اسی طرح اصولِ کافی، تفسیر عیاشی، تفسیر القمی اور ابو محمد الزکی سے سماعت شدہ تفسیر میں اس قسم کی بہت زیادہ روایات ہیں۔''[4]

یہ شیعہ کے ایک بہت بڑے اور قابلِ اعتماد عالم کی گواہی یا اعتراف ہے، جو شیعہ کے درمیان اس رائے کی پذیرائی کی توثیق کرتا اور اس کی بھی کہ یہ رائے شیعہ کی معتبر کتبِ تفسیر اور ان کی صحیح ترین کتبِ حدیث میں

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٦٢٧) تفسير البرهان (١/ ٢١)

[2] تفسير العياشي (١/ ٩) تفسير فرات (ص: ١، ٢) بحار الأنوار (٢٤/ ٣٠٥) الكراجكي: كنز الفوائد (ص: ٢) تفسير البرهان (١/ ٢١) اللوامع النورانية (ص: ٧)

[3] تفسير الصافي (١/ ٢٤)

[4] الكاشاني: تفسير الصافي (١/ ٢٤۔ ٢٥)

ایک بنیادی اصول بن چکی ہے، جس کی وجہ سے انھوں نے کتاب اللہ کو اس کے صحیح معانی سے پھیر دیا ہے، اس میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے اور اسے لوگوں کے ہاتھوں میں متداول کتاب سے علاحدہ کوئی اور ہی کتاب بنا دیا ہے!!

یہ لوگ اسی کو ایک بنیادی اصول اور قاعدہ شمار کرتے ہیں، حتی کہ ایک شیعی عالم نے کہا ہے:

''قرآنی آیات نازل کرنے کا اصل مقصد صرف نبی اور ائمہ ۔صلوات اللہ علیہم۔ کی ولایت کی طرف راہنمائی کرنا ہے، کیوں کہ قرآن میں جو خیر اور بھلائی بھی بتائی ہے، وہ ان میں اور ان کے پیروکاروں اور ان کے واقف کاروں میں موجود ہے اور اس (قرآن) میں جو برائی مذکور ہے، وہ ان کے دشمنوں اور مخالفین پر صادق آتی ہے۔''[1]

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ علما قرآنی آیات کی تحریف اور اس نظریے کی تطبیق میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شیعی عالم حر العاملی اپنی کتاب ''الفصول المهمة في أصول الأئمة'' میں مندرجہ ذیل عنوان سے ایک باب قائم کرتا ہے:

''باب أن كل ما في القرآن من آيات التحليل والتحريم، فالمراد بها ظاهرها، والمراد بباطنها أئمة العدل والجور''[2]

''باب: یقیناً قرآن مجید میں جو حلال و حرام سے متعلقہ آیات موجود ہیں، ظاہری طور پر ان سے یہی (حلال و حرام) مراد ہے، لیکن باطنی لحاظ سے ان سے عادل اور ظالم حکمران مقصود ہیں۔''

یہ مولف احکامِ حلال سے متعلقہ آیات سے اپنے ائمہ (شیعہ) مراد لیتا ہے اور آیاتِ حرام سے اس کا مقصود سیدنا علی اور دیگر گیارہ اماموں کے علاوہ تمام خلفائے مسلمین ہیں۔ یقیناً یہ اباحیت کا ایک دروازہ ہے، جس پر باطنیہ کا مذہب استوار ہے، لیکن یہ نظریہ ائمہ شیعہ کا بنیادی اصول شمار ہوتا ہے۔

شیعہ کی صحیح ترین کتاب ''الكافي'' میں اس بارے میں بہت سی روایات مروی ہیں، جس کا اگر آپ مندرجہ ذیل ایک باب ہی مطالعہ کریں گے:

''باب فيه نكت ونتف من التنزيل في الولاية''

---

[1] أبو الحسن الشريف: مرآة الأنوار ـ مقدمة البرهان ـ (ص: ٤) اللوامع النورانية (ص: ٥٤٨)

[2] الفصول المهمة في أصول الأئمة (ص: ٢٥٦)

یعنی اس باب میں قرآن مجید سے ولایت کے متعلق نکات اور معارف کا بیان ہے۔

تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ کس طرح اصولِ کافی کے مولف نے اس ایک ہی باب میں اکانوے روایات جمع کر دی ہیں اور ان کی بدولت قرآنی آیات کے معانی میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔[1] یہ اس طرز پر کئی ابواب کے مجموعے میں سے صرف ایک باب ہے[2] اور یہ سارے ابواب ایسی دسیوں روایات پر مشتمل ہیں، جو کتاب اللہ کو ایک شیعہ کتاب بنا دیتی ہیں، جس کا صرف ایک ہی موضوع ہے، یعنی ائمہ شیعہ اور ان کے پیروکار اور ان کے مخالفین!!

شیعہ کی معتبر ترین حدیث کی کتاب "بحار الأنوار" میں ایسے ابواب بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں، جو شیعہ کے نزدیک تفسیرِ قرآن کے اصول و قواعد کا درجہ رکھتے ہیں۔ مولف نے کتاب میں بہت زیادہ ایسی روایات جمع کی ہیں، جو سب کی سب کتاب اللہ کے بارے میں اسی نظریے کی تائید کرتی ہیں۔ اگر آپ محض ان ابواب کے عناوین پڑھ لیں تو آپ بہ خوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ اصول و قواعد لغتِ عرب، عقل اور اصولِ دین کے کس قدر مخالف اور کتاب اللہ میں الحاد اور اس کے معانی میں تحریف کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ ذیل میں ہم ان عناوین میں سے بعض کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ملا باقر مجلسی رقم طراز ہے:

* "باب تأويل المؤمنين والإيمان والمسلمين والإسلام بهم وبولايتهم عليهم السلام، والكفار والمشركين، والكفر والشرك، والجبت والطاغوت، واللات والعزى، والأصنام بأعدائهم و مخالفيهم"[3]

 یعنی اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ (قرآن مجید میں) ایمان و مومنین اور اسلام و مسلمین سے مراد ائمہ اور ان کی ولایت ہے، جبکہ کفار و مشرکین، کفر و شرک، جبت و طاغوت، لات و عزی اور اصنام سے مراد ائمہ شیعہ کے دشمن اور ان کے مخالفین مقصود ہیں۔ پھر مولف نے اس باب کے تحت سو احادیث ذکر کی ہیں۔

---

[1] أصول الكافي (١/ ٤١٢ وما بعدها)

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: باب أن الأئمة ـ ﷺ ـ العلامات التي ذكرها الله عز و جل في كتابه (أصول الكافي: ١/ ٢٠٦) باب أن الآيات التي ذكرها الله عز وجل في كتابه هم الأئمة (أصول الكافي: ١/ ٢٠٧) باب أن أهل الذكر الذين أمر الله الخلق بسؤالهم هم الأئمة (أصول الكافي: ١/ ٢١٠) وغيرها من الأبواب.

[3] بحار الأنوار (٢٣/ ٣٥٤ـ ٣٩٠)

* "باب أنهم -عليهم السلام- الأبرار والمتقون، والسابقون والمقربون، وشيعتهم أصحاب اليمين، وأعداؤهم الفجار والأشرار وأصحاب الشمال"[1]

یعنی اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ (قرآن مجید میں) ابرار ومتقین اور سابقین ومقربین سے ائمہ شیعہ اور اصحاب الیمین سے ان کے پیروکار (شیعہ) مراد ہیں، جبکہ ان کے دشمن فجار اور اَشرار اور اصحاب الشمال ہیں۔ مولف نے اس باب میں پچیس شیعی روایات ذکر کی ہیں۔

* "باب أنهم -عليهم السلام- وولايتهم العدل والمعروف والإحسان والقسط والميزان، وترك ولايتهم وأعدائهم الكفر والفسوق والعصيان والفحشاء والمنكر والبغي"[1]

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ (قرآن مجید میں) عدل ومعروف، قسط واحسان اور میزان سے مراد ائمہ شیعہ اور ان کی ولایت ہے، جبکہ کفر وفسوق، عصیان وفحشا اور بغی ومنکر سے مقصود ائمہ کی ولایت ترک کرنا اور ان کے دشمن ہیں۔ پھر مولف نے اس باب میں چودہ شیعی روایات درج کی ہیں۔

اسی قسم کے دوسرے ابواب ہیں، جیسا کہ آگے آئے گا، جو دینِ اسلام کو تبدیل کرنے کی سازش کو بے نقاب کرتے ہیں، بایں طور کہ انھوں نے اسلام کے تمام معانی ومفاہیم کو صرف ایک آدمی کی بیعت میں منحصر کر دیا ہے اور عبادتِ الٰہی میں شرک، ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ کفر اور طواغیت واصنام کا مفہوم بدل کر انھیں عجیب وغریب معانی میں ڈھال دیا ہے، جو ان بہتان طرازیوں اور افترا پردازیوں کو گھڑنے والے کے پس پردہ مقصد کو عیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر قیامت قائم ہونے تک بارہ اماموں کے علاوہ جتنے بھی مسلمانوں کے خلفا ہیں اور دنیا کے ختم ہونے تک جس نے بھی صحابہ اور بعد والے لوگوں نے ان خلفا کی بیعت کی ہے، وہ سب کے سب ائمہ شیعہ کے دشمن ہیں۔ یہی وہ دشمن ہیں، جن کے ساتھ کفر وشرک والے الفاظ کی تاویل اور تفسیر کی جاتی ہے، جیسا کہ عن قریب امامت کے مبحث میں آگے آئے گا۔

پس ایمان کے ارکان اور اسلام کے اصول ومبادی اور شرائع واحکام کہاں ہیں؟! یہ سارے کے سارے امامت میں منحصر ہو چکے ہیں اور شرک وکفر اور اصنام کا حصہ بن چکے ہیں، کیوں کہ شرک وکفر سے مراد صرف اور صرف امام کے ساتھ شرک اور اس کی ولایت کے ساتھ کفر ہے، جیسا کہ یہ روایات دلالت کرتی ہیں۔ کیا اس

---

[1] بحار الأنوار (٢٤/ ١ـ ٩)

[2] بحار الأنوار (٢٤/ ١٨٧ـ ١٩١)

سے بڑھ کر بھی کوئی کفر اور زندیقیت ہوسکتی ہے؟ کیا کسی کینہ پرور دشمن کی سازش اس سے بھی تجاوز کر سکتی ہے؟ اگرچہ یہ ایک جاہل محض کی رچائی ہوئی سازش ہے، کیوں کہ اس کا فساد بڑا واضح اور بطلان بڑا ظاہر ہے، لیکن ایک عقل مند مسلمان کی بصیرت یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ کس طرح کروڑوں کی تعداد میں ایک گروہ ان لغویات اور اباطیل کا اسیر رہ کر زندگی گزارتا ہے؟!

ہم دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہوئے ''بحار الانوار'' کے بعض ابواب کا ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں:

* "باب أنهم الصلاة والزكاة والحج والصيام وسائر الطاعات، وأعداؤهم الفواحش والمعاصي"

''باب: یقیناً (قرآن مجید میں) صلات وزکات اور حج وصیام سے مراد ائمہ اور فواحش و معاصی سے ان کے مخالفین مراد ہیں۔'' یہ باب سترہ روایات پر مشتمل ہے۔[1]

بعینہٖ یہی باطنیہ کا مذہب ہے، ''جو شرعی احکامات اور ممنوعات کی ایسی باطنی تاویلات کرتے ہیں، جو مسلمانوں کے عرف کے مخالف ہیں اور جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ رسولوں۔ صلوات اللّٰه عليهم۔ پر کذب و افترا، اللہ و رسول کے کلام کی حقیقی معنوں سے تحریف اور آیاتِ الٰہیہ میں الحاد ہے۔''[2]

"بحار الأنوار" کا مولف اپنی کتاب میں مسلسل ایسے ہی ابواب رقم کرتا ہے، تاکہ ان ابواب کے ذریعے سے ہمارے سامنے اثنا عشریہ کی حقیقت کو صحیح طرح سے پیش کر سکے، کیوں کہ اس نے یہ کتاب دولت صفویہ کے زیرِ سایہ لکھی تھی، جب کسی حد تک تقیہ ختم ہو چکا تھا۔ یہ مولف مزید لکھتا ہے:

* "باب أنهم ـعليهم السلامـ آيات اللّٰه وبيناته وكتابه"

یعنی ائمہ ہی اللہ تعالیٰ کی آیات و بینات اور اس کی کتاب ہیں۔ اس باب میں بیس (۲۰) روایات ہیں۔[3]

* "وباب أنهم السبع المثاني"

یعنی ائمہ ہی سبع مثانی (سات بار بار دہرائی جانے والی آیات) ہیں۔ اس باب میں دس (۱۰) روایات ہیں۔[4]

* "وباب أنهم ـعليهم السلامـ الصافون والمسبحون وصاحب المقام المعلوم وحملة

---

[1] بحار الأنوار (۲٤/ ۲۸٦۔ ۲۰٤)

[2] مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية (۳/ ۲۹)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (۲۳/ ۲۰٦۔ ۲۱۱)

[4] المصدر السابق (۲٤/ ۱۱٤۔ ۱۱۸)

عرش الرحمن، وأنهم السفرة الكرام البررة"
یعنی ائمہ ہی صف بندی کرنے والے، تسبیح کرنے والے، مقام معلوم کے وارث، عرش الٰہی کو اٹھانے والے اور معزز و مکرم فرشتے ہیں۔ اس باب میں گیارہ (۱۱) روایات ہیں۔[1]

❋ "وباب أنهم كلمات الله"
یعنی ائمہ ہی اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں۔ اس باب میں پچیس (۲۵) روایات ہیں۔[2]

❋ "وباب أنهم حرمات الله"
یعنی ائمہ ہی اللہ تعالیٰ کی حرمات ہیں۔ اس باب میں چھے (۶) روایات ہیں۔[3]

❋ "وباب أنهم الذكر وأهل الذكر"
یعنی ائمہ ہی ذکر اور اہلِ ذکر ہیں۔ اس باب میں پینسٹھ (۶۵) روایات ہیں۔[4]

❋ "وباب أنهم أنوار الله"
یعنی ائمہ ہی اللہ تعالیٰ کے انوار ہیں۔ اس باب میں بیالیس (۴۲) روایات ہیں۔[5]

❋ "وباب أنهم خير أمة وخير أئمة أخرجت للناس"
یعنی وہ بہترین امت اور بہترین ائمہ ہیں، جنھیں لوگوں کے لیے نکالا (پیدا کیا) گیا ہے۔ اس باب میں چوبیس (۲۴) روایات ہیں۔[6]

❋ "وباب أنهم المظلومون"
یعنی ائمہ ہی مظلوم ہیں، اس باب میں سینتیس (۳۷) روایات ہیں۔[7]

❋ "باب أنهم المستضعفون"
یعنی ائمہ ہی کمزور ہیں۔ اس باب میں تیرہ (۱۳) روایات ہیں۔[8]

---

[1] المصدر السابق (٢٤/ ٨٧ـ ٩١)
[2] المصدر السابق (٢٤/ ١٧٣ـ ١٨٤)
[3] المصدر السابق (٢٤/ ١٨٥ـ ١٨٦)
[4] المصدر السابق (٢٤/ ١٧٢ـ ١٨٨)
[5] المصدر السابق (٢٤/ ٣٠٤ـ ٣٢٥)
[6] المصدر السابق (٢٤/ ١٥٣ـ ١٥٨)
[7] المصدر السابق (٢٤/ ٢٢١ـ ٢٣١)
[8] المصدر السابق (٢٤/ ١٦٧ـ ١٧٣)

* "باب أنهم أهل الأعراف الذين ذكرهم الله في القرآن"

**یعنی قرآن مجید میں ذکر کردہ اصحابِ اعراف سے مراد ائمہ ہی ہیں۔ اس باب میں بیس روایات ہیں۔**[1]

* "باب تأويل الوالدين والولد والأرحام وذوي القربىٰ بهم -علیہم السلام-"

**یعنی (قرآن مجید میں) والدین، اولاد، اَرحام اور ذوی القربیٰ کی تفسیر ائمہ علیہم السلام سے کرنا۔ اس باب میں تیئیس (۲۳) روایات ہیں۔**[2]

پس ائمہ، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، کبھی فرشتے ہوتے ہیں اور کبھی آسمانی کتابیں یا انوارِ الٰہیہ بن جاتے ہیں... لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مظلوم اور ضعیف بھی ہیں۔ ان دعویٰ جات پر کوئی تنقید کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ شریعت اور اصولِ دین کے بجائے یہ لغت اور عقل ہی کی رو سے مردود ہیں، بلکہ یہ عناوین ہی آپس میں ایک دوسرے سے متضاد ہیں، لیکن یہ مولف اسی نہج پر چلتا ہے، حتی کہ جمادات تک کی ائمہ شیعہ سے تفسیر وتاویل کرتا اور کہتا ہے:

* "باب أنهم الماء المعين، والبئر المعطلة، والقصر المشيد، وتأويل السحاب، والمطر، والظل، والفواكه وسائر المنافع بعلمهم وبركاتهم"[3]

**یعنی ائمہ ہی ماءِ معین، بئرِ معطلہ اور قصرِ مشید ہیں اور سحاب، مطر، ظل، فواکہ اور دیگر منافع سے ائمہ کا علم اور ان کی برکات مراد ہیں۔ اس باب میں مولف نے اکیس روایات درج کی ہیں، جو اس نے حسبِ عادت شیعہ کی متعدد معتبر کتابوں سے منتخب کی ہیں۔**

یہ مولف غلو ومبالغہ کرتے اور تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے اوصافِ باری تعالیٰ تک جا پہنچتا اور کہتا ہے:

* "باب أنهم جنب الله وروحه ويد الله وأمثالها"

**یعنی ائمہ ہی جنبِ الٰہی، اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا ہاتھ وغیرہ ہیں، اس باب میں چھتیس (۳۶) روایات ہیں۔**[4]

---

[1] المصدر السابق (۲۴/ ۲۴۷۔ ۲۵۶)

[2] المصدر السابق (۲۴/ ۲۵۷۔ ۲۷۲)

[3] البحار (۲۴/ ۱۰۰۔ ۱۱۰)

[4] بحار الأنوار (۲۴/ ۱۹۱۔ ۲۰۳)

مولفِ بحار اپنے ائمہ کو کعبہ اور قبلہ تک بنا دیتا ہے، اس سلسلے میں اس نے ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے:

* "باب أنهم -رضي الله عنهم- حزب الله وبقيته وكعبته وقبلته وأن الأثارة من العلم علم الأوصياء"

یعنی ائمہ شیعہ ہی اللہ کی جماعت، بقیہ، کعبہ[1] اور اس کا قبلہ ہیں اور "أثارة من علم" سے مراد اوصیا کا علم ہے۔ اس باب میں سات روایات ہیں۔

مولف ''بحار الانوار'' اپنے ذکر کردہ کئی ابواب میں اسی طرح حد سے تجاوز کرنے کی روش پر قائم رہتا ہے، جو درحقیقت شیعہ مذہب کی بلیغ ترین اور شدید ترین تردید وتنقید سے عبارت ہے اور ان کی عمارت کو جڑوں سے اکھاڑتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ دینِ اسلام کی عظمت و رفعت کو بھی مضبوط کرتا ہے، کیوں کہ تمام اشیا کی صحیح پہچان ان کی مخالف چیزوں ہی سے ہوتی ہے۔ پس اگر کڑواہٹ نہ ہوتی تو مٹھاس کا ذائقہ بھی معلوم نہ ہوتا۔

یہ تاویلات مسیلمہ کذاب کی کاوشوں اور چالبازیوں سے بڑی واضح مشابہت رکھتی ہیں، جو حقیقت میں اس امر کی بڑی واضح دلیل فراہم کرتی ہیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں، اسے ہر وہ شخص جانتا ہے، جو دینِ اسلام اور اس کے اصول وقواعد تو ایک طرف صرف عربی لغت ہی سے ادنا تعلق رکھتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن واضح عربی زبان میں نازل کیا ہے۔

شیعہ کے نزدیک معتبر کتاب "بحار الأنوار" ائمہ شیعہ کو قریب قریب ہر اس چیز کا مصداق ٹھہراتی ہے، جو قرآن میں مذکور ہے۔ مولفِ بحار کتاب کے ابواب میں اپنی خواہش اور تعصب کے حسبِ منشا جس کا چاہتا ہے، اثبات کرتا ہے، حتی کہ اپنے ہر طرح کے خیالات اور تصورات کو کسی رسوائی اور بے حیائی سے بے خوف ہو کر ان ابواب میں رقم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

* "باب أنهم البحر واللؤلؤ والمرجان" یعنی ائمہ سمندر اور لؤ لؤ و مرجان ہیں۔ یہ بات سات (۷) روایات پر مشتمل ہے۔[2]

---

[1] فرقہ بوہرہ (پاک و ہند کے اسماعیلی) اسی لیے حج کرتے ہیں، کیوں کہ وہ کعبہ کو اپنے امام علی کی علامت سمجھتے ہیں۔ (إسلام بلا مذاهب، ص: ٢٤) ان لوگوں نے یہ ملحدانہ نظریہ انھی روایات سے اخذ کیا ہے، کیوں کہ روافض ہی باطنی فرقوں کے غلو کا دروازہ ہیں۔

[2] بحار الأنوار (٢٤/ ٩٧۔ ٩٩)

کیا ائمہ شیعہ جمادات ہیں یا یہ ان کا کوئی خفیہ اشارہ اور کوڈ ورڈ ہیں؟ لیکن یہ جمادات بھی نہیں، کیوں کہ یہی مولف ایک باب بایں عنوان قائم کرتا ہے:

* "باب أنهم الناس"، یعنی ائمہ شیعہ انسان ہیں۔ اس باب میں صرف تین (۳) روایات مذکور ہیں۔[1]

مولفِ بحار اس باب میں یہ ثابت کرتا ہے کہ ائمہ کے علاوہ دوسرے لوگ انسان نہیں ہیں، پھر وہ اپنے غریب و شاذ مذہب کی شرح وتفصیل کی طرف لوٹتا ہے، جو علمائے سلف کے ہاں اثنا عشریہ کا مذہب معروف نہیں تھا، بلکہ یہ باطنیہ کا مشہور مذہب تھا۔[2]

چنانچہ مولفِ بحار ایک باب اس عنوان کے ساتھ رقم کرتا ہے:

* "باب نادر في تأويل النحل بهم" یعنی نحل کی تفسیر ائمہ کے ساتھ کرنے کا نادر و نایاب باب۔

اس باب میں مولف نے سات (۷) روایات ذکر کی ہیں۔[3]

ایک اور باب اس عنوان سے قائم کیا ہے:

* "باب في تأويل الأيام والشهور بالأئمة" یعنی ایام وشہور کی تاویل وتفسیر ائمہ سے کرنا۔[4]

اگر ہم ان ابواب کی احادیث کو نقل اور ان کا تجزیہ وتنقید کرنے لگیں تو اس کے لیے کئی مجلدات درکار ہوں گی۔ ہم نے یہاں صرف اس لیے ابواب ہی کے ذکر کو ترجیح دی ہے، تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے قصداً وہ روایات ذکر کی ہیں، جو شیعہ کے ہاں شاذ ہیں۔ اسی طرح ہم اس کے بعد ان ابواب کی چند روایات بطورِ مثال ذکر کریں گے اور ان میں سے بھی عموماً وہی روایات منتخب کریں گے، جو شیعہ کی متعدد معتبر کتب میں موجود ہوں گی۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے جن ابواب کا تذکرہ کیا ہے، یہ حقیقت میں ایسے بہت زیادہ ابواب میں سے چند ایک ہیں، جو شیعہ کے حدیثی انسائیکلو پیڈیا "بحار الأنوار" میں مذکور ہیں، جس کے بارے میں شیعہ کے معاصر علما نے کہا کہ ''وہ علومِ حدیث کی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔''[5] ''ایسی جامع کتاب اس سے پہلے اور بعد میں کبھی نہیں لکھی گئی۔''[6] ''یہ کتاب (اس شخص کے لیے) ایک بنیادی مصدر بن چکی ہے، جو علومِ آلِ محمد ﷺ

---

[1] بحار الأنوار (۲٤/ ۹٤۔ ۹٦)

[2] بعض شیعی علما نے ذکر کیا ہے کہ ہر زمانے میں مذہب تبدیل ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل ''شیعہ معاصرین اور ان کا اپنے اسلاف سے تعلق'' کے باب میں آئے گی۔

[3] بحار الأنوار (۲٤/ ۱۱۰۔ ۱۱۳)

[4] المصدر السابق (۲٤/ ۲۳۸۔ ۲٤۳)

[5] محسن الأمين: أعيان الشيعة (۱/ ۲۹۳)

[6] آغا بزرگ الطهراني: الذريعة (۳/ ۲٦)

کے دروازوں میں سے کسی دروازے کا متلاشی ہے۔"[1] "یہ کتاب (شیعہ) مذہب کے معارف کی تحقیق کے لیے اکلوتا مرجع و ماخذ ہے۔"[2]

پھر اس کتاب کا مولف شیعوں کے نزدیک "شيخ الإسلام والمسلمين"[3] اور "رئيس الفقهاء والمحدثين، آية في العالمين، ملاذ المحدثين في كل الأعصار، ومعاذ المجتهدين في جميع الأمصار"[4] وغیرہ کے القاب سے متصف ہے۔

"بحار الأنوار" میں مذکور روایات کا مصدر شیعہ کی متعدد معتبر کتابیں ہیں، کیوں کہ اس کا مولف کہتا ہے:

"ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے چار کتابوں[5] کے علاوہ تقریباً دو سو کتابیں جمع ہوگئی ہیں، جنھیں میں نے "بحار الأنوار" میں شامل کر دیا ہے۔"[6]

نیز "الذريعة" کا مولف کہتا ہے:

"بحار الانوار کے اکثر مآخذ و مصادر قابلِ اعتماد کتب اور معتبر اصول ہیں۔"[7]

جس شخص کو عربی زبان سے ادنا سا بھی تعلق ہے، جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے، وہ یہ حقیقت بہ خوبی جانتا ہے کہ یہ ابواب اور ان میں مندرجہ روایات کتاب اللہ میں الحاد و زندقہ اور کلامِ الٰہی میں تحریف ہیں۔ یقیناً ایسی تحریفات صرف کسی عجمی اور اسلام و عربی لغت سے ناواقف شخص ہی کے لیے اشتباہ و اشکال کا سبب بن سکتی ہیں اور یہ اس بات کی واقعاتی دلیل ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کی اہانت کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ایسے گہرے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ پھر یہ طریقہ کار صرف شیعہ کی کتبِ احادیث ہی میں کارفرما نہیں ہے، بلکہ اگر آپ اس فرقے کی عمدہ ترین تفسیر اور "أصل أصول التفاسير"[8] یعنی "تفسير القمي" کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں کہ اس نے بھی ان باطنی تفاسیر کا بہت بڑا حصہ اپنی تفسیر میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح

---

1. المصدر السابق (٣/ ٢٦۔ ٢٧)
2. البهبودي: مقدمة البحار (ص: ١٩)
3. الأردبيلي: جامع الرواة (٢/ ٧٨)
4. مقدمة البحار (ص: ٣٩)
5. ان چار کتابوں سے مراد "الكافي"، "التهذيب"، "الاستبصار" اور "من لا يحضره الفقيه" ہیں، جن پر تفصیلی کلام "سنت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ" کے مبحث میں آگے آئے گا۔
6. اعتقادات المجلسي (ص: ٢٣) عن كتاب الفكر الشيعي: مصطفىٰ الشيبي (ص: ٦١)
7. الذريعة (٣/ ٢٦۔ ٢٧)
8. دیکھیں: مقدمة تفسير القمي (١/ ١٦)

"تفسير العياشي" جو شیعہ کی قدیم کتبِ تفسیر میں سے معتبر ترین کتاب ہے اور "تفسير البرهان" اور "تفسير الصافي" وغیرہ بھی آپ کو اسی نہج پر نظر آئیں گی۔ یہ تفاسیر شیعی دعویٰ کے مطابق آیات کی تفسیر میں جعفر صادق اور باقی گیارہ اماموں سے منقول و ماثور اقوال ہی پر اعتماد کرتی ہیں۔ اگر ہم ہر شیعہ تفسیر کا علاحدہ علاحدہ تحقیق و تجزیہ کریں تو موضوع طویل ہوجائے گا اور اصل مقصود سے ہم باہر نکل جائیں گے، لہٰذا ہم اس باب میں شیعی روایات سے چند مثالیں ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

# شیعی تاویلات کی بنیاد اور ان کی مثالیں

## ① شیعی تاویلات کی بنیاد:

یہ بات گزر چکی ہے کہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ صرف ایک نگران کی موجودگی ہی میں حجت پکڑی جا سکتی ہے اور یہ نگران، جو شیعہ کے ہاں بارہ اماموں کی صورت میں موجود ہے، صرف اسی اکیلے کے پاس قرآن کا مکمل علم ہے، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں، مزید برآں شیعہ اس نگران کو شریعت ساز کا منصب عطا کرتے ہیں کہ وہ عام نصوص کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مجمل کا بیان اور جو چاہے منسوخ کر سکتا ہے، کیوں کہ دین کا سارا معاملہ اسی کے سپرد کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہہ کر تاویلِ قرآن کے لیے اس نگران کے لیے وجہ جواز پیدا کرتے ہیں کہ یقیناً قرآن کے باطنی معانی ہیں، جو ظاہر کے خلاف ہیں، پھر ائمہ کے ہاں اس ذخیرہ شدہ باطنی علم کی یوں نقاب کشائی کرتے ہیں کہ اس سے مراد بارہ امام اور ان کے دشمن (صحابہ و تابعین) ہیں اور قرآنی موضوعات کا بیشتر حصہ شیعہ کے ہاں اس امر سے تجاوز نہیں کرتا، پھر ان نظریات کو بایں طور عملی شکل دی گئی کہ شیعہ علما نے ایسی سیکڑوں روایات وضع کیں، جن میں قرآنی معانی کی تفسیر ائمہ یا ان کے مخالفین یا اپنے کسی دوسرے عقیدے کے ساتھ کی، جس میں یہ لوگ امت مسلمہ کے مخالف روش پر گامزن ہیں۔

بعض مستشرقین[1] کی رائے ہے کہ اس طرز کی اولین شیعی تفسیر جابر جعفی[2] کی وضع کردہ تفسیر ہے، جو اس

---

[1] گولڈ زیہر: مذاهب التفسير الإسلامي (ص: ۳۰۳۔ ٤٠٤)

[2] جابر بن یزید جعفی کوفی (المتوفی ۱٦۷ھ)۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں: یہ عبد اللہ بن سبا کے ساتھیوں میں سے اور اسی کا پیروکار تھا۔ یہ کہا کرتا تھا کہ علی (رضی اللہ عنہ) دنیا میں واپس آئیں گے۔ امام ابو جعفر عقیلی نے اپنی سند کے ساتھ ابو زائدہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: جابر جعفی رافضی ہے، جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ امام نسائی وغیرہ فرماتے ہیں: ”متروك“ یحییٰ فرماتے ہیں: ”لا يكتب حديثه ولا كرامة“ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”ضعيف رافضي“ دیکھیں: ميزان الاعتدال (۱/ ۳۷۹۔ ۳۸۰) تقريب التهذيب (۱/ ۱۲۳) الضعفاء للعقيلي (۱/ ۱۹۱۔ ۱۹٦)

شیعہ کتب میں جابر جعفی کے متعلق متناقض آرا پائی جاتی ہیں۔ بعض روایات میں تو اسے اہلِ بیت کے علم کا منتہا قرار دیا گیا ہے اور علمِ غیب وغیرہ کی افسانوی صفات اس کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جبکہ بعض روایات اس پر طعن بھی کرتی ہیں، ←

نے دوسری صدی ہجری میں وضع کی تھی۔ شیعی علما کی ایک جماعت نے بھی اس تفسیر کا تذکرہ کیا ہے۔[1] یہ تفسیر، جیسا کہ بعض شیعی روایات سے معلوم ہوتا ہے، خفیہ طور پر شیعہ میں متداول تھی۔ شیعی عالم کشی اپنی سند کے ساتھ مفضل بن عمر جعفی سے روایت کرتا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے جابر کی تفسیر سے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: بے وقوفوں کے سامنے اسے مت بیان کرو۔ کہیں وہ اس کو پھیلا نہ دیں۔[2] شیعہ کتب میں آپ کو مختلف مقامات پر جابر جعفی سے روایت کردہ بہت زیادہ احادیث نظر آئیں گی، جو اس نے جعفر بن محمد یا ان کے والد کی طرف منسوب کی ہیں۔[3]

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کے لیے پاؤں جمانا اور کتاب اللہ کی کسی دلیل سے احتجاج کرنا، صرف اسی طرح کی باطنی تاویلات کے ذریعے ہی ممکن ہے، اسی لیے یہ طرزِ عمل، جیسا کہ ہم ملاحظہ کر رہے ہیں، بہت پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، بلکہ اس بات کا امکان ہے کہ اس عقیدے کی جڑیں سبائیوں ہی کے زیرِ سایہ پروان چڑھی ہوں، کیوں کہ ابن سبا ہی وہ شخص تھا، جس نے اپنے نظریہ رجعت کے لیے کتاب اللہ کی باطل تاویل کر کے کوئی دلیل کشید کرنے کی کوشش کی تھی، جیسا کہ وہ کہتا ہے:

"اس شخص پر بڑا تعجب ہے، جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) دوبارہ دنیا میں لوٹیں گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دوبارہ لوٹنے کا انکار کرتا ہے، حالاں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ [القصص: ٨٥]

← لیکن شیعہ طعن والی روایات کو تقیے پر محمول کرتے ہیں اور اس کی توثیق کے قائل ہیں، جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ یہ لوگ ہر اس شخص کی توثیق کرتے ہیں، جو ان کا ہم مذہب ہو، خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ دیکھیں: وسائل الشيعة (٢٠/ ٥١) رجال الكشي (ص: ١٩١) جامع الرواة (١/ ١٤٤) اس کی مزید تفصیل اسی کتاب میں "سنت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ" کے مبحث میں ملاحظہ کریں۔

[1] الطوسي: الفهرست (ص: ٧٠) آغا بزرگ: الذريعة (٤/ ٢٦٨) العاملي: أعيان الشيعة (١/ ١٩٦)

[2] رجال الكشي (ص: ١٩٢)

[3] ایک معاصر شیعہ عالم مظفر کہتا ہے کہ جابر نے صرف باقر سے ستر ہزار حدیثیں روایت کی ہیں اور کہا گیا ہے کہ اسی پر ائمہ کے علم کی انتہا ہوگئی ہے۔ (محمد المظفر: الإمام الصادق، ص: ١٤٣) لیکن "رجال الكشي" میں جابر جعفی کے ترجمے میں مذکور ہے کہ زرارہ نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ رحمہ اللہ سے جابر کی احادیث سے متعلق استفسار کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے اسے صرف ایک بار اپنے والد کے پاس دیکھا ہے اور وہ میرے پاس کبھی نہیں آیا۔ (رجال الكشي، ص: ١٩١) یہ شیعہ کی گواہی ہے، جو صادق اور ان کے والد سے احادیث روایت کرنے میں جابر کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل سنت کے مبحث میں آگے آئے گی۔

''بے شک جس نے تجھ پر یہ قرآن فرض کیا ہے، وہ ضرور تمھیں ایک لوٹنے کی جگہ کی طرف واپس لانے والا ہے۔''[1]

اہلِ سنت کی بعض کتابوں میں کتاب اللہ کی شیعی تاویل وتفسیر کے کچھ نمونے منقول ہیں، لیکن جس امر کا آج ہمارے سامنے انکشاف ہوا، وہ تو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض ائمہ سنت نے غالی شیعوں کی طرف جو تاویلات منسوب کی تھیں، اثنا عشریہ ان کے وارث بنے ہیں، مثلاً امام اشعری[2]، اسی طرح بغدادی[3] اور شہرستانی[4] وغیرہ شیعہ اور اہلِ سنت کے نزدیک متفقہ غالی شیعہ مغیرہ بن سعید سے، جس کی طرف فرقہ مغیریہ[5] منسوب ہے، نقل کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ﴾ [الحشر: ٦٦] میں شیطان سے (معاذ اللہ) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مراد لیتا ہے۔

اب بعینہٖ فرقہ اثنا عشریہ اس تاویل وتفسیر کا وارث ہے اور اس نے یہ بات اپنے معتبر مصادر میں درج کی ہے، چناں چہ تفسیر العیاشی[6]، تفسیر الصافی[7]، تفسیر القمی[8]، تفسیر البرہان[9] اور بحار الانوار[10] میں ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اس ارشادِ الٰہی: ﴿وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ [إبراهيم: ٢٢] کے بارے میں فرمایا:

---

[1] یہ روایت تاریخ طبری (۴/۳۴) اور تاریخ ابن اثیر (۳/ ۷۷) میں مذکور ہے۔

[2] مقالات الإسلاميين (١/ ٧٣)

[3] الفرق بين الفرق (ص: ٢٤٠)

[4] الملل والنحل (١/ ١٧٧)

[5] مغیریہ: یہ مغیرہ بن سعید کے پیروکار ہیں۔ اصحابِ فرق نے اسے غالی شیعوں میں شمار کیا ہے۔ اس کی طرف الوہیتِ علی کا نظریہ، دعوائے نبوت وتجسیم اور دیگر ضلالات منسوب ہیں۔ اثنا عشری کتب میں اس کی مذمت اور ائمہ کا اس پر لعنت کرنا منقول ہے۔ اسے خالد بن عبد اللہ القسری نے ۱۱۹ھ کو قتل کیا تھا۔ دیکھیں: تاريخ الطبري (٧/ ١٢٨۔ ١٣٠) الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٦٩۔ ٧٤) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٢٣٨۔ ٢٤٢) ابن حزم: الفصل (٥/ ٤٣۔ ٤٤) الشهرستاني: الملل والنحل (ص: ١٧٦۔ ١٧٨) نشوان الحميري: الحور العين (ص: ١٦٨) الذهبي: ميزان الاعتدال (٤/ ١٦٠۔ ١٦٢) المقريزي: الخطط والآثار (٢/ ٣٥٣) شیعہ کتب دیکھیں: القمي: المقالات والفرق (ص: ٥٥) رجال الكشي، رقم الروايات (٣٣٦، ٣٩٩، ٤٠٠، ٩٠٩، ٤٠١، ٤٠٢، ٤٠٣، ٤٠٤، ٤٠٥، ٤٠٦، ٤٠٧، ٤٠٨، ٥١١، ٥٤٢، ٥٤٣، ٥٤٤، ٥٤٩)

[6] تفسير العياشي (٢/ ٢٢٣)

[7] الكاشاني: تفسير الصافي: ٣/ ٨٤)

[8] دیکھیں: المصدر السابق (٣/ ٨٤) تفسیر القمی کا جو اڈیشن میرے پاس موجود ہے، اس میں مجھے یہ روایت نہیں ملی۔

[9] البحراني: البرهان (٢/ ٣٠٩)

[10] بحار الأنوار (٣/ ٣٧٨، ط. كمباني)

''اس سے مراد دوسرا (خلیفہ دوم) ہے، قرآن میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ "قال الشیطان" مذکور ہے، اس میں شیطان سے مراد یہی دوسرا (خلیفہ دوم) ہے۔''

گویا اثنا عشری کتب کتاب اللہ میں اس الحاد کو ایک عام قاعدے کی حیثیت دے کر مغیریہ سے بھی کئی ہاتھ آگے نکل گئی ہیں۔

اصولِ کافی میں ابوعبد اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: ''فلاں شخص شیطان ہے۔''[1] ملا باقر مجلسی، کافی کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ فلاں شخص سے مراد عمر (رضی اللہ عنہ) ہے۔[2]

یہ روایات، جو شیعہ اثنا عشری کتب ابو جعفر باقر کی طرف منسوب کرتی ہیں، مغیرہ بن سعید اور اس جیسے افراد کے اکاذیب ہیں۔ امام ذہبی نے کثیر النواء[3] سے نقل کیا ہے کہ ابو جعفر نے کہا: اللہ اور اس کا رسول مغیرہ بن سعید اور بیان بن سمعان سے بَری ہیں، کیوں کہ وہ دونوں ہم اہلِ بیت پر جھوٹ بولتے ہیں۔[4]

کشی نے ابوعبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''مغیرہ بن سعید پر اللہ کی لعنت ہو، وہ ہم پر جھوٹ بولتا ہے۔''[5] نیز کشی نے اس باب میں متعدد روایات ذکر کی ہے۔[6] کشی کی روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ مغیرہ بن سعید کی ضلالت کا مصدر ایک یہودی عورت تھی، چناں چہ "رجال الكشي" میں مروی ہے کہ ایک دن ابوعبد اللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: مغیرہ بن سعید اور فلاں یہودی عورت پر اللہ کی لعنت ہو، وہ (مغیرہ) اس کے پاس جایا کرتا اور جادو، شعبدہ بازی اور حیرت انگیز اشیا کی تعلیم لیا کرتا تھا۔[7]

ملاحظہ کریں کہ اشعری، بغدادی، ابن حزم اور نشوان حمیری میں سے ہر ایک کا اس پر اتفاق ہے کہ جابر جعفی، جس نے اس باطنی طرز پر شیعہ کے لیے سب سے پہلے تفسیر وضع کی تھی، وہ مغیرہ بن سعید کا جانشین تھا،[8] جو

---

[1] الكليني: الكافي۔ المطبوع بهامش مرآة العقول (٤/ ٤١٦)

[2] مرآة العقول (٤/ ٤١٦)

[3] كثير النواء ایک شیعی شخص ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس نے شیعیت سے رجوع کر لیا تھا۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: "ضعفوه، ومشاه ابن حبان" (الكاشف: ٣/ ٣)

[4] ميزان الاعتدال (٤/ ١٦١)

[5] رجال الكشي، رقم (٣٣٦)

[6] ان روایات کی طرف صفحہ (١٩٣) حاشیہ (٥) میں اشارہ ہو چکا ہے۔

[7] رجال الكشي، برقم (٤٠٣)

[8] الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٧٣) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٢٤٢) ابن حزم: المحلى (٥/ ٤٤) نشوان: الحور العين (ص: ١٦٨)

کہتا تھا کہ قرآن میں شیطان سے مراد (معاذ اللہ) امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ خطرناک عناصر ایک دوسرے سے سیراب ہوتے ہیں، جو شیعہ مذہب کو خراب کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

## ③ شیعی تاویلات کی مثالیں:

جب اپنے زمانے میں شیعہ کے بہت بڑے عالم ابن مطہر الحلی نے، جب شیعہ کے ہاں مطلقاً لفظ ''علامہ'' بولا جائے تو اس سے یہی (ابن مطہر الحلی) مراد ہوتا ہے، علی کی امامت کا حق دار ہونے پر یہ کہہ کر استدلال کیا:

''تیسویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ اس سے علی اور فاطمہ مراد ہیں۔ ﴿ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ اس سے حسن وحسین مراد ہیں۔''

تو اس کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''یقیناً اس طرح کی باتیں وہ شخص کرتا ہے، جو یہ بھی نہیں سمجھتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ قرآن مجید کی تفسیر نہیں، بلکہ یاوہ گوئی کے زیادہ مشابہ ہے۔ درحقیقت یہ ملاحدہ اور قرامطہ باطنیہ کی تفسیر قرآن کی جنس سے، بلکہ اس سے بھی زیادہ بری ہے۔ ایسی تفسیر کرنا ملحدین کا طریقہ ہے، بلکہ ان لوگوں کی روش ملحدین سے بھی زیادہ بری ہے اور ایسی تفسیر کرنا درحقیقت ملحدین کا قرآن پر طعن کرنا ہے، بلکہ قرآن مجید کی ایسی تفسیر کرنا اس میں طعن وتشنیع کرنے سے زیادہ خطرناک ہے۔''[1]

میں کہتا ہوں کہ اگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اصولِ کافی، بحار الانوار، تفسیر العیاشی، تفسیر القمی، تفسیر البرہان اور تفسیر الصافی وغیرہ میں تفسیرِ قرآن کے نام پہ پائی جانے والی قرآنی معانی کی تحریف کو ملاحظہ کر لیتے تو ان کا نقطہ نظر کیا ہوتا؟

میرے پیش نظر اس قسم کا بہت بڑا مجموعہ ہے، جسے اگر پیش کیا جائے تو اس کے لیے کئی مجلدات درکار ہوں گی۔[2]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٦٦)

[2] میں نے اُن شیعی تاویلات کا ایک جدول بنایا تھا، جس کے مضامین کو مَیں نے حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا تھا۔ میں نے ہر مضمون میں یہ ذکر کیا تھا کہ وہ قرآن مجید میں کہاں کہاں مذکور ہے اور ساتھ ہی ان کی شیعی تاویلات بھی ذکر کی تھیں، اس طرح سے میں نے بہت بڑی ضخامت میں یہ مضمون بنا لیا تھا، لیکن میرے مقالے کے نگران نے، پھر میں نے بھی ان کے ساتھ موافقت کی، تحقیق وریسرچ کے قواعد وضوابط کی بنا پر اس کی ضرورت نہ سمجھی، کیوں کہ جو ہم نے یہاں ذکر کر دیا ہے، وہی کافی ہے۔

ایسی روایات کے اتنے بڑے ذخیرے نے شیعہ کو قرآن کے نور و ہدایت سے استفادہ کرنے سے محروم کر دیا ہے۔ توحید، جو دعوتِ رسل کی بنیاد اور ان کی رسالت کا جوہر ہے، شیعہ کے نزدیک اس سے مراد ولایت امام ہے!!

چنانچہ ابو جعفر سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی نبی مبعوث کیا ہے تو اسے ہماری ولایت اور ہمارے دشمن سے براءت کا حکم ضرور دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل: ٣٦]''[1]

اس موضوع پر شیعی روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔[2]

شیعہ کے نزدیک قرآن مجید میں ''الٰہ'' سے مراد امام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [النحل: ٥١]

''تم دو معبود مت بناؤ، وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے۔''

ابو عبد اللہ نے کہا ہے، جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دو امام نہ بناؤ، کیوں کہ امام تو صرف ایک ہی ہے۔[3]

اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک ''رب'' سے مراد بھی امام ہے۔ اس تاویل کے متعلق شیعہ کے لیے یہ بہانہ بن سکتا ہے کہ لفظ رب لغت میں کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے ''رَبُّ الْبَیْتِ'' اور ''رَبُّ الْمَالِ'' میں لفظ ''رب'' مالک کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن اس تاویل کی راہ میں رکاوٹ یہ ہے کہ شیعہ نے ایسے مقامات پر بھی ''رب'' سے اپنا امام مراد لیا ہے، جہاں صریحاً یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس جگہ کسی دوسرے معنی کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔ چنانچہ مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا﴾ [الفرقان: ٥٥] کی تفسیر میں شیعی عالم قمی نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''الکافر'' سے مراد (معاذ اللہ) دوسرا (خلیفہ دوم عمر رضی اللہ عنہ) ہے، جبکہ امیر المومنین علی علیہ السلام (مددگار) تھے۔[4] پس اس جگہ شیعی مولف نے علی رضی اللہ عنہ کو رب شمار کیا ہے۔

---

[1] تفسیر العیاشي (٢/ ٢٦١) البرهان (٢/ ٣٧٣) تفسیر الصافي (٣/ ١٣٤) تفسیر نور الثقلین (٣/ ٦٠)

[2] دیکھیں: ''توحیدِ الوہیت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' (ص: ۴۵۹)

[3] تفسیر العیاشي (٢/ ٢٦١) البرهان في تفسیر القرآن (٢/ ٣٧٣) تفسیر نور الثقلین (٣/ ٦٠)

[4] تفسیر القمي (٢/ ١١٥)

فیض الكاشاني "البصائر"[1] میں باقر علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو (جیسا کہ شیعہ افترا پردازی کرتے ہیں) انھوں نے کہا:

''قرآن کے باطنی معنی کے لحاظ سے اس کی تفسیر یہ ہے کہ علی ولایت میں اس کا رب ہے اور رب وہ خالق ہے، جس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔''

اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) ہی وہ رب ہے، جس کا وصف نہیں بیان کیا جا سکتا۔[2] جیسا کہ شیعہ افترا پردازی کرتے ہیں، کیوں کہ یہ آیت صراحتاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حق میں وارد ہوئی ہے؟!

تفسیر صافی کے مولف نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کی بڑی کوشش کی ہے، چناں چہ وہ گذشتہ روایت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یعنی مطلق طور پر ولایت کی قید کے بغیر رب سے مراد صرف خالق جل شانہ ہے۔''[3]

لیکن آیت کے الفاظ اس موقف کی تائید نہیں کرتے، کیوں کہ آیت میں وارد لفظ رب کے ساتھ ولایت کی کوئی قید ہی نہیں لگائی گئی، لہٰذا اس کا مصداق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی بن سکتے ہیں، پھر یہاں کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے، جو لفظ کو اس کے حقیقی معنی سے پھیر دے اور کوئی دوسرا معنی مراد لیا جا سکے۔ اسی بنا پر علمائے سلف کی ایک جماعت نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ کافر اپنے رب کے خلاف شیطان کی اعانت کرنے والا اور اس کی معصیت میں اس کا مددگار ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ [الزمر: ٦٩] کے بارے میں مفسرین نے کہا ہے: یعنی قیامت کے دن زمین روشن ہوگی، جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے حساب کتاب کے لیے ظاہر ہوں گے۔[5] لیکن شیعہ کا شیخ المفسرین ابراہیم قمی اپنی سند کے ساتھ مفضل بن عمر سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس آیت ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ کے متعلق فرماتے ہوئے سنا:

---

[1] اس سے مراد شیعی عالم الصفار کی کتاب "بصائر الدرجات" ہے۔

[2] ملاحظہ کریں کہ اس روایت میں صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق شیعہ کے عقیدہ تعطیل کی طرف اشارہ بھی موجود ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ یہ روایت تفسير الصافي (٤/ ٢٠) البرهان (٣/ ١٧٢) تفسير نور الثقلين (٤/ ٢٥) اور مرآة الأنوار (ص: ٥٩) میں مذکور ہے۔

[3] تفسير الصافي (٤/ ٢٠) مرآة الأنوار (ص: ٥٩)

[4] تفسير الطبري (١٩/ ٢٦۔ ٢٧) تفسير ابن كثير (٣/ ٣٣٨)

[5] تفسير ابن كثير (٤/ ٧٠)

"رب الأرض" (زمین کے رب) سے مراد "إمام الأرض" (زمین کا امام) ہے۔ میں نے کہا: جب وہ نکلے گا تو پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: اس وقت لوگ سورج اور چاند کی روشنی سے مستغنی ہوجائیں گے اور امام ہی کے نور سے روشنی لیں گے۔[1]

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلقہ آیات کی تفسیر اپنے ائمہ کے ساتھ کرتے ہیں، مثلاً شیعہ کہتے ہیں: "مشہور روایات (شیعی احادیث) سے معلوم ہوتا ہے کہ "وجه الله" (اللہ کے چہرے) سے مراد ائمہ علیہم السلام ہیں۔[2] مجلسی نے ایسی کئی روایات مندرجہ ذیل عنوان سے قائم کردہ ایک باب میں ذکر کی ہیں:

"باب أنهم -عليهم السلام- جنب الله ووجه الله ويد الله وأمثالها"[3]

یعنی ائمہ شیعہ اللہ تعالیٰ کا پہلو، چہرہ، ہاتھ اور ایسی ہی دیگر صفات ہیں۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ شیعہ اس فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ [القصص: ٨٨] اور ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [الرحمن: ٢٧] میں وجہ اللہ سے مراد ائمہ لیتے ہیں اور ان کے ائمہ کو دائمی بقا حاصل ہے، بلکہ کیا یہ ان کی انفرادی خصوصیت ہے؟

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شیعہ اس حد تک بھی جا سکتے ہیں، حتی کہ ان کی معتبر کتب میں ایسی روایات پر میری نظر پڑی، چنانچہ اس آیت ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ کے متعلق جعفر صادق (شیعی دعویٰ کے مطابق) کہتے ہیں کہ ہم اللہ کا چہرہ ہیں۔[4] یعنی ہم ہلاک نہیں ہوں گے، اسی طرح دوسری آیت ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ کے متعلق کہتے ہیں:

"ہم ہی وہ چہرہ ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔"[5]

لیکن حقیقت یہی ہے کہ ائمہ شیعہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح وفات پا گئے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ [الرحمن: ٢٦]

---

[1] تفسير القمي (٢/ ٢٥٣) البرهان (٤/ ٨٧) تفسير الصافي (٤/ ٣٣١)

[2] مرآة الأنوار (ص: ٣٢٤)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٤/ ١٩١)

[4] دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ١٤٧) الكراجكي: كنز الفوائد (ص: ٢١٩) ابن شهر اشوب: مناقب آل أبي طالب (٣/ ٦٣) بحار الأنوار (٢٤/ ١٩٣) تفسير شبر (ص: ٣٧٨)

[5] تفسير القمي (٢/ ٣٤٥) ابن شهر اشوب: مناقب آل أبي طالب (٣/ ٣٤٣) الكاشاني: تفسير الصافي (٥/ ١١٠) بحار الأنوار (٢٤/ ١٩٢)

''ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔''

اصولِ کافی کے مولف نے بڑی کوشش کی ہے کہ ائمہ شیعہ کے لیے کوئی ایسی امتیازی صفت مقرر کرے، جس کی بنا پر وہ موت کے عام حکم میں انفرادی حیثیت کے مالک بن سکیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

''یقیناً ائمہ کو علم ہوتا ہے کہ وہ کب فوت ہوں گے اور وہ ہمیشہ اپنی مرضی سے وفات پاتے ہیں۔''[1]

لیکن موت نے انھیں ہر حال میں آلیا اور اگر یہ موت انھیں اپنے اختیار ہی سے آتی تو پھر تقیے کا وجود نہ ہوتا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ١٨٠] میں اسماے حسنیٰ سے مراد ائمہ ہیں۔ ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ہم ہی وہ اسماے حسنیٰ ہیں اور ہماری معرفت کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ کسی کو قبولیت سے نوازتے ہیں، لہٰذا تم انھیں (ائمہ شیعہ) کے ساتھ اسے پکارا کرو۔''[2]

اس کے مزید دلائل و شواہد اسما و صفات سے متعلق شیعہ کے عقیدے والے مبحث میں آگے آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔ یہ تاویلات جن میں ''الٰہ''، ''رب'' اور ''اللہ'' صفاتِ باری تعالیٰ کی تفسیر و تاویل امام کے ساتھ کی گئی ہے، سبائی فرقہ کے اثرات ہیں، جو الوہیتِ علی (رضی اللہ عنہ) کا قائل ہے۔ یہ زہریلا اثر ہمیشہ اثنا عشریہ کی بنیادوں میں کارفرما رہا ہے، اسی بنا پر آج کے دن تک بعض شیعہ علما اس نظریے کا علانیہ اظہار کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔[3] رجال الکشی میں بعض ایسی روایات بھی مذکور ہیں، جن سے ائمہ کو الٰہ قرار دینے والی باطنی تاویلات پر جعفر صادق کا اظہار نفرین مستفاد ہوتا ہے۔

چنانچہ کشی نے روایت کی ہے کہ کسی شیعہ نے جعفر کے پاس کہا کہ اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ [الزخرف: ٨٤] میں الٰہ سے مراد امام ہے؟ تو ابو عبداللہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ شخص اور میں کبھی ایک گھر میں اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ اور مجوس و مشرکین سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ کی قسم! جتنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کی توہین کی ہے، اتنی توہین کسی اور نے کبھی نہیں کی ہے... اللہ کی قسم! اگر میں اس کی بات کا اقرار اور تصدیق کروں تو مجھے زمین دبوچ لے گی، میں تو صرف ایک عام بندہ اور غلام ہوں۔ میں کسی چیز کے نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔[4]

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٥٨)

[2] تفسير العياشي (٢/ ٤٢) تفسير الصافي (٢/ ٢٥٤۔ ٢٥٥) البرهان (٢/ ٥١)

[3] تفصیل کے لیے اسی کتاب میں ''موجودہ شیعہ اور اپنے اسلاف کے ساتھ ان کا تعلق'' کا مبحث دیکھیں۔

[4] رجال الكشي (ص: ١٦٣)

جیسے ان لوگوں کے ہاں امام کو رب اور الٰہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ لوگ امام کے لیے ''رسول'' کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ''مرآۃ الأنوار'' کا مولف کہتا ہے:

''بعض آیات میں رسول کے لفظ کی تاویل امام سے اور رسل کی تاویل ائمہ کے ساتھ بھی وارد ہے۔ بایں طور کہ اس کے علاوہ دوسروں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔''[1]

یعنی جب قرآن مجید میں لفظ رسل واقع ہو تو اس سے ائمہ (شیعہ) مراد ہو سکتے ہیں۔ اس کی مزید دلیل شیعہ کا یہ کہنا ہے کہ بعثتِ رسل کا اصل مقصد ولایت ہے، لہٰذا رسولوں کی رسالت کی اس کے ساتھ تاویل کرنا درست ہے، جس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔[2] لیکن یہ کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ اس کی اساس ہی باطنی تاویل ہے، جو قابلِ تسلیم نہیں، اس لیے کہ بعثتِ رسل کا اصل مقصد توحید باری تعالیٰ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[النحل: ٣٦]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾
[الأنبياء: ٢٥]

''اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس کی طرف یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو۔''

نیز رسول کی امام کے ساتھ شیعی تاویل کی ایک اور مثال وہ ہے، جو شیعہ اپنے امام صادق سے اس فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾[یونس: ٤٧] سے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''یعنی ہر زمانے میں ایک امام ہے، جو انھیں راہِ حق کی دعوت دیتا ہے۔''[3]

شیعہ کے ہاں قرآن میں ائمہ کی تعبیر فرشتوں سے بھی کی جاتی ہے، چنانچہ شیعی روایات کے مطابق قرآن مجید کے باطنی معنی کے لحاظ سے فرشتوں سے ائمہ مراد ہیں، خواہ قرآن میں ملائکہ کا لفظ مذکور ہو یا ان کی صفات،

---

[1] مرآة الأنوار (ص: ١٦٣)

[2] المصدر السابق (ص: ١٦٣)

[3] مرآة الأنوار (ص: ١٦٤) دیکھیں: تفسير العياشي (٢/ ١٢٣) البرهان (٢/ ١٧٦) تفسير الصافي (٢/ ٤٠٥) بحار الأنوار (٢٤/ ٣٠٦ـ ٣٠٧)

جیسے حاملینِ عرش وغیرہ مذکور ہوں (ان سب جگہوں پر شیعہ کے نزدیک ملائکہ سے ائمہ مراد ہیں)۔[1]

ائمہ ہی قرآن ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے،[2] اور وہی ''کتاب'' ہیں۔ چناں چہ تفسیر القمی میں جعفر صادق سے اس آیت ﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ﴾ [البقرة: ٢] کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے کہا: "الکتاب" سے مراد علی (رضی اللہ عنہ) ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔[3] ائمہ شیعہ ہی ''کلمہ'' ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ٢١] کے متعلق شیعہ نے کہا ہے کہ اس میں "الکلمة" سے مراد امام ہے۔[4]

نیز اس آیت ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ [یونس: ٦٤] کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ امامت تبدیل نہیں ہوتی۔[5] اسی طرح اس آیت ﴿سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ [لقمان: ٢٧] کے متعلق شیعہ کا امام ابوالحسن علی بن محمد کہتا ہے: ''ہم ہی وہ کلمات ہیں، جن کے فضائل کا ادراک و احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔''[6] اس بارے میں شیعی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں سے مجلسی نے پچیس (۲۵) روایات ذکر کی ہیں۔[7]

امام پر لفظِ کلمہ کے اطلاق سے شیعیت پر نصرانیت کے اثر انداز ہونے کی حد واضح ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام پر بھی لفظِ کلمہ کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن مسیح کا نام ''کلمۃ اللہ'' رکھا گیا ہے، کیوں کہ ان کی مثال اللہ کے ہاں آدم کی طرح ہے، جنھیں اس نے مٹی سے پیدا کیا تو پھر انھیں کہا کہ ہو جا تو وہ ہوگیا، پس وہ تو کلمے کے ساتھ پیدا کیے گئے تھے، لیکن علی رضی اللہ عنہ تو دیگر لوگوں کی طرح ہی پیدا کیے گئے تھے!![8]

اس آیت ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [الفاتحة: ٥] میں ''صراطِ مستقیم'' سے شیعہ کے نزدیک علی (رضی اللہ عنہ) مراد ہیں۔[9] اسی طرح ''شمس'' (سورج) بھی علی (رضی اللہ عنہ) ہیں، چنانچہ جعفر صادق سے شیعہ روایت کرتے

---

1. مرآة الأنوار (ص: ٣٠٣)
2. تفسير القمي (١/ ٣٠) تفسير العياشي (١/ ٢٦) البرهان (١/ ٥٣) تفسير الصافي (١/ ٩١۔ ٩٢)
3. اسی کتاب کا صفحہ (۱۴۱) ملاحظہ کریں۔
4. تفسير القمي (٢/ ٢٧٤) البرهان (٤/ ١٢١) بحار الأنوار (٢٤/ ١٧٤)
5. تفسير القمي (١/ ٣١٤) بحار الأنوار (٢٤/ ١٧٥)
6. بحار الأنوار (٢٤/ ١٧٤) تحف العقول (ص: ٣٥٥) ابن شهر أشوب: مناقب آل أبي طالب (٣/ ٥٠٨) الاحتجاج (ص: ٥٥٢)
7. دیکھیں: بحار الأنوار : باب أنهم كلمات الله (٢٤/ ١٧٣۔ ١٨٥)
8. منهاج السنة (٣/ ١٨)
9. تفسير القمي (١/ ٢٨) تفسير العياشي (١/ ٤٢) البرهان (١/ ٨٩) تفسير الصافي (١/ ٨٥) بحار الأنوار (٢٣/ ٢١١)

ہیں کہ انھوں نے اس آیت ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ [الشمس: ١] کے متعلق فرمایا: ﴿الشَّمْسِ﴾ (سورج) امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) ہیں اور ﴿وَضُحٰهَا﴾ سے مراد امام منتظر کا کھڑا ہونا ہے۔[1]

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو سورج کا طلوع ہونا ختم ہوگیا اور تمام لوگ اندھیرے اور تاریکی میں رہ رہے ہیں، تا وقتیکہ امام منتظر کی روشنی جلوہ گر ہوگی؟!

مسجد و مساجد اور کعبہ و قبلہ بھی امام اور ائمہ ہیں، چناں چہ شیعہ جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اس آیت ﴿وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف: ٢٩] کے متعلق فرمایا: یعنی ائمہ۔[2] انھیں سے ایک دوسری روایت میں اس آیت ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [الأعراف: ٣١] کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: یعنی ائمہ۔[3] نیز اس آیت ﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ١٨] کے متعلق انھوں نے کہا ہے: ''یقیناً امام صرف آلِ محمد سے ہوتا ہے، لہٰذا تم دوسروں سے کوئی امام نہ بناؤ۔''[4] جعفر صادق (شیعی دعوے کے مطابق) کہتے ہیں: ''ہم ہی بلد حرام (مکہ مکرمہ) اور کعبۃ اللہ ہیں اور ہم ہی قبلۃ اللہ (قبلہ الٰہی) ہیں۔''[5] سجدے سے مراد ائمہ کی ولایت ہے۔ شیعہ اس آیت ﴿وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ﴾ [القلم: ٤٣] کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''یعنی انھیں دنیا میں علی (رضی اللہ عنہ) کی ولایت کی طرف بلایا جاتا تھا۔''[6]

غالباً ایسی روایات ہی ائمہ اور ان کی قبور کی عبادت اور مزارات کی آبادی اور مساجد کی ویرانی کا سبب ہیں، کیوں کہ مزارات ہی مساجد، امام ہی کعبۃ اللہ اور قبلہ الٰہی ہے، اسی لیے شیعہ نے ایسی کتابیں لکھی ہیں، جس کا نام ہی انھوں نے ''مناسك المشاهد'' یا ''مناسك الزيارات'' یا ''المزار'' (زیارت گاہ) رکھا ہے،[7] پھر ان کے فضائل و آداب بیان کرنے کا انھوں نے خوب اہتمام کیا ہے اور ان مسائل نے شیعہ کتابوں میں

---

[1] البرهان (٤/ ٤٦٧) مرآة الأنوار (ص: ٢٠٠) دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٤٢٤) اس میں ہے کہ ''النهار''(دن) سے مراد ائمہ ہیں۔

[2] تفسير العياشي (٢/ ١٢) البرهان (٢/ ٨) تفسير الصافي (٢/ ١٨٨) مرآة الأنوار (ص: ١٧٥) نور الثقلين (٢/ ١٧)

[3] تفسير العياشي (٢/ ١٣) البرهان (٢/ ٩)

[4] البرهان (٤/ ٣٩٣)

[5] دیکھیں: الكراجكي: كنز الفوائد (ص: ٢) بحار الأنوار (٢٤/ ٣٠٣) مرآة الأنوار: (ص: ٢١٣)

[6] تفسير القمي (٢/ ٣٨٣) البرهان (٤/ ٣٧٢) تفسير الصافي (٥/ ٢١٤۔ ٢١٥) مرآة الأنوار (ص: ١٧٦)

[7] مثلاً: ''مناسك الزيارات'' للمفيد، ''المزار'' لمحمد بن على الفضل، و ''المزار'' لمحمد المشهدي، و ''المزار'' لمحمد بن همام، و ''المزار'' لمحمد بن أحمد. شیعہ عالم عاملی نے اپنی کتاب ''وسائل الشيعة'' میں ان کتب کا تذکرہ کیا اور ان سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ دیکھیں: وسائل الشيعة (٢٠/ ٤٨۔ ٤٩) نیز دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة (١/ ١٧٥) الفتاوىٰ (١٧/ ٤٩٨)

بڑی جگہ پائی ہے۔[1] جس کی تفصیل آگے آئے گی۔[2]

توبہ کا معروف معنی ہے: گناہوں سے اللہ کی فرمانبرداری کی طرف لوٹنا، لیکن شیعہ کے نزدیک توبہ کی تفسیر یہ ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور بنو امیہ کی ولایت سے علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کی طرف لوٹنا، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ [الغافر: ٧] کی تاویل و تفسیر میں شیعہ کے ہاں تین روایات مروی ہیں۔

پہلی روایت میں مذکور ہے کہ ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ یعنی ان کی بخشش فرما دے، جنھوں نے فلاں اور فلاں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) اور بنو امیہ کی ولایت سے توبہ کر لی ہے۔ دوسری روایت میں مذکور ہے کہ ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ یعنی ان لوگوں کو معاف فرما دے، جنھوں نے طواغیت ثلاثہ (ابو و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) اور بنو امیہ کی ولایت سے توبہ کی ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ یعنی انھوں نے ولایتِ علی کی اتباع کی ہے۔ تیسری روایت میں مذکور ہے کہ ﴿فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ یعنی ان کو معاف کر دے، جنھوں نے ان لوگوں (صحابہ کرام) اور بنو امیہ کی ولایت سے توبہ کی اور ﴿وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ امیر المومنین کی اتباع کی۔[3]

یہ تینوں روایات ہی ابوجعفر محمد الباقر کی طرف منسوب ہیں، لیکن ان کا علم و ورع ان روایات کی صحت کی نفی کرتے ہیں۔ یہ روایات ہمارے سامنے توبہ کا ایک نیا ہی مفہوم پیش کرتی ہیں، جس کی حقیقت صرف ایک شخص کی طرف داری اور دوسرے سے دشمنی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا پہلو نہیں ہے، چناں چہ توبہ صرف ولایتِ امام ہی کے مسئلے میں وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مسئلہ انابت و رجوع کا استحقاق نہیں رکھتا اور اسی بنا پر اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ گویا شیعہ توبہ کے اس مفہوم و مطلب کے ذریعے سے یہ چاہتے ہیں کہ جس نے علی سے ولایت و محبت کی، اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، اگرچہ اس کے گناہ زمین بھر کے قریب ہوں اور یہ کہ انبیا کے بعد افضل ترین مخلوق ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ولایت و محبت ایسا کفر ہے، جس کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نفع آور نہیں بن سکتا!!

---

[1] جیسا کہ أصول الكافي، الوافي، البحار اور وسائل الشيعة وغیرہ میں ہے۔ آیندہ صفحات میں ان مقامات اور بعض روایات کا تذکرہ آئے گا۔

[2] اسی کتاب میں ''توحید الوہیت سے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[3] البرهان (٤/ ٩٢۔ ٩٣) تفسير الصافي (٤/ ٣٣٥) نیز دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٢٥٥)

کیا یہی اسلام ہے؟ ...کیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے اسی بات کو منوانے کے لیے جہاد کیا تھا؟!

پھر ایسی روایات کی ایسے شخص میں تاثیر کا کیا عالم ہوگا، جو ان پر ایمان لاتا اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ سب محمد باقر کے ارشادات ہیں؟ کیا یہ روایات اس کے نفس میں گناہ کا خوف کم کر کے اسے ہر ہلاکت خیز معصیت کے ارتکاب پر آمادہ نہیں کریں گی اور خیر و بھلائی کے کام میں اس کو سست رو نہیں بنا دیں گی؟ کیوں نہیں! ایسا ممکن ہے، بلکہ ایسا وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔ مجھے اس باب میں اصولِ کافی میں ایک اہم شہادت ملی ہے، جس میں ایک شیعہ اپنے امام کے سامنے اپنے ہم مذہب لوگوں کے برے اخلاق کا شکوہ کرتا اور اس سلسلے میں اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان پائے جانے والے واضح فرق پر بڑا تعجب کرتا ہے۔[1] امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں ہمارے لیے بڑے قیمتی ملاحظات نقل کیے ہیں، جو انھوں نے شیعہ کے ساتھ میل جول کے دوران میں نوٹ کیے تھے۔[2] اس پر تفصیلی گفتگو ''عالم اسلام پر شیعی اثرات'' کے مبحث میں آئے گی۔

نماز، زکات، حج اور صیام، جو دین کے ارکان اور اس کی بڑی بنیادیں ہیں، شیعہ کے نزدیک قرآن مجید میں ان سب چیزوں کا معنی ائمہ (شیعہ) ہیں۔ چناں چہ یہ لوگ ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں:

''قرآن میں صلات (نماز) ہم ہی ہیں اور اہم ہی زکات، ہم ہی صیام اور ہم ہی حج ہیں۔''[3]

---

[1] یہ روایت مندرجہ ذیل ہے:
عبداللہ بن ابی یعفور سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں لوگوں سے ملتا جلتا رہتا ہوں تو کچھ اقوام پر بڑی حیرانی ہوتی ہے، جو آپ سے محبت نہیں کرتے، بلکہ فلاں اور فلاں (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما، مراد اہلِ سنت ہیں) سے محبت کرتے ہیں، ان میں امانت، صداقت اور ایفائے عہد جیسی خوبیاں ہوتی ہیں، لیکن جو لوگ (شیعہ) آپ سے محبت کرتے ہیں، ان میں اس طرح کی امانت، ایفائے عہد اور صداقت نہیں پائی جاتی؟ پس ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بڑے غضب ناک ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے، پھر فرمایا: ایسے شخص کا دین (معتبر و مقبول) نہیں ہے، جو کسی ظالم امام کی، جو اللہ کی طرف سے نہیں، ولایت و محبت کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور ایسے شخص پر کوئی ملامت نہیں، جو اللہ کی طرف سے کسی عادل امام کی ولایت و محبت کے ساتھ اس کی اطاعت کرتا ہے۔
میں نے کہا: ان لوگوں (اہلِ سنت) کا کوئی دین نہیں اور ایسے لوگوں (شیعہ) پر کوئی ملامت نہیں؟ انھوں نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنتے ہو: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ [البقرة: ٢٥٧] یعنی اللہ کی طرف سے ہر عام امام کی محبت و ولایت کے سبب انھیں گناہوں کے اندھیروں سے توبہ و مغفرت کے نور کی طرف نکالتا ہے۔ (أصول الكافي: ١/ ٣٧٥)

[2] امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے اور دوسرے لوگوں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ کوئی رافضی، دین میں حرام کردہ امور سے، خواہ وہ کسی طرح کے ہوں، بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ (طلب العلم، ص: ٧٣) ان کے مزید ملاحظات کی تفصیل ''عالم اسلام پر شیعی اثرات'' کے مبحث میں آئے گی۔

[3] بحار الأنوار (٢٤/ ٣٠٣)

بلکہ ان لوگوں کا سارا دین صرف علی رضی اللہ عنہ کی ولایت ومحبت ہی کا نام ہے۔جعفر صادق سے اس آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ﴾ [البقرة: ١٣٢] کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: (دین سے مراد) ولایتِ علی رضی اللہ عنہ ہے۔ ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ تمھیں موت آئے تو تم ولایتِ علی پر اسلام لانے والے ہو۔[1]

تفسیر القمی میں اس آیت ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ [الشوریٰ: ١٣] کے متعلق لکھا ہے: (دین سے مراد) امام ہے۔ ﴿وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ یہ امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) سے کنایہ ہے۔ ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ اس سے مراد ولایتِ علی کا مسئلہ ہے۔ ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یہ علی علیہ السلام سے کنایہ ہے۔[2]

جب حقیقت یہی ہے تو پھر اسے ''دینِ منتظر'' یا ''دینِ ولایت'' یا پھر خود ''ولایت'' ہی کے نام سے کیوں موسوم نہیں کیا جاتا؟ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ یہ دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا ہی دین ہے۔اس دین کا معنی صرف ایک شخص کی اطاعت گزاری ہے۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اثنا عشریہ نے یہ فکر فرقہ کیسانیہ[3] سے لی ہے۔ جیسا کہ شہرستانی کہتے ہیں:

---

[1] البرهان (١/ ١٥٦) مرآة الأنوار (ص: ١٤٨)

[2] تفسير القمي (٢/ ٢٧٤) البرهان (٤/ ١٢٠) تفسير الصافي (٤/ ٣٦٨۔ ٣٦٩) بحار الأنوار (٣٦/ ٨٤)

[3] کیسانیہ: غالی شیعہ ہیں۔ یہ محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل ہیں۔ انھیں مختار بن ابی عبید ثقفی کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے ''کیسانیہ'' کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس کا لقب ''کیسان'' تھا۔ بعض اصحابِ فرق اسے ''مختاریہ'' نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ مختار نے خود اپنے اوپر وحی نازل ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ شخص بدا (اللہ تعالیٰ کے لیے ظہورِ علم) اور کئی دوسری گمراہیوں کا قائل تھا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ایک کیسان نامی شخص کی طرف نسبت کی بنا پر ان کا نام کیسانیہ پڑا تھا۔ یہ شخص کوفہ میں قبیلہ بجیلہ کی ایک شاخ کا غلام تھا اور ایک دوسرے قول کے مطابق علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کا غلام تھا۔ امام اشعری کے نزدیک اس فرقے سے نمودار ہونے والے فرقوں کی تعداد گیارہ ہے، جن کا حاصل بغدادی کی رائے میں دو فرقے ہیں: ① ایک فرقہ کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ فوت نہیں ہوئے اور وہی مہدی منتظر ہیں۔ ② دوسرا فرقہ محمد بن حنفیہ کی وفات کے بعد امامت کو کسی دوسرے کے سپرد کرتا ہے، لیکن پھر ان میں بھی امام کی، جس کی طرف خلافت منتقل ہوگی، تعیین میں اختلاف ہے۔ کیسانیہ سے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں:

الأشعري: مقالات الإسلاميين (١/ ٩١) البغدادي الفرق بين الفرق: (ص: ٢٣، ٣٨، ٥٣) ابن حزم: الفصل (٥/ ٣٥۔ ٣٦، ٤٠۔ ٤١) الرازي: اعتقادات فرق المسلمين والمشركين (ص: ٩٣۔ ٩٥) نشوان الحميري: الحور العين (ص: ١٥٧ وما بعدها) ابن المرتضىٰ: المنية و الأمل (ص: ٨٢۔ ٨٣) نیز دیکھیں: الناشيء الأكبر: مسائل الإمامة (ص: ٢٥۔ ٢٦ وما بعدها) القمي: المقالات والفرق (ص: ٢١۔ ٢٢) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٢٣۔ ٢٤۔ ٢٧) دیکھیں: وداد القاضي: الكيسانية في التاريخ والأدب.

''ان میں یہ نظریہ مشترک ہے کہ دین صرف ایک شخص کی اطاعت گزاری ہے، حتی کہ اس امر نے انھیں صلات، صیام، زکات اور حج وغیرہ جیسے شرعی ارکان کی تفسیر کو اشخاص پر محمول کرنے پر آمادہ کر دیا... جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ دین صرف ایک شخص کی اطاعت ہے اور وہ شخص ہے ہی نہیں، کیوں کہ وہ (غار میں مخفی ہے) تو اس کا کوئی دین نہیں۔''[1]

پس یقیناً ان لوگوں کے ہاں دین صرف ایک شخص ہی، اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ ہیں، کی ولایت و محبت میں منحصر ہے اور دین کے دوسرے معانی، جیسے: اللہ و رسول کی اطاعت، نیکی پر عمل پیدا ہونا اور برائی سے باز آنا... ان کی روایات کے مطابق دین کے مفہوم سے خارج ہیں!!

لفظِ امت، جس کا معنی معروف ہے، قرآن مجید میں انچاس (۴۹) مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ شیعہ اس لفظ کی تاویل ائمہ یا شیعہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ ''مرآۃ الأنوار'' میں کہا ہے:

''ہماری روایات سے یہ اختلافِ الفاظ مستفاد ہوتا ہے کہ امت کی تاویل و تفسیر کبھی ائمہ کے ساتھ مناسب ہوتی ہے اور کبھی اہلِ حق اور حق پرست شیعہ کے ساتھ، اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔''[2]

پھر مولف نے اس تاویل سے متعلق شیعی روایات کا ایک مجموعہ ذکر کیا ہے، جو اس نے شیعہ کی متعدد معتبر کتب سے نقل کی ہیں۔ بنا بریں اگر امت (قرآن میں) ائمہ (شیعہ) کے معنی میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن صرف ائمہ کے لیے نازل ہوا ہے اور امت قرآن کی مخاطب ہے نہ اس کی مکلّف!!

یہ امر یہی تک نہیں، بلکہ (شیعہ کے ہاں) جمادات کی تفسیر بھی ائمہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مثلاً ''البئر'' (کنواں) اس کا مفہوم واضح ہے، لیکن شیعہ قرآن میں اس لفظ کی تفسیر علی رضی اللہ عنہ اور ان کی ولایت امام صامت (قرآن)، امام غائب، فاطمہ اور ان کی حکومت سے معزول شدہ اولاد کے ساتھ کرتے ہیں۔[3] انھیں کے ساتھ وہ اس آیت ﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ [الحج: ٤٥] کی تفسیر کرتے ہیں۔ ''تفسیر البرهان'' میں اس معنی کے متعلق پانچ روایات مروی ہیں۔[4]

اسی طرح لفظ ''البحر'' (سمندر، دریا) معروف معنی کے مطابق قرآن مجید میں تینتیس (۳۳) مرتبہ

---

[1] الملل و النحل (١/ ١٤٧)

[2] مرآة الأنوار (ص: ٨١)

[3] بحار الأنوار (٣٦/ ١٠٤۔ ١٠٥) مرآة الأنوار (٩٤) دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٨٥) البرهان (٣/ ٩٦۔ ٩٧) أصول الكافي (١/ ٤٢٧) معاني الأخبار (ص: ١١١)

[4] البرهان (٣/ ٩٦۔ ٩٧)

سے زیادہ ذکر ہوا ہے، لیکن شیعہ اس لفظ "البحر" اور "البحار" سے امام، ائمہ اور ان کے مخالفین مراد لیتے ہیں۔ "مرآة الأنوار" کے مولف نے اس کی تاویل میں اپنے مذہب کی چند روایات ذکر کیں اور پھر کہا ہے:

''یہ بات مخفی نہیں کہ ان روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ میٹھے پانی والے سمندر، جو مدح و نفع پر مشتمل ہیں، کی تاویل امام اور ائمہ بلکہ فاطمہ کے ساتھ اور کھارے پانی والے سمندر کی تاویل ان کے مخالفین کے ساتھ کرنا درست ہے۔''[1]

تفسیر القمی وغیرہ میں اس آیت ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ [الرحمن: ١٩] کے متعلق ابو عبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ علی اور فاطمہ دو گہرے سمندر ہیں، جو ایک دوسرے کے خلاف سرکشی نہیں کرتے۔ ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ اس سے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) مراد ہیں۔[2]

شیعہ معانی اور مثل علیا (اعلیٰ مثال) کی تاویل بھی امامت اور ائمہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ "الخیر" بھی (شیعہ کے ہاں) ولایت ہی ہے۔ کاظم، شیعی دعوے کے مطابق، اس آیت ﴿وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ [الحج: ٧٧] کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں "الخیر" سے مراد ولایت ہے۔[3]

اسی طرح اس آیت ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ﴾ [البقرة: ١٤٨] کے متعلق ابو جعفر نے کہا ہے: ﴿اَلْخَيْرٰتِ﴾ سے مراد ولایت ہے۔[4]

آیات کونیہ (کائنات کی نشانیاں) کی تفسیر بھی ائمہ کے ساتھ کی جاتی ہے، چناں چہ اس آیت ﴿وَ عَلٰمٰتٍ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ [النحل: ١٦] میں ﴿عَلٰمٰتٍ﴾ سے مراد ائمہ ہیں۔ ابو عبداللہ، شیعی روایت کے مطابق، نے کہا ہے: "النجم" سے مراد رسول اللہ اور "علامات" سے مراد ائمہ علیہم السلام ہیں۔[5]

---

[1] مرآة الأنوار (ص: ٩٤)

[2] تفسير القمي (٢/ ٣٤٤) تفسير فرات (ص: ١٧٧) ابن بابويه: الخصال (ص: ٦٥) تفسير الصافي (٥/ ١٠٩) البرهان (٤/ ٢٦٥) اس میں مولف نے اس تاویل کے متعلق بارہ روایات ذکر کی ہیں۔ بحار الأنوار (٢٤/ ٩٧) اس میں بایں عنوان "باب أنهم ۔علیہم السلام۔ البحر واللؤلؤ و المرجان" ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ نیز گذشتہ صفحات میں اس تاویل کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام اسی کتاب کے صفحہ (١٩٣) پر ملاحظہ کریں۔

[3] مرآة الأنوار (ص: ١٣٩)

[4] البرهان (١/ ١٦٣) تفسير الصافي (١/ ٢٠٠)

[5] تفسير القمي (١/ ٣٨٣) تفسير العياشي (٢/ ٢٥٥) أصول الكافي (١/ ٢٠٦) البرهان (٢/ ٣٦٢) تفسير الصافي (٣/ ١٢٩) تفسير فرات (ص: ٨٤) مجمع البيان (٤/ ٦٢)

اس سلسلے میں کلینی نے مندرجہ ذیل عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے:

"باب أن الأئمة هم العلامات التي ذكرها الله عز و جل في كتابه"[1]

''باب: یقیناً ائمہ ہی وہ علامات ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔''

مجلسی نے بھی اس کی اتباع میں اسی عنوان "باب أنهم علیہم السلام النجوم والعلامات" سے ایک باب منعقد کیا ہے،[2] لیکن آیت کا سیاق وسباق اور ائمہ سلف سے منقول آثار آیت بالا کی اس شیعی تاویل کی نفی کرتے ہیں۔[3]

شیعہ احوالِ یوم آخر (روزِ قیامت کے حالات و معاملات) کی تفسیر رجعتِ ائمہ یا ولایت کے ساتھ کرتے ہیں۔ پس روزِ قیامت کے متعلقہ ناموں: ساعت، قیامت اور نشور وغیرہ کی تاویل شیعہ کے ہاں عموماً رجعتِ ائمہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں "مرآة الأنوار" کا مولف ایک قاعدہ پیش کرتا ہے، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''قرآن کے ظاہری الفاظ میں روزِ قیامت کے لیے جو لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اس کی تاویل وتفسیر رجعت ہے۔''[4]

قرآن مجید میں ''لفظِ ساعت'' کے متعلق مجلسی کہتا ہے کہ یقیناً ساعت کا ظاہری معنی قیامت اور باطنی معنی رجعت ہے۔[5] نیز شیعہ کے ہاں ساعت کی تاویل ولایت کے ساتھ مذکور ہے، چناں چہ وہ رضا سے اس آیت ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ﴾ [الفرقان: ١١] کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''یعنی انھوں نے ولایتِ علی کی تکذیب کی۔''[6]

''حیاۃِ دنیا'' بھی رجعت ہی ہے۔ "مرآة الأنوار" کے مولف نے کہا ہے: ''دنیا کی تاویل رجعت اور ولایتِ ابی بکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ دلالت کرنے والی روایت مروی ہے،''[7] چناں چہ اس آیت ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [الغافر: ٥١] کے متعلق جعفر نے کہا ہے: حیاۃِ دنیا سے مراد رجعت ہے۔[8] اسی

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٠٦)

[2] بحار الأنوار (٢٤/ ٦٧۔ ٨٢)

[3] دیکھیں: تفسير الطبري (١٤/ ٩٢) تفسير ابن كثير (٢/ ٦١٢)

[4] مرآة الأنوار (ص: ٣٠٣)

[5] بحار الأنوار (٢٤/ ٣٣٤)

[6] النعماني: الغيبة (ص: ٥٤) البرهان (٣/ ١٥٧) مرآة الأنوار (ص: ١٨٢)

[7] مرآة الأنوار (ص: ١٥٠)

[8] تفسير القمي (٢/ ٢٥٨۔ ٢٥٩) تفسير الصافي (٤/ ٣٤٥) البرهان (٤/ ١٠٠)

طرح اس آیت ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ [الأعلیٰ: ١٦] کے متعلق فرماتے ہیں:

یعنی تم حیاتِ دنیا، ابوبکر وعمر اور عثمان کی ولایت کو ترجیح دیتے ہو۔[1]

باطنی تاویلات کا کوئی قاعدہ قانون نہیں ہے، چناں چہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیوی زندگی اور آخرت دونوں کی تاویل رجعت کے ساتھ کی جاتی ہے، حالاں کہ ان دونوں کے درمیان نمایاں تفاوت ہے، اسی طرح آپ یہ بھی ملاحظہ کر رہے ہیں کہ ایک مرتبہ شیعی تاویلات دنیوی زندگی کی تفسیر رجعت کے ساتھ کرتی ہیں اور دوسری مرتبہ اس سے ولایت مراد لیتی ہیں، حالاں کہ یہ دونوں بھی باہم مختلف ہیں۔ پس یہ غور وفکر سے عاری کم عقلی پر مبنی اقوال ہیں، جو کسی اصل اور فرع، بلکہ عقل کی بنیاد پر بھی قائم نہیں ہیں۔

بہت زیادہ قرآنی آیات کی امامت اور ائمہ کے ساتھ شیعی تاویل حد وحساب سے باہر ہے، گویا قرآن صرف انھیں کے متعلق نازل ہوا ہے۔ یہ لوگ ان دعویٰ جات میں ہر عقلی حد کو پھلانگ گئے اور اپنی تاویلات میں ایسی حماقتوں کا ارتکاب کر گئے ہیں، جو بے وقوفوں کی یاوہ گوئی سے مشابہت رکھتی ہیں، حتی کہ انھوں نے کہا ہے کہ اس آیت ﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ [النحل: ٦٨] میں ''النحل'' (شہد کی مکھی) سے مراد ائمہ ہیں!!

چناں چہ قمی نے ابوجعفر تک اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

''ہم ہی وہ مکھی ہیں، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی تھی کہ ﴿اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم عرب سے شیعہ پکڑیں۔ ﴿وَ مِنَ الشَّجَرِ﴾ فرماتے ہیں کہ عجم سے بھی۔ ﴿وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ﴾ فرماتے ہیں کہ غلاموں سے بھی...''[2]

مجلسی نے اس سلسلے کی شیعی روایات کو اس عنوان ''باب نادر في تأويل النحل بهم علیہم السلام'' سے قائم کردہ ایک باب میں جمع کیا ہے۔[3] اسی طرح مجلسی نے اس معنی کی روایات بھی ذکر کی ہیں کہ یقیناً ائمہ ہی ماء معین (بہتا ہوا چشمہ) قصر مشید (مضبوط محل) سحاب، مطر، فواکہ اور دیگر ظاہری نفع آور اشیا ہیں۔[4]

مجلسی نے اس عنوان ''باب تأويل الأيام والشهور بالأئمة'' سے قائم کردہ باب میں یہ روایت ذکر کی ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٤١٨) البرهان (٤/ ٤٥١)

[2] تفسير القمي (١/ ٣٨٧)

[3] بحار الأنوار (٢٤/ ١١٠۔ ١١٣)

[4] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٤/ ١٠٠۔ ١١٠)

''ہم ہی ایام (تمام دن) ہیں۔ پس ''سبت'' (ہفتہ) سے مراد رسول اللہ اور ''الأحد'' (اتوار) امیر المومنین سے کنایہ ہے۔ ''الاثنین'' (سوموار) سے مراد حسن وحسین۔ ''الثلاثاء'' (منگل) سے مراد علی بن حسین، محمد بن علی، جعفر بن محمد۔ ''الأربعاء'' (بدھ) سے مراد موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ، محمد بن علی اور میں خود، ''الخمیس'' (جمعرات) سے مراد حسن بن علی کے دو بیٹے اور ''الجمعة'' سے مراد پوتا ہے۔''[1]

طرفہ تماشا یہ ہے کہ شیعی روایات میں بعض ایام کی جیسا کہ سوموار ہے،[2] مذمت بیان ہوئی ہے، تو کیا اس مذمت کا رخ بعض ائمہ شیعہ کی طرف بھی ہوگا، کیوں کہ ائمہ ہی تمام ایام ہیں؟!

جابر جعفی روایت کرتا ہے کہ میں نے ابوجعفر سے اس آیت ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٣٦] کی تاویل کے متعلق پوچھا تو انھوں نے درد بھرا سانس لیا، پھر فرمایا:

اے جابر! ''سنہ'' (سال) سے مراد میرے نانا رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس کے بارہ مہینوں سے مراد امیر المومنین سے لے کر مجھ تک اور میرے بیٹے جعفر اور اس کے بیٹے موسیٰ اور اس کے بیٹے علی اور اس کے بیٹے محمد اور اس کے بیٹے علی تک اور اس کے بیٹے حسن تک اور اس کے بیٹے محمد ہادی مہدی بارہ اماموں تک ہے ... چار حرمت والے مہینوں سے مراد وہ لوگ ہیں، جو دین قیم (مضبوط دین) ہیں۔ ان میں سے چار ایک ہی نام سے نکلتے ہیں: امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، میرے والد علی بن حسین، علی بن موسیٰ اور علی بن محمد۔ پس ان کا اقرار کرنا ہی دین قیم ہے۔ ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی ان تمام کا اقرار کرلو، تم ہدایت یافتہ بن جاؤ گے۔[3]

''بعوضة'' (مچھر) کا ذکر سورۃ البقرۃ [آیت: ٢٦] میں وارد ہوا ہے، شیعہ کے نزدیک اس سے علی (رضی اللہ عنہ) مراد ہیں۔[4]

لفظِ ''ذباب'' (مکھی) کی تفسیر بھی شیعہ کے ہاں ''بعوضة'' (مچھر) کی طرح علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کی جاتی ہے،[5] بعض شیعہ نے اس تاویل کی سنگینی کو کم کرنے کی خاطر کہا ہے کہ اس سے مراد شہد والی مکھی ہے، لیکن

---

[1] بحار الأنوار (٢٤/ ٢٣٩) الصدوق: الخصال (ص: ٣٩٥۔ ٣٩٦) یہ روایت شیعہ کے دسویں امام علی ہادی کی طرف منسوب ہے۔

[2] دیکھیں: سفينة البحار (١/ ١٣٧)

[3] الطوسي: الغيبة (ص: ٩٦) ابن شهر أشوب: مناقب آل أبي طالب (١/ ٢٤٤) بحار الأنوار (٢٤/ ٢٤٠) البرهان (٢/ ١٢٢۔ ١٢٣) نور الثقلين (٢/ ٢١٤۔ ٢١٥) اللوامع النورانية (ص: ١٤١)

[4] تفسير القمي (١/ ٣٥) البرهان (١/ ٧٠)

[5] دیکھیں: مرآة الأنوار (ص: ١٥٠)

اس کی نظروں سے یہ امر اوجھل ہوگیا ہے کہ شیعہ اس آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ [الحج: ٧٣] کی تاویل میں یہ بات کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ گھٹیا ترین کیڑے مکوڑوں کے نام کا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر اطلاق کرنے میں کیا راز ہے؟ پھر یہ ایسے گروہ کا طرزِ عمل ہے، جو ان کی محبت اور طرف داری کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن نفرت و عداوت ان کے منہ سے ظاہر ہوگئی ہے اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے، پھر آلِ بیت کے ساتھ شیعہ کی عملی تاریخ اس سے بھی زیادہ سخت اور قابلِ تشنیع ہے!

شیعی تاویلات میں ائمہ کی قبور کو بھی وافر حصہ ملا ہے، چناں چہ آیت ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ﴾ [القصص: ٣٠] میں بقعہ مبارکہ سے مراد کربلا ہے،[1] حالاں کہ سابقہ آیت ﴿مِنْ جَانِبِ الطُّورِ﴾ [مریم: ٥٢] میں نص قرآن کی رو سے مشہور ہے کہ وہ طور سینا میں تھا۔ علاوہ ازیں جس طرح شیعہ روایات نے ان آیات کو ائمہ شیعہ کے ساتھ خاص کیا ہے، اسی طرح قرآن مجید کی کئی آیات کو ان کے پیروکاروں (شیعہ) کے ساتھ بھی مخصوص کر دیا ہے۔[2] حتی کہ شیعی روایات کے مطابق اس آیت ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [الأعراف: ١٥٦] میں شے سے مراد شیعہ ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت صرف شیعہ تک محدود ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تمام بندوں کے لیے وسیع فرمایا ہے، اس کو محدود کر دیا جائے۔

شیعہ ان قرآنی الفاظ ''شرک''، ''کفر''، ''ردۃ'' اور ''ضلال'' کی ایسی تاویل کرتے ہیں، جو مسلمانوں کے ہاں ان الفاظ کی معروف تفسیر کے ساتھ قطعاً میل نہیں کھاتی۔ چنانچہ وہ ان الفاظ کی تفسیر بارہ اماموں کی بیعت چھوڑنے کے ساتھ کرتے ہیں، (باوجودیکہ ان بارہ اماموں میں سے علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو بھی حکومت نہیں ملی) اس امر کے شواہد بہت زیادہ ہیں، جو دسیوں روایات تک پہنچتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے یہ تذکرہ کیا ہے کہ شیعی عالم مجلسی نے اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' میں ایسے ابواب قائم کیے ہیں، جن میں اس باطنی تاویل سے متعلق کئی عناوین ہیں اور بسا اوقات ایک ہی باب ایک سو روایات پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن ذیل میں ہم ان احادیث سے صرف چند مثالیں ذکر کریں گے۔

چناں چہ شیعہ کتب اس آیت ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر: ٦٥] کے متعلق کہتی ہیں: یعنی اگر تم نے امامتِ علی میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا۔[3] ''مرآۃ الأنوار'' کا مولف کہتا ہے: ''اس بنیاد پر (ائمہ شیعہ)

---

[1] ابن قولویه: کامل الزیارات (ص: ٤٨۔ ٤٩) البرهان (٣/ ٣٣٦) مرآة الأنوار (ص: ٩٩)

[2] دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٤٢٩) البرهان (٢/ ٤٠) مرآة الأنوار (ص: ١٩٢)

[3] دیکھیں: تفسیر القمي (٢/ ٢٥١) تفسیر فرات (ص: ١٣٣) البرهان (٤/ ٨٣) تفسیر الصافي (٤/ ٣٢٨)

کے تمام مخالفین مشرک ہیں۔''[1] نیز کہتا ہے: ''یقیناً (شیعی) روایات اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی عبادت میں شرک کی تاویل ولایت و امامت کے ساتھ کرنے کے سلسلے میں بڑی کثرت سے مروی ہیں۔''[2] اسی لیے ان لوگوں نے (معاذ اللہ) اصحابِ رسول پر مرتد ہونے کا حکم لگایا ہے، جیسا کہ آگے (مبحثِ امامت میں) آئے گا،[3] کیوں کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ اسی طرح یہ لوگ لفظِ ''کفر'' کی تاویل بھی اسی (ترکِ بیعت) کے ساتھ کرتے ہیں۔ اصولِ کافی میں ہے:

''ابوعبداللہ سے اس آیت ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ''[4] کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''یہ آیت فلاں، فلاں اور فلاں[5] شخص کے متعلق نازل ہوئی کہ پہلے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لے آئے، لیکن جب ان کے سامنے ولایت پیش کی گئی تو انھوں نے کفر کیا... پھر وہ امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت کے ساتھ ایمان لائے، لیکن جب رسول اللہ ۔صلی اللہ علیہ وآلہ۔ وفات پا گئے تو انھوں نے پھر کفر کیا کہ بیعت کا اقرار نہ کیا۔ پھر کفر میں اس طرح اور بڑھ گئے کہ انھوں نے اس شخص کی بیعت کر لی، جس نے خود ان (علی رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی ہوئی تھی، چناں چہ ان میں کوئی ایمان باقی نہ رہا۔''[5]

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں نے انبیا کے بعد افضل ترین انسانوں کو اس حکم کا سزاوار ٹھہرایا ہے، پھر ان کے علاوہ ان سے کم مرتبے والے امت محمدیہ کے افراد کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

بعض شیعی علما نے اس تخصیص کی وجہ بتاتے ہوئے کہا ہے:

---

(1) أبو الحسن الشريف: مرآة الأنوار (ص: ٢٠٢)

(2) المصدر السابق.

(3) ملاحظہ کریں کہ اس شخص نے دو الگ الگ سورتوں کی دو آیتوں کو ایک آیت سمجھ کر اکٹھا کر دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان افسانوں کو گھڑنے والا اور اہلِ بیت کے ذمے افترا پردازی کرنے والا کوئی زندیق اور جاہل شخص تھا، کیوں کہ یہ الفاظ ﴿لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ﴾ سورت آل عمران [آیت: ٩٠] کے ہیں اور یہ الفاظ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...﴾ سورۃ النساء [آیت: ١٣٧] کے ہیں۔

(4) شیعہ ان سے ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو مراد لیتے ہیں، جیسا کہ بعض شیعی علما کی زبانی یہ تفسیر ''امامت'' کے مبحث میں آئے گی۔

(5) أصول الكافي (١/ ٤٢٠) تفسير القمي (١/ ١٥٩) تفسير العياشي (١/ ٢٧٦) البرهان (١/ ٤٢١) تفسير الصافي (١/ ٥١١) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٧٥) مرآة الأنوار (ص: ٢٨٩)

''بعض روایات میں کفر کی تاویل مخالفین کے سرداروں کے ساتھ مروی ہے، خصوصاً تین (ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم) کے ساتھ، ان کے کفر وجحود کی زیادتی میں مبالغہ کرتے ہوئے۔''[1]

لفظِ ''الردة'' سے مراد بارہ اماموں میں سے ایک کی بیعت سے ارتداد ہے۔ اصولِ کافی وغیرہ میں ابوعبداللہ سے اس آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾ [محمد: ٢٥] کے متعلق مروی ہے کہ انھوں نے کہا: فلاں، فلاں اور فلاں شخص (ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم) امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کی ولایت ترک کر کے (معاذ اللہ) ایمان سے مرتد ہوگئے تھے۔[2]

''الضلال'' (گمراہی) سے مراد امام کو نہ پہچاننا ہے، چناں چہ اس آیت ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ [النساء: ٤٤] کے متعلق کہا ہے: یعنی وہ لوگ امیر المومنین (کی معرفت) کے متعلق بھٹک گئے۔[3] نیز اس آیت ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ [الفاتحة: ٧] کے متعلق کہا ہے کہ ''الضالین'' سے مراد وہ لوگ ہیں، جو امام کو نہیں پہچانتے۔[4]

کفر وشرک اور ردت وضلالت کی بارہ اماموں کی بیعت ترک کرنے کے ساتھ تفسیر کرنا، قطع نظر کہ اس کی نقل یا عقل یا لغت یا شریعت سے کوئی دلیل نہیں ہے، یقیناً یہ امر (شاید ان روایات کو وضع کرنے والے کا مقصد بھی یہی ہے) اس تفسیر پر اعتقاد رکھنے والے کو اس نتیجے تک پہنچا دیتا ہے کہ کفر اور کافر شیعہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں پر فضیلت رکھتے ہیں (کیوں کہ کفر کا بلند ترین نقطہ ترکِ ولایت ہے)، شیعہ کی تاریخ بھی مسلمانوں کے ساتھ اس رویے کی تصدیق کرتی ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد شرک والحاد کو بھی بڑا اکم تر بنا کر پیش کرتا ہے، جو درحقیقت اساسِ اسلام کو منہدم کرنے اور رسالتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کے مترادف ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے انھیں شرک وکفر وضلالت کے خلاف جنگ کرنے اور توحید وشریعت اسلام کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لیے مبعوث کیا تھا۔

کبائر اور تمام محرمات سے شیعہ کے ہاں ائمہ کے دشمن مراد ہیں۔ ابوعبداللہ، شیعی گمان کے مطابق، کہتے ہیں:

---

[1] مرآة الأنوار (ص: ١٨٧)

[2] أصول الكافي (١/ ٤٢٠) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٧٥) نیز دیکھیں: تفسير القمي (٢/ ٣٠٨) البرهان (٤/ ١٨٦) تفسير الصافي (٥/ ٢٨)

[3] تفسير القمي (١/ ١٣٩)

[4] تفسير القمي (١/ ٢٩)

''قرآن مجید میں ''الفحشاء''، ''المنكر''، ''البغي''، ''الخمر''، ''الميسر''، ''الأنصاب''، ''الأزلام''، ''الأصنام''، ''الأوثان''، ''الجبت''، ''الطاغوت''، ''الميتة''، ''الدم'' اور ''لحم الخنزير'' سے مراد ہمارے دشمن ہیں۔''[1]

اس سے قبل بھی ہم نے یہ اشارہ کیا ہے کہ محرمات کی تاویل ائمہ کے دشمنوں کے ساتھ کرنا ''بحار الأنوار'' کے کئی ابواب میں مذکور ہے، جو دسیوں احادیث پر مشتمل ہیں۔

بعض معتبر شیعی مصادر میں ایسی روایات مروی ہیں، جو اس افسانے کو وضع کرنے والے کی نقاب کشائی کرتی ہیں اور یہ واضح کرتی ہیں کہ محرمات کی تاویل ائمہ کے دشمنوں کے ساتھ اور فرائض کی تاویل ائمہ کے ساتھ کرنے والا پہلا شخص ابو الخطاب ہے، جس سے خود ائمہ نے براءت کا اظہار کیا اور اس پر لعنت کی ہے۔

چناں چہ ''رجال الكشي''، میں مذکور ہے:

''ابو عبداللہ نے ابو الخطاب کی طرف خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ ''الزنا'' سے مراد ایک شخص ہے۔ ''الخمر'' سے مراد ایک شخص ہے۔ ''الصلاة'' سے مراد ایک شخص ہے۔ ''الصيام'' سے مراد ایک شخص ہے۔ ''الفواحش'' سے مراد ایک شخص ہے، لیکن تمھاری یہ بات درست نہیں ہے۔''[2]

کتبِ مقالات وفرق میں بعض غالی شیعوں کا یہ قول مذکور ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''یقیناً تمام محرمات ایسے اشخاص کے نام ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنی رکھنے کا حکم دیا ہے اور فرائض ان افراد کے نام ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔''[3]

نیز شہرستانی کہتے ہیں:

''ان لوگوں کا فرائض و محرمات کو افراد کے ناموں پر حمل کرنے سے مقصود صرف اتنا ہے کہ جس شخص نے اس کو پا لیا اور اسے اس نے پہچان لیا تو اس سے شرعی احکامات کی پابندی ختم ہوگئی اور وہ ان احکام کا مخاطب نہ رہا۔''[4]

---

[1] بحار الأنوار (٢٤/ ٣٠٣)

[2] رجال الكشي (ص: ٢٩١) بحار الأنوار (٢٤/ ٢٩٩)

[3] الملل والنحل (١/ ١٧٩)

[4] المصدر السابق (١/ ١٧٩)

ان تمام باتوں کے وارث اثنا عشری بنے اور انھیں نے زندہ کیا، ان روایات کی نشر و اشاعت کا سرغنہ قمی (صاحب التفسیر) کلینی، عیاشی، کاشانی اور مجلسی وغیرہ جیسے حکومت صفویہ کے شیوخ و علما ہیں، جنھوں نے غالی شیعہ فرقوں کی ان کہانیوں اور افسانوں کو نئی زندگی دی اور انھیں ائمہ کی روایات کا روپ دے کر اثنا عشریوں کے عقیدے میں داخل کر دیا۔

اس باب میں شیعی تاویلات اس قدر کثرت سے ہیں کہ انھیں ذکر کرنے کے لیے کئی مجلدات درکار ہیں اور ان کے ہر شاذ و مخالف عقیدے: رجعت، غیبت اور تقیے وغیرہ میں تاویلات اور بہتان طرازیوں کی اس قدر بھرمار ہے، جو حد و حساب سے باہر ہے۔ عن قریب ہم ان مسائل پر بحث کے دوران میں ان شاء اللہ ان تاویلات و افتراءات کا کچھ حصہ ذکر کریں گے۔ یہاں جو ہم نے ذکر کیا ہے، یہ اس کا بہت تھوڑا حصہ ہے، جو ہم نے جمع کیا تھا اور ہم نے طوالت کے خوف سے اُسے ذکر نہیں کیا۔ جس قدر اشیا ہم نے جمع کی تھیں، وہ تاریک سمندر سے ایک قطرے کی مانند ہیں، جن کے ذکر کرنے اور ان پر نقد و تبصرہ کرنے کے لیے کئی مجلدات درکار ہیں۔ ان مثالوں میں سے ہر ایک مثال عموماً ہمارے سامنے اس قوم کے الوہیت و نبوت، اسما و صفات اور ارکانِ اسلام وغیرہ سے متعلق عقائد میں سے کسی عقیدے کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ بہر حال اس سے پہلے کہ میں اس موضوع سے قلم کو روک لوں، مندرجہ ذیل ملاحظات قلم بند کرنا چاہتا ہوں:

① گذشتہ مباحث میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن کا بیشتر حصہ ان (شیعہ) کے اور ان کے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا ہے، پھر میں نے قرآنی معانی کی شیعی تحریف کی چند مثالیں پیش کی ہیں، یہ سب چیزیں اس شیعی نظریے کی توثیق کرتی ہیں کہ قرآن کا اکثر حصہ بارہ اماموں اور ان کے مخالفین کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس مسئلے کی خاطر شیعہ شیوخ و علما نے ہزاروں نصوص جمع کی ہیں، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ان میں سے چند روایات کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس ساری صورتِ حال کے بعد خود شیعی نصوص ہی سے ہمیں ایسی روایات ملتی ہیں، جو ان دعویٰ جات کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔

ایک عبارت، جسے شیعہ ابو عبداللہ جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں، کہتی ہے: ''اگر قرآن کو ویسے پڑھا جائے، جیسے یہ نازل ہوا تھا تو تم ہمیں اس میں نام بہ نام مذکور پاؤ گے۔''[1] پس یہ شیعہ کا اپنا اعتراف ہے کہ قرآن مجید میں ان کے ائمہ کا کوئی ذکر ہے نہ ان کا نام ہی قرآن میں کہیں لیا گیا ہے۔ گویا یہ لوگ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ڈھا رہے ہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہوا کہ اس روایت کے وضع کرنے والے نے مسئلہ تحریف

---

[1] تفسير العياشي (١/ ١٣) بحار الأنوار (٩٢/ ٥٥) تفسير الصافي (١/ ٤١) اللوامع النورانية (ص: ٥٤٧)

کی حمایت وتائید پر توجہ مبذول کی (عن قریب اس پر تفصیلی بحث آگے آئے گی) اور اس سے پہلے جو کچھ (اس کے مخالف روایات) وضع کر چکا تھا، انھیں بھول گیا تھا۔ اختلاف وتناقض درحقیقت ایسے شخص کے لیے سزائے خداوندی ہے، جو دین میں ایسی چیز گھڑ کر داخل کرتا ہے، جو اس کا حصہ نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ٨٢]

''اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

یہ اس امر کی مضبوط دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے، نیز اس سلسلے میں گذشتہ صفحات میں ایک عبارت کا تذکرہ ہو چکا ہے، جو قرآن کو چار اقسام میں تقسیم کرتی ہے اور ان میں سے کسی قسم میں بھی ائمہ کا کوئی ذکر نہیں۔[1]

''رجال الكشي'' میں ایک اہم روایت مروی ہے، جو شیعہ کی بنائی ہوئی اس باطنی تاویل کو مکمل طور پر جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ ابو عبد اللہ جعفر صادق کو بتایا گیا کہ کس طرح یہ زندیق لوگ قرآنی آیات کی ایسی باطنی تاویلات کے ساتھ تفسیر و تاویل کرتے ہیں۔ ''چناں چہ انھیں بتایا گیا: آپ سے روایت کیا گیا ہے کہ یقیناً ''الخمر'' (شراب) ''الميسر'' (جوا) ''الأنصاب'' (بت) اور ''الأزلام'' (پانسے کے تیر) سے مراد کچھ اشخاص ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنی مخلوق کو اس طرح سے مخاطب کرے، جسے وہ جانتے ہی نہ ہوں۔''[2] یعنی یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس چیز کے ساتھ مخاطب کرے، جسے پہچاننے اور اس کا معنی سمجھنے کی ان میں اہلیت ہی نہ ہو، کیوں کہ یہ امر قرآن اتارنے کی حکمت: ہدایتِ خلق اور عبادتِ الٰہی کی دعوت کے متضاد اور متعارض ہے اور اللہ تعالیٰ اس عیب سے مبرا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو قرآن پر غور وفکر کرنے کا حکم دے، لیکن وہ تدبر اور سمجھنے کے قابل ہی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں کو پہیلیوں اور شعبدہ بازیوں کے ساتھ مخاطب کرے۔ ابو عبد اللہ جعفر صادق کی یہ بات، جو شیعہ کی معتبر ترین کتاب میں مذکور ہے، ایسی ہر عمارت کو گرا دیتی ہے، جو شیعہ نے ایسی تحریفات اور قرآن اور اس کی آیات میں اس طرح کے الحاد کی بنیادوں پر کھڑی کی ہے۔

یہ خود شیعی نصوص ہی سے اس مسئلے کو ریزہ ریزہ کرنا یا نصوص کی داخلی تنقید ہے، وگرنہ قرآن مجید کی

---

[1] دیکھیں (ص: ١٧٧)

[2] رجال الكشي (ص: ٢٩١)

آیات پر عربی لغت کہ جس میں وہ نازل ہوا ہے: ﴿إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰ نًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [یوسف: ۲] ''بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھو۔'' کی روشنی میں غور و خوض کرنے والا شخص اس میں کسی ایسی چیز کا کوئی ذکر نہیں پاتا، جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اس سلسلے میں یہ لوگ جو روایات ذکر کرتے ہیں، ان کا فساد و بطلان بیان کرنے کے لیے صرف انھیں ذکر کر دینا ہی کافی ہے، کیوں کہ وہ خود اپنے اندر ہی ایسی اشیا لیے ہوئے ہیں، جو ان کی عمارت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں۔ کیا کوئی شخص اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں علی رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار ایک سو چون (۱۱۵۴) نام مذکور ہیں؟ نیز کیا کسی انسان کی عقل میں یہ بات سما سکتی ہے کہ ''بعوضة'' (مچھر) اور ''ذباب'' (مکھی) علی رضی اللہ عنہ کے نام ہیں؟ اسی طرح کیا کوئی مومن بندہ اس بات سے اتفاق کرے گا کہ روزِ قیامت سے متعلق وارد ہونے والی آیات رجعتِ ائمہ کے عقیدے کے ساتھ خاص ہیں؟ ایسے شخص سے آپ کس طرح بحث کریں گے، جو یہ کہتا ہے کہ ایمان اور مومنین سے متعلقہ آیات بارہ اماموں کے بارے میں ہیں اور کفر و کافرین سے متعلقہ آیات (معاذ اللہ) صحابہ کرام کے بارے میں ہیں؟ یہاں میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ یقیناً جس درجے تک یہ لوگ گر گئے ہیں، وہ اس پائیدار دین کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، کیوں کہ جس شخص نے بھی نبوت یا وحی کا دعویٰ کیا اور چاہا کہ دین میں کوئی ایسی خود ساختہ چیز داخل کر دے، جو اس کا حصہ نہیں تو ضرور اللہ تعالیٰ نے اسے سب لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا کیا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ باتیں، جو عقل و نقل اور دین و لغت کے ساتھ قطعاً میل نہیں کھاتیں، اس گروہ کی بہت بڑی رسوائی اور عیب ہیں، انھیں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ اور بہتان کا پردہ چاک کیا ہے۔

نجف، طہران، قم اور بمبئی کے مطابع (چھاپہ خانوں) نے ہمارے لیے بہت بڑی تعداد میں شیعہ کے فکری ورثے کو نکال کر چھاپ دیا ہے، جو مکمل طور پر ایک دین کی نمایندگی کرتا ہے۔ شاید اس کا مناسب ترین نام ''دینِ ولایت'' یا ''امامت'' ہے۔ یہ کتب اس سے پہلے کبھی کسی مسلمان کو اتنی آسانی سے دستیاب نہیں تھیں، جتنی آج ہیں۔ یہ وہ دین ہے، جسے مجلسی اور کلینی وغیرہ جیسے شیعہ مذہب کے ستونوں نے گھڑا ہے اور اس کے اندر سے ایسے بہت سے امور کا انکشاف ہوگا، جو اس سے پہلے معروف نہیں تھے۔ انھیں دیکھنے سے دینِ خداوندی (دینِ اسلام) کی عظمت اور اس کی بقا کا راز اور زیادہ نکھر کر سامنے آجاتا ہے، کیوں کہ چیزوں کی اصل حقیقت ان کی مخالف اشیا سے ہی نکھرتی ہے۔ پس اگر کڑواہٹ نہ ہوتی تو میٹھا ذائقہ بھی نہ پہچانا جاتا!!

میں اس بات سے پُر امید ہوں کہ اتنی بڑی تعداد میں شیعی تراث کا نکلنا، اس کے جلد ہی اختتام پذیر ہونے کی دلیل ہے۔ یقیناً انھوں نے تقیے اور ہوشیاری سے اپنے عقائد کو چھپا رکھا تھا، جس کی بنا پر بہت سے لوگ دھوکا کھا گئے، لیکن اب ان کی معتبر کتابیں بڑی کثرت سے ظاہر ہو رہی ہیں ایسے وقت میں کہ لوگ ان کے نظریات کو جاننے کا شوق رکھتے ہیں، تا کہ ان کے سربستہ عیوب کی نقاب کشائی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

۲ یہ باطنی تاویلات، جن سے اثنا عشریہ کی کتب بھری ہوئی ہیں، اس فرقے سے متعلق لکھنے والے بہت سے لوگوں سے مخفی ہیں اور اثنا عشریہ کے متعلق لکھنے والوں کے بارے میں آپ کے لیے یہی جان لینا کافی ہے کہ وہ اسے باطنی رجحان و میلان سے مکمل طور پر علاحدہ شمار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ باطنی تاویل کا معاملہ صرف فرقہ اسماعیلیہ کی حد تک محدود ہے۔ فرقوں کے متعلق لکھنے والے بعض لوگوں نے کہا ہے:

''اسماعیلیہ نے ائمہ کی ایسی صفات مقرر کی ہیں، جنھیں دوسرے شیعی فرقے جانتے تک نہیں ہیں۔ بایں طور کہ یہ لوگ ظاہری طور پر کہتے ہیں کہ ائمہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح بشر ہیں، جو کھاتے، سوتے اور وفات پا جاتے ہیں، لیکن یہ اپنی باطنی تاویلات میں کہتے ہیں کہ یقیناً امام ہی ''وجہ اللّٰه'' (اللہ کا چہرہ) ''ید اللّٰه'' (اللہ کا ہاتھ) اور ''جنب اللّٰه'' (اللہ کا پہلو) ہے۔''[1]

ملاحظہ کریں کہ یہ بعینہٖ فرقہ اثنا عشریہ کا نظریہ ہے اور اس غلو و مبالغہ کے اقرار و اعتراف سے متعلق ان کے ہاں بہت زیادہ روایات موجود ہیں۔ شیعہ عالم مجلسی نے تو اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' میں ایک باب ہی اس کے لیے قائم کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں، اس باب کا نام ہے:

''باب أنهم ـ عليهم السلام ـ جنب الله، ووجه الله، ويد الله وأمثالها''[2]

''باب: یعنی ائمہ شیعہ اللہ تعالیٰ کا پہلو، چہرہ، ہاتھ اور ایسی ہی دیگر صفات ہیں۔''

مصنفین کے ایک گروہ میں پھیلنے والے اس جہل اور لاعلمی کا اصل سبب یہ ہے کہ اثنا عشریہ کی کتابوں کی دو اقسام ہیں:

۱ وہ کتابیں جو مذہب کے لیے پروپیگنڈا کرتی ہیں، انھیں تقیے کے اسلوب میں لکھا گیا ہے۔

۲ (یہی شیعہ کے ہاں معتبر ہیں) حدیث کی آٹھ کتابیں جو ان کے ہاں بڑی قابل اعتماد ہیں، اسی طرح رجال کی چار کتابیں اور شیعی علما کی دوسری کتابیں جو ان کتب کے درجے میں ہیں۔

---

[1] مصطفیٰ الشكعة: إسلام بلا مذاهب (ص: ٢٤٧ـ ٢٤٨)

[2] بحار الأنوار (٢٤/ ١٩١ـ ٢٠٣)

پس جو شخص صرف پہلی ہی قسم پر اعتماد کرتا ہے، اس کے لیے شیعہ کے بہت سے امور اوجھل رہ جاتے ہیں۔ خود پروپیگنڈا پر مبنی کتابیں بھی اس امر کی طرف ایسے انداز سے اشارہ کرتی ہیں، جسے صرف شیعہ علما یا ان کی معتبر کتابوں سے ربط و معرفت رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔

۳ یہ امر توجہ طلب ہے کہ یہ تاویلات شیعہ کے ہاں صرف تاویلِ قرآن کے بارے میں اجتہادی آرا کا درجہ نہیں رکھتیں، جو رد و قبول، بحث اور اصلاح کے قابل ہوتی ہیں، بلکہ یہ تشریحات شیعہ اصول کے مطابق ان کے لیے شرعی نصوص ہیں، جو وحی کا مقام اور اسی اہمیت کی حامل ہیں اور انھیں فرمانِ نبوی جیسا تقدس اور شرعی حیثیت حاصل ہے۔

شیعہ کے ہاں ایسی روایات بہ کثرت مروی ہیں، جو اس طرح کی عقل، فطرت اور لغت و منطق کے ساتھ کسی طرح بھی میل نہ کھانے والی روایات کو رد کرنے سے ڈراتی اور باور کراتی ہیں کہ ''اپنی عقل کا چراغ گُل کر دو اور اندھا دھند ایمان لے آؤ'' کے مصداق تسلیم کرنا اور اعتراض سے گریز کرنا لازمی ہے۔

ان لوگوں نے اپنے پیروکاروں کو اس طرح کی نصوص کو قبول کرنے کا عادی بنانے کے لیے بڑی کوششیں کیں اور زور لگایا ہے، چناں چہ انھوں نے کہا ہے:

''یقیناً ہماری حدیث سے دل نفور ہوتے ہیں، پس جو کوئی اسے گوارا کر لے، اس کے سامنے (ہماری حدیث) اور زیادہ بیان کرو اور جو اسے ناپسند کرے تو اسے چھوڑ دو (اور نہ سناؤ)۔''[1]

سفیان السمط سے مروی ہے کہ ''میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! یقیناً آپ کی طرف سے ہمارے پاس ایک شخص آتا ہے، جو جھوٹ بولنے میں مشہور ہے، وہ ہمیں ایسی حدیث سناتا ہے کہ ہم اسے بہت برا سمجھتے ہیں؟ ابو عبداللہ نے فرمایا: کیا وہ تمھیں یہ کہتا ہے کہ میں نے رات کو دن کہا یا دن کو رات کہا ہے، تو اگر وہ تمھیں یہ کہے کہ میں نے ایسا کہا ہے تو اسے مت جھٹلاؤ، وگرنہ تم مجھے جھٹلاؤ گے۔''[2]

ایسی روایات کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ ملاحظہ کریں کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض شیعہ

---

[1] بحار الأنوار (٢/ ١٩٢)

[2] بحار الأنوار (٢/ ٢١١۔ ٢١٢) البحراني: اللوامع النورانية (ص: ٥٤٩۔ ٥٥٠)

بھی ان کی روایات کو برا سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ ان پر اندھا ایمان لانے پر مجبور کیے جاتے ہیں، بلکہ جو شخص کسی شیعی روایت میں توقف کرے اور کہے کہ یہ کیسے اور کس طرح کی روایت ہے تو اللہ کی قسم یہ تو رب عظیم کے ساتھ شرک ہے۔[1]

بحار الانوار کے مولف نے اس مسئلے پر خاص توجہ دی ہے اور اس کے متعلقہ ایک سو سولہ (۱۱۶) شیعی احادیث مندرجہ ذیل عنوان سے قائم کردہ باب میں ذکر کی ہیں:

"باب أن حديثهم -عليهم السلام- صعب مستصعب، وإن كلامهم ذو وجوه كثيرة، وفضيلة التدبر في أخبارهم -عليهم السلام- والتسليم لهم، والنهي عن رد أخبارهم"[2]

''باب: یقیناً ائمہ شیعہ علیہم السلام کی حدیث دشوار اور اسے سمجھنا مشکل ہے اور بے شک ان کا کلام بہت زیادہ وجوہ کا محتمل ہے اور ائمہ شیعہ علیہم السلام کی روایات پر تدبر کرنے اور انھیں تسلیم کرنے کی فضیلت اور ان کی روایات کو رد کرنے کی ممانعت۔''

غالباً اس عقیدے کی بنیاد سب سے پہلے اصولِ کافی کے مولف نے مضبوط کی اور اس عنوان سے ایک مستقل باب میں اسے ذکر کرنے کا اہتمام کیا:

"باب في ما جاء أن حديثهم صعب مستصعب" اور اس میں پانچ روایات ذکر کیں۔[3]

شاید یہی وہ اسلوب ہے، جس نے ایسی افسانوی باتوں کی ترویج اور علانیہ حق کہنے اور باطل کو رسوا کرنے والی معقول آواز کو غائب کرنے میں مدد دی، یہ اندھی عقیدت کی ایک قسم ہے، جس میں پیروکاروں سے ائمہ کے اقوال پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ عقل و نقل کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ امر صوفیہ کے موقف کے بہت قریب ہے، جس میں پیر اپنے مریدوں سے کامل سپردگی کا مطالبہ کرتے ہیں، حتی کہ انھوں نے کہا ہے: یقیناً مرید اپنے پیر کے سامنے ایسے ہے، جیسے نہلانے والے کے آگے مردہ شخص پڑا ہوتا ہے۔ یہی وہ جال ہے، جسے فرعون نے اپنی قوم پر آزمایا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے:

---

[1] دیکھیں: رجال الكشي (ص: ۱۹٤)

[2] دیکھیں: بحار الأنوار (۲/ ۱۸۲ وما بعدها)

[3] دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ٤۰۱۔ ٤۰۲)

﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ﴾ [الزخرف: ٥٤] ①

''غرض اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور انھوں نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی۔''

④ شیعہ کے ہاں تفسیر کے ظاہری اور باطنی کئی پہلو ہیں اور وہ سارے کے سارے معتبر ہوتے ہیں۔ ابوعبداللہ نے (شیعی دعوے کے مطابق) کہا ہے:

''بے شک ایک قوم ظاہر کے ساتھ ایمان لائی اور اس نے باطن کے ساتھ کفر کیا تو انھیں (ایمان کا) کوئی فائدہ نہ ہوا، پھر ان کے بعد ایک قوم آئی تو وہ باطن کے ساتھ ایمان لائی اور اس نے ظاہر کے ساتھ کفر کیا تو انھیں بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ظاہر پر ایمان باطن پر ایمان ہی کے ساتھ (مقبول اور نفع آور) ہے اور باطن پر ظاہر کے ساتھ۔''

بنا بریں ملاحظہ کریں کہ بعض شیعی تفاسیر اِس یا اُس تاویل کو ذکر نہیں کرتیں، بلکہ صرف آیت کا ظاہری معنی کر کر دیتی ہیں، جو کبھی لغت یا آثارِ سلف کے موافق ہوتا ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیعہ اس باطنی تاویل کے مخالف ہیں، کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہر آیت کا ایک معنی ظاہر اور دوسرا باطن ہوتا ہے اور ہر ایک مراد ہوتا ہے۔ بسا اوقات کوئی شیعہ صرف اکیلے ظاہری معنی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے یا اکیلے باطنی ہی یا پھر دونوں ہی معانی کو ذکر کر دیتا ہے، کیوں کہ شیعہ روایات اسی منہج اور اصول کے مطابق مروی ہیں، اس کی دلیل وہ روایت ہے، جو اصولِ کافی کے مولف نے اس آیت ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ﴾ [الحج: ٢٩] کے متعلق ذکر کی ہے:

''عبداللہ بن سنان نے ذریح المحاربي سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ایک چیز کا حکم دیا ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ میں اس پر عمل کروں؟ فرمایا: وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ﴾ ابوعبداللہ نے کہا:

﴿ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ﴾ اس سے مراد امام کی ملاقات ہے۔ ﴿ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ﴾ اس سے مراد مناسک ہیں۔ عبداللہ بن سنان نے کہا ہے: پھر میں ابوعبداللہ علیہ السلام کے پاس آیا تو میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ﴾ (کا کیا مطلب ہے؟) فرمایا: مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا اور جو اس سے ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ میں نے

① دیکھیں: المدخل إلى الثقافة الإسلامية (ص: ١١٣۔ ١١٥)

کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! یقیناً ذریح محاربی نے مجھے آپ کی طرف یہ حدیث سنائی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ ﴿لِيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ﴾ سے مراد امام کی ملاقات ہے اور ﴿وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ﴾ سے مراد حج کی عبادات ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ذریح نے سچ بولا ہے اور تم نے بھی سچ ہی کہا ہے۔ بے شک قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ جو ذریح سمجھ سکتا ہے، اتنا اور کون سمجھ سکتا ہے؟!''[1]

اس روایت میں، جسے ''اصولِ کافی'' اور "من لا يحضره الفقيه" کے مصنف وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اس بات کی صراحت ہے کہ بے شک قرآن کے ظاہری معانی ہیں، جنھیں عوام الناس کے سامنے بیان کیا جاتا ہے اور اسی طرح قرآن کے باطنی معانی بھی ہیں، جو صرف خاص لوگوں کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں، جو انھیں سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہیں: ''جو ذریح سمجھ سکتا ہے، اتنا اور کون سمجھ سکتا ہے؟''

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ائمہ شیعہ اس باطنی علم کے متعلق اس قدر بخیل تھے اور اسے اپنے عام شیعہ کے سامنے ذکر کرنے سے گریز کرتے تھے، صرف ذریح کے درجے کے لوگوں کے سامنے اس کو بیان کرتے تھے تو پھر اثنا عشری کتب نے اپنے ائمہ کے اس طریقہ کار کی مخالفت اور ہر عام و خاص کے سامنے اس خصوصی علم کی اشاعت کیوں کی؟

یہ امر اس قوم کے اقوال ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ شاید کوئی کہنے والا کہے کہ یہ تاویل جو نص کے ظاہری معنی، سیاقِ قرآن، لغتِ عرب، آثارِ سلف اور اجماعِ امت کے موافق ہے، محمد الباقر اور جعفر صادق وغیرہ جیسے علم و دین اور لغت کے ائمہ سے اسی تاویل کے صدور کا اعتقاد کیوں نہ رکھا جائے اور یہ کیوں نہ کہا جائے کہ یہ باطنی تاویلات، جو عقل یا نقل یا لغت کی کسی معتبر دلیل کے سہارے قائم نہیں، کسی زندیق اور ملحد کی وضع کردہ ہیں، جو قرآن مجید، دینِ اسلام اور خود اہلِ بیت سے برا سلوک کرنا چاہتا ہے؟ بالخصوص جب یہ باطنی اقوال صرف خفیہ طور پر اور اندھیروں میں ذکر کیے جاتے ہیں اور اسے صرف نقل بھی بہت تھوڑے لوگ کرتے ہیں، جیسا کہ روایت کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر ممکن نہیں کہ کوئی پوشیدہ علم ہو، جو صرف خاص لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں، کیوں کہ

---

[1] الكليني: فروع الكافي (٤/ ٥٤٩) دیکھیں: ابن بابويه: من لا يحضره الفقيه (٢/ ٢٩٠ـ ٢٩١) معاني الأخبار (ص: ٣٤٠) عيون أخبار الرضا (ص: ٣٦٦) الكاشاني: تفسير الصافي (٣/ ٣٧٦) الحويزي: تفسير نور الثقلين (٢/ ٤٩٢) البحراني: البرهان (٣/ ٨٨ـ ٨٩) المجلسي: بحار الأنوار (٩٢/ ٨٣ـ ٨٤) الحر العاملي: وسائل الشيعة (١٠/ ٢٥٣) الموسوي: مفتاح الكتب الأربعة (٥/ ٢٢٨ـ ٢٢٩)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کو کسی مخصوص جماعت کے لیے نہیں، بلکہ اپنے تمام بندوں کے واسطے نازل کیا ہے، پھر ان ائمہ کا زمانہ امت کے لیے سنہری زمانہ ہے، جس میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت و غلبہ اپنے عروج پر تھا، تو کیا ان کے زمانے میں قرآن مجید کی تفسیر ایک ''راز'' بن کر رہ گئی تھی، جبکہ عصرِ حاضر میں اسی تفسیر کو علانیہ بیان کیا جا رہا ہے؟ ائمہ اہلِ بیت اس سے کہیں زیادہ جرأت مند اور بہادر تھے کہ حق بیان کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور امرِ الٰہی اور شریعت کو کھل کر بیان کرنے سے دست بردار ہو جائے۔

۵ یہ باطنی تاویلات قرآن مجید اور اس کی آیات میں کفر و الحاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ﴾ [فصلت: ٤٠]

''بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس سے مراد الفاظ کو ان معانی پر محمول کرنا ہے، جو ان سے مراد نہیں ہیں[1] اور ایسا تفسیر میں تحریف کا راستہ اختیار کر کے کیا جاتا ہے۔[2]

''الإكليل'' میں کہا ہے:

''اس آیت میں ایسے شخص کا رد ہے، جو اس طرح سے قرآن مجید کی تفسیر کے درپے ہوتا ہے کہ اس پر لفظ کا اصل مادہ دلالت نہیں کرتا، جیسا کہ باطنیہ، اتحادیہ اور ملحدین کا وتیرہ ہے۔''[3]

یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں الحاد کرتے اور اس کے معانی میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، اگرچہ اپنے کفر کو چھپاتے، باطل کے پردے میں چھپتے اور اپنے معاملے کو مخفی رکھنا چاہتے ہیں، لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کبھی نہیں چھپ سکتے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ﴾ [الفصلت: ٤٠] ''وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے۔''[4]

۶ شیعی علما نے ان تاویلات یا تحریفات کو ائمہ اہلِ بیت کے ساتھ منسلک کر دیا ہے، تاکہ انھیں لوگوں میں پذیرائی اور مقبولیت مل سکے اور اس وجہ سے بھی کہ یہ جاہلانہ تاویلات ہیں۔ شیعہ نے کہا ہے کہ قرآنی سیاق عقلی نقطہ نظر سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس قول کو ان لوگوں نے جعفر صادق کی طرف منسوب کیا ہے،

---

[1] تفسير الطبري (٢٤/ ١٢٣) فتح القدير (٤/ ٥٢٠)

[2] دیکھیں: القاسمي: محاسن التأويل (١٤/ ٢١١) الألوسي: روح المعاني (٢٤/ ١٢٦)

[3] السيوطي: الإكليل (ص: ٣٥٤) المطبوع على هامش جامع البيان في تفسير القرآن.

[4] محمد شاه الكشميري: إكفار الملحدين (ص: ٢)

جیسا کہ جابر جعفی روایت کرتا ہے کہ جعفر صادق نے اسے کہا:

''اے جابر! یقیناً قرآن کا ایک باطن ہے اور باطن کے لیے ایک ظاہر ہے۔ پھر کہا: مردوں کی عقل سے اس سے زیادہ بعید کوئی چیز نہیں، یقیناً آیت کا پہلا حصہ ایک چیز کے متعلق نازل ہوتا ہے اور اسی آیت کا آخری حصہ کسی اور شے کے متعلق نازل ہوتا ہے، حالاں کہ یہ باہم ملا ہوا کلام ہے، لیکن کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔''[1]

بلاشبہہ یہ حکم شیعی روایات ہی کے شایانِ شان اور انھیں سے زیادہ میل کھاتا ہے، کتاب اللہ اور اس کی صحیح تفسیر کے ساتھ دور ونزدیک سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تفسیر کے شیعی مصادر عموماً تاویل میں اسی باطنی منہج پر استوار ہیں، جو انھوں نے ابو الخطاب، جابر جعفی اور مغیرہ بن سعید وغیرہ جیسے غلو پسندوں سے کشید کیا ہے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ پانچویں صدی میں شیعہ کے ہاں تفسیر کا یہ اسلوب شروع ہوا، جس کے مطابق انھوں نے باطنی تاویل میں غرق اس رجحان سے جان چھڑانے کی بھرپور کوشش کی۔ چناں چہ شیعہ کے ''شیخ الطائفۃ'' ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (المتوفی ۴۶۰) نے تفسیر قرآن سے متعلق شیعہ کے لیے ایک کتاب لکھی، جس کی تالیف میں وہ اہلِ سنت کے اقوال سے راہنمائی حاصل کرتا ہے اور ان کے تفسیری مصادر سے اخذ کرتا اور تفسیر القمی، تفسیر العیاشی اور اصولِ کافی وغیرہ میں ظاہر ہونے والے غلو سے جان چھڑانے یا اس کو کم کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے فرقے کے اصول کا دفاع کرتا اور ان کے مبتدعانہ قواعد وضوابط کی توثیق کرتا ہے، لیکن وہ اس حد تک نہیں گرتا، جہاں تک قمی اور اس کا اثر قبول کرنے والے گر گئے ہیں۔ طوسی ہی کے مانند ''مجمع البیان'' میں فضل بن حسن طبرسی کا اسلوب ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''طوسی اور اس کے ہم نوا اپنی تفسیر میں اہلِ سنت کی تفاسیر سے اخذ کرتے ہیں اور ان کی تفسیر میں جو علم مستفاد ہوتا ہے، وہ اہلِ سنت ہی کی تفاسیر سے اخذ کردہ ہے۔''[2]

لیکن اپنے زمانے کے شیعہ عالم ومحدث، شیعہ مذہب کے رجال کے بہت بڑے واقف کار، شیعی احادیث کے آخری مجموعے کے مولف، محمد حسین آلِ کاشف الغطا اور آغا بزرگ طہرانی وغیرہ جیسے بہت زیادہ

[1] کتبِ شیعہ سے اس روایت کی تخریج گذشتہ صفحات (ص: ۱۷۳) میں گزر چکی ہے۔

[2] دیکھیں: منهاج السنة (٣/ ٢٤٦)

کبار شیعی علما کے استاذ اور شیعہ عالم حسین نوری طبرسی نے ہمارے سامنے ایک مخفی راز سے پردہ اٹھایا اور ایک حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے، جس سے ہم آشنا نہیں تھے اور وہ یہ کہ طوسی کی کتاب "التبیان"، تو تقیے اور دشمنوں کو دھوکا دہی کے اسلوب پر لکھی گئی ہے۔ اب آپ اس کے الفاظ ملاحظہ کریں:

''چنانچہ کتاب "التبیان" میں غور وفکر کرنے والے پر مخفی نہیں کہ اس میں مولف کا منہج مخالفین کے ساتھ چارہ جوئی اور ہم آہنگی پر مبنی ہے، کیوں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ آیات کی تفسیر میں حسن، قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج، جبائی، زجاج، ابن زید اور ان جیسے لوگوں کا کلام نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے اور امامیہ کے مفسرین میں سے کسی ایک سے بھی نقل نہیں کرتا، اسی طرح اس نے ائمہ علیہم السلام سے بھی کسی ایک سے صرف چند مقامات کے علاوہ کہیں کوئی روایت ذکر نہیں کی، شاید اسے نقل کرنے میں مخالفین نے بھی اس کی موافقت کی ہے، بلکہ مفسرین کے پہلے طبقے کے اولین لوگوں میں ان کو شمار کیا گیا ہے، جن کے مسلک وعقیدے اور مذہب کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔ اگر یہ کتاب ہم آہنگی (اور تقیے) کے اسلوب پر نہ ہوتی تو بڑی تعجب خیز تھی... اسی طرح اس کتاب کے تقیے کے اسلوب پر لکھے جانے کی توثیق سید جلیل علی بن طاؤس کی سعد السعود کے متعلق ذکر کردہ بات سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

''اب ہم اس کا ذکر کرتے ہیں، جو میرے دادا ابو جعفر محمد بن حسن طوسی نے کتاب "التبیان" میں بیان کیا ہے اور انھیں تقیے نے مدنی پر مکی کو فوقیت دینے اور اس کے اوقات میں اختلاف سے متعلق اکتفا کرنے پر مجبور کیا ہے... (نوری نے یہ اقتباس مکمل نقل نہیں کیا) پھر یہ نوری ابن طاؤس سے نقل کردہ قول پر تنقید وتبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''وہ (ابن طاؤس) کئی اعتبارات سے اپنے دادا طوسی کی بات کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، جو اس کے مقام ومرتبے سے آگاہی رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں۔ پس تم بھی غور وفکر کرو۔''[1]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ طوسی کی کتاب "التبیان" تقیے کے انداز میں لکھی گئی ہے، جیسا کہ معاصر شیعہ عالم کی رائے ہے یا پھر ممکن ہے کہ تبیان، شیعہ قوم کے قرآن کریم کے معانی کی تحریف پر مبنی تفسیر کے گھٹیا پن کے عقلی اعتراف کے نتیجے میں اور بغداد میں علمائے سنت کے ساتھ میل جول کی بنا پر معتدل رجحان سے متاثر ہو کر طوسی نے (یہ کتاب) لکھی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کے شیعہ (جن کی نمایندگی نوری طبرسی

[1] فصل الخطاب (ص: ۳۵ مخطوط)

کرتا ہے، جس کی کتاب ''مستدرک الوسائل'' کو انھوں نے اپنے ہاں ان کے مقام کی دلیل کے طور پر حدیث میں اپنا ایک مصدر قرار دیا ہے،[1] یہ ان کے ہاں اس کے بلند مرتبہ اور کبیر القدر ہونے کی دلیل ہے)۔ غلو اور انتہا پسندی میں زیادہ سخت ہیں، اسی لیے آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ تفسیر طوسی اور اس طرز پر لکھی گئی کتب کو صرف حریفوں کے لیے تالیف شدہ کتابیں شمار کرتے ہیں، جو بالخصوص روحِ تقیہ کا اہتمام کرتی ہیں، تاکہ غیر شیعہ اقوال و نصوص کے ساتھ شیعی عقیدے کی تبلیغ و اشاعت ہو سکے۔ شاید قارئین کتاب "التبیان" کے متعلق شیعہ عالم کی اس رائے سے اس حقیقت کا ادراک کر سکیں کہ اس فرقے کے ہاں غلو کی بنیاد رکھنے ہر خردمندانہ آواز کو دبانے اور اعتدال پر مبنی رائے کو تقیے پر محمول کرنے میں تقیے کا بنیادی کردار ہے، کیوں کہ ان کے خیال کے مطابق اہلِ سنت کے (علوم و عقائد) کے یہی موافق ہے، لہٰذا یہ فرقہ اسی بند دائرے میں باقی رہا، جس نے تقیے کو اپنا قلعہ بنا لیا کہ جب بھی ان کی طرف اصلاح کی بادِ نسیم کے جھونکے اور تبدیلی کی ہوائیں آتی ہیں تو وہ اس (تقیے) کی پناہ لے لیتے ہیں، جیسا کہ آگے تقیے کے مبحث میں اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

علاوہ ازیں ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ طوسی کی کتاب کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا ہے، وہ طبرسی کی تفسیر "مجمع البیان" پر بھی صادق آتا ہے، کیوں کہ وہ بھی طوسی ہی کے منہج پر گامزن ہے، جیسا کہ اس نے خود اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ چناں چہ اس نے کہا ہے:

> ''البتہ جو شیخ جلیل عالم سعید ابو جعفر محمد بن حسن طوسی ۔قدس اللہ روحہ۔ نے کتاب "التبیان" جمع کی ہے، کیوں کہ وہ ایسی کتاب ہے، جس سے حق کی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اس پر صداقت کی آب و تاب نظر آتی ہے... اور وہی نمونہ ہے، جس کے انوار سے مَیں روشنی حاصل کرتا ہوں اور اسی کے نقشِ قدم پر چلتا ہوں۔''[2]

---

[1] اس کی تفصیل اسی کتاب کے مبحث ''سنت'' میں ملاحظہ کریں۔

[2] مجمع البیان (۱/ ۲۰)

تیسرا موضوع:

# کیا شیعہ قرآنِ مجید میں کمی یا تبدیلی کے قائل ہیں؟

## موضوع کا تعارف:

یہ موضوع اسلوبِ استفہام سے شروع کرنے کے تین اسباب ہیں:

١ اثنا عشریہ کے کبار علما شریف مرتضی اور ابن بابویہ قمی وغیرہ جیسے لوگوں کی ایک جماعت اس رائے سے براءت کا اظہار کرتی ہے۔

٢ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کے اسے محفوظ رکھنے کے سبب محفوظ اور غیر متبدل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ﴾ [حم السجدة: ٤٢]

''اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔''

لہٰذا جو شخص قرآن میں تحریف اور تبدیلی کا قائل ہے، وہ اہلِ قبلہ سے ہے نہ اسلام ہی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے، اس بنا پر انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس مسئلے پر بحث وتحقیق کرتے وقت ہم نہایت احتیاط کریں، انصاف پر مبنی بات کہیں اور مکمل چھان بین اور تحقیق کے بعد ہی کسی کو اس رائے کا سزاوار ٹھہرائیں۔

٣ مفکرین کی ایک جماعت شیعوں کو اس کفر کا قائل ہونے کا الزام دیتی ہے اور اسے تمام شیعہ کا مسلک بتاتی ہے، جب کہ شیعہ کے مختلف فرقے اور طبقات ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہنا درست نہیں کہ اولین شیعہ اس رائے کے قائل تھے[1] اور یہ قول بھی قابلِ قبول نہیں کہ زیدیہ اس جھوٹ کے قائل ہیں، لہٰذا اس قول کو عموم کا

[1] احسان الٰہی ظہیر بھی ''فصل الخطاب'' کے مولف کی رائے کے پیچھے پیچھے چل دیے ہیں کہ ان چار (ابن بابویہ قمی، مرتضی، طبرسی اور طوسی) کے سوا پہلے زمانوں میں کوئی شیعہ تحریف قرآن کے نظریے کا انکار کرنے والا نہیں تھا، چناں چہ احسان الٰہی نے کہا ہے: ''الحاصل پہلے اور بعد والے تقریباً تمام شیعہ قرآن مجید میں تحریف اور تبدیلی کے قائل ہیں۔'' (الشيعة والسنة، ص: ١٢٢) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ بہ ذاتِ خود شیعہ کے آغاز کے بہت بعد میں شیعہ کے ہاں پیدا ہوا تھا اور اولین شیعہ اس گمراہی پر گامزن تھے نہ بعد میں کئی شیعہ فرقے اس باطل نظریے کے قائل تھے۔

رنگ دینا ناپسندیدہ اور نا قابلِ تسلیم ہے۔

یقیناً ایک مسلمان محقق ان سیاہ حروف کو پڑھ کر اور ان پست قامت لوگوں کی باتیں سن کر جو کلامِ الٰہی پر دست درازی کرتے ہیں، بڑے دُکھ سے دو چار ہوتا ہے، البتہ قارئین کو اس بات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اس موضوع پر بحث و تحقیق کرنے کا مقصد تردید اور مدافعت نہیں ہے، کیوں کہ قرآن مجید کے مقام تک پراگندہ خوابوں کے پرندے کی رسائی ہے نہ کسی حاسد اور خود غرض کے دعویٰ جات اس کی عظمت میں کوئی کمی کر سکتے ہیں۔ کیا سورج یا چاند کی روشنی کے آگے کوئی انسانی ہتھیلی رکاوٹ بن سکتی ہے؟

مزید برآں کسی احمق حاسد کے لیے جھوٹا دعویٰ کرنا کتنا آسان ہے؟ لہٰذا ہمارے اوپر لازم نہیں کہ ہم ہر جھوٹے دعوے کی تردید کرنے کے لیے اس کے درپے ہوں۔

لَوْ أَنَّ كُلَّ كَلْبٍ عَوِيٍّ أَلْقَمْتُهُ حَجَراً
لَكَانَ كُلُّ مِثْقَالٍ بِدِيْنَارٍ

''اگر میں بھونکنے والے ہر کتے کے منہ میں ایک پتھر رکھوں تو ہر مثقال کی قیمت ایک دینار ہو جائے گی۔''

اسی طرح جھوٹی بات کو نظر انداز کرنا یقیناً اسے مٹانے اور نگاہوں سے اوجھل کرنے کے لیے زیادہ مناسب ہوتا ہے، لیکن یہ اس وقت تک ہے، جب تک وہ منتشر نہ ہو یا اسے کوئی گروہ اپنا نہ لے اور وہ کتب میں رواج نہ پا جائے اور اگر ایسی صورتِ حال نمودار ہو جائے تو اسی وقت باطل نظریے کے حامل شخص اور اس کے لغو عقیدے کی حقیقتِ حال بیان کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلے پر بحث کرنے کا مقصد تردید کرنا نہیں، بلکہ اس سے صرف یہ بیان کرنا مطلوب ہے کہ کیا شیعہ اس نظریے کے قائل ہیں یا نہیں؟ اس بات کا ثابت ہونا شیعہ کے لیے اتنی بڑی رسوائی کا سبب ہے، جو ان کی عمارت کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکتی اور اسے جڑوں سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، پھر ان کی کوئی بات قبول کرنا یا کوئی کلمہ سننا ممکن نہ رہے گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کتاب اللہ کی اہانت کرے اور کوئی مسلمان اس کی بات قبول کرے یا اس کے کسی فیصلے پر رضا مندی کا اظہار کرے؟[1]

[1] اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب نصاریٰ نے رافضہ کی طرف منسوب تحریفِ قرآن کے قول سے احتجاج کیا تو امام ابن حزم نے انھیں جواب دیا کہ یہ لوگ یقیناً مسلمان نہیں ہیں، بلکہ یہ اسلام اور مسلمانوں میں ہنگامی طور پر رونما ہونے والا فرقہ ہے، جس کا آغاز وفاتِ نبوی کے پچیس سال بعد ہوا تھا۔ (الفصل: ۲/ ۸۰)

بنا بریں اس بحث کو رقم کرنے سے ہمارا مقصد صرف شیعہ کی طرف اس مسئلے کی نسبت کی حقیقت کو بیان کرنا ہے، کیوں کہ جو شخص کتاب اللہ کی اہانت اور اس کی پاکیزگی پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کرتا ہے، یقیناً وہ دینِ اسلام سے الگ تھلگ ہے، اگر چہ وہ اسلام کا نام لیتا ہے۔ یقیناً ایسے شخص کی حقیقت بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ امت اس کی عداوت سے آگاہ ہو جائے، کیوں کہ وہ اسلام کی بہت بڑی بنیاد اور مضبوط رکن کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔

مزید برآں یقیناً اس قول کو بیان کر دینا ہی، جیسا کہ ابو بکر باقلانی فرماتے ہیں، اس کی تردید کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے،[1] کیوں کہ قرآن مجید کی حفاظت کے وسائل و اسباب کی اتنی کثرت ہے کہ ان کی موجودگی میں حفاظتِ قرآن کے وعدہ الٰہی کی حقانیت کے پیشِ نظر اس میں تحریف یا تبدیلی کا راہ پا جانا ناممکن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ۹]

''بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

علاوہ ازیں اس دعوے کا، جو شیعہ کے اندر پایا جاتا ہے (اور عنقریب ہم اس امر پر بحث کریں گے کہ شیعہ کتنی اس کی موافقت یا کتنا اس کا انکار کرتے ہیں) کمزور پہلو یہ ہے کہ اس کے پیدا ہوتے ہی اس کی کوکھ میں فنا ہونے کے اسباب اور اس کے من گھڑت اور جھوٹ ہونے کے دلائل موجود تھے۔ اسے وضع کرنے والا اس کو اچھی طرح سے وضع کر سکا نہ اس کو اچھی طرح سے بُننے کا اسے کوئی طریقہ کار ہی مل سکا، چناں چہ یہ دعویٰ بڑی ذلت آمیز شکل اور عریاں طریقے سے سامنے آیا، اس لیے یہ خود ہی اپنی شکست کی آواز ہے، کیوں کہ یہ اس اساس پر قائم ہے کہ قرآن ناقص اور تحریف شدہ ہے اور یقینی طور پر ہر قسم کی تبدیلی سے محفوظ مکمل قرآن امیر المومنین علی بن ابی طالب کے پاس تھا، پھر ان کے بعد وہ ائمہ (شیعہ) کے پاس منتقل ہوتا رہا اور اب وہ شیعہ کے امام مہدی منتظر کے پاس ہے۔

چناں چہ اس دعوے کو شیعہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مربوط کیا ہے، جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بہ ذاتِ خود اسی قرآن کو اپنی خلافت میں فیصل بنایا اور اس کی تلاوت کی اور اسی کے مطابق عبادت کرتے رہے۔ اگر ان کے پاس کوئی اور دوسرا قرآن ہوتا تو وہ ضرور اسے لوگوں کے لیے نکالتے، کیوں کہ کسی تحریف شدہ اور

---

[1] إعجاز القرآن (ص: ٢٤) تحقيق أحمد صقر.

ناقص کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت گزاری جائز نہیں ہے۔ اگر شیعہ دعوے کے مطابق کوئی شے واقعتاً موجود ہوتی تو علی رضی اللہ عنہ ضرور اس مکمل قرآن کو باہر نکالتے، جو انھوں نے جمع کیا تھا اور اس (شیعی دعوے کے مطابق) تحریف شدہ قرآن کے مقابلے میں اسے پیش کرتے اور جب خلافت ان کے سپرد ہوئی تو ضرور اس امر کی تلافی کرتے، کیوں کہ جو شخص کسی خائن کو اس کی خیانت پر برقرار رکھتا ہے، وہ بھی اسی خائن کی طرح ہوتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تو اس سے کہیں زیادہ چھوٹی بات پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی، پھر اس معاملے پر کیوں امیر المومنین نے کچھ بھی نہ کیا؟!

ایسی افترا پردازی کرنے والوں کو اس اہم سوال کا کوئی جواب نہیں ملا، جو ان کی عمارت کو بنیادوں سے ریزہ ریزہ کر رہا ہے، سوائے شیعہ کے اس قول کہ جو ان کے عالم نعمت اللہ جزائری[1] نے کہا ہے:

> ''جب امیر المومنین سریر آرائے خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو اس قرآن کو ظاہر کرنے اور اس قرآن کو ختم کرنے پر قادر نہ ہوئے، کیوں کہ اس سے اپنے سے پہلوں پر مذمت و شناعت کا اظہار ہوتا تھا۔''[2]

اس طرح سے یہ لوگ اس اعتراض کا جواب دیتے اور اپنا عذر لنگ پیش کرتے ہیں۔ امیر المومنین کی طرف داری کرنے والوں کی طرف سے ان پر اس سے بڑھ کر اور کیا طعن و تشنیع اور سب وشتم ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ پر بہتان طرازی کرتے ہیں کہ انھوں نے امت کی ہدایت کے مقابلے میں اپنے پیش رو سے مجاملت اور مداہنت کا مظاہرہ کیا اور اس وجہ سے اپنے پاس موجود مکمل قرآن کو باہر نہیں نکالا...!! سبحانك هذا بهتان عظيم.

اسی طرح ان لوگوں نے مصحف کے وجود کو اپنے امام منتظر کے ساتھ مربوط کر دیا ہے، جو اصلاً پیدا ہوا ہے نہ اس کا کوئی وجود ہے، جیسا کہ عنقریب آگے آئے گا۔ روپوش ہونے والا امام اور غائب ہونے والا قرآن دونوں ہی ایک توہم اور خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

خود ساختہ کلمات، جنھیں ان لوگوں نے مصحف سے ساقط شدہ آیات بنا کر پیش کیا ہے، انھی سے ان کے جھوٹ کی حقیقت واضح ہوتی اور ان کی بہتان طرازی عیاں ہو جاتی ہے، کیوں کہ وہ مسیلمہ کذاب کی افترا پردازیوں اور دعویٰ جات سے بڑی حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کے پیش کردہ کلمات اور عبارات کا لغتِ عرب اور عربی

---

[1] شیعہ کے نزدیک اس کا بڑا مقام و مرتبہ ہے، اسے انھوں نے ''السيد السند، الركن المعتمد، المحدث النبية، المحقق، النحرير، المدقق العزيز النظير'' جیسے القاب سے متصف کیا اور کہا ہے کہ وہ متاخرین علمائے امامیہ میں سے جلیل القدر محدث اور عظیم الشان محقق جیسے دیگر اوصاف کا سزاوار تھا۔ یہ ۱۱۱۲ھ میں فوت ہوا۔ دیکھیں: أمل الآمل (۲/ ۳۳۶) الكنىٰ والألقاب (۳/ ۲۹۸) سفينة البحار (۲/ ٦٠١) مقدمة الأنوار النعمانية.

[2] الأنوار النعمانية (۲/ ۳٦۲)

زبان کی بلاغت وفصاحت سے ادنا تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا، جیسا کہ عنقریب آگے آئے گا۔

پھر ان لوگوں نے خود ہی پلٹا کھایا اور کہنے لگے کہ یہ کلمات معتبر نہیں، قرآن میں ان کا شمار کرنا درست ہے اور نہ ان کی تلاوت کرنا ہی جائز ہے، کیوں کہ ان کی سند از قسمِ آحاد ہے، جبکہ ائمہ نے یہی قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا ہے، لہٰذا ان کی اجماعی شئے کو اس طرح کی بنیاد پر ترک نہیں کیا جا سکتا۔

پھر ان ہی کے اندر سے ایک سمجھ دار گروہ علاحدہ ہوا، جس نے اس دعوے کا تناقض اور واضح بطلان دیکھ کر اس کفر سے براءت کا اظہار کیا، اپنے ہی ہم مذہب لوگوں میں سے اس کے قائلین پر حملہ آور ہوئے اور ان کے جھوٹ کا پول کھول دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں اہلِ ایمان کی کفایت فرمائی۔ دونوں گروہوں کے درمیان بپا ہونے والا یہ جھگڑا اور ٹکراؤ شیعہ کی کتاب ''فصل الخطاب'' سے عیاں ہوتا ہے، جس کی تفصیل آیندہ صفحات میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

پس اس رائے کی کوکھ ہی میں اس کے فنا کے اسباب پنہاں تھے اور ان کا عیب اور جھوٹ ان ہی کے ہم مذہب لوگوں کی باتوں سے کھل کر سامنے آ گیا۔ یقیناً اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی نشانیاں، اس قرآن کی عظمت کی بہت بڑی دلیل اور اس کے اعجاز کا بھید ہے، جو احاطہ عقل میں نہیں سما سکتا اور اس میں قرآن کی حفاظت کے وعدہ الٰہی کی حقانیت کی دلیل بھی موجود ہے۔

مندرجہ ذیل سطور میں ہم شیعہ کے ہاں اس مسئلے کی تحقیق کا آغاز کرتے ہیں کہ اس کا آغاز کب ہوا؟ یہ نظریہ کیسے پھیلا؟ اس کو وضع کرنے والا سرغنہ کون تھا؟ کیا سارے شیعہ اس کے قائل ہیں یا ان میں سے بعض لوگ اس کا انکار اور اس سے اظہارِ براءت کرتے ہیں؟

اس سلسلے میں ہم پہلے ذکر کریں گے کہ اہلِ سنت کی کتب کیا کہتی ہیں، پھر اس کی تحقیق کی خاطر خود اثنا عشریہ شیعہ کی کتب کی طرف رجوع کریں گے۔

## اس بہتان طرازی کا آغاز... اہلِ سنت کے مصادر کی روشنی میں:

امام ابوبکر محمد بن قاسم انباری[1] فرماتے ہیں:

[1] محمد بن القاسم بن محمد أبو بكر بن الأنباري. حافظ خطیب بغدادی فرماتے ہیں: صدوق، فاضل، متدین اور اہلِ سنت کے بہترین عالم تھے۔ انھوں نے علومِ قرآن، وقف و ابتدا کے متعلق اور عام مسلمانوں کے مصحف کی مخالفت کرنے والوں کے رد میں بہت زیادہ کتب تصنیف کی ہیں۔ یہ لوگوں میں لغت اور تفسیر القرآن کے بہت بڑے حفاظ میں سے تھے۔ تاریخ بغداد (۳/ ۱۸۱۔ ۱۸۶)

’’اہلِ فضل و عقل ہمیشہ قرآن مجید کے شَرف اور بلند مقام کے معترف رہے ہیں...حتی کہ ہمارے اس زمانے میں امت مسلمہ سے منحرف ایک شخص نمودار ہوا اور امت پر ایسے حملے کرنے لگا، جس سے اس کا مقصود شریعتِ اسلامیہ کو باطل کرنے کی سعی کرنا ہے، چناں چہ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف جمع کیا تھا اور ان کے اس عمل کو صحیح قرار دینے پر صحابہ کرام کا جو اتفاق ہوا تھا، وہ مصحف سارے قرآن پر مشتمل نہیں ہے، کیوں کہ اس سے پانچ سو آیات ساقط ہیں۔‘‘

بعد ازاں امام ابن انباری نے ذکر کیا ہے کہ یہ زندیق قرآنی آیات کو زندیقیت اور الحاد کی بنا پر غلط طریقے سے پڑھا کرتا تھا، چناں چہ وہ پڑھا کرتا تھا:

’’ولقد نصركم الله ببدر بسيف علي وأنتم أذلة‘‘[1]

’’یقیناً اللہ نے بدر میں علی کی تلوار کے ساتھ تمھاری مدد کی، حالاں کہ تم کمزور تھے۔‘‘

امام ابن انباری (ولادت: ۲۷۱۔ وفات: ۳۲۸ھ) کی یہ بات بتاتی ہے کہ یہ بہتان طرازی ان کے زمانے یعنی تیسری صدی کے آخر میں اور چوتھی صدی کے آغاز میں شروع ہوئی تھی۔ نیز مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افترا کا مصدر فرقہ شیعہ سے تھا، جیسا کہ اس خود ساختہ اضافے ’’بسيف علي‘‘ سے مستفاد ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ کو گذشتہ زمانے میں کبھی ان بہتان طرازیوں سے دوچار نہیں ہونا پڑا، حتی کہ ملت سے جدا ہو کر بھٹکنے والا یہ شخص ظاہر ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ابن انباری ان الفاظ کے ساتھ کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، البتہ انھوں نے اس کا نام ذکر نہیں کیا، لیکن اس شخص کا مذہبی رجحان اس کی افترا پردازیوں ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ملطی (وفات: ۳۷۷ھ) اس بہتان کو گھڑنے والے شخص کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ ہشام بن حکم ہے۔[2] کیوں کہ اسی نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ قرآن جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے، عثمان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں بنایا گیا تھا، جب کہ اصل قرآن (اس کے دعوے کے مطابق) صحابہ کرام کے مرتد ہونے کے سبب

---

[1] تفسير القرطبي (۱/ ۸۲)

[2] ہشام بن حکم اصل میں کوفہ کا رہنے والا تھا، پھر بغداد میں سکونت پذیر ہوا اور اس نے بعض زندیقوں کی گود میں پرورش پائی۔ پہلے یہ جہمی مذہب پر تھا، پھر تجسیم کا قائل ہو گیا۔ اس سے گمراہ نظریات منقول ہیں اور کتبِ فرق اس کی طرف شیعہ کا ایک فرقہ ’’ہشامیہ‘‘ منسوب کرتی ہیں۔ رجال الکشی کے مطابق یہ ۱۷۹ھ کو فوت ہوا اور ایک قول کے مطابق اس نے ۱۹۰ھ کو وفات پائی۔ دیکھیں: رجال الكشي (ص: ۲۵۵۔ ۲۸۰) رجال النجاشي (ص: ۳۳۸) نیز دیکھیں: ابن حجر: لسان الميزان (۱/ ۱۰۶) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٦٥) الشهرستاني: الملل والنحل (۱/ ۱۸٤) وغيرها.

آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا۔[1] لیکن ہشام بن حکم ۱۹۰ھ کو فوت ہوا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بہتان طرازی ابن انباری کے ذکر کردہ زمانے سے بھی پہلے شروع ہوئی تھی۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جھوٹ شیعہ کے مسئلہ امامت اور ائمہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے، کیوں کہ شیعہ علما نے جب اس مسئلے پر دلائل ڈھونڈنے کا آغاز کیا تو انھیں اس سلسلے میں اپنے دعوے کے اثبات کے لیے کتاب اللہ سے کوئی چیز نہ ملی، چناں چہ اس صورتِ حال نے انھیں اس جھوٹ کا ارتکاب کرنے پر مجبور کیا۔

جب ہم اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے تو بعید نہیں کہ ملطی نے جو بات کہی ہے کہ ہشام ہی اس افترا پردازی کا سرغنہ ہے، درست ہو۔ اس امر کا حقیقت ہونا بعید نہیں، خصوصاً جبکہ ہشام ان اولین لوگوں میں سے ہے، جنھوں نے مسئلہ امامت میں کلام کیا تھا، حتی کہ ابن ندیم نے کہا ہے کہ ہشام بن حکم ہی نے امامت کے موضوع پر کلام شروع کیا تھا اور اس کی کتابوں میں سے ایک کتاب ''الإمامة'' بھی ہے۔[2]

شیعہ عالم ابن مطہر حلی نے کہا ہے کہ اسی نے امامت کے متعلق گفتگو شروع کی تھی اور غور و فکر کے ساتھ مذہب کی تہذیب و تنقیح کی تھی۔[3] ہشام بن حکم ہی کو اس بہتان کا ذمے دار قرار دینے کی تائید رجالِ کشی، جو کتبِ رجال میں شیعہ کا قابلِ اعتماد مصدر ہے، کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

''ہشام بن حکم، ابو شاکر کے غلاموں میں سے ہے اور ابو شاکر زندیق ہے۔''[4]

قاضی عبدالجبار معتزلی نے کہا ہے:

''ہشام اہلِ قبلہ میں سے (مسلمان) نہیں ہے۔ یہ شخص انبیا کے ساتھ عداوت و نفرت رکھنے میں مشہور ہے۔ اسے دیصانیہ فرقے[5] کے سربراہ ابو شاکر دیصانی[6] کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا اور یہ اس کے ساتھ تعلق اور اٹھنے بیٹھنے میں معروف تھا، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ شیعہ ہے تو مہدی کے بعض

---

[1] التنبيه والرد (ص: ۲۵)

[2] الفهرست (ص: ۱۷۵)

[3] رجال الحلي (ص: ۱۷۸)

[4] رجال الكشي (ص: ۲۷۸)

[5] دیکھیں: ابن النديم: الفهرست (ص: ۳۳۸)

[6] دیصانیہ: یہ دو خداؤں کو ماننے والا ایک فرقہ ہے، جو دو اصول: نور اور ظلمت کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم انہی سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔ یہ فرقہ، مانویہ (مجوسی) کی بنیاد شمار کیا جاتا ہے۔ دونوں فرقوں میں صرف ظلمت کے ساتھ نور کے ملاپ اور اختلاط کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ دیکھیں: الملل و النحل (۱/ ۲۵۰) الفهرست لابن النديم (ص: ۳۳۸۔ ۳۳۹)

ساتھیوں نے اسے نجات دلائی، جب اس نے دعویٰ کیا کہ وہ بنو ہاشم کا شیعہ ہے، تو اس نے اسے ابو شاکر کے ساتھ سولی نہیں دی۔[1] اس نے زندیقوں کی گود میں پرورش پائی ہے اور اس سے کسی شَے کا صدور تعجب خیز نہیں ہے۔ جب خلیفہ مہدی عباسی نے زندیق لوگوں کو تلاش کرنے میں بڑی سرگرمی دکھائی تو اس وقت اسے مکمل طور پر خاموش رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔[2] ہشام خود کہتا ہے کہ مہدی کی وفات تک میں کلام کرنے سے رکا رہا۔''[3]

یہ قرائن، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، ہشام اور اس کی شیعیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ امر کم از کم اس امکان پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ یہ بہتان اور جھوٹ ہشام کے زمانے میں موجود تھا۔ نیز اُس زمانے میں اِس دعوے کے وجود پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے، جو ابن حزم نے جاحظ سے ذکر کی ہے کہ مجھے ابو اسحاق ابراہیم نظام اور بشر بن خالد نے خبر دی ہے کہ ان دونوں نے محمد بن ابوجعفر رافضی سے، جو شیطان الطاق کے لقب سے مشہور تھا، کہا: تجھ پر افسوس ہے! کیا تمھیں اللہ تعالیٰ سے اتنی حیا بھی نہیں آئی کہ تم اپنی کتاب ''الإمامة'' میں کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بالکل نہیں کہا:

﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ [التوبة: ٤٠]

''جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

وہ دونوں کہتے ہیں: اللہ کی قسم! (یہ بات سن کر) شیطان الطاق بڑی دیر تک ہنستا رہا، حتی کہ ایسا لگا، جیسے ہم ہی سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے!![4]

ابن حزم نے یہ حکایت جاحظ سے نقل کی ہے اور ابن حزم نے جاحظ سے متعلق کہا ہے کہ اس کے پاگل پن اور ضلالت کے باوجود ہم نے نہیں دیکھا کہ اس نے عمداً کوئی جھوٹ ثابت کرنے کے لیے اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہو، اگرچہ وہ دوسروں کے جھوٹ بہت زیادہ اپنی کتابوں میں ذکر کرتا ہے۔[5]

---

[1] دیکھیں: تثبيت دلائل النبوة (ص: ٢٢٥)

[2] دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٢٦٥۔ ٢٦٦)

[3] رجال الكشي (ص: ٢٦٦)

[4] الفصل (٥/ ٣٩)

[5] الفصل (٥/ ٣٩)

شیطان الطاق کا نام محمد بن علی بن نعمان ابوجعفر احول ہے، جو ۱۶۰ھ کے قریب فوت ہوا تھا۔[1] معروف ہے کہ شیطان الطاق ہشام بن حکم کا معاصر تھا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ کہتے ہیں کہ جب شیخ الرافضہ ہشام بن حکم کو معلوم ہوا کہ لوگوں نے اس کو شیطان الطاق کے لقب سے ملقب کیا ہے تو اس نے اسے مومن الطاق کے نام سے موسوم کیا۔ ممکن ہے کہ وہ اس جرم میں ہشام بن حکم کے شریک ساتھیوں میں سے ایک ہو، کیوں کہ وہ مسئلہ امامت کے متعلق کتاب کی تالیف میں شریک تھا، جو اس جھوٹ کی بنیاد اور اس کا سبب ہے، جیسا کہ اس جھوٹ اور بہتان سے متعلقہ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔

## شیعہ کے ہاں اس نظریے کی اشاعت... کتبِ اہلِ سنت کی روشنی میں:

پھر اثنا عشریہ شیعہ میں، جنھیں اشعری وغیرہ، رافضہ کے لقب سے ذکر کرتے ہیں، یہ نظریہ عام ہوگیا۔ امام ابوالحسن اشعری (المتوفی ۳۳۰ھ) ذکر کرتے ہیں کہ یہ ان روافض کے ایک گروہ کا عقیدہ اور نظریہ بن گیا۔ ان کا اعتقاد ہے کہ قرآن میں کچھ کم تو ہوا ہے، مگر اضافہ نہیں ہوا، ایسے ہی یہ بھی ناجائز ہے کہ جس حالت میں یہ ہے، اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔ جہاں تک اس کے بیشتر حصے کے ضائع ہونے کی بات ہے تو اس سے بہت کچھ ضائع ہو چکا ہے، مگر امام کے دائرہ علم میں وہ سب داخل ہے۔[2]

ان کا ایک فرقہ ایک دوسری راہ پر گامزن ہے، جس کو اشعری اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ اعتزال اور امامت کا قائل ہے، لیکن اس قول کا انکار کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

> ''قرآن میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے نہ زیادتی، یہ اسی حالت میں ہے، جس حالت میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، اس میں کوئی تغیر وتبدل رونما نہیں ہوا، یہ جس طرح پہلے تھا، اب بھی اسی طرح ہے۔''[3]

یہاں ایک تیسرا فرقہ بھی ہے، جس کا مذہب انھوں نے بیان کیا ہے، اس فرقے کا ذکر شاید ساقط ہوگیا ہے۔[4]

---

[1] اس کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی چیز کے متعلق کچھ نہیں جانتے، جب تک وہ رونما نہیں ہوجاتی اور ایسی ہی دیگر گمراہی والی باتیں اس کی طرف منسوب ہیں۔ اس کی طرف غالی شیعوں کا ایک فرقہ ''شیطانیہ'' یا ''نعمانیہ'' منسوب کیا جاتا ہے۔ دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٨٥) رجال النجاشي (ص: ٢٤٩) لسان الميزان (٥/ ٣٠٠۔ ٣٠١) فرق الشيعة للنوبختي (ص: ٧٨) سفينة البحار (١/ ٣٣٣) مقالات الإسلاميين (١/ ١١١) الملل والنحل (١/ ١٨٦) الانتصار لابن الخياط (ص: ١٤۔ ٤٨)

[2] مقالات الإسلاميين (١/ ١١٩۔ ١٢٠)

[3] مقالات الإسلاميين (١/ ١١٩۔ ١٢٠)

[4] جس طرح ''مقالات الإسلاميين'' کے محمد محی الدین عبدالحمید کی تحقیق کے ساتھ مطبوعہ نسخے (١/ ١٢٠) اور ہلموت ریٹر کی ➡

ایسے ہی بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) ذکر کرتے ہیں کہ رافضہ میں سے کچھ کا خیال ہے کہ صحابہ کرام نے قرآن کریم کے کچھ حصے میں تبدیلی کی اور کچھ میں تحریف کی اور انھوں نے اسی کو ان پر کفر اور اسلام سے خروج کا حکم لگانے کا باعث قرار دیا۔[1]

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ برائی اس قوم میں بہت زیادہ پھیلی، حتی کہ ہم ابن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) کو دیکھتے ہیں، وہ اس نظریے کو، تین علما کے استثنا کے ساتھ جو اس ہلاکت میں گرنے سے بچ گئے، امامیہ کے مکمل گروہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[2]

اسی طرح قاضی ابو یعلی (المتوفی ۴۵۸ھ) اس قول کو رافضہ[3] کے گروہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جو اثنا عشریہ ہی کا ایک لقب ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، جبکہ ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس عقیدے کو باطنیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

''ایسے ہی (اس پر بھی کفر کا حکم لگایا جائے گا) جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ قرآن میں کچھ آیات کم ہیں اور چھپائی گئی ہیں یا یہ گمان کیا کہ اس کی ایسی باطنی تاویلات ہیں، جو شرعی اعمال کو ساقط کر دیتی ہیں، یا اس طرح کی کوئی سوچ رکھی۔ ان کو قرامطہ اور باطنیہ کہا جاتا ہے۔''[4]

تو کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اثنا عشریہ کو باطنیہ کی فہرست میں شمار کرتے ہیں یا یہ بات ان سے پوشیدہ رہی ہے کہ ان کا بھی یہی مذہب ہے، لہٰذا انھوں نے ان کا ذکر نہیں کیا؟ یا یہ کہ شیخ الاسلام نے اس کی

---

← تحقیق کے ساتھ مقالات کے ایک دوسرے نسخے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ریٹر اپنی کتاب کی تحقیق کے حوالے سے لکھتا ہے کہ اس نے کسی قلمی نسخے کے حاشیے میں یہ تبصرہ دیکھا ہے کہ ''ترتیب اور تعداد میں ایک فرقہ ساقط ہوگیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جو اضافے کے قائل ہیں، لیکن کمی کے قائل نہیں۔'' (دیکھیں: حاشیہ ''مقالات الإسلاميين'' تحقیق ہلموت ریٹر، ص: ۴۷) ہوسکتا ہے کاتب نے یہ نتیجہ نکالا ہو، کیوں کہ شیعہ میں کوئی بھی فرقہ اس قول کا قائل نہیں۔ طوسی نے ''التبيان'' (۱/ ۱۵) اور طبرسی نے ''مجمع البيان'' (۱/ ۳۰) میں ذکر کیا ہے کہ ان کے ہاں قرآنِ کریم میں اضافے کے قول کے باطل ہونے پر اجماع اور اتفاق ہے۔

[1] دیکھیں: الفرق بين الفرق (ص: ۳۲۷)

[2] دیکھیں: الفصل (۵/ ۴۰)

[3] المعتمد في أصول الدين (ص: ۲۵۸) قاضی ابو یعلی ان روافض کی جہالت کا ضروری مسائل کے انکار اور متواتر حقائق کو غرور میں آ کر ٹھکرا دینے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم صحابہ کرام کی موجودگی میں، جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، جمع ہوا، انھوں نے اس پر اجماع کیا اور کسی نے بھی اس پر انکار نہ کیا، اگر اس جیسا کام ہوا ہوتا تو عرف عام میں اس کو چھپانا مستحیل ہوتا اور حضرت علی وغیرہ کے لیے اس کا انکار کرنا لازمی ہوتا، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کو پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے...! (المعتمد، ص: ۲۵۸)

[4] الصارم المسلول (ص: ۵۸۶)

نسبت کرتے وقت آخری مفہوم ''باطنی تاویل'' پر زور دیا ہے، جو قرامطیہ باطنیہ کا وتیرہ ہے؟

بہر کیف، بات جو بھی ہو، میں نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے، شیخ الاسلام نہ تو ابن مطہر حلی کے جواب میں اپنی کتاب ''منهاج السنة'' میں اس جھوٹ کی نسبت اثنا عشریہ کی طرف کرتے ہیں نہ اپنی کسی دوسری شائع شدہ کتاب ہی میں جو مجھے ملی ہیں۔

مرزا مخدوم قریشی، یہ دسویں صدی میں ہوا ہے، جو بہ قول خود[1] شیعہ کے درمیان رہا اور اس نے ان کی بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، انکشاف کرتا ہے:

''انھوں نے اپنی حدیث کی کتابوں اور گفتگو میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (ان کے دعوے کی رو سے) قرآن میں کئی آیات کم کر دیں۔ ان کے قرآنِ کریم کے متعلق اس قول کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہے کہ وہ یہ افترا پردازی کرتے ہیں کہ سورت الم نشرح میں ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کے بعد ایک یہ آیت بھی تھی: ''وعليا صهرك'' (کہ علی تمھارا داماد ہے)''[2]

مطہر بن عبد الرحمٰن بن علی بن اسماعیل اپنی کتاب ''تكفير الشيعة'' میں، جو اس نے ۹۹۰ھ میں تالیف کی تھی، ذکر کرتا ہے کہ شیعہ نے اس کے زمانے میں قرآنِ کریم کے نسخے جلا دیے، اس کی گستاخی کی اور اس کے بہ قول ایک نیا مصحف (قرآن) ایجاد کیا۔[3]

امام محمد بن عبدالوہاب (المتوفی ۱۲۰۶ھ) بھی شیعہ کی کتابوں میں قرآنِ کریم میں کمی کے قول کا ذکر

---

[1] وہ ذکر کرتا ہے کہ وہ ان کے درمیان رہنے پر مجبور ہوا، جس کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ گھل مل گیا، ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کی بہت ساری گمراہیوں اور جھوٹوں سے واقف ہوا۔ (دیکھیں: النواقض، الورقة: ۱۱۰، ۱۵۱، ۱۶۵)
وہ مزید کہتا ہے کہ جس طرح ان کی کتابوں، اقوال، عادات اور اعمال کی تفصیل مجھے معلوم ہوئی، اس طرح کسی دوسرا شخص ان رازہائے اندرون خانہ سے واقف نہیں ہوسکا۔ لہٰذا وہ یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ ہم پر افترا پردازی کی گئی ہے، جس طرح وہ ان بہت ساری باتوں کے متعلق کہتے ہیں، جن کو ہمارے اسلاف نے اپنی کلامی کتابوں میں رافضہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (المصدر السابق، الورقة: ۸۷۔ أ)

[2] النواقض، الورقة (۱۰۳ قلمی نسخه) علامہ محبّ الدین خطیب کہتے ہیں: وہ اس اعتقاد سے بالکل شرمندہ نہیں ہوتے، حالانکہ انھیں علم ہے کہ سورت ''الم نشرح'' مکی ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکیلے داماد حضرت العاص بن ربیع اموی تھے۔ (الخطوط العريضة، ص: ۱۵)

[3] تكفير الشيعة (الورقة: ۵۸، قلمی نسخه) اس نے یہ بات اس عنوان: ''فصل في أقوال طهماسب الزنيم، وزندقته، وبيان كفره، وإلحاده'' کے تحت ذکر کی ہے۔ یہ طہماسپ، شاہ اسماعیل بن حیدر صفوی (پیدائش ۹۱۹ھ) کا بیٹا ہے، یہ صفوی خاندان کا ایک حکمران تھا، جو اپنے باپ کی وفات (۹۳۰ھ) کے بعد سریر آرائے سلطنت ہوا، یہ اثنا عشریہ شیعہ تھا۔ دیکھیں: دائرة المعارف الشيعية (٦/ ٣٢١)

کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے زمانے کے شیعہ نے دو سورتیں ظاہر کیں اور ان کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ اس قرآن کا حصہ ہیں، جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھپایا تھا۔ ہر سورت ایک پارے کی مقدار کے برابر ہے۔ انھوں نے ان دونوں کو مصحف (قرآن کریم) کے آخر میں درج کر دیا ہے، ایک کا نام سورۃ النورین ہے اور دوسری کا سورۃ الولاء۔[1]

تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبد العزیز دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے ہاں اس کی صورت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے، وہ ذکر کرتے ہیں کہ اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کتاب اللہ میں حضرت علی اور ان کے بارہ ائمہ کی فضیلت اور ان کے دشمنوں کے متعلق وارد ہونے والی آیات میں کمی اور تبدیلی کی ہے۔ شاہ صاحب ان کی بعض کتابوں سے اس کے شواہد بھی ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ قول اپنا کر عقل و نقل، تاریخ اور واقعات کے متواتر (دلائل) اور دین میں بداہتاً معلوم مسئلے کی مخالفت کی ہے۔ اسی طرح وہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ بیت اس عقیدے سے بَری ہیں، بلکہ خود شیعہ کے بعض علما نے، جیسے ابن بابویہ وغیرہ ہیں، اس عقیدے سے براءت کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے۔[2]

ابو الثنا آلوسی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) نے بھی اپنی تفسیر میں اس الزام پر خامہ فرسائی کی ہے، وہ ان کی کتابوں سے اس کے بعض شواہد پیش کرتے ہیں اور ان کا فساد اور بطلان بیان کرتے ہیں، کیوں کہ اس کتابِ عظیم (قرآنِ کریم) کی حفاظت کے ایسے اسباب ہیں، جن کے ہوتے ہوئے کسی مومن کے ذہن میں اس میں کسی بھی چیز کے ساقط ہونے کا احتمال پیدا نہیں ہو سکتا، اگر ایسے ہوتا تو اس دین کے بنیادی ضروری مسائل (ایسے واضح مسائل اور عقائد جن کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی) میں شک پیدا ہو جاتا۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ جب ان کے کچھ علما نے اپنے اس قول میں فساد اور خرابی بھانپ لی تو انھوں نے اسے اپنے بعض اصحاب کا قول قرار دے دیا۔ اپنی اس بات پر انھوں نے شیخ الطائفہ طبرسی کے ''مجمع البیان'' میں اس قول کو بہ طورِ دلیل پیش کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ شیعہ اس نظریے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ ان کے اصحاب میں کچھ لوگوں کا قول ہے اور صحیح بات اس کے برعکس ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسی کہتے ہیں:

---

[1] دیکھیں: رسالة في الرد على الرافضة (ص: ١٤)

[2] دیکھیں: مختصر التحفة الاثنا عشرية (ص: ٨٢) نیز دیکھیں: (ص: ٣٠، ٥٠، ٥٢)

’’یہ ایسی بات ہے، جس نے بچوں کے سامنے بھی اس کے قائلین کے مذہب کا فساد ظاہر کر دیا ہے، الحمدللہ حق ظاہر ہوگیا ہے اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ اس جنگ سے کافی ہوگیا ہے۔‘‘[1]

شاید ابو الثنا علامہ آلوسی رحمہ اللہ وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے نسبتاً تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر عربی زبان میں کچھ لکھا ہے، انھوں نے براہِ راست ان کی کتابوں سے استشہاد کرتے ہوئے اس الزام پر خامہ فرسائی کی ہے، اصولِ کافی وغیرہ میں مذکور ان کی احادیث پیش کی ہیں اور شیعہ کے ایک دوسرے بازو کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس الزام سے انکار کرتے ہیں، انھوں نے ان کے کلام سے استشہاد کیا ہے اور اس پر بحث کی ہے۔

اسی طرح ان کے پوتے، علامہ عراق ابو المعالی آلوسی (المتوفی ۱۳۴۲ھ) نے بھی شیعہ کے متعلق اپنے رسائل اور تلخیصات کے ذریعے شیعہ کے اس کفر میں مبتلا ہونے کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے بعد شیخ محمد رشید رضا (المتوفی ۱۳۵۴ھ) نے بھی اس مسئلے کو اٹھایا اور اپنے میگزین ’’المنار‘‘[2] اور اپنے کتابچے ’’السنة والشیعة‘‘ کے ذریعے اس مسئلے میں شیعہ کا پردہ چاک کیا، کیوں کہ ان کو (بہ قول ان کے) بعض شیعہ علما کے تعصب اور عداوت نے اس پر مجبور کیا ہے۔

وہ ذکر کرتے ہیں کہ رافضی شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دونوں جلدوں کے اندر (قرآنِ کریم کی مجلد صورت) جو کچھ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں، بلکہ (ان کے دعوے کے مطابق) صحابہ نے اس سے بعض آیات اور سورۃ الولایۃ حذف کر دی ہے۔[3]

ان کے بعد شیخ موسیٰ جار اللہ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) کا ذکر آتا ہے، جو کچھ مدت تک شیعہ کے درمیان رہے، ان کے شہروں میں گھومتے رہے، گھروں، مسجدوں اور مدارس میں ان کے درسوں میں شریک ہوتے رہے اور انھوں نے ان کی کئی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا۔[4] ان کی رائے ہے کہ قرآن میں تحریف کا قول بایں طور کہ اس سے نازل ہونے والی چند آیات اور کلمات کو ساقط کیا گیا اور کلمات اور آیات کی ترتیب میں تبدیلی کی گئی، اس پر شیعہ کی کتابوں کا اجماع ہے۔[5] یہ کلمات اور آیات، جس طرح شیعہ کا دعویٰ ہے، حضرت علی اور ان کی اولاد کے

---

[1] روح المعاني (۱/ ۲۳ وما بعدها)

[2] دیکھیں: المنار (۲۹/ ۴۳۶)

[3] السنة والشیعة (ص: ۴۳)

[4] الوشیعة (ص: ۲۵۔ ۲۶)

[5] المصدر السابق (ص: ۱۰۴)

متعلق تھیں، جنھوں نے یہ حذف کیا، وہ صحابہ رسول ﷺ تھے۔ بعض شیعہ علما سے منقول ہے کہ اس الزام کی روایات ان کے ہاں متواتر ہیں، انھیں رد کرنا، امامت اور رجعت کے متعلقہ تمام روایات کو رد کرنا اور ان کے باطل ہونے کے حکم کا تقاضا کرے گا۔[1]

انھوں نے شیعہ کے ساتھ رہن سہن کے اس دورانیے میں یہ ملاحظہ کیا کہ شیعہ معاشرہ اس عقیدے سے اس قدر متاثر ہے کہ انھوں نے کسی شاگرد اور عالم کو قرآن حفظ کرتے ہوئے نہیں پایا اور نہ کوئی ایسا شخص ہی دیکھا، جو قرآن پڑھنے کے طریقوں سے آشنا ہو، بلکہ انھیں ان میں قرآن کو کوئی معمول سے صحیح پڑھنے والا شخص بھی نہیں ملا، بلکہ انھوں نے قرآنِ کریم کے ساتھ ترکِ تعلق کر لیا ہے۔[2]

وہ کہتے ہیں کہ کہیں اس کا سبب یہ تو نہیں کہ وہ اپنے افسانوں اور کہانیوں کے وعدوں کے مطابق منتظر موعود کے ساتھ مکمل قرآن کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں![3]

بعد ازاں استاد محبّ الدین خطیب (المتوفی ۱۳۸۹ھ) نے اسلامی مذاہب کے مابین ہم آہنگی کے مرکز کے قیام کے موقع پر، یہ مرکز شیعہ نے سرزمین کنان (مصر) میں رافضیت پھیلانے کے لیے قائم کیا، مجلّہ "الفتح" اور اپنے کتابچے "الخطوط العريضة" میں شیعہ کے متعلق لکھنا شروع کیا۔ وہ اس جھوٹ پر بھی گفتگو کرتے ہیں اور اس پر مرزا حسین بن محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب "فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الارباب" سے استشہاد کرتے ہیں۔ یہ نوری طبرسی نجف کے بڑے علما میں سے ہے، شیعہ نے اس کی وفات (۱۳۲۰ھ) کے موقع پر اس کی اس قدر زیادہ تعظیم کی کہ انھوں نے اس کو اپنے سب سے زیادہ مقدس قطعے (گوشے) میں دفن کیا۔

خطیب ذکر کرتے ہیں کہ یہ کتاب ان کے علما کی معتبر کتابوں سے منقول بے شمار ایسی عبارتوں پر مشتمل

---

[1] المصدر السابق (ص: ۱۳۸)

[2] انھوں نے اس خطرناک روش کے متعلق ایک چھوٹے سے ورقے پر، جس پر اور بھی کچھ سوال تھے، یہ سوال بھی درج کر کے شیعہ کے بعض علما سے استفسار کیا، لیکن ان کو کوئی جواب نہ ملا۔ (دیکھیں: الوشيعة، ص: ۲۷۔ ۲۸) پھر اس کے بعد انھوں نے ایک کتابچہ لکھا، جس میں شیعہ کے کئی باطل عقائد درج کیے اور انھیں بغداد میں کاظمیہ کے مجتہدین کے شیخ کی خدمت میں پیش کیا، پھر اس کی مزید کئی کاپیاں کروائیں اور انھیں اساتذہ نجف کی علمی تنظیم میں تقسیم کیا، اس کے بعد وہ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ مسائل شیعہ مجتہدین کے سامنے پیش کیے اور ایک سال سے اوپر وقت گزر گیا، لیکن بصرہ میں شیعہ کے بڑے مجتہد کے سوا کسی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا، اس نے ۹۰ صفحات پر مشتمل ایک کتاب کی صورت میں اس کا جواب لکھا، جو عصر اول پر ایسے طعن آمیز کلمات پر مشتمل تھا، جو شیعہ کی کتابوں کے کلمات سے کہیں زیادہ شدید اور جارح تھے۔ (الوشيعة، ص: ۹۸، ۱۱۷۔ ۱۱۸)

[3] دیکھیں: الوشيعة (ص: ۳۰۔ ۳۱۔ ۱۱۲)

ہے، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ بالجزم تحریفِ قرآن کے قائل اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے اس نے کلینی کی کتاب "الكافي" کی، جو اہلِ سنت میں صحیح بخاری کی طرح ہے، مرویات سے بھی شواہد ذکر کیے ہیں۔

انھوں نے "سورۃ الولایۃ" نامی سورت کی فوٹو کاپی بھی چسپاں کی ہے، جو ان کے قول کے مطابق ایران کے ایک مصحف سے منقول ہے، اس کے بعد انھوں نے کہا ہے کہ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ یہاں دو قرآن ہیں، ایک عام اور معلوم اور دوسرا خاص اور مکتوم (چھپا ہوا) اور اسی میں سورۃ الولایۃ ہے۔

اس کے بعد وہ مصحف عثمانی کی تلاوت کے متعلق ان کے بعض فتاویٰ کی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہیں، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ کے خاص الخاص لوگ ایک دوسرے کو اس کے خلاف تعلیم دیتے ہیں، جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ (مکمل قرآن) ائمہ اہلِ بیت کے پاس موجود ہے۔[1]

اسی طرح شیخ محمود ملاح (المتوفی ۱۳۸۹ھ) نے عراق میں شیعہ کے عالم خالصی کی اسلامی یکجہتی کے نام پر رافضیت پھیلانے کی کوشش کا سامنا کرتے ہوئے شیعہ کے اس مسئلے میں شیعہ کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔[2]

ان سب کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ احسان الٰہی ظہیر اپنی کتاب "الشيعة والسنة" میں اس مسئلے پر لکھتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ تمام شیعہ اس کفر کے قائل ہیں، وہ ان کی کتابوں سے بہت سارے شواہد نقل کرتے ہیں، جو اس افسانے کی روایات پر مشتمل ہیں۔ وہ اس مسئلے کے انکار کرنے والوں کو تقیے پر محمول کرتے ہیں، حقیقت پر نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انھوں نے اس مسئلے کی بڑی مفصل واضح اور مستند تحقیق کی ہے، جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔[3]

اس کے بعد انھوں نے اس مسئلے میں زیادہ وسعت اور تفصیل کے لیے "الشيعة والقرآن" کے نام سے ایک علاحدہ مستقل کتاب تالیف کی ہے، اس میں بھی وہ اس نتیجے تک پہنچے ہیں، جس نتیجے پر وہ اپنی سابقہ کتاب میں پہنچے تھے۔

اس کتاب کا اکثر حصہ، شیعہ کی اس الزام پر مشتمل عبارتوں کی سب سے زیادہ جامع اور بے نظیر کتاب "فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب" سے حرف بہ حرف بلا کسی معمولی تبصرے کے نقل پر مشتمل ہے۔

---

[1] الخطوط العريضة (ص: ١٠۔ ١٩)

[2] دیکھیں ان کی کتاب "الوحدة الإسلامية بين الأخذ والرد"

[3] السنة والشيعة (ص: ١٤)

انتہائی عجیب بات یہ ہے کہ شیخ احسان بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں، جس پر "فصل الخطاب" کا مولف پہنچا ہے، حالاں کہ "فصل الخطاب" کے مولف نے، جس کی تفصیل آگے آئے گی، یہ کتاب اپنی قوم میں ایک گروہ کو قائل کرنے کے لیے لکھی ہے، جنھوں نے اس کفر کا انکار کیا اور اس کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ اس گروہ نے اپنے بعض سابقہ علما کے اقوال سے اس الزام کے انکار پر استدلال کیا، تو "فصل الخطاب" کے مولف نے اپنی اس کتاب کے ذریعے ان کا رد لکھا اور اپنے سابقہ علما کے انکار کو تقیے یا مصادر کی عدمِ دستیابی کی طرف منسوب کیا، لہٰذا شیخ احسان نے بھی بعینہٖ[1] "فصل الخطاب" کے مصنف اور نعمت اللہ جزائری کا موقف اختیار کر لیا کہ منکرین کا انکار تقیے کے طور پر تھا، اس مسئلے پر مزید بحث اور تحقیق آگے ذکر ہوگی۔

ایسے ہی استاذ محمد مال اللہ کی "الشیعة و تحریف القرآن" کے عنوان سے ایک کتاب ہے، وہ اس میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شیعہ علما کا اس الزام کے قول پر اتفاق ہے، اس نے بارہ شیعہ علما کے کلام سے اس کے شواہد پیش کیے ہیں، جو اس افترا اور الزام کے قائل ہیں، اس نے ان کے درمیان کسی اختلاف کا ذکر نہیں کیا، حالاں کہ ان کے علما کے ایک گروہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح اس نے ان کی دو صد سے زائد روایات سے استشہاد کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ شیعہ کی تحریفِ قرآن کے نمونے ہیں۔ انھوں نے "الخطوط العریضة" پر اپنی تعلیق میں اس کی ایک فہرست بھی تیار کی ہے، جو اس کتاب کے آخر میں مذکور ہے۔

انھوں نے یہ فہرست شیعہ کی حدیث و تفسیر کی کئی کتابوں سے نکال کر تیار کی ہے، البتہ اس میں کچھ روایات ایسی ہیں، جو اس معاملے میں صریح نہیں، بلکہ وہ واضح طور پر تاویل کے ضمن میں آتی ہیں۔ اسی طرح وہ اس غلط فہمی کا بھی شکار ہوئے ہیں، جس کا اس سے پہلے شیخ احسان شکار ہوئے تھے کہ اس نے شیعہ کی بعض روایات ذکر کی ہیں، جن میں سلف سے مروی ایک آیت کی قراءت کا ذکر ہے، اس کو اس نے عدمِ علم کی بنا پر تحریف کی قبیل سے سمجھ لیا ہے۔

---

[1] "فصل الخطاب" سے واضح ہوتا ہے کہ شیعہ کے دو بازو (گروپ) ہیں۔ ایک گروپ تحریف کا قائل ہے اور انکار کرنے والے کے انکار کو تقیے پر محمول کرتا ہے اور اس کفر پر شیعہ کے اجماع کا دعویٰ کرتا ہے۔ فصل الخطاب کا مولف بھی انھی نظریات کا حامل ہے، جس نے یہ کتاب ہی اس کا انکار کرنے والوں کے رد میں لکھی ہے۔

دوسرا گروپ ان کی رائے کے مخالف ہے اور اس پر اجماع کا دعوے دار ہے اور اپنے موقف کی تائید میں مضبوط دلائل پیش کرتا ہے، لیکن "الشیعة والقرآن" کا مصنف اس گروہ کے دلائل نقل کرنے سے غافل رہا ہے اور اس نے بلا تبصرہ و تنقید دوسرے گروہ کے دلائل پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے، گویا اس نے اس انکار کو تقیہ سمجھا، جس کا ذکر کرنا لازمی نہیں۔ بلاشبہہ دیانت داری یہی تقاضا کرتی ہے کہ دونوں مذاہب ذکر کیے جائیں، کیوں کہ دونوں کو ذکر کرنے کی وجہ سے شیعہ مذہب کے اضطراب اور فساد کے متعلق کئی امور واضح ہو جاتے ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے غور وفکر کیے بنا کتاب "فصل الخطاب" پر اعتماد کیا ہے۔ کچھ اور بھی ایسی تحریریں ہیں، جو ہماری ذکر کردہ بات کے ساتھ ملتی جلتی ہیں۔[1] لیکن ڈاکٹر علی احمد السالوس، یہ شیعہ مسئلے کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھنے والے علما میں سے ہیں، عمومی طور پر اس جرم کی نسبت امامیہ کی طرف کرنے میں استاذ محبّ الدین خطیب وغیرہ کے ہم نوا نہیں، بلکہ ان کا خیال ہے کہ یہ خاص اخباریوں کا موقف ہے، اصولی اس عقیدے سے بَری ہیں، لیکن یہ تقسیم یقینی طور پر مسلم نہیں، کیوں کہ اس نے ایک اخباری شیعہ مرجع کے ساتھ ملاقات کی اور اس سے اس کے متعلق اس کی رائے دریافت کی تو اس نے جواب میں کہا: قرآنِ کریم میں تحریف صرف معنوی طور پر ہوئی ہے۔ ڈاکٹر سالوس کہتے ہیں:

''اس نے مجھے اپنا ایک کتابچہ دیا، جو اس نے شیعہ کے خلاف ایک مضمون کے جواب میں لکھا، اس رسالے میں مذکور ہے:

''ہمارا مذہب اور ہر مسلمان کا مذہب یہ ہے کہ آج ہمارے پاس جو متداول قرآنِ کریم ہے، اس میں اضافے یا کمی کی صورت میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ یہ جو بعض (شیعی) احادیث میں مروی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے یا کمی ہوئی ہے، وہ قرآنِ کریم کے متعلق ہمارے عقیدے کے خلاف ہے، یہ کتاب ذکر حکیم ہے، باطل اس کے سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔''

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ شاید اس الزام کے قائل سارے اخباری نہ ہوں، بلکہ ان میں کچھ ہوں، یا اس کتابچے میں مذکور کلام کا باعث تقیہ ہو، کیوں کہ اس نے اس کتابچے میں آگے چل کر لکھا ہے:

''شیعہ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، جو ان خلفاے راشدین کی شان میں گستاخی کرتی ہو، ان نیک لوگوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے لیے خیر اور فتح کے چشمے پھوٹے۔ ان سب پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور رضا ہو۔''

وہ کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ شیعہ کی رائے نہیں۔[2] شیعہ کتب سے اس افترا کے انکشاف

---

[1] مثلاً کتاب "جاء دور المجوس" (ص: ١١٤) کے مولف کا خیال ہے کہ شیعہ تحریف کا انکار تقیے کی بنا پر کرتے ہیں، کیوں کہ وہ خلفاے ثلاثہ اور ان کے علاوہ جلیل القدر صحابہ کی خیانت اور منافقت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآن ہم تک انھی کے ذریعے سے پہنچا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے ان علما کی قدر کرتے ہیں اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں، جو کھلے عام اس الزام کے قائل ہیں۔ (ص: ١١٧)

[2] فقه الشيعة (ص: ١٤٨)

اور مسلمانوں کے سامنے غیر عربی زبان میں اس کے اظہار میں علماے پاک و ہند کی مساعی بھی ہیں۔[1]

اس الزام کے متعلق ہونے والی تحقیقات کے بارے میں ہم انہی اشارات پر اکتفا کرتے ہیں اور ان میں سے بعض کے محاکے کے تفصیلی پہلو کو چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ ہم اپنے بنیادی موضوع سے باہر نہ نکلیں، کیوں کہ میں اس مسئلے کے متعلق ایک دوسرے منہج کے مطابق لکھنے کی کوشش کروں گا، جو اس مسئلے کے اصول اور بنیادی جڑوں کی تحقیق، اس کے تاریخی سفر کے تتبع اور اس افسانے کے منکرین کی آواز سننے اور اس کا تجزیہ کرنے کے لیے موقع بہم پہنچانے پر مشتمل ہوگا اور میرا نہیں خیال کہ کسی نے اس طرح اس مسئلے پر توجہ دی ہو، اس کے علاوہ اس کے متعلق مزید کچھ ایسے مسائل بھی زیرِ بحث آئیں گے، جو ہوسکتا ہے کہ نئے ہوں۔

اس سے پہلے کہ میں قلم اٹھاؤں، میں یہ بھی اشارہ کرتا جاؤں کہ شیعہ علما کے ایک گروہ نے ان اقوال اور تحقیقات کا انکار کیا اور انھوں نے بڑے زور و شور کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ اس مسئلے میں ان پر ظلم کیا گیا ہے، وہ اس تہمت سے بَری ہیں، لہٰذا حقیقتِ امر کیا ہے؟

ہم نے بعض اہلِ سنت[2] کی طرف منسوب افراد کو اتنا زیادہ پُرجوش دیکھا ہے کہ انھوں نے احسان الٰہی ظہیر اور محبّ الدین خطیب کی کتابوں میں اس مسئلے کے متعلق عبارتیں ان کتابوں کے حوالوں سمیت جن سے یہ لی گئیں، جمع کی اور ایک شیعہ عالم[3] کے سامنے پیش کیں اور اس سے ان کا جواب طلب کیا، تو اس شیعہ کا جواب یہ تھا کہ ''قرآن کریم کا تحریف سے سلامت اور محفوظ ہونا امامیہ شیعہ کے علما کا اجماعی موقف ہے، ان میں جس نے اس مسئلے میں شاذ رائے اپنائی، اس کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں، جس طرح علماے اہلِ سنت[4] میں سے جس نے اس مسئلے میں شاذ رائے اپنائی ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد اس نے اپنے بعض علما کے اقوال سے اس الزام کے انکار پر استدلال کیا ہے۔ اس نے مزید ذکر کیا کہ ان کی حدیث کی کتابوں میں بھی صحیح اور غیر صحیح ہر طرح کی روایات ہیں اور وہ روایات جو اس نے

---

1. مثال کے طور پر دیکھیں: مولانا عبدالشکور فاروقی کی کتاب: ''افسانہ تحریفِ قرآن''
2. سالم بہنساوی اپنی ''السنة المفترى عليها'' میں ذکر کرتا ہے۔
3. سالم بہنساوی کے یہ قول اس سے مراد: ''محمد مہدی آصفی'' ہے۔ اس نے اس کے تعارف میں ''الأخ الصديق الإمام'' جیسے الفاظ لکھے ہیں۔ یہ کویت میں مقیم ہے۔
4. دیکھیں! یہ شخص اہلِ سنت کے سر جھوٹ تھوپ رہا ہے، اہلِ سنت کے علما میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں، لیکن یہ ایک اشارہ ہے، جس کا ایک مفہوم ہے، جس کی وضاحت اور اس کی دیگر غلطیوں اور تناقضات کی تفصیل ''موجودہ شیعہ اور اپنے اسلاف کے ساتھ ان کا تعلق'' کے مبحث میں ذکر ہوگی۔

اپنے رسالے میں ذکر کی ہیں، اجمالاً غیر معتبر ہیں۔

وہ کہتا ہے:

''ہمیں علم ہے کہ ہمارے گروہ کا اجماع اور اتفاق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کے انکار پر قائم ہے۔ یہ روایات جتنی بھی ہوں، یہ ہمارے نزدیک مردود ہیں۔ اب یہ نہ پوچھنا کہ یہ روایات ہمارے مجموعوں میں کیوں موجود ہیں، کیوں کہ یہ مجموعے تنقید اور اجتہاد کے تابع ہیں اور سب کے سب صحیح نہیں کہ ان کے مطابق عقیدہ رکھا جائے یا ان پر عمل کیا جائے۔''[1]

شیعہ علما کے اس الزام سے کثرتِ انکار کی بنا پر، خواہ یہ انکار حقیقت میں ہو یا تقیے کی وجہ سے، ڈاکٹر رشدی علیان نے لکھا ہے:

''میرا خیال ہے کہ جب اس گروہ کے معتبر علما یہ موقف رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی تحریف، کمی یا زیادتی نہیں ہوئی، تو ہمیں بھی اس پر اکتفا کرنا چاہیے اور اس سلسلے کی بعض شاذ آرا اور کمزور اور موضوع روایات بار بار ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''[2]

مولانا رحمت اللہ ہندی اپنی کتاب ''اظہار الحق'' میں شیعہ علما کے ایک گروہ کا اس الزام کے انکار میں کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لہٰذا ظاہر ہوا کہ فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے علما کے ہاں محقق مذہب یہ ہے کہ وہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل کیا تھا، وہ وہی ہے، جو دو جلدوں کے درمیان ہے اور یہ وہی ہے، جو لوگوں کے پاس ہے، اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔''[3]

ہم نے دیکھا کہ اہلِ سنت کی طرف منسوب حضرات کی کتابوں میں اس سلسلے میں کیا ذکر ہوا ہے اور ہم نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ متقدمین اہلِ سنت جیسے اشعری وغیرہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ اس کفر کا قائل ہے اور دوسرا منکر۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بغدادی اور ابو یعلی کے ہاں یہ الزام عموماً رافضہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن ہم ابو الثنا آلوسی اور ڈاکٹر سالوس کی طرح کے متاخرین کی بعض تحریروں میں

---

[1] الآصفي: البيان التوضيحي حول دعوىٰ تحريف القرآن. (تحریفِ قرآن کے دعوے کے متعلق وضاحتی بیان) یہ کتاب "السنة المفترى عليها" میں شامل ہے۔ (ص: ٦٨۔ ٧٥)

[2] العقل عند الشيعة الإمامية (ص: ٤٩)

[3] إظهار الحق (ص: ٧٧)

ملاحظہ کرتے ہیں کہ شیعہ کے اس مسئلے میں دو گروہ ہیں۔ ڈاکٹر سالوس ان دونوں کے درمیان نام کے ساتھ فرق ذکر کرتے ہیں کہ اصولیوں نے نصوص کی تنقید کے اپنے مذہب کے مطابق اس افسانے کو بیان کرنے والی روایات کا رد کیا، جب کہ اخباریوں نے اسے قبول کیا، کیوں کہ وہ اپنے ائمہ کی طرف منسوب ہر روایت قبول کرتے ہیں، جس طرح مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی زبان پر بھی اس اختلاف کی طرف کچھ اشارہ نظر آتا ہے۔

جبکہ ڈاکٹر رشدی علیان کا خیال ہے کہ شیعہ سے اس قول (عدمِ تحریف) کے سوا کوئی اور قول ذکر نہ کیا جائے، کیوں کہ ان کے نزدیک اس کے سوا جو بھی قول ہے، وہ شاذ رائے اور موضوع روایت ہے۔

دوسری طرف ہم معاصرین کی ایک دوسری قسم کو دیکھتے ہیں، جن کا موقف ہے کہ تمام اثنا عشریہ اسی عقیدے پر ہیں، ان میں سے جس نے اس کا انکار کیا ہے، اس کا انکار تقیے کی قبیل سے ہے، حقیقت میں نہیں۔ اس رائے کے قائل محبّ الدین خطیب اور احسان الٰہی ظہیر وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد ہم شیعہ کے معتبر مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کی زبان سے حقیقت جاننے کی کوشش کرتے ہیں، شاید ہمیں ان کے پاس کوئی واضح خبر مل جائے اور ممکن ہے کہ جو اُن سے نقل کیا جاتا ہے، وہ ان کے نزدیک ثابت نہیں، کیوں کہ بہت سارے ایسے گروہ اور علما موجود ہیں، جن پر افترا پردازی اور ظلم کیا گیا اور ان سے ایسی باتیں نقل کی گئیں، جو انھوں نے کہی نہیں تھیں۔ عقائد اور افکار کی کتابوں میں مخالف کی جو نقول وارد ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ایسی تخریجات اور الزامات ہوں، جو مذہب کے تقاضے کے بالکل برعکس ہوں یا وہ ثابت ہی نہ ہوں یا ان کا ان کے نزدیک کوئی دوسرا مفہوم ہو، اس لیے کہا گیا ہے: ''مخالف کی نقل کسی شمار میں نہیں ہوتی۔''[1]

جب کہ عدل اور انصاف ہر حال میں لازمی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ [النساء: ٥٨]

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ [المائدة: ٨]

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقوے کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔''

---

[1] القاسمي: تاريخ الجهمية والمعتزلة (ص: ٢٢)

## اس الزام (تحریفِ قرآن) کے متعلق شیعہ کی کتابیں کیا کہتی ہیں؟

اس سے پہلے کہ ہم قاری کا ہاتھ پکڑ کر نقطہ صفر سے اس سفر کا شیعہ کی سب سے پہلی کتاب سے آغاز کریں، ہم یہاں دو مختلف متعارض آوازیں پیش کرتے ہیں، ان دونوں متعارض آوازوں کا عموماً شیعہ کی ہر اس کتاب میں وجود اور صدا موجود ہے، جس نے اس مسئلے کو موضوعِ بحث بنایا ہے، لہٰذا ہمیں یہ دونوں آوازیں سننی چاہییں، تاکہ ان کے نزدیک اس مسئلے کی حقیقت، صورت کا ادراک اور تصور واضح ہو جائے اور یہ سفر جس کے مراحل شیعہ کی مختلف کتابوں کی گزرگاہوں میں طویل ہوسکتے ہیں، کہیں آخر شب کی تاریکی میں خلط ملط نہ ہو جائے۔

اپنے زمانے کا شیعہ عالم ابن بابویہ قمی (المتوفی ۳۸۱ھ) ''من لا یحضره الفقیه'' کا مصنف، جو ان کی چار معتمد کتابوں میں سے ایک ہے، کہتا ہے:

''ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا تھا، یہ وہی ہے، جو دو جلدوں کے درمیان اور لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں... جس نے ہماری طرف یہ منسوب کیا کہ ہم اس سے زیادہ کچھ کہتے ہیں، وہ جھوٹا ہے۔''[1]

یہ ان کے اس عالم کا قول ہے، جو ان کے ہاں ''صدوق'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس قول میں کئی دوسرے شیعہ نے بھی اس کی پیروی کی ہے، جبکہ شیعہ عالم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) کہتا ہے:

''آلِ محمد ﷺ کے ائمہ ہدایت سے قرآنِ کریم میں اختلاف اور ناقدین کے اس میں حذف اور کمی کرنے کے متعلق روایات مشہور ہیں۔''[2]

وہ مزید کہتا ہے:

''ان (امامیہ) کا اتفاق ہے کہ ائمہ ضلال[3] نے قرآنِ کریم کی تالیف میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے اور انھوں نے اس میں قرآن کے تقاضے اور نبی ﷺ کی سنت سے اعراض کیا ہے۔''[4]

اس مفید کا بھی، جو ان کے ہاں ''رکنِ اسلام'' اور ''آیت اللہ الملک العلام'' کے لقب سے ملقب ہے، ان کے علما کا ایک گروہ ہم نوا ہے۔ یہ دونوں مختلف اور ایک دوسرے کے مخالف اقوال ایسے دو علما سے صادر

---

1. الاعتقادات (ص: ۱۰۱۔ ۱۰۲)
2. أوائل المقالات (ص: ٥٤)
3. ان سے یہ لوگ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیتے ہیں، جن میں سرفہرست سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پہلے تین خلفا ہیں۔
4. أوائل المقالات (ص: ۱۳)

ہوئے ہیں، جو ایک ہی جگہ اور ایک ہی زمانے کے ہیں اور مذہبی شناخت میں باہم متفق ہیں، بلکہ یہ مفید تو ابن بابویہ قمی کا شاگرد ہے، اب ہم ان دونوں میں سے کس کو سچا سمجھیں اور کون سا قول شیعہ مذہب کا ترجمان ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ مفید کے شاگردوں میں دو شاگرد اور شیعہ کے دو بڑے علما: طوسی اور ابن مرتضی بھی ابن بابویہ کا موقف رکھتے ہیں اور شیعہ میں اہلِ تحقیق کا مذہب بھی اس الزام کا انکار ہی ہے، جس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔

ان دونوں اقوال میں سے ہر قول کی شیعہ کا ایک مکتبِ فکر تائید کرتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ شیعہ کا اس کے سوا کوئی قول نہیں، اس کے علاوہ جتنے بھی اقوال ہیں، وہ شیعہ پر افترا اور بہتان ہیں۔ اب ان متعارض اور متضاد اقوال کے ڈھیر سے حقیقت پہچاننا کوئی آسان اور معمولی کام نہیں۔ جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک ''تقیہ'' دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور جس کا تقیہ نہیں، اس کا کوئی دین نہیں، تو ہمیں اس کا بہ خوبی ادراک ہو جاتا ہے کہ حقیقت جھوٹ اور جعل سازی کے بادلوں اور تناقضات اور تقیے کی رکاوٹوں کے سامنے چھپ چکی ہے۔

اس لیے ہم تقیے کی بحث میں ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ حقیقت جو ائمہ کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہے، خود شیعہ علما پر بھی مخفی رہ سکتی ہے، ان کو علم ہی نہیں ہوتا کہ کون سا قول تقیے کے خول میں لپٹا ہوا ہے اور کون سا حقیقت کی قبا پہنے ہوئے ہے؟ بنا بریں یہ امر ائمہ کے مذہب کے ضیاع اور غلو کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔

اس لیے ہم آغاز سے اس مسئلے کی تحقیق کریں گے، قائل کے اقوال کا دوسری کتابوں میں مذکور اس کے اقوال کے ساتھ تقابل کر کے ان کا تجزیہ کریں گے، تاکہ ان کو تقیے سے علاحدہ کر کے ان کی صداقت تلاش کر سکیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں دوسرے لوگوں پر ایسا الزام لگانے سے محفوظ رکھے، جو عیب ان میں نہیں اور ہمیں ہمارے اقوال اور فیصلوں میں لغزشوں کے مقامات سے بچا کر رکھے۔ ہم اس خطرناک مقدمے کو، جو شیعہ کو اس متفق علیہ اصل اور عقیدے کی مخالفت کی بنا پر، مسلمانوں سے جدا کر دینے کے نتیجے پر منتج ہوتا ہے، درج ذیل تصور کے مطابق موضوعِ بحث بنائیں گے۔

میں سب سے پہلے وہ کتابیں تلاش کروں گا، جنھوں نے شیعہ کے درمیان اس کفر کی طرح ڈالنے میں حصہ لیا، پھر مَیں ان کی عبارات پیش کر کے ان پر تبصرہ کروں گا۔ سب سے پہلے میں اس کتاب کا مطالعہ پیش کروں گا، جس میں سب سے پہلے اس الزام کو درج کیا گیا اور کس نے اس کو وضع کیا اور شیعہ علما کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ اس مصیبت کی جڑوں کو تلاش کرنے اور ان سبائی ہاتھوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کے لیے

جنھوں نے اس جرم میں شرکت کی، یہ انتہائی اہم قدم ہے، پھر اس کے بعد ہم ذکر کریں گے کہ یہ (الزام) کس طرح اس کتاب سے شیعہ کی تمام کتابوں تک پھیل گیا؟

اس کے بعد ہم اس کتاب کے مضامین، تحریف کے متعلق عبارات، ان کے نزدیک ان کا حجم اور اس کی قدر و قیمت پیش کریں گے، پھر مصحفِ علی کے متعلق یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور جو کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک خفیہ مصحف ہے، جس کو یہ صرف اپنے تک محدود اور متداول رکھتے ہیں، اس پر بھی بات کریں گے۔

شیعہ کے کئی علما نے جو اس کا انکار کیا ہے، وہ تقیے کی بنیاد پر تھا یا حقیقت میں؟ یہ تمام باتیں ہم خود شیعہ کی کتابوں سے پیش کریں گے۔ ممکن ہے بعض مسائل پر بحث کے دوران میں ضمناً کسی دوسری کتاب کا ذکر آ جائے۔ اگر آپ اس بحث میں کچھ طوالت محسوس کریں تو چونکہ یہ مسئلہ بہت زیادہ سنگین ہے اور لوگوں کا شیعہ کو یہ الزام دینے میں بڑا اختلاف ہے، اس لیے یہ ضروری ہے۔

## شیعہ کتابوں کے مطابق اس الزام کا آغاز:

سب سے پہلی وہ کتاب جس میں یہ الزام لکھا گیا، وہ ''کتاب سلیم بن قیس''[1] ہے۔ یہ کتاب اس سے ابان بن ابی عیاش[2] کے سوا کسی نے روایت نہیں کی۔[3] یہ ابن وغیرہ ندیم کے قول کے مطابق شیعہ کی ظاہر ہونے

[1] شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں: ''سلیم بن قیس ہلالی کی کنیت ابو صادق ہے۔ یہ امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھا۔ یہ حجاج سے بھاگا پھرتا تھا، کیوں کہ اس نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب کیا تھا اور اس نے ابان بن ابو عیاش سے پناہ مانگی تو اس نے اس کو پناہ دے دی، جب وہ مرنے لگا تو سلیم نے اس کو ایک کتاب دی اور یہ کتابِ سلیم بن قیس تھی۔ یہ ۹۰ھ میں فوت ہوا۔'' (البرقي: الرجال، ص: ٣۔ ٤، الطوسي: الفهرست، ص: ١١١، الأردبيلي: جامع الرواة: ١/ ٣٧٤، رجال الكشي، ص: ١٦٧، رجال الحلي، ص: ٨٢۔ ٨٣)

[2] ابو اسماعیل ابان بن ابی عیاش فیروز۔ امام احمد فرماتے ہیں: یہ متروک الحدیث ہے، لوگوں نے ایک مدت سے اس کی احادیث ترک کر دیں، اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی، یہ منکر الحدیث ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں: اس کی حدیث کچھ بھی نہیں۔ ابن مدینی ذکر کرتے ہیں: یہ ضعیف تھا۔ شعبہ کہتے ہیں: ابن ابی عیاش حدیث میں جھوٹ بولا کرتا تھا۔ یہ ۱۳۸ھ میں فوت ہوا۔ دیکھیں: تهذيب التهذيب (١/ ٩٧۔ ١٠١) العقيلي: الضعفاء (١/ ٣٨۔ ٤١) ابن أبي حاتم: الجرح والتعديل (٢/ ٢٩٥۔ ٢٩٦) ابن مطہر حلی کہتا ہے کہ ابان بن ابی عیاش بہت زیادہ ضعیف تھا، یہ ہمارے اصحاب کی طرف کتاب سلیم بن قیس وضع کرنے کو منسوب کرتا ہے۔ اردبیلی نے بھی اس سے ملتی جلتی بات کہی ہے۔ دیکھیں: رجال الحلي (ص: ٢٠٦) جامع الرواة (١/ ٩)

[3] دیکھیں: الفهرست (ص: ٢١٩) الخوانساري: روضات الجنات (٤/ ٦٧) رجال الحلي (ص: ٨٣) الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٣٧٤) البروجردي: البرهان (ص: ١٠٤)

والی سب سے پہلی کتاب ہے۔[1] شیعہ نے اس کتاب کی بہت زیادہ مدح سرائی اور تعریف کی ہے،[2] حالاں کہ میں نے جتنے مصادر دیکھے ہیں، اس کے مولف کا ان میں کہیں ذکر نہیں پایا۔[3]

شیعہ جو ذکر کرتے ہیں، اگر اس کا کچھ حصہ بھی سچ پر مشتمل ہوتا تو اس کا ان میں کچھ نہ کچھ ذکر ضرور ہوتا، لیکن اس کا صرف شیعہ کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے، بلکہ بعض متقدمین شیعہ کا کہنا ہے:

''سلیم غیر معروف ہے اور خبر (روایت) میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔''[4]

---

(1) الفهرست (ص: ٢١٩) نیز دیکھیں: الذريعة (٢/ ١٥٢)

(2) شیعہ ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کے متعلق کہا: ''ہمارے شیعہ اور عقیدت مندوں میں جس کے پاس سلیم بن قیس کی کتاب نہیں، اس کے پاس ہمارے معاملے کی کوئی خبر نہیں اور وہ ہمارے اسباب سے کچھ نہیں جانتا۔ یہ شیعہ کی ابجد اور آلِ محمد کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔'' (مقدمه كتاب سليم بن قيس، ص: ٤، آغاز بزرگ طهراني: الذريعة: ٢/ ١٥٢، نیز دیکھیں: حاشيه وسائل الشيعة: ٢٠/ ٤٢، نمبر: ٤)

نعمانی کہتا ہے: ''تمام شیعہ کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں، جنھوں نے یہ علم حاصل کیا اور اس کو ائمہ سے روایت کیا کہ سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب ان کی بنیادی کتابوں میں سے سب سے بڑی اور سب سے قدیم کتاب ہے، جن کو اہلِ علم اور اہلِ بیت کی حدیث کے حاملین نے روایت کیا ہے، کیوں کہ اس اصل اور بنیادی کتاب کی تمام روایات، رسول اللہ ﷺ، امیر المومنین، مقداد، سلمان فارسی، ابوذر اور ان کی راہ پر چلنے والوں، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ اور امیر المومنین کو دیکھا اور ان سے سنا، یہ کتاب ان تمام افراد کی روایات پر مشتمل ہے۔ یہ شیعہ کی وہ بنیادی کتاب ہے، جس کی طرف شیعہ رجوع کرتے اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔'' دیکھیں: النعماني: الغيبة (ص: ٦١، ط: الأعلمي بيروت، و ص: ٤٧، ط: إيران) نیز دیکھیں: وسائل الشيعة (٢٠/ ٢١٠)

مجلسی نے کہا ہے: یہ شیعہ کی اہم بنیادی کتابوں مین سے ہے اور اسلام میں سب سے قدیم تصنیف شدہ کتاب ہے۔ اس کے بعد مجلسی نے چار روایات ذکر کی ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ علی بن حسین (اللہ نے ان کو اس الزام سے محفوظ رکھا ہے) کے سامنے یہ کتاب پڑھی گئی، تو انھوں نے کہا: سلیم نے سچ کہا۔'' (بحار الأنوار: ١/ ١٥٦۔ ١٥٨) ان بعض روایات کو، جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، ''رجال الكشي'' (ص: ١٠٤۔ ١٠٥) میں دیکھیں،

(3) میں نے اس کی تلاش میں اہلِ سنت کی بہت زیادہ کتابوں کو دیکھا، لیکن مجھے اس کا کہیں ذکر نہیں ملا، مثلاً تاریخِ طبری میں شخصیات کی فہرست میں، جو ابوالفضل ابراہیم نے ترتیب دی۔ تاریخ ابن اثیر اور اس کی فہرست میں جو احسان عباس یا سیف الدین نے بنائی۔ ابن عماد حنبلی کی شذرات الذهب، البداية والنهاية، طبقات ابن سعد، رجال کی کتابوں مثلاً: لسان الميزان، التاريخ الكبير اور التاريخ الصغير للبخاري اور مزی کی تهذيب الكمال وغیرہ ان تمام میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملا، حالاں کہ وہ اسلام میں لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب کا مولف ہے اور حجاج اس کو قتل کرنے کے لیے اس کے تعاقب میں رہا!

تو جو شخص ان فکری اور سیاسی دونوں قسم کے رجحانات کے دوران میں نمایاں ہوا، اس کو بھلا دینا بعید از امکان ہے، لہٰذا اس کا بھلا دینا ہی اس کی دلیل ہے کہ شیعہ جو کچھ اس کے متعلق کہتے ہیں، وہ محض ایک دعویٰ ہے۔ ہوسکتا ہے، یہ کوئی خیالی شخصیت ہو یا گمنام آدمی ہو۔

(4) رجال الحلي (ص: ٨٣)

اگر چہ یہ بات متاخرین شیعہ کونہیں بھائی۔ اس کے باوجود کہ یہ کتاب سبائیہ کی حضرت علی کو الٰہ بنانے اور ایسے اوصاف کے ساتھ متصف کرنے کی خطرناک ترین آرا پر مشتمل ہے، جو رب العالمین کے سوا کسی کو زیبا نہیں، [1] ان تمام چیزوں نے شیعہ پر اس کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائیوں، آلِ بیت کی طرف منسوب روایات اور ان کے بڑے علما [2] کے اقوال میں اس کی عدالت اور ثقاہت بیان کرنے پر بالکل قدغن نہیں لگائی۔

بلکہ انھوں نے اس کو آلِ محمد کی بنیادی کتابوں میں ایک کتاب اور ان کے رازوں میں ایک راز شمار کیا ہے، حالانکہ وہ سند اور متن کے اعتبار سے موضوع ہونے کی دلیل رکھتی ہے، کیوں کہ یہ ابان کی روایات میں سے ہے اور وہ اہلِ سنت کے نزدیک متروک یا ضعیف ہے اور شیعہ کی رجال کی کتابوں میں بھی ضعیف ہے۔ [3] یہ سلیم جس کے متعلق ان کا گمان ہے کہ یہ اس کتاب کا مولف ہے، وہ مجہول شخصیت ہے، بلکہ ہوسکتا ہے، اس کا صرف شیعہ کے خیالات میں وجود ہو۔ [4]

اس کتاب کی سندیں بھی مضطرب ہیں، لیکن وہ کہتے ہیں:

''سند میں جو اضطراب نظر آتا ہے، یہ عیب نہیں، بلکہ یہ تو ہمارے اصحاب کی کتابوں کی اکثر سندوں میں موجود ہے۔'' [5]

کتاب کے جتنے متن ہیں، وہ اس کو باطنی الحادی کتابوں کی فہرست میں داخل کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کی چار معتبر کتابوں کے مولفین اور ان کے دیگر علما [6] اس سے نقل کرتے اور اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس

---

(1) اس کتاب کی بعض روایات میں حضرت علی کو ان القابات سے مخاطب کیا گیا ہے: ''یا اول، یا آخر، یا ظاہر، یا باطن، اے وہ جو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ لقب سورج سے حضرت علی کے لیے صادر ہوا، اس کو ابوبکر، عمر اور مہاجرین وانصار نے سنا، وہ بے ہوش ہوگئے، پھر کچھ گھڑیوں کے بعد ہوش میں آئے۔'' (كتاب سليم بن قيس، ص: ٣٨، ط: الأعلمي، ص: ٣١۔ ٣٢، ط: النجف)

یہ اوصاف سبائیت کے آثار ہیں، جو حضرت علی کو الٰہ قرار دیتے ہیں، پھر اثنا عشریہ نے انھیں اپنا لیا، اپنے مصادر میں انھیں باقی رکھا اور آلِ بیت کی طرف منسوب کر دیا۔ انھوں نے اس جیسے کام کر کے حقیقت میں آلِ بیت کو رسوا کیا ہے، حالاں کہ یہ لوگ ان کی محبت کے دعوے دار ہیں، یہ اوصاف تو رب العالمین کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [الحديد: ٣]

(2) دیکھیں (ص: ٢٤٨) حاشیہ (٢)

(3) دیکھیں (ص: ٢٤٧) حاشیہ (٢)

(4) دیکھیں (ص: ٢٤٨) حاشیہ (٣)

(5) الخوانساري: روضات الجنات (٤/ ٦٨)

(6) کلینی اس پر اعتماد کرتا ہے اور اس نے اس سے کئی ابواب ذکر کیے ہیں، جیسے: "باب ما جاء في الإثنى عشر" (أصول الكافي: ➔

کتاب میں غالی شیعہ کے کئی عقائد درج ہیں۔

اس موضوع پر حیران کر دینے والی بات یہ ہے کہ شیعہ کے بعض علما نے اس کتاب کی حقیقت کشائی اور اس کی شناخت سے پردے اٹھانے کا بیڑا اٹھایا ہے، کیوں کہ انھیں جب اس میں ایسی چیزیں ملیں، جو شک میں مبتلا کرنے والی تھیں تو انھوں نے یہ سمجھا کہ اس سے پہلے کہ خود اثنا عشریہ شیعہ مذہب کی بنیادیں ہل جائیں، اس کو بے نقاب کرنا ضروری ہے۔

قاری کہیں یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ انھیں جس بات نے شک اور پریشانی میں مبتلا کیا، وہ حضرت علی کو الٰہ بنانا یا قرآنِ کریم میں طعن کرنا یا اس کے علاوہ خود اسلام پر مطاعن اور اعتراض تھے، بلکہ اس کتاب میں جو خطرہ انھیں محسوس ہوا، وہ یہ تھا کہ اس کتاب نے ائمہ کو تیرہ بنا دیا ہے اور یہ بہت بڑی قیامت تھی، جو اثنا عشریہ کے سقوط کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔ خصوصاً یہ بات ایسی کتاب میں پائی گئی، جو شیعہ کی ابجد اور ان کی سب سے پہلی ظاہر ہونے والی کتاب تھی، اس لیے انھوں نے اس کتاب کا رد کر کے ہمارے سر سے اس کتاب پر تنقید اور تردید کرنے کا بوجھ ہٹا دیا۔

چنانچہ ان کے ایک گروہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ''اس میں کوئی شک نہیں، یہ کتاب موضوع ہے۔''[1] انھوں نے خود ہی کتاب کے عیوب اور موضوع ہونے کی علامات ذکر کرنا شروع کر دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب تاریخ کی مخالفت کرتی ہے، کیوں اس میں مذکور ہے:

> ''محمد بن ابی بکر نے اپنے باپ کی وفات پر انھیں سیدنا علی سے امامت چھیننے کی وجہ سے وعظ و نصیحت کی، حالاں کہ محمد بن ابی بکر حجۃ الوداع والے سال پیدا ہوا تو وہ تین سال کی عمر میں اپنے باپ کو کیسے نصیحت کر سکتا ہے؟''[2]

ایسے ہی اس کتاب نے ائمہ کو تیرہ بنا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> ''یہ سلیم مجہول ہے، کسی روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں اور کتاب کی سندیں بھی مضطرب اور

---

←١/ ٥٢٥) "باب دعائم الكفر" (المصدر السابق: ٢/ ٣٩١) وغیرہ۔ ایسے ہی ابن بابویہ قمی نے، جو شیعہ کے ہاں ''صدوق'' کے لقب سے معروف ہے، اپنی کتاب: "من لا يحضره الفقيه" میں اس سے نقل کیا ہے اور "روضات الجنات (٤/ ٦٨) "الذريعة" (٢/ ١٥٤) ایسے ہی طبرسی کی "الاحتجاج" مفید کی "الاختصاص" اور "تفسيرِ فرات" وغیرہ میں اس کا ذکر ہے۔ دیکھیں: مقدمہ کتاب سلیم بن قیس (ص: ٧)

[1] دیکھیں: رجال الحلي (ص: ٨٣) ابن داود: الرجال (ص: ٤١٣)

[2] دیکھیں: الخوانساري: روضات الجنات (٤/ ٦٧) رجال الحلي (ص: ٨٣)

مختلف ہیں۔''[1]

انھوں نے اس کتاب کی وضع کا الزام ابان بن ابی عیاش کو دیا ہے۔[2] بلکہ ایک معاصر[3] نے تو یہ کتاب وضع کرنے کی تاریخ بھی مقرر کی ہے۔ وہ کہتا ہے: ''یہ ایک صحیح مقصد کے پیشِ نظر اموی حکومت کے آخری ایام میں وضع کی گئی۔'' لیکن اس نے اپنے موقف کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ جبکہ ان کے ایک گروہ پر، جس طرح ظاہر ہوتا ہے، یہ بات گراں گزری کہ وہ یک لخت اپنی اس کتاب سے محروم ہو جائیں، حالاں کہ وہ ان کی بنیادی کتابوں میں سے ایک کتاب اور ان کے علما کی بنیادی دلیل ہے، اس فریق نے کہا:

> ''میرے نزدیک اس کی یہ صورت ہے کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کو بدلنے کا فیصلہ کیا جائے اور اس کی کتاب میں جو فاسد باتیں ہیں، ان میں توقف کیا جائے۔''[4]

حالاں کہ یہ فاسد قول اثنا عشریہ کی بنیاد ہی اکھاڑ رہا ہے، کیوں کہ یہ ائمہ کی تعداد تیرہ بتاتی ہے۔ اس لیے شیعہ حلقوں میں یہ قول بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا۔

ایک تیسرے گروہ نے یہ سوچا کہ اس مشکل کا خاتمہ کرنے کے لیے، جس نے ان کی نیندیں حرام کر دی ہیں، بنیادی کام کرنا چاہیے، انھوں نے کتاب میں تبدیلیاں کر دیں، تاکہ وہ شیعہ منطق کے مناسب ہو جائے۔ خوانساری نے کتاب میں تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''ہمارے پاس کتاب کا جو نسخہ پہنچا ہے، اس میں ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ کو موت کے وقت یہ نصیحت کی تھی۔''[5]

حر عاملی کہتا ہے:

> ''جو نسخہ ہم تک پہنچا ہے، اس میں کوئی فاسد چیز ہے نہ کوئی ایسی چیز ہے، جس سے اس کے موضوع ہونے پر استدلال کیا جا سکے۔''[6]

---

(1) دیکھیں: رجال الحلي (ص: ٨٣) الخوانساري: روضات الجنات (٤/ ٦٧) ابن داود: الرجال (ص: ٤١٣۔ ٤١٤)

(2) دیکھیں: رجال الحلي (ص: ٢٠٦) ابن داود: الرجال (ص: ٤١٣۔ ٤١٤)

(3) یہ ابو الحسن شعرانی ہے، اس نے یہ بات کافی کے حاشیے میں ذکر کی ہے۔ دیکھیں: الكافي مع شرحه للمازندراني (٢/ ٣٧٣۔ ٣٧٤)

(4) رجال الحلي (ص: ٨٣) وسائل الشيعة (٢٠/ ٢٠١)

(5) روضات الجنات (٤/ ٦٩)

(6) وسائل الشيعة (٢٠/ ٢١٠)

میں نے شیعہ کی نظر اٹھنے والے میں کتاب کے عیوب کو تلاش کیا، جن کی طرف کتاب کی پہلی دو طباعتوں میں فریق اول نے اشارہ کیا ہے[1]، لیکن مجھے اس میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں تبدیلی اور کمی بیشی کرتے ہیں۔

اس کے باوجود یہ کتاب متاخرین کے ہاں قابلِ اعتماد ہے، جس طرح مجلسی نے "بحار الأنوار"[2] اور حر عاملی نے "وسائل الشيعة"[3] وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ سبائی ہاتھوں کو بے نقاب کرنے کے لیے، جنھوں نے یہ الزام تراشا، سلیم بن قیس کی کتاب کا جائزہ لینا ضروری ہے، کیوں کہ ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ یہ الزام سلیم بن قیس کی کتاب سے شروع ہوتا ہے، جس کو وضع کرنے کا الزام انھوں نے ابان کو دیا ہے، بلکہ بعض شیعہ نے اس کے وضع کرنے کی تاریخ اموی حکومت کے آخری ایام متعین کی ہے۔

شیعہ کے کچھ علما اس الزام کے وضع کرنے کا سہرا ابان کے سر باندھتے ہیں اور پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ملطی اس کا الزام ہشام بن حکم کو دیتا ہے، یعنی دوسری صدی سے پہلے اس الزام کا کوئی وجود نہیں تھا۔ میں نے ابن سبا اور اس کے فرقے سبائیہ کی طرف منسوب آرا کا تتبع کیا ہے، لیکن مجھے وہاں یہ نہیں ملا کہ یہ نظریہ ابن سبا سے منقول ہے، بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال نہیں آیا، جس نسل نے نزولِ قرآن کا زمانہ پایا اس کے سامنے اس افترا کا باطل ہونا اظہر من الشمس تھا۔ نیز اس لیے بھی کہ یہ اس کے جھوٹ کے افشا کا تیز تر ذریعہ بن جاتا، اس لیے اس نے اسے پھیلانے کی جراَت نہیں کی۔ اس نے یہ تو نہیں کہا کہ صحابہ کرام نے قرآن کریم میں تحریف کی ہے، لیکن یہ قول اپنا لیا کہ "یہ قرآن ان نو (۹) اجزا میں سے ایک جزو ہے اور اس کا علم علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس ہے۔"[4]

یہ ایک مجمل بات ہے، جس میں اس نے اپنی مراد کھول کر بیان نہیں کی، شاید اس کی کچھ وضاحت حسن بن محمد بن حنفیہ (المتوفی ۹۵ھ) کے اس خط سے ہوتی ہے:

"اس سبائی فرقے کی لڑائی میں ایک یہ بات بھی ہے، جس کو ہم نے پایا ہے، کہ یہ کہتے ہیں: ہمیں ایسی وحی کی راہنمائی کی گئی ہے، جس سے لوگ گمراہ اور ناواقف رہے ہیں اور ہمیں مخفی علم دیا گیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے

---

[1] ط: النجف بالمطبعة الحيدرية، وطبعة الأعلمي ببيروت.

[2] بحار الأنوار (١/ ٣٢)

[3] وسائل الشيعة (٢/ ٢٠١)

[4] الجوزجاني: أحوال الرجال (ص: ٣٨)

کہ اللہ کے نبی نے قرآن کے نو حصے چھپا لیے۔ اگر اللہ کے نبی نے اس سے کوئی چیز چھپائی ہوتی، جو اللہ نے آپ پر نازل کیا تھا، تو آپ زید کی بیوی کے متعلق یہ آیت: ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ﴾ چھپا لیتے۔"[1]

لہٰذا یہ سبائی فرقے کا نظریہ نہیں، بلکہ اس کے بعد پیدا ہوا، لیکن کس شخص نے شیعہ کے درمیان اس کفر کو وضع کرنے کا بیڑا اٹھایا؟

اس سوال کا متعین اور یقینی جواب شاید آسان نہ ہو، اس سلسلے میں تحریف کی روایات کی اسانید کی چھان بین اور جستجو بھی بے سود ہے، کیوں کہ ان روایات میں کچھ ایسی ہیں، جن کی سند موجود ہی نہیں، جس طرح طوسی کی کتاب "الاحتجاج" میں مذکور روایات ہیں، علاوہ ازیں، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا، بہت سے قرائن دلالت کرتے ہیں کہ اسناد کا سلسلہ ان میں بہت بعد میں بنایا گیا، نیز جھوٹے متون کے ساتھ صحیح سندیں لگانا بھی ان کی ایک عادت ہے، لہٰذا یہ طریقہ اختیار کر کے بھی کوئی حتمی نتیجہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

## شیعہ کتابوں میں اس الزام کا پھیلنا:

ہم نے دیکھا ہے کہ اگر ہم ان کے اقوال کو لیں تو اس بہتان کا آغاز سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب سے ہوا اور یہ مسئلہ صرف دو روایتوں کے ساتھ شروع ہوا، اس میں بھی وہ صراحت نہیں تھی، جو ہم بعد والوں کے ہاں دیکھتے ہیں، اس کی تفصیل اس مسئلے کے بعد تحریف کی روایات پر تبصرے کے ضمن میں آئے گی۔

گویا اس کتاب میں یہ مسئلہ ابھی تک اپنی ابتدا میں تھا، اس کے متعلق جھوٹ اور وضع کی کثرت بھی نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ ایسی کتاب میں اپنی ابتدا میں تھا، جس کو بعض شیعہ کی طرف سے ٹھکرائے جانے کا سامنا کرنا پڑا، جس کا مطلب اس نظریے کی موت تھا، اگر تیسری صدی میں وہ شخص نہ آتا، جس نے اس کہانی کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اس میں اضافہ کیا اور اس کی جھوٹی بنیادوں کو مضبوط کر دیا۔

یہ کافی کے مولف کلینی کا استاذ شیعہ عالم علی بن ابراہیم قمی تھا، جس نے اپنی تفسیر کو اس افسانے سے بھرا[2] اور اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس کی صراحت بھی کی،[3] اس لیے ان کے عالم کاشانی نے کہا ہے:

"اس کی تفسیر اس سے بھری ہوئی ہے اور اس نے اس میں بہت غلو کیا ہے۔"[4]

---

[1] كتاب الإيمان لمحمد بن أبي عمر المكى العدني (ص: ٢٤٩۔ ٢٥٠ مخطوط) سورة الأحزاب [آيت: ٣٧]

[2] مثال کے طور پر دیکھیں: تفسير القمي (١/ ٤٨، ١٠٠، ١١٠، ١١٨، ١٢٢، ١٢٣، ١٤٢، ١٥٩۔ ٢/ ٢١، ١١١، ١٢٥ وغيرها) آیندہ صفحات میں اس سلسلے کی بعض روایات کا تذکرہ آئے گا۔

[3] تفسير القمي (١/ ١٠)

[4] تفسير الصافي (١/ ٥٢)

ایسے ہی شیعہ کے ایک دوسرے عالم نوری طبرسی نے کہا ہے:

''قمی نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس عقیدے کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اپنی کتاب کو اس کے متعلق روایات سے بھر دیا ہے، حالاں کہ شروع میں تو اس نے التزام کیا تھا کہ اس میں صرف اپنے مشائخ اور ثقہ راویوں سے (روایات) ذکر کرے۔''[1]

اگرچہ یہ کتاب زیدیقیت سے بھری ہوئی ہے، پھر بھی ان کا آج ایک بڑا عالم ''خوئی'' قمی کی تمام روایات کی توثیق کرتا ہے!![2]

قمی کے بعد اس کا شاگرد کلینی (المتوفی ۳۲۸، ۳۲۹ھ) آیا، جو ''ثقة الإسلام'' کے لقب سے ملقب اور شیعہ کی روایت میں چار معتبر کتابوں میں صحیح تر کتاب کا مولف ہے۔ کلینی نے ''کافی'' میں اس افسانے کے متعلق کافی زیادہ روایات ذکر کی ہیں[3] اور اس نے اپنی روایات میں (بہ زعم خویش) صحت کا بھی التزام کیا ہے۔[4] اس لیے اس کے متعلق شیعہ لکھاریوں نے یہ فیصلہ دیا ہے:

''وہ قرآن میں تحریف اور کمی کا عقیدہ رکھتا تھا، کیوں کہ اس نے اپنی کتاب کافی میں اس مفہوم کی روایات ذکر کی ہیں، لیکن کسی ایک پر بھی جرح اور تنقید نہیں کی، حالاں کہ اس نے اپنی کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ وہ جو روایت کرے گا، اس کی توثیق بھی کرے گا۔''[5]

کلینی کی کتاب کافی رافضہ کے علما کے نزدیک صحت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہے، کیوں کہ کلینی ان چار سفیروں کا معاصر تھا، جو اپنے غائب منتظر مہدی کے ساتھ تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے، اس لیے اس کے لیے اپنے مجموعے کی صحت کے متعلق تحقیق کرنا آسان تھا، کیوں کہ وہ ان کے ساتھ ایک ہی شہر بغداد میں رہتا تھا۔[6]

---

[1] الطبرسي: فصل الخطاب (الورقة: ١٣ النسخة المخطوطة) و (ص: ٢٦) من المطبوعة.

[2] دیکھیں: اس رسالے کے مقدمے میں خوئی نے اس کی صراحت کی ہے۔ نیز دیکھیں: معجم رجال الحديث للخوئي (١/ ٦٣)

[3] دیکھیں: أصول الكافي، باب فيه نكت ونتف من التنزيل في الولاية من الجزء الأول (ص: ٤١٣ وما بعدها) روایات نمبر (٨، ٢٣، ٢٥، ٢٦، ٢٧، ٢٨، ٣١، ٣٢، ٤٥، ٤٧، ٥٨، ٥٩، ٦٠، ٦٤) نیز دیکھیں: الجزء الثاني من الكافي باب أن القرآن يرفع كما أنزل (ص: ٦١٩، رقم: ٦) و باب النوادر (ص: ٦٢٧ وما بعدها) رقم (٢، ٣، ٤، ٢٣، ٢٨) یہ تمام روایات اس افترا کے قول میں صریح ہیں، ان کو کسی دوسرے معنی پر محمول کرنا یا انھیں تفسیر یا قراءات کی قسم میں شمار کرنا بعید اور ناممکن ہے۔

[4] دیکھیں: مقدمة الكافي (ص: ٩) و تفسير الصافي، المقدمة السادسة (ص: ٥٢، ط: الأعلمي بيروت و ص: ١٤، ط: المكتبة الإسلامية بطهران)

[5] الكاشاني: تفسير الصافي، المقدمة السادسة (ص: ٥٢، ط: الأعلمي و ص: ١٤، ط: طهران)

[6] دیکھیں: محمد صالح الحائري: منهاج عملي للتقريب ضمن كتاب ''الوحدة الإسلامية'' (ص: ٢٣٣) قدیم شیعی ←

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ملاحظہ کیا جائے کہ ابن بابویہ قمی نے تحریفِ قرآن کے متعلق آنے والی روایات پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، اگرچہ وہ کافی میں موجود ہیں، جس کی شیعہ اتنی زیادہ تعریف اور توثیق کرتے ہیں۔ میں نے مجلسی کی "مرآة العقول" کو دیکھا تو اس میں بھی پایا کہ وہ کافی کی بعض روایات پر ضعف کا حکم لگاتا ہے، لیکن اس نے تحریف کی روایات پر صحت کا حکم لگایا ہے۔[1] ایسے ہی اصولِ کافی کی شرح "الشافي" میں بھی ہے[2] ایک نئی کتاب آئی ہے، جس کا نام "صحيح الكافي"[3] ہے۔ میں نے اس کو دیکھا تو اس میں پایا کہ اس کے مولف نے اس کو ان روایات سے علاحدہ کر دیا ہے، جو اللہ کی کتاب کی شان میں گستاخی کرتی ہیں، یہی نہیں بلکہ اس نے پورے پورے ابواب روایات سمیت حذف کر دیے ہیں۔[4] اسی طرح اس نے وہ ابواب بھی حذف کر دیے ہیں، جو ان کے کئی عقائد کی نمایندگی کرتے ہیں، جن میں شیعہ کو تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[5]

اللہ جانے اس کا یہ تصرف تقیہ ہے یا حقیقت پر مبنی ہے... خصوصاً اس نے ان کی وہ بہت ساری احادیث بھی حذف کر دی ہیں، جن پر مجلسی نے "مرآة العقول" میں اور شافی کے مصنف نے صحت کا حکم لگایا ہے۔

کلینی کے طبقے میں عیاشی بھی ہے، جس کی "تفسير العياشي" کے نام سے ایک تفسیر ہے۔ میں نے

---

← علما نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔ نیز دیکھیں: ابن طاؤوس: كشف المحجة (ص: ۱۵۹) نیز اس رسالے کا مقدمہ ملاحظہ کریں۔

[1] مثلاً یہ روایت کہ ''جو قرآن جبرائیل، محمد ﷺ کے پاس لے کر آئے، اس کی ۱۷ ہزار آیات تھیں۔'' اس پر وہ صحت کا حکم لگاتا ہے، جب کہ قرآنی آیات کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ۶ ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ (مرآة العقول: ۲/ ۵۳٦)

[2] گزشتہ حاشیے میں ذکر کردہ روایات پر بھی اس نے صحت کا حکم لگایا ہے۔ دیکھیں: الشافي شرح أصول الكافي (۷/ ۲۲۷)

[3] تصنیف محمد باقر البہبودی، معاصر شیعہ عالم۔ یہ کتاب ۱۴۰۱ھ میں تین جلدوں میں چھپی ہے۔

[4] جیسے "باب أنه لم يجمع القرآن كله إلا الأئمة" (سارا قرآن ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا) یہ اس بہتان میں کافی کا صریح باب ہے، حتی کہ بعض شیعہ نے اس باب اور دیگر ابواب کے عناوین سے اس مسئلے میں اس کے مذہب کو ظاہر کیا ہے۔ دیکھیں: "فصل الخطاب" (ص: ٢٦۔ ٢٧)۔

اسی طرح اس نے اس باب "باب فيه نكت و نتف من التنزيل في الولاية" کی ساری روایات حذف کر دی ہیں، جو ۹۲ روایات تھیں، صرف دو روایات باقی ہیں، جن میں قرآن کی نص پر کوئی طعن و تشنیع نہیں، بلکہ ان میں اس کی تاویل میں انحراف ہے، یعنی ان کی تفسیر میں باطنی منہج کے مطابق اس کے معنی میں تحریف ہے، اس مذکورہ بالا باب میں اس افسانے کے متعلق سب سے زیادہ روایات ہیں، حتی کہ "فصل الخطاب" کے مولف نے اس کو اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (فصل الخطاب، ص: ٢٦)

[5] جیسے یہ ابواب "باب أن الأئمة إذا شاووا أن يعلموا علموا" و "باب أن الأئمة يعلمون متى يموتون ولا يموتون إلا باختيار منهم" و "باب أن الأئمة يعلمون علم ما كان وما يكون وأن لا يخفى عليهم الشيء" وغیرہ وغیرہ (اس سلسلے میں صحیح کافی اور اصولِ کافی میں "كتاب الحجة" کے درمیان تقابل کریں)۔

اس کتاب میں متعدد اور متفرق مقامات پر تحریف کے اس افسانے کا ذکر دیکھا ہے۔[1]

یہ بھی ان کی معتبر کتاب ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔[2] اگرچہ اس میں کوئی سند اور سلسلہ رجال کی کوئی لگام نہیں۔ "بحار الأنوار" کے مولف کا گمان ہے کہ کسی ناسخ (کاتب) نے اس کی سندیں حذف کر دی ہیں۔[3]

تیسری صدی ہی میں فرات بن ابراہیم کوفی ہوا ہے، جس کی "تفسیرِ فرات"[4] کے نام سے ایک تفسیر ہے، اس نے بھی اس کہانی کی روایات نقل کرنا پسند کیا۔[5] یہ بھی ان کی ایک معتبر کتاب ہے۔[6]

محمد بن ابراہیم نعمانی[7] بھی اسی زمانے میں ہوا ہے، اس نے اپنی کتاب "الغیبة" میں اس الزام کی کئی روایات ذکر کی ہیں۔[8] یہ ان کے نزدیک تمام کتابوں میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور صحیح و ثابت ہے۔[9]

اس دورانیے میں پائے جانے والے اس کینہ پرور گروہ میں ابوالقاسم کوفی کا بھی ذکر ملتا ہے، اس کو اثنا عشریہ کی بعض کتابوں نے غلو[10] کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ اس نے خود بھی اپنے خلاف اپنی کتاب "الاستغاثة" میں

[1] دیکھیں: تفسیر العیاشي (۱/ ۱۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۲۰۶ وغیرھا)

[2] دیکھیں: کتاب کا مقدمہ (ص: ۳۵)

[3] بحار الأنوار (۱/ ۲۸)

[4] یہ مطبعہ حیدریہ نجف سے شائع ہوئی، اس کے پہلے صفحے پر مرقوم ہے: یہ وہ مضبوط تفسیر ہے، جس کو دیکھنے کے لیے علما شوقِ انتظار میں رہے ہیں، یہ اپنے چھوٹے حجم کے باوجود ایسی چیزوں پر مشتمل ہے، جو بڑی تفسیروں میں بھی نہیں اور یہ کتاب نبی اور ائمہ رضی اللہ عنہم کی احادیث کے بالکل مطابق ہے۔

[5] دیکھیں: تفسیر فرات (ص: ۱۸، ۵۸ وغیرھا)

[6] دیکھیں: کتاب کا مقدمہ (ص: ۳۵)

[7] ان کا کہنا ہے کہ یہ مہدی منتظر کے چار سفیروں کے زمانے میں تھا۔ یہ شیعہ عالم کلینی کا شاگرد ہے، شاید اس نے اسی سے یہ کفر حاصل کیا ہو، بلکہ شیعہ کا کہنا ہے کہ کافی اس نے لکھی تھی اور کلینی نے اس کی تالیف میں معاونت کی۔ دیکھیں: رجال النجاشي (ص: ۲۹۷) أمل الآمل (ص: ۲۳۲) رجال الحلي (ص: ۱۶۲)

[8] دیکھیں: کتاب الغیبة (ص: ۲۱۷)

[9] بحار الأنوار (۱/ ۳۰)

[10] نجاشی کہتا ہے: "ابوالقاسم علی بن احمد کوفی کہا کرتا تھا کہ وہ آلِ ابی طالب میں سے ہے، اپنی آخری عمر میں وہ غالی ہوگیا اور اس کا مذہب خراب ہوگیا، اس نے بہت ساری کتابیں تصنیف کیں، جس میں سے اکثر فساد پر مبنی ہیں، جیسے: "کتاب الأنبیاء، کتاب الأوصیاء، کتاب البدع المحدثة، کتاب التبدیل والتحریف" نجاشی ذکر کرتا ہے کہ غالی لوگ اس کے لیے اعلیٰ مراتب کا دعوی کرتے ہیں۔ یہ ۳۵۲ھ کو فوت ہوا۔ رجال النجاشي (ص: ۲۰۳) رجال الحلي (ص: ۲۳۳)
"کتاب الاستغاثہ" کا مقدمہ لکھنے والے معاصر رافضی نے، جس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، اس سے غلو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھیں: مقدمہ کتاب کے صفحات (ص: ب)

یہ گواہی دی ہے کہ وہ اس گمراہ منہج کا راہ رَو ہے۔[1] نجاشی نے اس کی طرف "التبدیل والتحریف"[2] نامی ایک کتاب منسوب کی ہے۔

یہ کتاب اپنے کئی نظائر کی طرح مفقود ہے، جس طرح "فصل الخطاب" کے مولف نے ذکر کیا ہے۔[3] یہ تحریف کی بعض روایات براہِ راست[4] قمی سے روایت کرتا ہے، گویا اس نے اسی سے یہ کفر حاصل کیا ہے۔

ان کے بعد ہم شیعہ کے عالم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) کو دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں اپنے گروہ کا اس منکر پر اجماع تحریر کیا ہے۔[5] اس نے اس کے متعلق بعض روایات اپنی کتاب "الإرشاد"[6] میں بھی نقل کی ہیں، جو ان کی معتبر کتاب ہے۔[7]

اس کفر کی تائید اور اثبات میں لکھی گئی ان بدبودار، متعفن کتابوں کے بارے میں کسی مسلمان کو یہ شک نہیں رہتا کہ یہ اللہ کی کتاب، اس کے دین اور پیروکاروں کے دشمن کسی ملحد و زندیق کی سازش ہے۔ اس گروہ کو اس کام پر، جیسا کہ اس افسانے کی نصوص اور روایات کے تجزیے میں اس کا ذکر ہوگا، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ان کے شذوذ اور بے بنیاد عقائد کو ثابت کرنے والے دلائل سے خالی ہونے نے اُکسایا ہے، اب بعض قرآنی آیات کو تبدیل کر دینا تو ان کے بس سے باہر تھا، جس طرح انھوں نے سنتِ مطہرہ میں ایسی روایات داخل کر کے یہ کام کیا تو ماہرینِ علومِ حدیث نے ان کی اس سازش کو طشت از بام کر دیا۔

جب وہ اللہ کی کتاب میں کوئی نئی چیز داخل نہ کر سکے، کیوں کہ یہ ان کی پہنچ سے دور تھا تو انھوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ کتاب اللہ میں کمی اور تبدیلی ہوتی ہے اور کسی فاتر العقل کینہ پرور کے لیے دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہوتا ہے!!

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کی اپنے پیروکاروں کو قائل کرنے کی ایک کوشش ہے، جنھوں نے اس بات پر شور مچایا کہ قرآن میں تو ان کے ائمہ اور ان عقائد کا ذکر نہیں، جن کی وہ اپنے علما[8] سے اتنی زیادہ عظمت سنتے ہیں!

---

1. دیکھیں: الاستغاثة (ص: ۲۵)
2. دیکھیں: رجال النجاشي (ص: ۲۰۳)
3. دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ۳۰۔ ۳۱)
4. دیکھیں: الاستغاثة (ص: ۲۹)
5. دیکھیں: أوائل المقالات (ص: ۵۱)
6. دیکھیں: الإرشاد (ص: ۳٦۵)
7. دیکھیں: بحار الأنوار (۱/ ۲۷)
8. جیسا کہ امامت وغیرہ کے بارے میں ان کے اعتقاد میں اس کا تفصیلی ذکر ہوگا۔

تو پھر کیا تھا، انھوں نے یہ دعویٰ کر دیا اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ان کے علما اس کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے سرگرم ہوگئے، لیکن ایسے لگتا ہے کہ ان کو اس دعوے کے انجام کار کا اندازہ نہیں تھا اور الٹی آنتیں گلے پڑنے والا حساب ہوگیا، چناں چہ اس کے بدترین نتائج سامنے آئے، اس عقیدے نے انھیں سر بازار رسوا کر دیا، ان کے چہروں سے نجابت کا پردہ ہٹا دیا، ان کی عداوت اور منافقت کو کھول کر سامنے رکھ دیا اور اسلام، قرآن اور اہلِ بیت کے ساتھ ان کے رشتے کو منقطع کر دیا۔

اسی لیے چوتھی صدی میں ان کے سب سے بڑے عالم ان کی چار کتبِ حدیث میں سے ایک ''من لا یحضره الفقيه'' کے مصنف اور رئیس المحدثین کے لقب سے معروف ابن بابویہ قمی (المتوفی ۳۸۱ھ) نے اس عقیدے سے شیعہ کی براءت کا اظہار کر دیا۔[1]

اسی طرح شریف مرتضیٰ (المتوفی ۴۳۶ھ) بھی اس عقیدے کا انکار کرتا اور اس کے قائل کو کافر قرار دیتا ہے، جس طرح امام ابن حزم نے ذکر کیا ہے[2] کہ طبرسی[3] اور طوسی[4] جیسے علمائے شیعہ نے بھی اس کا انکار نقل کیا ہے۔ اسی طرح طوسی نے بھی، جو ان کی چار معتبر حدیث کی کتابوں میں دو اور چار رجال کی معتبر کتابوں میں دو کا مولف ہے، اس نظریے اور شیعہ کے اس کے ساتھ تعلق سے انکار کیا ہے۔[5] ایسے ہی ''مجمع البیان''[6] کے مصنف طبرسی نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔

ہم۔ان شاء اللہ۔ اس کے متعلق ان کے الفاظ بھی نقل کریں گے اور ان کی دیگر کتب میں ان کے اقوال کے ساتھ ان کا تقابلی جائزہ بھی لیں گے، نیز شیعہ نے جو ان کے انکار کی توجیہ پیش کی ہے، اس کا بھی ذکر ہوگا، لیکن ان کے انکار کے باوجود یہ مسئلہ ختم نہ ہوا اور چھٹی صدی میں ایک مرتبہ پھر ''الاحتجاج'' کے مصنف طبرسی نے اس کو اٹھایا اور اپنی کتاب ''الاحتجاج'' اس کفر سے بھر دی۔[7] اس موضوع پر اس نے ان کی کئی روایات بلا اسناد درج کیں اور مقدمے میں یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اکثر روایات کی اسناد اس لیے ذکر نہیں کیں،

---

[1] دیکھیں اس کی کتاب: ''الاعتقادات'' (ص: ۱۰۱۔ ۱۰۲)

[2] الفصل (۵/ ۲۲)

[3] التبيان (۱/ ۳)

[4] مجمع البيان (۱/ ۳۱)

[5] التبيان (۱/ ۳)

[6] مجمع البيان (۱/ ۳۱)

[7] فصل الخطاب (ورقة: ۳۲) النسخة المخطوطة.

کیوں کہ یہ مسئلہ اس کی قوم میں محلِ اجماع یا مشہور ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

''ہم اکثر روایات میں اسناد ذکر نہیں کریں گے، کیوں کہ یا تو ان پر اجماع ہے یا وہ عقل کے مطابق ہیں یا وہ مخالف اور موافق کی کتابوں میں مشہور ہیں۔''[1]

علانیہ اس کفر کا اظہار کرنے والا طبرسی ''مجمع البیان'' کے مولف ابوالفضل طبرسی کا معاصر تھا، جو اس عقیدے کا انکار کرتا اور شیعہ کو اس سے بَری قرار دیتا ہے۔[2]

بہ ظاہر ایسے لگتا ہے کہ ان چاروں کے انکار کا اثر تھا، یا پھر یہ مسئلہ رازدارانہ انداز میں زیرِ بحث آنے لگا، کیوں کہ ہم اس کی اشاعت اور ترویج کے لیے واضح اور ظاہری طور پر سرگرمی صرف دولت صفویہ کے سائے میں دیکھتے ہیں، اس دور میں اس مسئلے کو اٹھایا گیا اور اس کے لیے روایات گھڑی گئیں۔ اس کی سب سے زیادہ ترویج تیسری صدی میں دولت صفویہ کے چند علما کے ہاتھوں ہوئی، جنھوں نے بڑی سرگرمی سے اس کفر کو پھیلانے کے لیے تگ و تاز کی، حتی کہ وہ افسانہ جو کتاب سلیم بن قیس میں صرف دو روایتوں سے شروع ہوا، شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری کے اعتراف کے مطابق، اس کے لیے دو ہزار سے زائد روایات گھڑی گئیں۔[3] کیوں کہ دولتِ صفویہ کے علما، جیسے مجلسی نے بحار[4] میں، کاشانی نے تفسیر صافی[5] میں، بحرانی نے البرہان[6] میں، نعمت اللہ جزائری نے انوارِ نعمانیہ[7] میں اور دیگر کتب میں، ابوالحسن شریف نے مرآۃ الانوار[8] میں، مازندرانی نے شرح الکافی[9] میں اور دیگر علما

---

[1] الاحتجاج (ص: ١٤)

[2] بعض مولفین نے اس دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے اور کتاب ''الاحتجاج'' کو ''مجمع البیان'' کے مصنف کی طرف منسوب کر دیا، حالاں کہ احتجاج کا مصنف اس کفر کا علانیہ اظہار کرتا ہے اور ''مجمع البیان'' کا مصنف اس سے بَری ہے۔ نبیلہ عبید کو اپنی کتاب ''نشأة الشیعة'' (ص: ٣٩۔ ٤٠) میں ان دونوں شخصیات کے درمیان امتیاز میں اشتباہ ہوا ہے، حالاں کہ وہ شیعہ ہے۔
ایسے ہی عبد المتعال الجبری کو ''حوار مع الشیعة'' (ص: ١٨٧) میں ''الاحتجاج'' کے مصنف طبرسی اور ''فصل الخطاب'' کے مولف طبرسی کے درمیان امتیاز کرنے میں شبہہ ہوا ہے، اس نے ان دونوں کو ایک ہی شخصیت سمجھ لیا ہے، جب کہ ان دونوں کے درمیان چھے صدیوں سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔

[3] دیکھیں: فصل الخطاب (ورقة: ١٢٥) النسخة المخطوطة.

[4] دیکھیں: بحار الأنوار، کتاب القرآن، باب تألیف القرآن وأنه علی غیر ما أنزل الله عز و جل (٩٢/ ٦٦ وما بعدها)

[5] دیکھیں: تفسیر الصافي، المقدمة السادسة (ص: ٤٠۔ ٥٥، ١٣٦، ١٦٣، ٣٩٩، ٤٢٠)

[6] دیکھیں: البرهان کے متعدد مقامات، مثلاً (١/ ١٥) باب أن القرآن لم یجمعه کما أنزل إلا الأئمة. و (ص: ٣٤، ٧٠، ١٠٢، ١٤٠، ١٧٠، ٢٧٧، ٢٩٤۔ ٢٩٥، ٣٠٨ وغیرها کثیر)

[7] دیکھیں: الأنوار النعمانیة (٢/ ٣٥٧۔ ٣٥٨)

[8] دیکھیں: مرآة الأنوار لأبي الحسن الشریف، المقدمة الثانیة (ص: ٣٦۔ ٤٩)

[9] اس نے کافی کی شرح لکھی اور اس کے مولف کی تمام قیامت خیزیوں کی موافقت کی، حتی کہ اس نے کہا: قرآن کے بعض ←

نے بڑے وسیع پیمانے پر صفوی حکومت کے سائے میں، جس میں ایک حد تک تقیہ اٹھ چکا تھا، اس الزام کو پھیلانے کا اہتمام کیا۔

تیرھویں صدی کے آخر میں اس باب میں شیعہ کا ایک بہت بڑا سکینڈل سامنے آیا کہ ان کے عالم حسین نوری طبرسی نے، جس کو شیعہ میں بہت زیادہ تعظیم حاصل ہے،[1] اس موضوع پر ان کے تمام افسانوں اور کہانیوں کو اکٹھا کر کے اس کفر پر ایک کتاب ترتیب دے دی، جس کا نام "فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب" رکھا۔[2] یہ کتاب قیامت تک کے لیے شیعہ کے چہرے پر کالک اور کلنک کا ٹیکا رہے گی۔

اس کتاب میں مولف نے متفرق روایات اور اپنے علما کے اِدھر اُدھر بکھرے اقوال یہ ثابت کرنے کے لیے جمع کیے ہیں کہ شیعہ اپنی روایات اور اپنے علما کے اقوال کی روشنی میں اس کفر کے قائل ہیں۔ اس نے یہ کتاب شیعہ میں موجود اس فکری لہر کا سامنا کرنے کے لیے لکھی، جس نے اس افسانے کو ہضم کرنے اور اس نظریے کو قبول سے انکار کر دیا تھا، جس طرح اس کی ان لوگوں پر تردید سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے، جو کتاب کے آخر میں مذکور ہے۔[3]

اس نے اس کتاب کے ذریعے خفیہ اور چھپی ہوئی چیزوں سے پردہ اٹھایا ہے اور ایسی خورد بین تیار کر دی ہے، جس نے اس قوم کی کتابوں کے کونوں کھدروں میں قرآنِ کریم اور اہلِ قرآن کے خلاف چھپی ہوئی دشمنی، کینے اور سازش کو کھول کر سامنے رکھ دیا ہے۔

طبرسی نام کے اس ملحد نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف اپنے خفیہ مقصد کو کتاب کے مقدمے میں بیان کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

---

← حصے میں کمی اور تحریف ہماری معنوی طور پر متواتر اسانید سے ثابت ہے۔ دیکھیں: شرح الجامع على الكافي (١١/ ٧٦) آپ کو علم ہونا چاہیے کہ یہ خود ساختہ تواتر شیعہ علما کے ایک دوسرے گروہ کے ہاں یقینی جھوٹ ہے۔

[1] اس کو شیعہ میں اتنی تعظیم حاصل ہے کہ انھوں نے اس کی کتاب "مستدرك الوسائل" کو اپنے حدیث میں معتبر مصادر میں قرار دیا ہے۔ یہ طبرسی جب مر گیا تو انھوں نے اس کو اپنے مقدس ترین گوشے یعنی نجف میں (جب صحن شریف میں دائیں جانب باب القبلہ سے داخل ہوں تو وہاں ایوان ثالث ہے) عترت اور کتاب کے درمیان وہاں دفن کیا۔ (آغاز بزرگ طهراني: أعلام الشيعة، قسم ثاني: ١/ ٥٥٣)

[2] ۱۲۹۲ھ میں اس نے اس کتاب کی تالیف کا جرم کیا اور ۱۲۹۸ھ میں یہ ایران میں چھپی۔ میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے، جو عراقی عجائب گھر سے لیا گیا ہے اور ایک مطبوعہ نسخہ بھی ہے۔ چوتھے باب میں ۔ ان شاء اللہ۔ اس کے متعلق گفتگو ہوگی۔

[3] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٦٠)

''گناہ گار خطا کار بندہ حسین بن محمد تقی الدین طبرسی، اللہ اس کو اپنے دروازے پر کھڑے ہونے والوں اور اس کی کتاب کے ساتھ تمسک کرنے والوں میں کر دے (!) کہتا ہے: یہ ایک عمدہ اور محترم کتاب ہے، جس کو میں نے قرآنِ کریم میں تحریف ثابت کرنے اور اہلِ جور و عدوان کی رسوائیوں کو بیان کرنے کے لیے تالیف کیا ہے۔ اس کا نام میں نے ''فصل الخطاب في تحريف كتاب رب الأرباب'' رکھا ہے، اس میں مَیں نے بدیع حکمتیں درج کر دی ہیں، جو ہر آنکھ کو ٹھنڈا کر دیں گی، میں اس سے امید رکھتا ہوں، جس کی رحمت کا گناہ گار انتظار کرتے ہیں کہ وہ مجھے اس کے ساتھ اس دن فائدہ دے، جس دن مال کام آئے گا نہ اولاد ہی۔''[1]

دیکھیں کس طرح مجوسیت اپنے خبیث مقصد کی برآری کے لیے ریاکاری اور دروغ بافی کا لبادہ اوڑھ کر کم عقل اور عام لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش میں ہے؟!

بعض نے تو اس ''ہدف'' کی ستر پوشی کے لیے یہاں تک کہا ہے:

''کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں اس کا مقصد شواذ اور نوادر روایات کو اکٹھا کرنا ہو، تحریف کا عقیدہ رکھنا اس کے مقصد میں شامل نہ ہو۔''[2]

لیکن مقدمہ اور کتاب کا مطالعہ تو ایک طرف رہا، یہ دعویٰ تو صرف کتاب کا عنوان پڑھنے ہی سے پاش پاش ہو جاتا ہے، اس جیسا دفاع کسی کام کا نہیں، یہ کھلا تقیہ ہے۔[1] اس بہت بڑی عار، رسوائی اور فضیحت کے بعد جو ''فصل الخطاب'' کے مولف نے شیعہ اور ان کی کتابوں کے ماتھے پر سجائی ہے، معاصر شیعہ علما کا ایک گروہ اس نظریے سے براءت اور اس کے انکار کے لیے کھڑا ہوگیا، جس طرح بلاغی نے ''آلاء الرحمن''[2] میں، محسن امین نے ''الشيعة بين الحقائق والأوهام''[3] میں، عبدالحسن شرف الدین نے ''مسائل جار الله''[4] میں، خوئی نے اپنی تفسیر البیان[5] میں، محمد حسین آلِ کاشف الغطا نے ''أصل الشيعة وأصولها''[6] میں اور جوادِ مغنیہ

1. فصل الخطاب (ص: ٢)
2. محمد الطبطبائي: هامش الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٤)
3. معاصر شیعہ کے باب میں اس کتاب کے موضوعات پیش کیے جائیں گے اور اس کے مزاعم، شبہات اور افتراءات کا ازالہ کیا جائے گا۔
4. آلاء الرحمن (١/ ١٧۔ ٣٢)
5. الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ١٦٠)
6. أجوبة مسائل جار الله (ص: ٢٧۔ ٣٧)
7. البيان (ص: ٢٢٦)
8. أصل الشيعة وأصولها (ص: ٨٨)

نے "الشيعة في الميزان"[1] اور اپنی دیگر کتابوں میں اور ان کے علاوہ دیگر شیعہ علما نے اس کا رد کیا ہے۔ ان تمام اقوال پر ہم ''معاصر شیعہ اور ان کا اپنے اسلاف کے ساتھ تعلق'' کے عنوان سے باب میں بحث کریں گے۔

تو کیا اس تمام بحث سے ہم اشعری کے مقالات میں مذکور قول کے مطابق اس نتیجے تک نہیں پہنچتے کہ شیعہ کے اس مسئلے میں ایک سے زیادہ اقوال ہیں اور اس گمراہی پر ان کا اتفاق نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اثنا عشریہ کے دو گروہ ہیں، ایک اس مسئلے میں غالی اور سرگرم ہے اور دوسرا گروہ حق کہتا ہے، جس طرح بعض اہلِ سنت کی طرف منسوب محققین اور شیعہ لکھاریوں کی گذشتہ تحریروں میں مذکور ہے۔[2] یا حق اور سچ پر مبنی وہ قول شیعہ کی طرف سے تقیہ ہے، جس طرح بعض اہلِ سنت نے کہا ہے اور شیعہ میں تحریف کے قائل نعمت اللہ وغیرہ کی طرح کے لوگوں کا خیال ہے؟[3] اس کی تحقیق اور تفصیل درج ذیل بحث میں ہوگی۔

## شیعہ کتابوں میں تحریف کی روایات کے مضامین:

ان کتابوں کو پیش کرنے کے بعد جنھوں نے اس افسانے کو نقل کیا ہے، اب ہم ان کے کچھ مضامین، اس الزام کی ابتدائی صورت، پھر اس میں کیا ارتقا ہوا اور اس کا کیا انجام ہوا؟ ان ساری باتوں کی تفصیل پیش کریں گے اور اس کا آغاز ہم شیعہ کی اولین کتاب سے کرتے ہیں۔

سب سے پہلے جس کتاب نے اس الزام کو موضوعِ سخن بنایا، وہ سلیم بن قیس کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں ہمیں اس الزام کی ابتدائی صورت ملتی ہے۔ یہ مسئلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے موضوع کے متعلق دو طویل روایات کے ضمن میں ذکر ہوتا ہے۔

پہلی روایت، جس کو ابان بن ابی عیاش، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، سلیم سے نقل کرتا ہے:

> ''حضرت علی اپنے گھر میں بیٹھے رہے، حتی کہ انھوں نے اسے جمع کیا۔ یہ صحیفوں اور کپڑے کے ٹکڑوں میں تھا۔''[4]

انھوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت جلدی نہ کرنے پر یہ عذر پیش کیا کہ وہ قرآن جمع کرنے میں مصروف

---

[1] الشيعة في الميزان (ص: ٥٨)

[2] تفسير الصافي (١/ ٥٢۔ ٥٣) قوامع الفضول (ص: ٢٩٨)

[3] الأنوار النعمانية (٢/ ٣٥٨۔ ٣٥٩) اس کی عبارت آگے آئے گی۔

[4] كتاب سليم بن قيس (ص: ٨١)

تھے۔ اس (سلیم بن قیس) نے کہا ہے: جب حضرت ابوبکر نے انھیں بیعت کرنے کے لیے طلب کیا تو انھوں نے کہا: میں نے قسم کھا رکھی تھی کہ میں جب تک قرآن جمع نہ کرلوں، تب تک نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا۔[1]

اس جیسے دعوے اہلِ سنت کی بعض کتابوں میں بھی وارد ہوئے ہیں، لیکن یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں، اس لیے حافظ ابن حجر نے کہا ہے:

''یہ جو حضرت علی سے مروی ہے کہ ''میں نے قسم کھا رکھی تھی...'' اس کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے، بالفرض اگر یہ روایت محفوظ (صحیح) ہے تو پھر ان کی یہ مراد اس کو اپنے سینے میں محفوظ کر لینا ہوگا۔ اس کی بعض اسانید میں جو یہ الفاظ مروی ہیں کہ ''حتی کہ میں نے اس کو دو تختیوں کے درمیان جمع کر دیا'' یہ راوی کا وہم ہیں۔''[2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''اس سے زیادہ صحیح اور قابلِ اعتماد وہ روایت ہے، جو امام ابن ابی داود نے ''مصاحف'' میں حسن سند کے ساتھ عبد خیر سے نقل کی ہے، وہ کہتا ہے: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: مصاحف میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق حضرت ابوبکر ہیں۔ اللہ ابوبکر پر رحمت فرمائے۔ انھوں نے سب سے پہلے اللہ کی کتاب کو جمع کیا۔''[3]

علاوہ ازیں سلیم بن قیس کی روایت یہ بھی ذکر کرتی ہے کہ حضرت علی نے صرف قرآن جمع نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی تاویل اور ناسخ و منسوخ کو بھی جمع کیا تھا۔[4] یہ بات اصلاً صحیح نہ ہونے کے باوجود یہ

---

[1] كتاب سليم بن قيس (ص: ٨١) اس منقول روایت میں دیکھیں کہ حضرت علی نے بیعت جلدی نہ کرنے میں قرآنِ کریم جمع کرنے کی مصروفیت کا عذر پیش کیا ہے، کوئی دوسرا عذر پیش نہیں کیا، گویا اس کہانی کو وضع کرنے والا ان کے اساسی مسئلے یا مسئلہ امامت کو بھول گیا، کیوں کہ ان کی نگاہ میں تو حضرت علی نے اس لیے بیعت نہیں کی تھی، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو نامزد جانشین (وصی) سمجھتے تھے۔ ان کے اکثر مسائل میں جنھیں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، یہ علامت کثرت سے وارد ہوجاتی ہے، وہ اس طرح کہ یہ ایک عقیدہ ثابت کرتے ہیں، جس سے دوسرے کی نفی ہوجاتی ہے اور یہ اختلاف اور تناقض وضع اور دروغ بافی کی دائمی علامت ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ٨٢] یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ جو کسی چیز کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتی، تو اس کے لیے اختلاف اور تناقض کے پھندے میں پھنسے بنا چارہ نہیں۔

[2] فتح الباري (٩/ ١٢۔ ١٣) نیز دیکھیں: كتاب المصاحف لابن أبي داود (ص: ١٦)

[3] فتح الباري (٩/ ١٢)

[4] كتاب سليم بن قيس (ص: ٨١)

ثابت کرتی ہے کہ وہ جمعِ قرآن ان اصول کے مطابق نہیں تھا، جن کی رسول اللہ ﷺ نے جمعِ قرآن کے حوالے سے تعلیم دی تھی، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ»[1] ''مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کچھ مت لکھو۔''

نبی اکرم ﷺ نے قرآن لکھنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ باقی چیزیں اس خدشے کے پیشِ نظر لکھنے سے منع کر دیا کہ کہیں اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کا اختلاط نہ ہو جائے۔

بہرکیف زیادہ سے زیادہ اس دعوے سے یہی ثابت ہوسکتا ہے کہ حضرت علی کے پاس بھی اپنا ایک مصحف ہو، جس طرح دیگر صحابہ، جیسے حضرت ابن مسعود وغیرہ، کے پاس مصحف تھا،[2] اس سے کتاب اللہ میں طعن اور اعتراض لازم نہیں آتا، لیکن اس روایت نے اس دعوے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کے مطابق وہ اس قرآن کو صحابہ کے پاس لے کر آئے اور ان کو اس کی طرف بلایا، تو حضرت عمر نے (جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں) کہا:

''ہم اپنے پاس موجود قرآن کی بدولت اس سے بہت مستغنی ہیں، جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو۔''[3]

پھر حضرت علی کا قرآن مزعوم صرف قرآن ہی نہ تھا، بلکہ تفسیر اور منسوخ آیات پر بھی مشتمل تھا، لہٰذا اصل تو مصحفِ امام کی طرف رجوع کرنا ہوا۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا اس افسانے کے خالق اس گروہ نے اس کی نوک پلک سنوارنے اور اس میں مزید وسعت دینے کے لیے عنانِ خیال کو کھلی آزادی دے دی اور اس کینہ پرور خیال نے اس میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ چناں چہ یہ آخری اضافہ چھٹی صدی میں طبرسی کی کتاب ''الاحتجاج'' میں ایک نیا رنگ اختیار کر گیا، کیوں کہ جھوٹ کا مزاج ہے کہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور یہ حضرت علی اور تمام صحابہ کے درمیان کشمکش میں بدل گیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور اس نے ان کو ان افترا پردازوں کے افترا سے بَری قرار دیا ہے۔ ایک طرف اگر سلیم بن قیس کی روایت کہتی ہے کہ انھوں نے پہلے مرحلے ہی میں حضرت علی کے مصحف کو رد کر دیا تو دوسری طرف طبرسی کی روایت ذکر کرتی ہے کہ انھوں نے اسے لے لیا:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزهد، رقم الحدیث (۷۲، ص: ۲۲۹۸۔ ۲۲۹۹) سنن الدارمي، المقدمة (ص: ۱۱۹) مسند أحمد (۳/ ۱۲، ۲۱، ۳۹) اہل علم نے کہا ہے کہ ایک ہی صحیفے میں قرآن کے ساتھ حدیث کی کتاب سے اس لیے منع کیا ہے، مبادا دونوں باہم گڈمڈ ہو جائیں۔ (النووي: شرح صحیح مسلم: ۱۸/ ۱۳۰، الأبي: إکمال إکمال العلم: ۷/ ۳۰۵)

[2] دیکھیں: ابن أبي داود: کتاب المصاحف (ص: ٦٠ وما بعدها)

[3] کتاب سلیم بن قیس (ص: ۸۲)

''جب اس کو ابوبکر نے کھولا تو پہلے ہی صفحے میں قوم کی رسوائیاں کھل گئیں۔''[1]

یہ روایت یہاں مصحفِ علی کے موضوعات میں سے ایک موضوع ''قوم کی رسوائیاں'' یعنی اصحابِ نبی پر طعن و تشنیع، پیش کرتی ہے، جب کہ سلیم کی روایت کتاب اللہ میں صریحاً طعن نہیں کرتی۔ جس سے ان کینہ پرور لوگوں کے دلوں میں اس اولین جماعت کے خلاف کینے کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی، جنھوں نے ان کے ملک فتح کیے اور ان میں اسلام کی اشاعت کی، بلکہ ان کے کینے سے بھرے دلوں کی بھوک صحابہ کرام کو سب وشتم کرنے کے دستر خوانوں سے مٹتی ہے اور ان کے کالے دل جب تک صحابہ پر تبرابازی کی شراب نہ پی لیں، سیر نہیں ہوتے۔ وہ قرآنی آیات جو صحابہ کرام کی مدح سرائی اور عظمت بیان کرتی ہیں، یہ ان کے سروں پر لوہے کے کوڑے اور آگ کے شعلے بن کر برستی ہیں، اس لیے یہ ایک فطری امر ہے کہ وہ ایسے دعوے کریں۔

سلیم کی روایت اسی بات پر اکتفا کرتی ہے، جو ہم نے ذکر کی ہے، لیکن "الاحتجاج" کی روایت ایک نئی فصل کا اضافہ کرتے ہوئے کہتی ہے:

''پھر انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حاضر کیا، یہ قرآن کے قاری تھے، ان سے عمر نے کہا: علی ایک قرآن لے کر آئے ہیں، جس میں مہاجرین و انصار کی جگ ہنسائیاں ہیں اور ہم نے سوچا ہے کہ قرآن کی تالیف کریں (جب کہ سلیم کی روایت اس بات کا ذکر کرتی ہے کہ قرآن ابوبکر اور عمر کے پاس جمع شدہ تھا) اور اس میں جو انصار و مہاجرین کی ہتکِ عزت اور فضیحت کی باتیں ہیں، انھیں نکال دیں۔ زید نے اس کی بات قبول کی، پھر اس نے کہا:

''اگر میں تمھارے مطالبے کے مطابق قرآن تیار کر کے فارغ ہو جاؤں اور علی وہ قرآن لے آئیں، جو انھوں نے تالیف کیا ہے، تو کیا اس سے تمھارا یہ سارا کام باطل نہ ہو جائے گا؟ تو عمر نے کہا: کیا تدبیر اختیار کریں؟ زید نے کہا: تم تدبیروں کے بارے میں بہتر جانتے ہو! تو عمر نے کہا: ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کو قتل کر دیں اور اس سے آرام پائیں، تو اس نے ان کو قتل کرنے کے لیے سازش تیار کی۔''[2]

---

[1] الاحتجاج (ص: ١٥٦)

[2] الاحتجاج (ص: ٥٦) ط: الأعلمي.

ایک دوسری جگہ پر وہ علی کے مزعوم قتل کی کوشش کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کام خالد بن ولید کو سونپا گیا۔ حضرت ابوبکر کو اس کام پر بڑا افسوس ہوا اور وہ اس کے انجام سے ڈر کر اس سازش سے پیچھے ہٹ گئے، انھوں نے نماز میں خالد سے کہا: ''اے خالد! اسے قتل نہ کرنا۔'' اس خودساختہ ڈرامے میں آخر تک ایسی ہی باتیں مذکور ہیں۔[1]

اس کے بعد اس افسانے کی فصلیں آگے چلتی ہیں اور حضرت عمر کے حضرت علی کو آہستہ آہستہ اپنے قریب کرنے اور انھیں اس قرآن پر عمل کرنے کے بہانے ان سے اس قرآن کو حاصل کرنے کی جھوٹی کوششوں کا ذکر کرتی ہیں، کیوں کہ وہ حضرت علی کے مصحف میں تحریف کرنا چاہتے ہیں اور حضرت علی انکار کر دیتے ہیں، پھر حضرت عمر اُن سے پوچھتے ہیں کہ اس کے ظہور کا وقت کب ہوگا؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ میری اولاد میں سے قائم کے ساتھ ظاہر ہوگا، وہ اس کو ظاہر کرے گا اور لوگوں کو اس پر ابھارے گا، تو اس کے ساتھ سنت جاری ہوگی۔[2]

وہ سوال جس کا طبرسی کی روایت جواب دیتی ہے نہ دیگر شیعہ کتب ہی، وہ یہ ہے کہ جب ان کی علی کو قتل کرنے کی کوششیں کسی کام نہ آئیں اور ان کے مصحف میں تحریف کرنے کی تدبیریں ناکام ہوگئیں تو حضرت علی نے وہ مصحف کیوں نہ نکالا، جو اُن کے پاس تھا؟ اگر یہ ڈر تھا کہ ان کے ہاتھ میں حکومت ہے تو اپنے دورِ خلافت میں انھوں نے اس کو کیوں نہ نکالا؟ وہ امت کو حیران و پریشان چھوڑنے کا سبب کیوں بنے اور کس وجہ سے وہ خائن کی خیانت اور تحریف کرنے والے کی تحریف کی پردہ پوشی کرتے رہے؟ جو خیانت کرنے والی کی خیانت پر خاموش رہتا ہے، کیا وہ بھی اس زمرے میں نہیں آتا؟

اس گروہ کو اس کا اس کے سوا کوئی جواب نہ سوجھا، جو نعمت اللہ جزائری کی زبان میں یہ تھا کہ ''حضرت علی نے امت کی ہدایت پر اپنے پیشروؤں کی مدارات کو ترجیح دی۔''[3] یہ بات اس سے بڑھ کر کہ یہ اللہ کی کتاب میں طعن ہے، بجائے خود حضرت علی پر بہت کڑی تنقید ہے۔

اگر حضرت علی کا تصنع اس حد تک تھا تو شیعہ اپنے امام کی اقتدا کیوں نہیں کرتے اور اس سب وشتم کو کیوں ترک نہیں کرتے، جس نے ان کی کتابوں کی کئی جلدیں کالی کر دی ہیں؟ دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں، یا تو یہ اپنی اس عذر خواہی میں جھوٹے ہیں یا پھر اپنے امام کے قدموں سے پیچھے ہٹنے والے ہیں۔ اور نہ جانے ان دونوں امور میں کون سا امر زیادہ ہلاکت خیز ہے؟

---

[1] الاحتجاج (ص: ٨٩ ـ ٩٠) ط: الأعلمي.

[2] الاحتجاج (١/ ٢٢٥ ـ ٢٢٨) ط: النجف، نیز دیکھیں: الاحتجاج (ص: ١٥٥ ـ ١٥٦) ط: الأعلمي بیروت.

[3] اس کی عبارت کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ دیکھیں (ص: ٢٢٨)

اب ہم سلیم بن قیس کی کتاب میں مذکور دوسری روایت کی طرف آتے ہیں، جو پہلی ہی سے ملتی جلتی ہے، البتہ اس میں ایک سوال کا اضافہ ہے، جو حضرت طلحہ نے حضرت علی سے کیا کہ وہ اس قرآن کو نکالتے کیوں نہیں، جو ان کے پاس ہے؟ حضرت علی اس کے جواب سے خاموش رہتے ہیں اور امامت میں اپنے زیادہ استحقاق کی بات جاری رکھتے ہیں، لیکن طلحہ دوبارہ ان سے یہی سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ابوالحسن آپ نے میرے قرآن کے متعلق سوال کا جواب نہیں دیا، آپ اس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیوں نہیں کرتے؟''

وہ جواب دیتے ہیں:

''اے طلحہ! میں عمداً تمھارے سوال کا جواب دینے سے رکا رہا۔ ابوبکر اور عمر کی کتابوں میں کیا ہے؟ کیا وہ سارا قرآن ہے یا ان میں ایسی چیزیں بھی ہیں، جو قرآن نہیں؟ حضرت طلحہ نے جواب دیا: بلکہ سارا قرآن ہے، تو حضرت علی نے کہا: اگر تم نے جو کچھ اس میں ہے، اسے لے لیا تو تم آگ سے نجات پا جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے، کیوں کہ اس میں ہماری حجت ہمارے حق کا بیان اور ہماری اطاعت فرض کی گئی ہے۔ تو حضرت طلحہ نے جواب دیا کہ مجھے کافی ہے، اگر وہ قرآن ہے تو وہ مجھے کافی ہے۔''[1]

سلیم کی کتاب میں موجود یہ روایت صراحتاً کتاب اللہ میں طعن سے گریز کرتی ہے، بلکہ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ اس میں جو کچھ ہے، وہ قرآن ہے اور اس میں اہلِ بیت کے حق کا بیان اور ان کی اطاعت فرض کی گئی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دیگر روایات اس کے متناقض ہیں۔ ایک روایت میں ہے:

''اگر اللہ کی کتاب میں اضافہ یا کمی نہ ہوئی ہوتی تو اہلِ دانش پر ہمارا حق چھپا نہ رہتا۔''[2]

دوسری روایت میں ہے:

''اگر قرآن اس طرح پڑھا جاتا، جس طرح نازل ہوا تھا، تو ہمارا اس میں نام بہ نام ذکر پایا جاتا۔''[3]

یہ اس افسانے میں ایک نئی طرح کا ارتقا ہے، جو اس کے وضع کرنے کے بعض اسباب سے پردہ اٹھاتا ہے، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اثنا عشریہ کے امام جن پر ایمان لانے کو انھوں نے عین اسلام اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ ماننے کو کفر قرار دیا ہے، ان کا اللہ کی کتاب میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ ان کی جمعیت اور

---

[1] كتاب سليم بن قيس (ص: ١٢٤)

[2] البرهان: مقدمة (ص: ٣٧) بحار الأنوار (١٩/ ٣٠) تفسير الصافي (١/ ٤١)

[3] تفسير العياشي (١/ ١٣) بحار الأنوار (٩٢/ ٥٥) تفسير الصافي (١/ ٤١) اللوامع النورانية (ص: ٥٤٧)

بنیاد کے لیے ناکامی اور تباہی کی گھنٹی تھی، لہٰذا انھوں نے اس مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی سہارا ڈھونڈنا شروع کر دیا، اس سلسلے میں انھوں نے کئی وسائل کی گود میں پناہ لی، جن میں سب سے زیادہ خطرناک یہ نظریہ (تحریفِ قرآن) تھا۔

اس سے اگلے ارتقائی مرحلے میں اس کہانی نے عملی شکل اختیار کر لی اور ابراہیم قمی صاحبِ تفسیر اور اس کے شاگرد کلینی مصنفِ کافی کے ہاتھوں اس کی اخبار اور روایات میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ دونوں وہ اشخاص ہیں، جنھوں نے اس باطل عقیدے کی بنیادوں کو مضبوط کیا، اس کی نشر و ترویج کے لیے کام کیا اور اس کو بہ کثرت موضوعِ سخن بنایا۔ ان دونوں کے ہاتھوں اس افسانے کی تکمیل ہوئی۔ قمی اور کلینی کے ہاں روایات نے اس کہانی کو عملی مرحلے تک پہنچا دیا اور انھوں نے ہر اس آیت کے بعد جس میں "أنزل الله عليك" یا "أنزلنا إليك" کے الفاظ تھے، ان کے بعد "في علي" کے لفظ کو داخل کر دیا اور لفظ "ظلموا" کے بعد "آلِ محمد حقهم" کو ٹھونس دیا، لفظ "أشركوا" کے بعد "في ولاية علي" کا اضافہ کر دیا اور قرآن میں جہاں جہاں "أمة" کا لفظ آتا ہے، اسے "أئمة" میں بدل دیا۔ اسی تانے بانے کے مطابق انھوں نے قرآن میں یہ ساری تحریفات بُننا شروع کر دیں۔

اس کی دلیل یہ روایت ہے، جو کلینی، قمی سے جابر جعفی عن ابی جعفر کی سند سے روایت کرتا ہے، اس نے کہا: جبرائیل نے یہ آیت محمد پر اس طرح نازل کی:

"بئسما اشتروا به أنفسهم أن يكفروا بما أنزل الله (في علي) بغيا"[1]

اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ جبرائیل نے یہ آیت محمد ﷺ پر اس طرح اتاری تھی:

"وإن كنتم في ريب مما نزلنا (في علي) فأتوا بسورة من مثله"[2]

شیعہ ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: جبرائیل حضرت محمد ﷺ پر یہ آیت اس طرح لے کر آئے:

"يا أيها الذين أوتوا الكتاب آمنوا بما نزلنا (في علي) نورا مبينا"[3]

یہاں صاف نظر آتا ہے کہ اس نے ایک سے زیادہ آیات کو خلط ملط کر دیا ہے۔[4] قمی کہتا ہے: جو تحریف

---

[1] البقرة: الآية (٩٠) مذکورہ بالا تحریف شدہ کلام کے لیے دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٤١٧)

[2] البقرة، الآية (٢٣) مذکورہ بالا تحریف شدہ کلام کے لیے دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٤١٧)

[3] المصدر السابق (١/ ٤١٧)

[4] پہلی آیت: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ یہ سورۃ النساء کی ۴۷ نمبر آیت ہے۔ اس ←

شدہ آیات ہیں، ان میں یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

"لكن الله يشهد بما أنزل إليك (في علي) أنزله بعلمه والملائكة يشهدون"[1]

نیز یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

"يا أيها الرسل بلغ ما أنزل إليك من ربك (في علي) وإن لم تفعل فما بلغت رسالته"[2]

نیز یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی ہے:

"إن الذين كفروا وظلموا (آل محمد حقهم) لم يكن الله ليغفرلهم"[3]

نیز یہ آیت بھی ہے:

"وسيعلم الذين ظلموا (آل محمد حقهم) في غمرات الموت"[4]

قمی کہتا ہے کہ اس کی بہت زیادہ مثالیں ہیں، جن کو ہم ان کی جگہ پر ذکر کریں گے۔[5] اس نے اپنے وعدے[6] اور اس ترتیب کے مطابق، جو ہم نے ذکر کی ہے، اپنی کتاب کو اس کفر سے بھر دیا ہے۔

---

← آیت میں اس نے یہ الفاظ ﴿نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ ملا دیے ہیں، جو اسی سورت کی ایک دوسری آیت (۱۷۴) ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴾ کا ایک حصہ ہے۔

(1) النساء، الآية (١٦٦)

(2) المائدة، الآية (٦٧)

(3) النساء، الآية (١٦٨) اضافی کلام کے لیے دیکھیں: تفسير القمي (١/ ١٥٩)

(4) دیکھیں! یہ لوگ کتاب اللہ سے روحانی اور حسی طور پر کس قدر دور ہیں کہ آیات نقل کرنے میں بھی غلطی کرتے ہیں، یا جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں اور بہتان تراشی اور جھوٹ سازی کرتے ہوئے اسے ائمہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ دیکھیے کتنے بے وقوفانہ اور جاہلانہ انداز میں اس نے ان دو آیات کو خلط ملط کیا ہے۔ پہلی آیت ہے: ﴿وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ٢٢٧] اور دوسری آیت اس طرح ہے: ﴿وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ [الأنعام: ٩٣] اس نے ان دونوں کو اس طرح بنا دیا ہے: "وسيعلم الذين ظلموا في غمرات الموت"!
بلاشبہ ظالموں کو موت کی سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا دیکھنا، مقامِ عبرت اور نصیحت ہے، یہ بات اس بات سے کہیں زیادہ عظیم اور بلیغ ہے کہ "عنقریب وہ (ظالم) موت کی سختیوں میں جان لیں گے"، کیوں کہ ہوسکتا ہے، کوئی آنے والا یہ کہے کہ وہ موت کی سختیوں میں ہیں، ان کے ہوش اڑ چکے ہیں، وہ سوچنے کی صلاحیتیں کھو چکے ہیں، انھیں کچھ علم نہیں وغیرہ۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے، کیوں کہ یہ کہانیاں بحث کے لائق ہی نہیں۔

(5) تفسير القمي (١/ ١٠۔ ١١)

(6) دیکھیں: (١/ ٤٨، ١٠٠، ١١٠، ١٢٢، ١٤٢، ١٥٩، ١١٨، ١٢٣، ١٢٥) وغيرها.

جیسے کہ اس کی یہ روایت بھی حسبِ عادت اس آیت: "فأنزلنا على الذين ظلموا"[1] میں "آلِ محمد" کا اضافہ کرتی ہے۔[2] یہی قمی ابو عبداللہ سے روایت کرتا ہے کہ ان کے پاس یہ آیت: "كنتم خير أمت أخرجت للناس"[3] پڑھی گئی، تو انھوں نے کہا: امتِ خیر امیر المومنین اور حسن و حسین کو قتل کرتی ہے؟ تو قاری نے کہا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! یہ کس طرح نازل ہوئی؟ انھوں نے کہا: یہ اس طرح نازل ہوئی تھی:

"كنتم خير أئمة أخرجت للناس" کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں کہا ہے: "تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر"[4]

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ امت میں، جس میں شیعہ بھی شامل ہیں، بارہ اماموں کے سوا کسی میں خیر نہیں۔ ایسے ہی یہ بھی قابلِ ملاحظہ بات ہے کہ ان کی قرآن کی تاویل میں مروی روایات لفظِ "امت" کو ثابت رکھتی ہیں اور اس کی تفسیر ائمہ کے ساتھ کرتی ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہوا، جب کہ تحریف کی روایات یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ اصل میں لفظ ائمہ ہے، امت نہیں۔ کیا یہ تناقض نہیں؟!

کلینی، رضا سے اس آیت "كبر على المشركين" کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ وہ اس کے بعد "ولاية علي" کا اضافہ کرتے ہیں اور "ما تدعوهم إليه"[5] کے بعد "يا محمد من ولاية علي" کا اضافہ کرتے ہیں، کتاب اللہ میں ایسے ہی لکھا ہوا ہے۔[6]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾[7] میں یہ "يا معشر المكذبين حيث أنبأتكم رسالة أبي في ولاية علي -عليه السلام- والأئمة من بعده، من هو في ضلال مبين" جھٹلانے والوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ پھر وہ اس بات کے ساتھ اس کفر اور تحریف کی توثیق و تاکید کرتے ہیں کہ یہ "ایسے ہی نازل ہوئی ہے۔"[8]

---

1. البقرة، الآية (٥٩)
2. تفسير القمي (١/ ٤٨)
3. آل عمران، الآية (١١٠)
4. تفسير القمي (١/ ١١٠)
5. الشورىٰ، الآية (١٣)
6. أصول الكافي (١/ ٤١٨)
7. الملك، الآية (٢٩)
8. أصول الكافي (١/ ٤٢١)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ میں "بتركهم ولاية أمير المومنين۔ عليه السلام۔ عذاباً شديداً في الدنيا ولنجزينهمَ أسوأ الذي كانوا يعملون" کا اضافہ کرتے ہیں۔[1]

اس سلسلے کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، اگر آپ تفسیر قمی اور کافی میں مذکور ان روایات اور ان کے مجلسی، جزائری اور نوری طبرسی جیسے متاخر علما کی ذکر کردہ باتوں میں تقابل کریں تو آپ دیکھیں گے کہ تحریف کی روایات متاخرین کے ہاں بڑی واضح صورت میں زیادہ ہوئی ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہر لمحے اور دور میں ان افترا پردازیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

یہ ''اضافہ جات'' جن کے متعلق شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اللہ کی ساقط شدہ آیات ہیں، کیا عربی قاری یہ ملاحظہ نہیں کرتا کہ ان کو سیاق و سباق قبول نہیں کرتا؟ یہ بلا کسی معمولی مناسبت کے ان میں زبردستی داخل کیے گئے ہیں، اس لیے خود عبارت انھیں دور پھینکتی ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ یہ کسی عجمی کی سازش ہے، جس کو عربی زبان و ادب اور اسلوبِ کلام سے کوئی تعلق ہے نہ الفاظ کے اختیار اور معانی کے ادراک ہی کا اسے کوئی ذوق ہے۔

یہ خود ساختہ کلمات جن کو یہ بہتان تراش قرآنِ کریم میں ساقط شدہ آیات کے لیے بہ طورِ مثال پیش کرتے ہیں، بہ ذاتِ خود ان کے کفر، جھوٹ اور افترا پردازی کی قلعی کھولتے ہیں۔ یہ مسیلمہ کذاب کے قرآن کریم کی نقل اتارنے جیسی کوششوں کی طرح کی بے سود کوششیں ہیں، جس طرح ہماری پیش کردہ مثالوں اور "فصل الخطاب" کے مولف کی ایک ہزار پیش کردہ مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔[2]

قرآنِ کریم کی فصاحت اور بلاغی اعجاز ہی، جس نے زبان و بیان کے اساتذہ اور عربی کے شاہسواروں کو مسحور اور اس جیسی کوئی سورت تو کجا کوئی آیت بھی پیش کرنے سے عاجز کر دیا، ان دروغ بافیوں اور افترا سازیوں کا پول کھول دینے کے لیے کافی ہے، بلکہ ان افتراءات کی اکثریت ایک عام انسان کی زبان و بیان کی صلاحیت سے بھی کہیں کم درجے کی ہے، جس سے قرآنِ کریم کی عظمت اور سحر بیانی آشکار ہوتی ہے۔

اگر کڑواہٹ نہ ہوتی تو مٹھاس کا ذائقہ نامعلوم رہتا۔ اگر نمکینی اور کھاری پن نہ ہوتا تو شرینی کا احساس نہ ہوتا، کیوں کہ اشیا اپنی اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔ اس لیے قرآنِ کریم کی حفاظت اور سلامتی کے دیگر دلائل اور براہین تو ایک طرف رہے، یہ تمام روایات خود بول کر اپنے وضع کرنے والوں کا جھوٹ بیان کر رہی ہیں۔

[1] سورة فصلت، الآية (٢٧) والتحريف من الكافي (١/ ٤٢١)

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٢٥٣ وما بعدها)

اس گروہ کی ایک جماعت کئی صدیوں سے مسلسل اللہ تعالیٰ کے کلام میں انسانی کلام داخل کرنے کی یہ احمقانہ کوشش کرتی رہی ہے، اس نے، امکانی حد تک، بہت بڑی تعداد تیار کرنے کے لیے پورا زور لگایا۔ ان کوششوں کی، ان مثالوں کے علاوہ جو ہم نے ذکر کی ہیں، اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں۔

مجلسی نے ان کا ایک حصہ ''باب التحريف في الآيات التي هي خلاف ما أنزل الله مما رواه مشايخنا'' [1] کے عنوان کے تحت قائم کردہ باب میں ذکر کیا ہے۔

ایسے ہی ان کی تفسیر کی کتابیں بھی اس تلچھٹ سے بھری پڑی ہیں۔[2] ان تمام روایات کو ''فصل الخطاب'' کے مولف نے جمع کیا ہے۔[3]

رافضہ نے ان تراشیدہ روایات کو کتاب اللہ سے ساقط ہونے والی آیات کا ایک حصہ شمار کیا ہے۔ کلینی کافی میں روایت کرتا ہے:

''وہ قرآن جو جبرائیل محمد ﷺ کے پاس لے کر آئے، اس کی سترہ ہزار آیات تھیں۔''[4]

جبکہ قرآنی آیات جس طرح مشہور ہے کہ چھے ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، اس روایت کا تقاضا ہے کہ قرآن کا تقریباً ۲ تہائی حصہ ساقط ہے اور یہ کتنا بڑا افترا ہے؟!

یہ روایت کافی میں ہے، جو ان کی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے، لیکن کچھ شیعہ کا کہنا ہے کہ کافی میں ساری روایات صحیح نہیں۔[5] اگر ہم اس جیسے قول کو حقیقت پر محمول کریں، تقیے پر نہیں، جو ان کے ہاں سند اور صحیح و ضعیف کے اصول وضوابط پر تحفظات اور اس سلسلے میں ان کے اختلاف اور اضطراب[6] ہے، اگر ہم اس سے بھی تجاوز کریں، کیوں کہ ان کے نزدیک ضعف کا حکم کبھی صرف سند پر ہوسکتا ہے، ان کا کہنا ہے:

''اصولِ کافی کی اکثر احادیث کی اسناد صحیح نہیں، لیکن وہ متون کے لحاظ سے اور عقائد حقہ کی موافقت کے اعتبار سے معتبر ہیں، ان جیسی روایات میں سند کو نہیں دیکھا جاتا۔''[7]

---

1. بحار الأنوار (۹۲/ ۶۰ وما بعدها)
2. اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۵، ۲۹۶) دیکھیں۔
3. فصل الخطاب (ص: ۲۵۳ وما بعدها)
4. أصول الكافي: كتاب فضل القرآن، باب النوادر (۲/ ۱۳٤)
5. دیکھیں: محمد جواد مغنية: العمل بالحديث وشروطه عند الإمامية ضمن كتاب دعوة التقريب (ص: ۳۸۳) محسن الأمين: الشيعة بين الحقائق والأوهام (ص: ٤۱۹۔ ٤۲۰)
6. ''سنت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ'' کے باب میں اس کی وضاحت ذکر ہوگی۔
7. الشعراني: مقدمة شرح جامع (ص: يب)

اگر ہم ان تمام باتوں سے صَرفِ نظر کریں اور ان کے علما سے اس روایت کی صحت کے بارے میں جواب چاہیں، تا کہ ہم اپنے اس عمل میں ان کی کتبِ رجال کی روشنی میں اسناد پر غور کر کے زیادہ سے زیادہ غیر جانبدار رہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ عالم مجلسی اس سابقہ روایت کے متعلق کہتا ہے:

''لہٰذا یہ خبر صحیح ہے۔''[1]

مجلسی کی یہ گواہی ان کے نزدیک انتہائی زیادہ قابلِ اعتبار ہے، کیوں کہ ''وہ کافی کا محقق شارح ہے، جس نے اس میں صحیح اور ضعیف کو بیان کیا ہے۔''[2]

اگر ہم شیعہ کے معاصر علما سے اس روایت کی صحت کے متعلق گواہی چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا عالم عبدالحسین مظفر کہتا ہے: ''یہ صحیح کی طرح موثق ہے۔''[3]

یہاں ہم خدالگتی کہتے ہیں کہ ''صحيح الكافي'' کا مصنف، جو ان کا معاصر عالم ہے، اس روایت کو نظر انداز کر گیا ہے۔[4] تو کیا اس کا اسے نظر انداز کرنا کہیں اس بات کی علامت تو نہیں کہ وہ اس کی نظر میں صحیح نہیں؟ کیوں کہ اس کے منہج کے مطابق جس کا اس نے مقدمے میں ذکر کیا ہے، اس کی اس کارروائی سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس جیسا یا اس سے بھی بڑا کام کر جائے، لیکن وہ حقیقت میں تقیے کے عقیدے کی وجہ سے غیر صادق ہو، کیوں کہ ایک معاصر شیعہ عالم نے کہا ہے:

''ہر امامی مجتہد کو اجازت ہے کہ وہ کافی وغیرہ میں ہر اس حدیث کو ٹھکرا دے، جس کو وہ پسند نہیں کرتا اور اس کے مقابلے میں بخاری و مسلم میں موجود حدیث کو لے لے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دینی یا مذہبی نقطہ نگاہ سے اس پر اعتراض کرے۔''[5]

کیوں کہ تقیہ اس کو اس کی اجازت دیتا ہے، وگرنہ حقیقت کچھ اور ہے۔ اس لیے مجلسی یہ باب قائم کرتا ہے:

''اٹھائیسواں باب: عامہ (اہلِ سنت) کی روایت کے بارے میں، جو وہ رسول اللہ کی احادیث

---

[1] مرآة العقول (٢/ ٥٣٦)

[2] ملاحظہ کریں: مرآة العقول، نیز دیکھیں: محمد جواد مغنية: العمل بالحديث وشروطه عند الإمامية ضمن كتاب دعوة التقريب (ص: ٣٨٣)

[3] الشافي شرح أصول الكافي (٧/ ٢٢٧)

[4] دیکھیں: صحيح الكافي: البهبودي: كتاب فضل القرآن، باب النوادر (١/ ١٥٦۔ ١٥٧)

[5] محمد جواد مغنية: العمل بالحديث وشروطه عند الإمامية ضمن كتاب دعوة التقريب (ص: ٣٨٤)

روایت کرتے ہیں، ان کے نزدیک (شیعہ) اس میں کیا صحیح ہے؟ مخالفین کی روایات کی طرف رجوع کرنا منع ہے، سوائے اس حالت کے کہ ان کی کتابوں سے ان پر اعتراض اور حجت قائم کرنا مقصود ہو۔''[1]

یہ تو ساری باتیں ان کے نزدیک اس روایت کی صحت کے متعلق تھیں، جہاں تک مذکورہ روایت کے ان کے ہاں معنی کا تعلق ہے، تو اس کی وضاحت کافی کا شارح محمد صالح بن احمد مازندرانی (المتوفی ۱۰۸۱، یا ۱۰۸۶ھ) یوں کرتا ہے:

''قرآن کی آیات چھے ہزار پانچ سو ہیں[2] اور اس سے جو زائد حصہ ہے، وہ تحریف کی وجہ سے ساقط ہو چکا ہے۔''[3]

مجلسی کہتا ہے:

''یہ روایت اور بہت ساری دیگر صحیح روایات قرآن میں کمی اور تحریف کے حوالے سے صریح ہیں۔''[4]

یہ اس روایت کی تفسیر میں دولت صفویہ کے علما اور غلو کے اوجِ ثریا پر فائز شیعہ کا قول ہے۔ اگر آپ بارھویں صدی میں صفوی حکومت کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے علما کی اس کہانی کی کفر اور غلو پر مبنی تفسیرات کا چوتھی صدی ہجری کے ابن بابویہ کے اس روایت کے متعلق اس کی کتاب ''الاعتقادات'' میں، جو ان کے معاصر علما کی تصدیق کے مطابق معتبر کتاب ہے،[5] منقول قول کے ساتھ تقابل کریں تو حیران رہ جائیں گے۔

وہ کہتا ہے:

''یقیناً قرآن کے علاوہ اتنی وحی نازل ہوئی ہے کہ اگر اسے قرآن کے ساتھ جمع کر لیا جاتا تو وہ سترہ ہزار آیات کی مقدار کے برابر ہوتی... یہ جبرائیل کے اس قول کی طرح ہے: ''عش ما شئت فإنك ميت، وأحب ما شئت فإنك مفارقه، واعمل ما شئت فإنك ملاقيه'' (آپ جتنی دیر تک زندہ رہ لیں، آخر مرنا ہے، جس کے ساتھ چاہیں محبت رکھیں، ایک دن اس کو چھوڑ دیں گے، جو چاہیں اعمال کریں، آپ انھیں

---

[1] بحار الأنوار (۲/ ۲۱٤)

[2] قرآنی آیات کی تعداد کے متعلق یہ قول مجھے اس ضمن میں منقول اقوال میں کہیں نہیں ملا۔ دیکھیں: تفسیر القرطبي (۱/ ٦٤۔ ٦٥) الإتقان (۱/ ۸۹) الفيروز آبادي: بصائر ذوي التمييز (۱/ ٥٥۹۔ ٥٦۰)

[3] شرح جامع للكافي (۱۱/ ۷٦)

[4] مرآة العقول (۲/ ٥۳٦)

[5] الذريعة (۱۳/ ۱۰۱)

ضرور پائیں گے)...۔''[1] اس کے بعد اس نے اس جیسی کئی مثالیں پیش کی ہیں۔

کلینی اور ابن بابویہ کی عبارت میں اختلاف اور تباین ملاحظہ کریں۔ ابن بابویہ کہتا ہے:

''"نزل من الوحي الذي ليس بقرآن" ''قرآن کے علاوہ نازل ہونے والی وحی۔''

جب کہ کلینی کہتا ہے:

"إن القرآن الذي جاء به جبرائيل" ''وہ قرآن جس کو جبرائیل لے کر آئے۔''

یعنی ابن بابویہ کہتا ہے کہ کمی غیرِ قرآن میں ہے، جب کہ کلینی وضاحت کرتا ہے کہ کمی قرآن ہی میں ہے۔

اس لیے مجلسی اور مازندرانی نے اس روایت کی ایسی شرح کی ہے، جو اس ملحدانہ نص کے ظاہری مفہوم کے مطابق ہے، جب کہ ہم ابن بابویہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ روایت میں مذکور قرآنِ کریم کی آیات کی تعداد سے زیادہ تعداد کو قدسی احادیث پر محمول کرتا ہے، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس قول کے ظاہری مفہوم کے ساتھ میل کھائے، جو اس نے ذکر کیا ہے، لیکن تمام نے اس روایت کو رد کرنے اور جھٹلانے سے بزدلی دکھائی ہے۔

میں یہاں یہ بات ذکر کرنا چاہوں گا کہ کیا کلینی کی اس روایت کی اس صورت کے علاوہ جو مجلسی، مازندرانی اور ان کے ہم نواؤں نے تراشی ہے، کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے، جس کو قبول کیا جا سکے؟ شاید ایسا ممکن ہوتا، اگر یہ لوگ اپنے مذہب اور پیروکاروں کے لیے کوئی خیر کا پہلو رکھتے۔ اگر ان میں اس جیسی روایات کو رد کرنے کی جرأت نہیں تو یہ اس کی کوئی قابلِ قبول تاویل کر لیتے، مثلاً ان زائد آیات کو ان میں شمار کر لیتے، جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، وغیرہ، وگرنہ اسے دیوار پر دے مارتے۔

میں نے وافی کے مصنف کو دیکھا ہے کہ اس نے اس روایت کی اس جیسی تاویل کی ہے۔ وہ اس کفر کی تائید میں بعض احتمالات ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''قرآن کی آیات سے زائد تعداد ہو سکتا ہے، ان آیات کی ہو، جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔''[2]

لیکن شیعہ کا آج کا سب سے بڑا عالم اور مرجع خوئی[3]، جو بہ ظاہر قرآن کے دفاع کا دعوے دار ہے، یہ موقف رکھتا ہے کہ تلاوت منسوخ ہونے کا قول تحریف کا قول ہے۔[4]

---

[1] الاعتقادات (ص: ١٠٢)

[2] الكاشاني: الوافي، المجلد الثاني (١/ ٢٧٤)

[3] ابو القاسم موسوی خوئی، امام اکبر اور آیت اللہ العظمی کے لقب سے ملقب، حوزہ علمیۃ (شیعہ کا فقہی مدرسہ) کا سربراہ، آج کل عراق میں رہایش پذیر ہے، اس کی تالیف میں "معجم رجال الحديث" اور "البيان في تفسير القرآن" ہیں۔

[4] الخوئي: البيان (ص: ٢٠١)

گویا اس نے چاہا کہ یہ دروازہ ہی بند کر دے اور ثابت شدہ قاعدے کو رد کر دے، تاکہ مبہم اور غیر واضح انداز میں اپنے دل میں چھپائے ہوئے عقیدے کو ثابت کر سکے۔ نسخ اور تحریف کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔ تحریف بشر کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کی مذمت کی ہے اور نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ [البقرة: ١٠٦]

''جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں، یا اسے بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر یا اس جیسی (اور) لے آتے ہیں۔''

نسخ سے کسی بھی صورت میں کتاب اللہ میں دست برد کرنا لازم نہیں آتا۔ اگر کلینی کی روایت یہ کہتی ہے کہ دو تہائی کے قریب قرآن ساقط ہو چکا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارے پاس جو اللہ کی کتاب ہے، وہ ایک تہائی حصے سے کچھ زیادہ ہے۔ جب ہم اس کی دوسری روایت پیش کرتے ہیں، جس میں مذکور ہے:

''قرآن تین حصوں میں نازل ہوا، ایک تہائی ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے بارے میں نازل ہوا، دوسرے حصے میں سنن اور امثال ہیں اور تیسرا تہائی حصہ فرائض واحکام پر مشتمل ہے۔''[1]

تو اب ان کی نظر میں ہمارے پاس کون سا تیسرا حصہ باقی ہے؟ کیا سنن و امثال والا تیسرا حصہ یا احکام و فرائض والا تیسرا حصہ؟ کیوں کہ اس ملحد گروہ کے نزدیک اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ تیسرا حصہ جو ان کے اور ان کے دشمنوں کے متعلق تھا، ساقط ہو گیا، کیوں کہ ان کا کہنا ہے: ''اگر قرآن اس طرح پڑھا جاتا، جس طرح نازل ہوا تھا تو ہمارا اس میں نام بہ نام ذکر ہوتا۔'' اور یہی ان تمام کوششوں کا محور اور ظاہری ہدف ہے۔

اس کا یہ مطلب ہوا کہ امت ان تمام طویل صدیوں میں گم ہی رہی ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر اس کے پاس کتاب کا صرف تیسرا حصہ ہی رہا ہے اور ائمہ، جن کے پاس ان کے دعوے کے مطابق مکمل قرآن ہے، کھڑے تماشا دیکھتے رہے ہیں، انھوں نے امت کو وہ نہیں پہنچایا، تاکہ وہ گمراہی ہی کے اسیر رہیں اور ان کو دوست و دشمن کی تمیز حاصل نہ ہو سکے۔ وہ انھیں مہدی کے ہاتھ اس کے ظاہر ہونے کا جھانسا دیتے رہے، لیکن ہزاروں سال گزر گئے ہیں، نہ غائب امام واپس لوٹ رہا ہے نہ مصحف ہی ظاہر ہو رہا ہے؟!

اگر امت اس کے بغیر ہدایت پر گامزن رہ سکتی ہے تو اس کے منتظر کے ساتھ ظاہر ہونے کا کیا فائدہ ہے؟

[1] أصول الكافي (٢/ ٦٢٧)

اگر یہ امت کی ہدایت کے لیے اساس ہے تو ائمہ شیعہ اس کے اور امت کے درمیان حائل کیوں ہیں؟ صرف اس لیے کہ امت ان کی نگاہ میں حیران و سرگرداں اور گمراہ ہی رہے؟

کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اس لیے نازل کیا تھا کہ وہ منتظر کی اسیر رہے؟ امت کے پاس اس کے حصول کا کوئی ذریعہ نہ ہو؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کسی معصوم نبی اور خیالی منتظر کو نہیں سونپی، بلکہ اس کی ذمے داری خود اٹھائی ہے۔

شیعہ کی روایات کہتی ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے، کہ حضرت علی تحریف کے خوف سے اسے باہر نہ نکال سکے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ امت جو امتِ خیر ہے، اس کے نصیب میں بدبختی اور گمراہی لکھ دی گئی ہے، جس سے صرف منتظر کے اصحاب مستثنیٰ ہیں، کیوں کہ یہ اپنے مصدرِ ہدایت اور سعادت کی اساس سے ہمیشہ دور رہے گی؟!

حالاں کہ ائمہ ان وسائلِ تبلیغ کے مالک ہیں، جو انبیا کی دسترس میں بھی نہیں، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے گمان کے مطابق ما فوق الفطرت طاقتوں کے مالک ہیں، ان طاقتوں کے ہوتے ہوئے ان کے لیے مکمل قرآن نشر کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

مجلسی نے "باب جوامع معجزاته" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ حضرت علی ایک آدمی کے پاس سے گزرے، جو "هو، هو" کی رٹ لگا رہا تھا، انھوں نے کہا: اے نوجوان! اگر تم قرآن پڑھتے تو تمھارے لیے بہتر ہوتا۔ اس نے کہا: مجھے صحیح پڑھنا نہیں آتا، البتہ میری خواہش ہے کہ مجھے کچھ نہ کچھ صحیح پڑھنا آجائے، تو انھوں نے کہا: میرے قریب آؤ۔ وہ ان کے قریب ہوا تو انھوں نے کوئی خفیہ کلام کیا، تو اللہ نے اس کے دل میں سارے قرآن کی صورت گری کر دی اور اس نے سارا قرآن حفظ کر لیا۔[1]

لہٰذا حضرت علی اس جادوئی طریقے سے ہر اس شخص تک قرآن کی تبلیغ کر سکتے ہیں، جس تک اسے پہنچانا چاہتے اور اس کے خلاف ہونے والی ہر کوشش کو روکنے کے لیے ہر طرح کی یقینی تدابیر کر سکتے تھے، کیوں کہ وہ کافی کے ابواب کے مطابق "ما كان وما يكون" کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں۔[2] ایسے ہی ان کی رضا مندی اور اختیار کے بغیر انھیں قتل کرنا، ناممکن کام ہے، کیوں کہ ائمہ، کافی کے ابواب کے مطابق، جانتے ہیں کہ انھیں کب مرنا ہے اور وہ اپنی مرضی کے بغیر نہیں مرتے۔[3]

---

[1] بحار الأنوار (٤٢/ ١٧)

[2] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٢٦٠)

[3] المصدر السابق (١/ ٢٥٨)

پھر انھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ بعض شیعہ روایات میں ہے کہ امیر المومنین نے کہا:

''اگر میرے لیے تکیہ پیش کیا جاتا اور میرا حق پہچانا جاتا تو میں ان کے سامنے وہ مصحف لے آتا، جس کو میں نے لکھا اور وہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا۔''[1]

ہم سب سے پہلے اس بات کو لیتے ہیں: ''اگر میرے لیے تکیہ پیش کیا جاتا۔'' یہ مجلسی کے مطابق انھیں حکومت دینے کا کنایہ ہے۔[2]

تو انھوں نے خلیفہ بننے کے بعد اصل قرآن کو کیوں نہیں نکالا؟ حالاں کہ انھوں نے یہی وعدہ کیا تھا، یا پھر انھوں نے وعدہ خلافی کی، جس طرح ان کہانیوں کے خالق کا جھوٹ کہتا ہے؟

پھر ان کا یہ کہنا: ''میرا حق پہچانا جاتا۔'' کس طرح ان کا حق پہچانا جاتا، جب کہ اس معرفت کا مصدر تو لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا؟

پھر یہ بات کہ ''وہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا۔'' ان کی دیگر کہانیوں کی مخالفت کرتی ہے، جو کہتی ہیں کہ قرآنِ کریم رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جمع ہوا۔

حقیقت میں اس الزام کے متعلق تمام عبارات اور اقوال اہلِ بیت پر سنگین ترین حملے ہیں۔ اہلِ بیت کے خلاف کوئی بھی افترا پرداز، ان جھوٹے الزامات کی حد تک نہیں پہنچ سکا، حتی کہ ان پر ان کے امام کا یہ قول صادق آتا ہے، جو ان کی کتابوں میں بھی مذکور ہے کہ ہم شام کرتے ہیں تو ہمارا اس سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہوتا، جو ہماری محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔[3]

اس افسانے کی ایک عجیب ترین روایت یہ ہے کہ چھٹی صدی کا شیعہ عالم طبرسی اپنی کتاب ''الاحتجاج'' میں اس الزام کے قول کو امیر المومنین کا اس ملحد کے لیے تسلی بخش جواب قرار دیتا ہے، جس نے یہ اعتراض کیا تھا۔ طبرسی اپنی کتاب ''الاحتجاج'' میں، جو ان کی معتبر کتاب ہے، نقل کرتا ہے:

''ایک طویل مکالمے میں حضرت علی ایک ملحد سے کہتے ہیں: قرآنِ کریم میں منافقین میں سے بڑے مجرموں کا کنائے میں تذکرہ اللہ تعالیٰ کا کام نہیں، بلکہ یہ تبدیلی اور تغیر پیدا کرنے والوں کی کارروائی ہے۔

---

[1] بحار الأنوار (٩٢/ ٥٢)

[2] حوالہ سابقہ.

[3] رجال الكشي (ص: ٣٠٧)

''تقیے کے عمومی حکم کے ہوتے ہوئے ان تبدیلی کرنے والوں کے ناموں کی صراحت اور انھوں نے اپنی طرف سے کتاب اللہ میں جو ثابت رکھا ہے، اس میں اس سے زیادہ کسی آیت کا اضافہ جائز نہیں، کیوں کہ یہ اہلِ کفر، اصحابِ تعطیل اور ہمارے قبلے سے منحرف اقوام کے دلائل کی تقویت اور اس ظاہر علم کے اِبطال اور رد کا باعث ہوگا، جس کے سامنے موافق اور مخالف، ان کا حکم ماننے اور ان پر راضی رہنے پر اتفاق کی وجہ سے تابع فرمان ہو چکے ہیں۔ حکمرانوں پر صبر کرنا فرض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: ٣٥]

''پس صبر کر، جس طرح پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا۔''

''یہاں اس موضوع کے متعلق اتنا جواب ہی کافی ہے، جو تم نے سنا ہے، کیوں کہ تقیے کی شریعت اس سے زیادہ وضاحت کرنے سے روکتی ہے۔ یہ آیت: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [القصص: ٨٨] اصل میں اس طرح نازل ہوئی: ''كُلُّ شيء هالك إلا دينه'' (یعنی اس کے دین کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے) کیوں کہ یہ محال ہے کہ اس میں ہر چیز ہلاک ہو جائے اور چہرہ بچ جائے، وہ اس سے بہت بلند ہے، بلکہ وہ ہلاک ہوگا، جو اس سے نہیں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس نے کہا ہے:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [الرحمن: ٢٦۔ ٢٧]

''ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔''

یہاں اس نے اپنے چہرے اور مخلوق کے درمیان خط کھینچ دیا ہے۔ پھر اس فرمانِ الٰہی:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [النساء: ٣]

''اور اگر تم ڈرو کہ یتیموں کے حق میں انصاف نہیں کرو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں، ان سے نکاح کر لو۔''

میں جو تم نے نامانوسیت کا اظہار کیا ہے، تو یتامیٰ میں انصاف عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں مشابہت نہیں رکھتا، نہ ساری عورتیں یتیم ہی ہوتی ہیں، یہ جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے کہ منافقین نے

قرآن سے جو ساقط کر دیا ہے، اس میں شامل ہے۔ یتامیٰ کے متعلق قول[1] اور عورتوں کے ساتھ نکاح کے درمیان خطاب اور واقعات قرآن کے ایک تہائی حصے سے زیادہ ہیں۔

''یہ اور اس جیسی چیزیں جو منافقین کے واقعات سے اہلِ نظر وفکر کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں، ان میں اسلام کے مخالف قرآن میں تنقید کی راہ پاتے ہیں، اگر میں ہر تبدیل اور ساقط ہونے والے کلمے کی شرح کرنا شروع کر دوں تو بات طویل ہو جائے گی اور تقیے نے جو دوستوں کے فضائل اور دشمنوں کے عیوب ذکر کرنے کی پابندی عائد کی ہے، وہ ختم ہو جائے گی۔''[2]

یہ عبارت طویل ہونے کے باوجود اس لمبے مکالمے کا ایک حصہ ہے، جس کے متعلق ''الاحتجاج'' کے مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حضرت علی اور ایک ملحد کے مابین ہوا اور حضرت علی نے اس کے ساتھ مناظرہ کیا اور اس کو صحیح راہ دکھانے کی کوشش کی، تو کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اصحابِ رسول ﷺ کے بارے میں اس جیسی باتیں کہتا ہے، اس سے بڑھ کر بھی کوئی زندیق اور ایسے کینہ پرور کی سازش سے بڑھ کر بھی کوئی سازش ہو سکتی ہے؟!

موسیٰ جار اللہ کا کہنا ہے:

''کیا اسلام کے جانی دشمن ایسی کوئی گنجایش پاتے ہیں، جو اس جیسے قول سے زیادہ اسلام اور قرآن کو منہدم کرنے والی ہو، جس کو شیعہ علما حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں؟''[3]

اس روایت میں اس بہترین نسل کے خلاف کالا کینہ ملاحظہ کیجیے، جن سے بہتر انسانیت نے کسی کو نہیں دیکھا، یعنی رسولِ ہدایت کے اصحاب۔ یہ روایت ان کو کنائے کے پیرائے میں ''أصحاب الجرائر العظیمة من المنافقین'' یعنی منافقین میں بڑے مجرم سے تعبیر کرتی ہے۔

کیوں کہ اس حاسد جماعت نے، جن کے دلوں میں اس قرآنی نسل کے خلاف نفرت اور کینہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، قرآن میں اپنی حسد کی آگ بجھانے کے لیے کوئی چیز نہیں پائی، اس لیے یہ کہتے ہیں کہ قرآن منافقین کے ناموں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ان سے صحابہ کرام مراد لیتے ہیں اور ان کو ساقط کرنا تبدیل کرنے والوں کا کام ہے، ان کی اس رجحان کی روایات بہت زیادہ ہیں، پھر یہ روایت کہتی ہے کہ تقیے کی وجہ سے ان تبدیل

---

[1] ''الاحتجاج'' میں ایسے ہی ہے۔

[2] الاحتجاج (ص: ۲٤۹۔ ۲٥٤)

[3] الوشیعة (ص: ۱۲۳)

کرنے والوں کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کرنا جائز نہیں، حالاں کہ اسی کتاب میں ایک دوسری روایت ہے، جو کہتی ہے کہ جنھوں نے اس میں تبدیلی کی، ان میں ابوبکر، عمر اور زید بن ثابت شامل ہیں۔[1]

نوری طبرسی ان میں کچھ دوسرے لوگوں کا اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''جنھوں نے براہِ راست یہ سنگین کام کیا، وہ اصحاب صحیفہ یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور انھوں نے زید بن ثابت سے مدد حاصل کی۔''[2]

یہ تمام لوگ اسلامی فتوحات کے سرخیل اور اس پہلی جماعت کے گلہائے سرسبد ہیں، جنھوں نے ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی، جس کی دنیا نے کوئی نظیر نہیں دیکھی۔ یہ ان لوگوں (شیعہ) کی آنکھوں کا تنکا اور ان کے گلوں کی ہڈی ہیں، اس لیے اس ٹولے نے اس افترا پردازی کو خصوصاً ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

اس کے بعد یہ کہانی ذکر کرتی ہے کہ ''تقیے کی وجہ سے قرآنی آیات میں اضافہ کرنا جائز نہیں۔''

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خوف نے ان کو اس خود ساختہ مصحف کو نکالنے سے بٹھائے رکھا، یعنی اگر خوف نہ ہوتا تو وہ اس جیسا کام کر گزرتے؟ اس سے تو اس بات کا احتمال پیدا ہوتا ہے کہ جب خوف نہ رہے گا، تب وہ یہ کام کریں گے اور اس کا علانیہ اظہار کریں گے اور خوف کے ہوتے ہوئے ہو سکتا ہے کہ وہ خفیہ طور پر اس کا آپس میں تبادلہ کرتے ہوں، لیکن ''فصل الخطاب'' کے مولف نے اپنی قوم کی کتابوں سے ایک ہزار سے زائد ایسے شواہد پیش کیے ہیں، جن کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اللہ کی ساقط شدہ آیات ہیں اور اس نے شیعہ کی اکثر قابلِ اعتبار کتابوں کا اس پر تواتر اور اتفاق ثابت کیا ہے۔

اس طرح اس نے اپنی قوم کی سب سے بڑی رسوائی رقم کی ہے اور ان کے سب سے بڑے جرم سے پردہ اٹھایا ہے۔ کیا اب تقیہ اٹھ چکا ہے؟ حالانکہ ان کی عبارتوں کے مطابق تقیہ اس وقت تک رہے گا، جب تک ان کا مہدی نہ آجائے۔[3] یا پھر اس نے یہ کام کر کے اپنے امام کی وصیت اور قوم کے پروگرام کی مخالفت کی ہے؟ یہ تمام اوہام ہیں، جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی یہ تحقیق بھی پیش ہوگی کہ کیا شیعہ کے پاس کوئی خفیہ متداول مصحف موجود ہے؟

اس کے بعد یہ روایت ذکر کرتی ہے کہ حضرت علی نے اس زندیق کے ساتھ گفتگو جاری رکھی اور کہا کہ

---

[1] دیکھیں: الاحتجاج (ص: ١٥٦)

[2] فصل الخطاب (الورقة: ٧٣)

[3] تفصیل کے لیے اسی کتاب کے مبحث ''تقیہ'' کا مطالعہ کریں۔

''تقیے کے حالات کی وجہ سے وہ اس سے زیادہ وضاحت نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس سے زیادہ گفتگو اہلِ تعطیل کے دلائل کی تقویت کا باعث ہوگی۔''

اس کا یہ مطلب ہوا کہ زندیقوں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت تقیہ ختم ہوجاتا ہے اور صراحتاً کفر کہا جا سکتا ہے، لیکن مومنوں کے ساتھ تقیہ واجب ہے۔ کیا یہ ٹولہ یہ چاہتا ہے کہ امیر المومنین کو اس زندیق کی جماعت میں سے قرار دے دے، جو صحابۂ رسول ﷺ کے سامنے تو تقیہ اختیار کرتے ہیں اور بے دین زندیقین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے متعلق کھل کر گفتگو کرتے ہیں؟!

کفر کی اس تصریح کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ''اس میں اضافہ اہلِ تعطیل کی تقویت کا باعث ہے۔'' اہلِ تعطیل سے اگر اہلِ ایمان، اصحاب کرام اور تابعین عظام مراد ہیں، تو پھر بلاشبہہ یہ بات اس کینہ پرور ٹولے کی حقیقت کھول کر سامنے رکھ دیتی ہے اور اگر کوئی دوسری جماعت مراد ہے تو تب یہ کتاب اللہ کے ساتھ کفر کیوں کر ہوگا؟!

پھر یہ ٹولہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت علی نے زندیق سے کہا کہ وہ اس کا اعلان اور تفصیل ذکر نہیں کر سکتے، کیوں کہ ''حکمرانوں پر صبر کرنا فرض ہے۔'' شیعہ کا مذہب بارہ اماموں کے علاوہ ہر کسی کی امامت کے انکار پر مبنی ہے، جب کہ یہ نص ثابت کرتی ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور بھی ولاتِ امر ہیں، جن کی اطاعت فرض ہے اور یہ بات بنیاد ہی سے شیعہ مذہب کو اکھاڑ دیتی اور یہ ثابت کرتی ہے کہ جہاں وضع اور افترا ہوگا، وہاں اختلاف اور تناقض ضرور ہوگا۔

اس سے امیر المومنین پر سب سے بڑا (معاذ اللہ) یہ افترا لازم آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دوسروں کی اطاعت کرتے اور اسے فرض سمجھتے ہیں، جبکہ اسلام کا یہ عام قاعدہ ہے:

''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق''، یعنی خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرماں برداری نہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ [لقمان: ١٥]

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان۔''

ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت علی نے تقیے کی وجہ سے تفسیرِ قرآن میں ان کی موافقت اور اطاعت کی، یہ بات

اصحابِ رسول سے پہلے خود حضرت علی کی تکفیر اور ان کی توہین ہے۔

یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سارے مسلمانوں سے پہلے اہلِ بیت کے دشمن ہیں۔ دیکھیے! وہ کس طرح حاکمِ وقت کی کفر میں اطاعت پر اس آیت سے استدلال کرتا ہے:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ [الأحقاف: ٣٥]

''پس صبر کر، جس طرح پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس روایت کو بنانے والا جاہل ہے، کیوں کہ یہ آیت مکمل طور پر اس بات کی مخالفت کرتی ہے، جس کی وہ دعوت دے رہا ہے، پھر اس استدلال کی حضرت علی کی طرف نسبت کرنا، انھیں جاہل قرار دینا اور ان پر افترا ہے۔ والعیاذ باللہ.

نیز اس کی اس بات سے کہ ''یہ آیت ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ دراصل ''كل شيء هالك إلا دينه'' تھی، کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ اس کی ہر چیز تو ہلاک ہو جائے اور چہرہ باقی رہے۔''[1] ظاہر ہوتا ہے کہ اسے بنانے والا عجمی ہے، جس کا عربی زبان اور اس کے الفاظ کی پہچان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں یا پھر وہ جاہل زندیق ہے۔

اس کے بعد ''الاحتجاج'' کا مصنف یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت علی نے زندیق سے کہا: سورۃ النساء میں ثلث قرآن سے زائد ساقط ہوگیا ہے، اگر وہ ہر ساقط ہونے والے حرف اور تبدیلی کو ذکر کرنا شروع کر دیں تو بات لمبی ہو جائے گی اور تقیہ جس چیز کے اظہار سے مانع ہے، وہ ظاہر ہو جائے گی۔

یہ امیر المومنین کی طرف منسوب سب سے بڑا جھوٹ ہے، کیوں کہ انھوں نے اپنی مدتِ خلافت میں اس ایک تہائی ساقط قرآن کو ظاہر کیا نہ مسلمانوں کو اس کو ثابت کرنے، اس سے ہدایات حاصل کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ جو امیر المومنین کے شیعہ اور عقیدت مند ہونے کے دعوے دار ہیں اور ان کی طرف ان جھوٹی باتوں کی نسبت کرتے ہیں، ان کے ساتھ یہ فرقہ ناصبیہ سے بھی زیادہ عداوت رکھتے ہیں، کیوں کہ یہ لوگ ان کی طرف کفر کا اقرار کرنے اور اس پر راضی رہنے کی نسبت کرتے ہیں۔

ان لوگوں کو جب کوئی حجت ثابت کرنے کے لیے کوئی حیلہ اور بہانہ نہیں ملتا تو یہ تقیے میں پناہ لیتے ہیں۔ یہاں وہ ان کو ساقط اور تبدیل کردہ آیات کی تفصیل بیان کرنے کی ہمت نہ ہونے کو تقیے کے پردے میں چھپاتا

---

[1] الخطوط العريضة (ص: ٦)

ہے، یہ کھلا بہانہ اور حقیقت کا سامنا کرنے سے فرار ہے۔ پھر اس کے علاوہ ایک دوسرے شیعہ عالم نے اپنے دعوے کے مطابق ساقط شدہ آیات کے چند نمونے پیش کرنے کی کوشش کی تو اس کی سازش بھی بے نقاب ہوگئی، کیوں کہ قرآنی آیات کے مطابق یہ نمونے پیش کرنا بچوں جیسی لغو حرکتوں کے مشابہ ہے۔ قرآنِ عظیم کی نقل ان کے بَس میں کہاں ہے؟!

اگر اس ٹولے کی شریعت کتاب اللہ کے متعلق ایسے ملحدانہ نظریات زندیقوں کے ساتھ مخصوص کرتی ہے تو کیا ہم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ جو کہا جاتا ہے کہ مستشرق ''برائن'' کے پاس ایک ایرانی مصحف ہے، جس میں کتاب اللہ میں کئی اضافے ہیں، انہی اضافوں میں ایک سورت بھی ہے، جس کو یہ ''سورۃ الولایۃ'' کا نام دیتے ہیں،[1] اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اس قوم کے پاس خفیہ مصاحف ہیں، جو ان کے ہاں متداول و معروف ہیں؟

## کیا شیعہ کے پاس کوئی خفیہ متداول مصحف موجود ہے؟

کیا شیعہ کے پاس کوئی مصحف ہے، جو ان تمام مفتریات (خود ساختہ آیات) پر مشتمل ہو اور شیعہ اسے کتاب اللہ کے مقابلے میں پڑھتے ہوں؟

ان کی کہانیاں کیا کہتی ہیں اور اس کے متعلق ان کی واقعاتی صورتِ حال کیا ہے؟ کیا محبّ الدین خطیب کا یہ قول: ''شیعہ کے پاس مخصوص مصاحف ہیں، جو (مسلمانوں کے پاس) متداول مصحف سے مختلف ہیں۔''[2] حقیقت ہے؟

محبّ الدین نے ان کی ''سورۃ الولایۃ''[3] کے نام سے خود ساختہ سورت کی فوٹو کاپی بھی شائع کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ فوٹو مستشرق مسٹر برائن کے پاس ایرانی مصحف کے قلمی نسخے سے لی گئی ہے۔[4] اس سے پہلے رافضہ کے عالم نے اپنی کتاب ''فصل الخطاب'' میں بھی اسے درج کیا ہے۔[5]

---

[1] دیکھیں: الخطوط العريضة (ص: ١١)

[2] دیکھیں: حاشيه مختصر التحفة الإثنا عشرية (ص: ٣٢)

[3] خطوطِ عریضہ کے صفحہ (١٢) پر انھوں نے اس کی فوٹو کاپی لگائی ہے، اسی طرح مختصر تحفہ کے صفحہ (٣١) اور مجلّہ الفتح کے عدد نمبر (٨٤٢) اور صفحہ (٩) پر بھی یہ فوٹو موجود ہے۔ اس سے پہلے اس کو شیعہ استاذ احمد کسروی نے اپنی کتاب ''الشيعة والتشيع'' میں شائع کیا تھا۔

[4] شیخ محبّ الدین کہتے ہیں کہ اس نے یہ محمد علی سعودی کے پاس دیکھی اور اسی سے لی، جو اس کے نزدیک ''ثقہ مامون'' ہے۔ وہ مصر میں وزارتِ عدل کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ ''حاشيه مختصر التحفة'' (ص: ٣٢) الخطوط العريضة (ص: ١١)

[5] فصل الخطاب (ص: ١٨٠)

اس سے بہت پہلے "تكفير الشيعة" کے مصنف نے کہا ہے کہ شیعہ نے ایک مصحف ایجاد کیا ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، تو کیا شیعہ کے پاس کوئی خفیہ متداول مصحف موجود ہے، جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں؟ مَیں ان کی نصوص اور علما کے اقوال کے استقرار کی روشنی میں اس کا جواب دوں گا۔

میرے مطابق شیعہ کے ہاں ایسی روایات منقول ہیں، جو ان کو ان کے منتظر امام کے ساتھ ان کا مصحف نکل آنے تک انھیں اسی قرآن پر عمل کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

کلینی، کافی میں ذکر کرتا ہے:

''ہمارے کئی اصحاب سہل بن زیاد عن محمد بن سلیمان عن بعض اصحابہ کی سند سے ابوالحسن سے روایت کرتے ہیں، اس نے کہا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں، ہم قرآن میں ایسی آیات سنتے ہیں، یہ ہمارے پاس اس طرح نہیں، جس طرح ہم سنتے ہیں اور ہم انھیں اس طرح پڑھ بھی نہیں سکتے، جس طرح وہ ہمیں آپ سے پہنچی ہیں، تو کیا ہم گناہ گار ہوں گے؟ انھوں نے کہا: نہیں، جس طرح تم جانتے ہو، اسی طرح پڑھو، عن قریب وہ آئے گا، جو تمھیں اس کی تعلیم دے گا۔''[1]

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس میں ان مفتریات (جھوٹی آیات) کی تلاوت کرتے ہیں، جس طرح اس روایت کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں:

''جس طرح ہم انھیں سنتے ہیں''، ''جس طرح وہ ہمیں آپ سے پہنچی ہیں۔''[2]

پھر انھوں نے شکایت کی کہ وہ جو سنتے ہیں یا جو ان تک پہنچا ہے، وہ اس کو اچھی طرح پڑھ نہیں سکتے، تو ان کا امام ان کے ساتھ یہ وعدہ کرتا ہے کہ عن قریب ان کو کوئی تعلیم دینے والا آئے گا۔ یہ وعدہ ان کے امام ابوالحسن، جس طرح یہ لوگ افترا پردازی کرتے ہیں، کے زمانے میں ہوا۔ یہ عبارت ''عنقریب تمھارے پاس آئے گا'' ظاہر کرتی ہے کہ یہ جو اچھی طرح پڑھ نہیں سکتے، ان کے پاس یہ معلم آئے گا، لیکن وہ نہ آیا اور وہ نسل بھی گزر

---

[1] أصول الكافي (٢/ ٦١٩)

[2] ان کی بہت ساری روایات ہیں، جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے ائمہ بہت سی آیات اس طرح پڑھتے ہیں، جو قرآن میں نہیں۔ فرات کی تفسیر میں حمران سے مروی ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابوجعفر کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: "إن الله اصطفىٰ آدم ونوحاً و آل إبراهيم وآل محمد على العالمين" میں نے کہا: اس طرح تو نہیں پڑھا جاتا؟ انھوں نے کہا: ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف داخل کر دیا گیا ہے۔ (تفسير فرات، ص: ١٨، بحار الأنوار: ٩٢/ ٥٦) اس جیسی بہت ساری نصوص ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ لوگ ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ قرآن جس طرح اللہ نے نازل کیا ہے اور جس طرح مسلمان پڑھتے ہیں، اس کے خلاف پڑھتے ہیں۔ کیا یہی لوگ اہلِ بیت کے شیعہ ہیں؟!

گئی، پھر اس کے بعد مسلسل کئی صدیاں گزر گئیں۔ بعد میں شیعہ کے علما نے اس کی یہ تفسیر پیش کی کہ اس معلم سے مہدی منتظر مقصود ہے۔[1]

شیعہ کو اس نص کے مطابق قرآن پڑھنے، منتظر جو لے کر آئے گا، اس کا انتظار کرنے اور ان مفتریات کو نہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، کیوں کہ وہ انھیں صحیح پڑھ نہیں سکتے۔ اس لیے اسے ان کے ہاں متداول مصحف میں داخل نہ کیا جائے۔ مفید کہتا ہے:

''ہمارے ائمہ سے یہ صحیح خبر مروی ہے کہ انھوں نے جو دو جلدوں کے درمیان ہے، اس کو پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہم اس سے، کسی کمی یا زیادتی کے بغیر، تجاوز نہ کریں، حتی کہ قائم آ جائے تو وہ لوگوں کو اس طرح قرآن پڑھائے گا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور امیر المومنین نے جمع کیا۔''[2]

شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری کہتا ہے:

''روایات میں مروی ہے کہ ائمہ نے اپنے شیعہ کو نماز وغیرہ میں اور احکام پر عمل کرنے کے لیے اس موجود قرآن کو پڑھنے کا حکم دیا، یہاں تک کہ ہمارے آقا صاحبِ زمان کا ظہور ہو جائے، تب یہ قرآن لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر آسمان کی طرف چلا جائے گا اور وہ اس قرآن کو نکالے گا، جس کو امیر المومنین نے تالیف کیا تھا، پھر اسی کو پڑھا جائے گا اور اسی کے احکام پر عمل کیا جائے گا۔''[3]

اگر یہی بات ہے تو ہر امام سے کتاب اللہ میں اضافہ جات کا ایک پلندہ کیوں روایت کیا جاتا ہے؟ پھر جب اس میں تبدیلی ہو چکی ہے تو اس پر عمل کرنا کس طرح درست ہوگا؟! یہ روایات جو قرآن پر عمل کی دعوت دیتی ہیں، اس کے مقابلے میں کچھ دوسری روایات بھی ہیں، جو غیر واضح مگر تسلی بخش انداز میں قرآن حفظ کرنے سے اعراض کرنے کی دعوت دیتی ہیں، کیوں کہ ان کے دعوے کے مطابق یہ قرآن تبدیل شدہ ہے اور جو اس تحریف کے ساتھ اس قرآن کو حفظ کرے گا، اس کے لیے کل کو اس مصحف کو حفظ کرنا مشکل ہوگا، جو امام منتظر لے کر آئے گا۔

مفید، جابر جعفی عن ابی جعفر کی سند سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے کہا:

''جب قائم آلِ محمد آ جائے گا تو خیمے لگائے جائیں گے اور وہ لوگوں کو اس طرح قرآن پڑھائے گا،

---

[1] دیکھیں: المازندراني: شرح الجامع علی الکافي (۱۱/ ٤٧) رافضہ کی بہت ساری نصوص یہ وضاحت کرتی ہیں کہ وہ قائم یا مہدی ہے، جس طرح تھوڑی دیر بعد ہم ذکر کریں گے۔

[2] بحار الأنوار (۹۲/ ٧٤)

[3] الأنوار النعمانیة (۲/ ٣٦٣۔ ٣٦٤)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو یہ اس وقت سب سے زیادہ مشکل اس کے لیے ہوگا، جس نے اسے آج حفظ کیا ہے، کیوں کہ اُس کی تالیف اِس (موجودہ قرآن) سے مختلف ہے۔"[1]

یہ شیعہ عالم مفید کی روایت ہے، جس کی وہ اتنی زیادہ تعظیم اور تقدیس کرتے ہیں کہ وہ ان کے خیال کے مطابق مافوق البشر ہے، کیوں کہ ان کے امام منتظر نے اسے "الأخ السديد" اور "المولى الرشيد" کے القابات سے مخاطب کیا ہے۔[2]

یہ روایت اس کی کتاب "الإرشاد" میں مذکور ہے، جو ان کی معتبر کتابوں میں سب سے بلند مرتبت کتاب ہے، حتی کہ مجلسی نے کہا ہے کہ "کتاب "الإرشاد" اپنے مولف سے زیادہ مشہور ہے۔"[3]

اسی طرح نعمانی نے اس سے ملتی جلتی روایت "الغيبة" میں ذکر کی ہے۔ وہ امیر المومنین تک اپنی (جھوٹی) سند کے ساتھ روایت کرتا ہے:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ عجم میں کوفہ کی مسجد میں خیمے لگے ہیں، وہ لوگوں کو اس طرح قرآن پڑھا رہے ہیں، جس طرح وہ نازل ہوا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! کیا یہ اب اس طرح نہیں، جس طرح نازل ہوا؟ انھوں نے کہا: نہیں، اس میں ستر قریشیوں کا اپنے اور اپنے آبا کے نام کے ساتھ ذکر مٹا دیا گیا ہے، صرف ابولہب کا نام چھوڑا گیا، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کو رسوا کرنے کے لیے، کیوں کہ وہ آپ ﷺ کا چچا تھا۔"[4]

نعمانی نے اسی مفہوم کی دو روایات مزید ذکر کی ہیں[5] ایسے لگتا ہے کہ اس کہانی کا تانا بانا بُننے والا کوئی عجمی زندیق ہے، جو اس موعود تعلیم کی کہانی عجمیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے، اسی طرح اس میں صحابہ کرام کے خلاف سخت کینہ بھی ہے، جنھوں نے ان کے علاقے فتح کیے اور ان کے درمیان اسلام پھیلایا، اس روایت میں یہ امر نمایاں ہے، اس لیے اس کے نزدیک تبدیلی کا دعویٰ ابولہب کے نام کے ساتھ اپنے نام نہ ہونے میں چھپا ہوا ہے۔

ان کہانیوں کا جو اللہ کی کتاب حفظ کرنے میں غفلت کی دعوت دیتی ہیں، شیعہ معاشروں پر کئی اثرات

---

1. المفيد: الإرشاد (ص: ٤١٣)
2. ملاحظہ کریں کتاب کا مقدمہ (ص: ٢٧٧)، جس میں شیعہ عالم مفید سے مہدی کے کلام پر مبنی نصوص کا حوالہ "الاحتجاج" کی طرف دیا گیا ہے۔
3. المجلسي: بحار الأنوار (١/ ٢٧)
4. النعماني: الغيبة (ص: ١٧١۔ ١٧٢) فصل الخطاب (الورقة: ٧) بحار الأنوار (٩٢/ ٦٠)
5. دیکھیں: الغيبة (ص: ١٩٤) بحار الأنوار (٥٢/ ٣٦٤)

ہیں، جس طرح شیخ موسیٰ جار اللہ نے اس کی گواہی دی ہے، جو ایک مدت تک شیعہ کے درمیان رہے۔ انھوں نے شیعہ کے شاگردوں اور علما میں کسی کو بھی قرآن حفظ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ وجوہِ قراءات کو جاننا تو درکنار، ان میں کوئی درست تلفظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے والا بھی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ شیعہ کے اس مصحف کے انتظار کرنے کی وجہ سے ہو، جو قائم آلِ محمد[1] کے ہاتھوں غائب ہے، جس طرح ان کا دعویٰ ہے۔

تو کیا شیعہ ایک مصحف میں اپنی ان کہانیوں کو جمع کر دیں گے، تاکہ مصحف موعود جب ظاہر ہو تو اس کو حفظ کرنا آسان ہو؟ مجلسی، مفید کے حوالے سے کہتا ہے:

''انھوں (ائمہ) نے ہمیں ان حروف کو پڑھنے سے منع کیا، جو روایات میں مذکور ہیں اور مصحف میں جو آیات ثابت ہیں، ان سے زیادہ ہیں، کیوں کہ وہ متواتر نہیں، بلکہ اخبار آحاد کے ذریعے ذکر ہوئے ہیں اور کوئی ایک جو نقل کرتا ہے، اس میں غلطی کر سکتا ہے۔ نیز جب انسان ایسے الفاظ پڑھتا ہے، جو دو جلدوں کے مابین موجود قرآن کے مخالف ہوں تو اہلِ اختلاف کے ساتھ وہ اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال سکتا ہے، ظالموں کو اُکسا سکتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت کا نشانہ بنا سکتا ہے، اس لیے انھوں نے، ان اسباب کے پیشِ نظر جو ہم نے بیان کیے ہیں، ہمیں دو جلدوں کے مابین جو

[1] الوشيعة (ص: ١١٦) دوسری طرف شیعہ کی ایسی روایات بھی ہیں، جو اس قرآن کو پڑھنے اور حفظ کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور اس کے ثواب کا ذکر کرتی ہیں، جس طرح ابوجعفر نے اپنے ایک ساتھی سعد خفاف سے کہا: اے سعد! قرآن سیکھ'' (أصول الكافي: ٢/ ٥٩٦)

کافی کے مولف نے ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: ''باب: جس نے قرآن حفظ کیا اور اس کو بھول گیا'' اس میں اس نے چھے روایات ذکر کی ہیں، جو ذکر کرتی ہیں کہ قرآن حفظ کرنے کے بعد بھلا دینے والا کتنا ثواب کھو دیتا ہے۔ (أصول الكافي: ٢/ ٦٠٧، ٦٠٩) ایک باب اس عنوان کے تحت قائم کیا ہے: ''اس کی قراءت کے متعلق باب'' اس میں ابوعبداللہ سے روایت مروی ہے کہ انھوں نے کہا: قرآن اللہ کا مخلوق کے ساتھ عہد ہے، لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے عہد میں دیکھے اور ہر روز اس کی پچاس آیات کی تلاوت کرے۔ (المصدر السابق)

ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: ''وہ گھر جن میں قرآن پڑھا جاتا ہے'' اس میں لیث بن ابی سلیم سے مرفوع روایت مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن کے ساتھ منور کرو اور ان کو قبریں نہ بناؤ'' (المصدر السابق)

اسی طرح ایک باب ہے: ''قرآن کی قراءت کا ثواب'' اس میں سات روایات ہیں، جو قرآن پڑھنے اور سیکھنے کے اجرِ عظیم کو بیان کرتی ہیں۔ (المصدر السابق: ٢/ ٦١١۔ ٦١٣) اور اس موضوع کے دیگر ابواب۔ یہ تمام روایات ان روایات کے متضاد ہیں، بلکہ ان کی کتابوں میں اس جھوٹ اور بہتان کی پردہ دری کرتی ہیں، جو وہ آلِ محمد کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیوں کہ ایک طرف ان کا اتنا ثواب بیان کیا جاتا ہے اور اگر اس میں تبدیلی ہوئی ہے تو پھر یہ فضائل کیوں؟ کیا یہ اس مذہب میں بہت زیادہ تضاد پر دلالت نہیں کرتا؟

ثابت ہے، اس کے خلاف وارد ہونے والے الفاظ کو پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔'' [1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی کتابوں میں جھوٹی، کتاب اللہ کے مخالف اور متفرق آیات ان کے مابین متداول مصحف میں ان دو اسباب کی بنا پر داخل نہیں ہوسکیں؟ ایک: مسلمانوں کا ڈر اور دوسرا: یہ ان کے نزدیک آحاد اسانید کے ذریعے ثابت ہیں اور ایک شخص کبھی نقل میں غلطی کرسکتا ہے۔ اس مقام پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ ''اصولیوں'' کی خصوصیت ہے کہ وہ آحاد اسانید سے ثابت روایات قبول نہیں کرتے، تاہم اخباری شیعہ اپنے علما کی تصنیف کردہ دسیوں کتابوں کو صحیح مانتے ہیں اور مولفین سے ان کے تواتر اور ثبوت نیز ان میں درج احادیث کو ''معصومین'' سے ثابت گردانتے ہیں۔ [2]

لہٰذا وہ اپنے علما کی کتابوں میں وارد اس الزام کے متعلق ہر عبارت کا اقرار کرتے ہیں۔ اسی لیے شیعہ کا شیخ، امام الفقہاء العظام، رئیس الاسلام جعفر کاشف الغطا کہتا ہے:

> ''اخباریوں سے بڑے عجیب وغریب احکام اور منکر اقوال صادر ہوئے ہیں، انہی میں سے ان کا قرآن میں نقص کا قول ہے۔ وہ ایسی روایات پر تکیہ کرتے ہیں، جو بلا تامل تاویل یا ٹھکرا دینے کا تقاضا کرتی ہیں۔'' [3]

لہٰذا اخباری اپنے علما کی کتابوں میں ان افسانوں کے ثبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ آپ تعجب کر سکتے ہیں کہ یہ کس طرح اپنے علما کی طرف منسوب کتابوں میں منکر اسانید اور متون کے ساتھ مروی ہر حرف پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شک کرتے ہیں؟ یہ لوگ واضح جھوٹوں کی تصدیق کرتے ہیں اور ثابت شدہ حقائق کی تکذیب کرتے ہیں۔ عقل، قیاس اور فطرت میں اس مسخ اور اوندھے پن سے بڑھ کر اور کون سی سزا ہوسکتی ہے؟

بنا بریں ان روایات کو آحاد ہونے کی بنا پر رد کر دینے پر شیعہ کا اتفاق نہیں اور دوسرا رکاوٹ پیدا کرنے والا سبب، جس پر تمام کا اتفاق ہے، وہ خوف ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ اخباریوں کی طرف سے افترا کردہ مصحف کے خفیہ انداز میں متداول ہونے کا مسئلہ ایک امر واقعی ہے اور یہ امر محبّ الدین خطیب اور احمد کسروی (شیعہ) نے مصحف ایرانی سے ماخوذ ''سورۃ الولایۃ'' کی جو فوٹو نشر کی ہے، اس کی وضاحت کرتا ہے۔ [4]

---

[1] بحار الأنوار (۹۲/ ۷٤۔ ۷۵)

[2] وسائل الشیعة (۲۰/ ٦۱)

[3] جعفر کاشف الغطا: حق المبین، بحواله الطبطبائي: الأنوار النعمانية (۲/ ۳۵۹ حاشیه)

[4] ان تمام جھوٹی آیات کو ''فصل الخطاب'' کے مولف نے جمع کیا ہے اور قرآن کی سورتوں کے مطابق ترتیب دیا ہے، لیکن ←

لیکن یہ تو صرف مصحفِ علی (مزعوم) میں بہ طورِ مثال ذکر کی گئی مفتریات کی تدوین ہے، جہاں تک مصحفِ علی کی بات ہے تو وہ ان کے نزدیک مہدی منتظر کی طرح غائب اور اس کا بھی انتظار کیا جا رہا ہے، جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔

جب تک وہ ظاہر نہیں ہوتا، تب تک اسی قرآن پر عمل ہوگا، لیکن یہ تمام افترا پردازیاں محض اپنی قوم کے حیران و متشکک افراد کو تسلی دینے کی ایک کوشش ہے۔ میں نے ان کے علما کے کلام سے ملاحظہ کیا ہے کہ مصحفِ علی کے وجود کا قول ایک ایسی بات ہے، جس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں، حتی کہ قدیم علما اور معاصرین میں سے جو بہ ظاہر تحریفِ قرآن کا انکار کرتے ہیں، جس طرح ابن بابویہ قمی نے ''الاعتقادات'' میں (اس کی عبارت آگے آئے گی) اور خوئی نے ''البیان''[1] میں ذکر کیا ہے، وہ بھی اس کے قائل ہیں۔

لیکن یہ بات باقی رہتی ہے کہ حضرت علی کے مزعوم مصحف میں جو اضافہ ہے، کیا یہ متن میں اضافہ ہے یا تاویل اور ترتیب کی قسم سے ہے؟ اس کی تفصیل ذیل میں ذکر ہوتی ہے۔

## مصحفِ علی:

پہلے اس بات کی طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ حضرت علی کے مزعومہ مصحف کے متعلق گفتگو شیعہ کی سب سے پہلی وضع کردہ کتاب میں ذکر ہوئی ہے اور اہلِ سنت کے ہاں بھی اس کے بارے میں بعض روایات مذکور ہیں، لیکن یہ حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق صحیح نہیں۔ تاہم شیعہ کی کتابوں میں اس کا ایک دوسرا ہی رنگ ہے، جس طرح گزر چکا ہے، اس قوم نے اس مزعومہ مصحف کو بہت زیادہ موضوعِ سخن بنایا ہے، جو ان کے خیال کے مطابق کتاب اللہ میں بہت سے اضافوں پر مشتمل ہے۔

اس الزام کو پروان چڑھانے میں سب سے زیادہ ہاتھ شیعہ دین کے ثقہ عالم کلینی کا ہے، جس نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں اس عنوان ''مکمل قرآن صرف ائمہ نے جمع کیا ہے'' کے تحت ایک مخصوص باب قائم کیا ہے، اس میں اس نے چھے روایات درج کی ہیں۔ انہی میں سے ایک جابر جعفی سے مروی یہ روایت بھی ہے کہ اس نے ابو جعفر کو کہتے ہوئے سنا:

---

← مصحف کی شکل پر نہیں۔ مجھے پاکستان سے ایک مصحف موصول ہوا، جو شیعہ نے شائع کیا ہے، اس میں ناشر نے یہ تمام جھوٹی آیات بھر دی ہیں، لیکن اصل قرآنی نص تک ان کے ہاتھ نہیں پہنچے، بلکہ اس نے اس کو تفسیر جلالین کی طرز پر شائع کیا ہے، جس میں قرآنی نص درمیان میں ہے اور تفسیر حواشی میں۔

[1] البیان (ص: ۲۲۳)

''جس نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ اس نے سارا قرآن اس طرح جمع کیا ہے، جس طرح نازل ہوا، تو وہ کذاب ہے، کیوں کہ اس کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، حضرت علی اور ان کے بعد والے ائمہ کے سوا کسی نے حفظ اور جمع نہیں کیا۔''[1]

تفسیر قمی میں ہے، جو ان کے نزدیک کتبِ تفسیر کی بنیاد ہے:

''ابو جعفر سے مروی ہے، انھوں نے کہا: اس امت میں محمد ﷺ کے وصی (نامزد خلیفہ) کے سوا کسی نے بھی قرآن جمع نہیں کیا۔''[2]

کلینی کی روایت سے سمجھا جاتا ہے کہ ہر امام نے قرآن جمع کیا، گویا ہمارے سامنے ایک نہیں، بلکہ متعدد کتابیں ہیں، جب کہ قمی کی روایت اس کے متعارض ہے، جو حصر کے اسلوب میں ذکر کرتی ہے کہ حضرت علی کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا، پھر اس کے بعد وہ اپنی روایات اور ابواب میں ذکر کرتے ہیں کہ ائمہ کے سوا جو بھی جمعِ قرآن کا دعویٰ کرتا ہے، وہ کذاب ہے، حالانکہ ان کا یہ گمان بھی ہے کہ قرآن عہدِ نبوی میں مدون اور جمع ہوا تھا، وہ اس پر بحار الانوار میں مذکور ایک روایات سے استدلال کرتے ہیں،[3] تو کیا حسن و حسین اور دیگر ائمہ نے عہدِ نبوی میں اسے جمع کرنے کی ذمے داری نبھائی تھی؟ بعض کہانیاں ذکر کرتی ہیں کہ ایک شیعہ نے اس مزعوم مصحف کو دیکھا ہے، چناں چہ وہ روایت کہتی ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٢٨) دیکھیے اس روایت کو جابر جعفی نقل کرتا ہے، جو اہلِ سنت کے نزدیک کذاب ہے اور شیعہ کی کتابیں بھی یہ اعتراف کرتی ہیں کہ جابر کا جعفر کے ساتھ تعلق معروف نہیں۔ (دیکھیں: رجال الكشي، ص: ١٩١) یہ روایات اس کے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے، جس کو کلینی نے، جو اس کفر کی اشاعت کے لیے کام کرتا ہے، اچک لیا۔

اگر قرآن صرف حضرت علی نے جمع کیا تھا تو ان کا جمع کردہ قرآن کہاں ہے؟ اگر اس کو حضرت علی نے جمع کیا تھا، تو پھر بعد میں ائمہ کو جمع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ انھوں نے جمعِ قرآن میں ان کے ساتھ مشارکت کی تھی، تو وہ تو اس وقت تک وجود میں آئے ہی نہیں تھے۔ یہ جمع شدہ کتاب سامنے کیوں نہیں آئی اور مسلمانوں میں سے کوئی بھی اسے کیوں جانتا تک نہیں؟ اس جیسے الزام کی کیسے تصدیق کی جا سکتی ہے، جس کو جھوٹوں کی ٹولی نقل کرتی ہے اور وہ اس قرآنِ عظیم پر عمل کرنے اور اس کو فیصل تسلیم کرنے پر صحابہ کرام کے اجماع کا انکار کرتے ہیں، جن میں حضرت علی بھی شامل تھے، نیز مسلمانوں کے تمام امام جن میں ائمہ اہلِ بیت بھی شامل ہیں، انھی صحابہ کرام کے منہج پر گامزن تھے۔

یہ محض خرافات ہیں، جن کی حرص و ہوا سے محفوظ عقل کبھی تصدیق نہیں کر سکتی، نہ یہ اس دل میں داخل ہو سکتی ہیں، جس کو ایمان کی بشاشت نصیب ہو۔

[2] تفسير القمي (ص: ٧٤٤، ط: إيران) بحار الأنوار (٩٢/ ٤٨)

[3] دیکھیں: المرعشي: المعارف الجلية (ص: ٧)

''ابن عبدالحمید سے مروی ہے کہ میں ابوعبداللہ کے پاس آیا تو انھوں نے میرے سامنے ایک مصحف نکالا، میں نے اس کی ورق گردانی شروع کی تو ایک جگہ میری نظر پڑی، اس میں لکھا ہوا تھا: هذه جهنم التي كنتم بها تكذبان، فأصليا فيها لا تموتان فيها ولا تحييان'' (یہ ہے وہ جہنم جس کی تم دونوں تکذیب کرتے تھے، اس میں تم دونوں داخل ہو جاؤ، نہ زندہ رہو گے نہ مرو گے) مجلسی کہتا ہے: اس سے اس کی مراد دونوں پہلے ہیں۔''[1]

وہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے دو محبوبوں، آپ ﷺ کے دو سسر، آپ کے بعد میں دو خلیفہ، آپ کے دو وزیر اور نبیوں کے بعد بہترین اشخاص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو مراد لیتے ہیں۔ یہ روایت اگر ائمہ کے خواص کو اس مزعوم مصحف کو دیکھنے کی اجازت دیتی ہے تو کافی میں ایک دوسری روایت ہے، جو اس کی مخالفت کرتی ہے۔ اس میں احمد بن محمد بن ابونصر سے مروی ہے کہ ابوالحسن نے مجھے ایک مصحف دیا اور کہا: اس کو نہ دیکھنا، میں نے اس کو کھولا اور اس میں ''لم يكن الذين كفروا'' سے پڑھا، تو اس میں مَیں نے ستر قریشیوں کے ان کے باپوں کے ناموں کے ساتھ نام پائے۔ وہ کہتا ہے: پھر انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے مجھے پیغام بھجوایا کہ یہ مصحف مجھے بھیج دو۔[2]

اس روایت میں امام اپنے ایک خاص الخاص شخص کو مصحف بہ طورِ امانت دیتا ہے اور اس کو اس میں دیکھنے سے منع کرتا ہے، لیکن وہ اپنے امام کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کی امانت میں خیانت کرتے ہوئے اسے پڑھتا ہے اور اس کے بعض مندرجات کا انکشاف کرتا ہے۔ یہ مصحف جس کے متعلق یہ روایت گفتگو کر رہی ہے، خفیہ مصحف ہے، جو خواص و عام سے محجوب ہے، امام کے سوا اس کو کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ وہ ذکر کرتا ہے کہ اس کے موضوعات میں صحابہ کی تکفیر کا موضوع بھی شامل ہے۔

لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب نہیں، جو اس نے سارے انسانوں کے لیے نازل کی ہے، جس کی کئی آیات میں صحابہ کی مدح سرائی کی گئی ہے، بلکہ یہ وہ مصحف ہے، جس کو خفیہ انداز میں باطنی ہاتھ اپنے تک محدود و متداول رکھتے ہیں اور اس کی بعض روایات کو اہلِ بیت کو بدنام کرنے کے لیے ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ افسانہ ایک مرتبہ پھر سابقہ روایت کے بالکل مخالف اسلوب میں پیش کیا جا رہا ہے۔

---

1. بحار الأنوار (٩٢/ ٤٨)
2. أصول الكافي (٢/ ٦٣١)

چناں چہ "بصائر الدرجات"، میں بزنطی[1] سے مروی ہے، وہ ذکر کرتا ہے کہ رضا نے وہ مزعوم مصحف اس کے پاس بہ طورِ امانت رکھوایا، یہ بزنطی کہتا ہے: میں ایک دن اکیلا تھا، میں نے پڑھنے کے لیے مصحف کھولا، جب میں نے اس کو پھیلایا تو میں نے اس میں "لم یکن" کو دیکھا تو اس میں ہمارے پاس موجود سورت "لم یکن" سے کئی گنا زیادہ آیات تھیں، میں نے انھیں پڑھنا شروع کیا تو میں اس میں کسی چیز کو نہ جان سکا، میں نے قلم دوات پکڑ کر لکھنا چاہا، تاکہ ان کے بارے میں پوچھوں، تو اس سے پہلے کہ میں کچھ لکھتا، میرے پاس ایک مسافر آیا، جس کے پاس ایک رومال، مہر اور دھاگا تھا، اس نے کہا: میرے آقا تجھ کو حکم دیتے ہیں کہ مصحف کو اس رومال میں رکھو، اس پر مہر لگاؤ اور مہر کے ساتھ اس کو بھیج دو، تو میں نے ایسا ہی کیا۔[2]

یہ بزنطی اس روایت میں کہتا ہے کہ میں اس میں کسی چیز کو نہیں جان سکا، جب کہ اس سے پہلی روایت میں وہ کہتا ہے کہ اس میں اسے ستر قریشیوں کے ان کے باپوں کے ناموں سمیت نام ملے۔ رجال الکشی میں ایک تیسری روایت آئی ہے، جو اس کہانی کو تیسرا رنگ دیتی ہے:

"احمد بن محمد بن ابو نصر سے مروی ہے، اس نے کہا: جب ابو الحسن کو لایا گیا تو انھیں قادسیہ لے جایا گیا اور وہ کوفے میں داخل نہ ہوئے، بلکہ انھیں بصرہ کی بیرونی جانب سے لے جایا گیا۔ وہ کہتا ہے: میں قادسیہ میں تھا تو انھوں نے میرے پاس ایک مصحف بھجوایا، میں نے اس کو کھولا، میرے سامنے سورۃ "لم یکن" کھل گئی، تو یہ اس سے بہت زیادہ اور طویل تھی، جو لوگ پڑھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے: میں نے اس سے کئی چیزیں یاد کر لیں۔ وہ کہتا ہے: پھر ایک مسافر آیا، جس کے پاس رومال، مٹی اور مہر تھی، اس نے کہا: یہ مجھے دے دو۔ میں نے اس کو وہ مصحف دے دیا، تو اس نے اس کو رومال میں رکھا، اس پر مٹی رکھی اور اس کو بند کیا تو میں نے جو اس سے یاد کیا ہوا تھا، وہ میرے ذہن سے جاتا رہا، میں نے بڑی کوشش کی کہ اس میں کوئی ایک حرف ہی یاد کر سکوں، لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔"[3]

---

[1] سابقہ کہانی کا راوی بھی یہی بزنطی ہے، جو یہ کہانیاں روایت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب، صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ کے اقارب پر الزام تراشی کر رہا ہے، یہ ان کے ہاں ثقہ ہے (حالاں کہ اس نے اپنے امام کے حکم کی مخالفت اور اس کی امانت میں خیانت کی ہے) خوئی کی "معجم رجال الحدیث" میں مذکور ہے: "احمد بن محمد بن ابی نصر زید، سکونی کا غلام، ابو جعفر۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو علی، المعروف بزنطی۔ کوفی ہے، ثقہ ہے، رضا کے ساتھ اس کی ملاقات ہے، یہ ان کے ہاں بڑی قدر و منزلت کا مالک تھا، اس نے ان سے ایک کتاب بھی روایت کی ہے۔ یہ ۲۲۱ھ کو فوت ہوا" (معجم رجال الحدیث: ۲/ ۲۳۱)

[2] بصائر الدرجات (ص: ٢٤٦) عن بحار الأنوار (٩٢/ ٥١)

[3] رجال الكشي (ص: ٥٨٨۔ ٥٨٩)

یہ تینوں روایات بزنطی سے مروی ہیں۔ ”بصائر الدرجات“ کی روایت میں اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے جو پڑھا، اس سے کچھ بھی سمجھ نہ پایا، اس نے جو پڑھا تھا، اس کو لکھنا چاہا تو لکھنے سے پہلے ہی امام کا قاصد آ گیا۔

جبکہ ”رجال الكشي“ کی روایت میں مذکور ہے کہ اس نے جو پڑھا تھا، اس کا ایک حصہ یاد کر لیا تھا، لیکن جونہی مصحف ہاتھ سے چُھوٹا، یہ بھی ذہن سے اتر گیا، جب کہ کافی کی روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے جو پڑھا، اس کو وہ پہچانتا ہے اور جو حفظ کیا تھا، وہ اس کو یاد ہے اور وہ ائمہ کے قرشی دشمنوں کے متعلق ہے۔ ہر کہانی کی طرح اس کی عبارات میں بھی تعارض اور تضاد ہے۔ اگر اس میں سے کسی چیز کو لکھنا یا کسی حصے کو یاد کرنا مشکل ہے تو پھر یہ کہانیاں کس طرح یاد ہو گئیں اور لکھ لی گئیں؟ یہ سارے تخیلات اور افسانے ہیں، جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ شیعہ کی روایات کہتی ہیں کہ یہ مصحف ان کے امام منتظر کے پاس ہے۔ شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری کہتا ہے:

”یہ مشہور روایات ہیں کہ قرآن جس طرح نازل ہوا، اس کو امیر المومنین کے سوا کسی نے تالیف نہیں کیا ...اور وہ اب ہمارے آقا مہدی کے پاس آسمانی کتابوں اور انبیا کی وراثت کے ساتھ موجود ہے۔“ [1]

اس کے ساتھ ساتھ شیعہ کے ہاں پرانے مصاحف اس عقیدے کے ساتھ بھی مربوط ہیں کہ وہ حضرت علی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ ابن ندیم، جو شیعہ ہے، ذکر کرتا ہے کہ اس نے حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن دیکھا، جو حسن کی طرف منسوب گھروں میں سے ایک گھر کے پاس وراثتاً پہنچا ہے۔ [2]

ابن عنبہ، جو علوی النسب ہونے کا دعوے دار ہے، حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو مصاحف کا ذکر کرتا ہے، ایک تین جلدوں میں ہے اور دوسرا ایک جلد میں، جس کو اس نے خود دیکھا تھا، لیکن وہ دونوں، جب مشہد میں آگ لگی، تو جل گئے۔ [3]

شیعہ کے ایک بڑے معاصر عالم ابوعبداللہ زنجانی کا کہنا ہے:

”میں نے ذوالحج ۱۳۵۳ھ میں نجف میں دار الكتب العلوية میں کوفی خط میں لکھا ہوا ایک مصحف دیکھا، جس کے آخر میں لکھا ہوا تھا: اس کو علی بن ابی طالب نے ۴۰ھ کو لکھا۔“ [4]

اس لیے مرزا مخدوم شیرازی، جو شیعہ کے درمیان رہے اور ان کی بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا، ذکر کرتا ہے:

---

[1] الأنوار النعمانية (٢/ ٣٦٠۔ ٣٦٢)

[2] الفهرست (ص: ٢٨)

[3] عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب (ص: ١٣٠۔ ١٣١)

[4] الزنجاني: تاريخ القرآن (ص: ٦٧۔ ٦٨)

''طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو تحریفِ قرآن کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف بہت سارے مصاحف کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حضرت علی اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ائمہ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں اور ان میں وہی ہے، جو سارے متواتر مصاحف میں مذکور ہے، جو نا قابلِ شمار ہیں۔''[1]

ایسے ہی اس مزعوم مصحفِ علی کے مشاہدات ان کے اس دعوے کے متناقض ہیں کہ وہ مصحف جو حضرت علی نے لکھا تھا، وہ ان کے مہدی منتظر کے پاس ہے۔ بلاشبہہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مصحف کے علاوہ، جس پر صحابہ کا اجماع ہے، نہ کسی اور کو پڑھتے تھے، نہ کسی اور کے مطابق فیصلے ہی کرتے تھے، اس بات کا خود شیعہ کی کتابوں کو بھی اعتراف ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔[2]

اس لیے ابن ابی داود نے سوید بن غفلہ کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہ کہو۔ خدا کی قسم! انھوں نے مصاحف کے بارے میں جو کیا ہے، ہماری مشاورت کے ساتھ کیا ہے۔''[3]

یہ بات خود شیعہ کی کتابوں نے بھی نقل کی ہے، جس طرح آگے ذکر ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قرآن جمع کیا تو ہر افق (علاقے) میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیجا اور اس کے سوا ہر صحیفے یا مصحف میں موجود قرآن کو جلانے کا حکم دیا۔[4]

شاید یہ نص ان کے دعوے کے مطابق حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے کے وجود کی نفی کرتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ملاحظہ ہے کہ مشہور قراء کے درمیان ایسے قراء بھی ہیں، جن کی سندِ قراءت ائمہ اہلِ بیت تک پہنچتی ہے۔ اس بنیاد پر ڈاکٹر عبد الصبور شاہین نے اسی سے اہلِ بیت کی براءت اور شیعہ کے دعووں کے جعلی پن پر استدلال کیا ہے۔

سات مشہور قراء میں حمزہ زیات کا بھی شمار ہوتا ہے اور ان کی قراءت کی سند اس طرح ہے:

---

[1] النواقض (الورقة: ١٠٤، مخطوط)

[2] دیکھیں (ص: ۲۲۸)

[3] فتح الباري (١٣/ ١٨)

[4] صحيح البخاري مع فتح الباري (١٣/ ١١)

''حمزہ زیات، جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے محمد باقر کو قرآن پڑھ کر سنایا، انھوں نے زین العابدین کو پڑھ کر سنایا، انھوں نے اپنے باپ حضرت حسین کو سنایا اور انھوں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن پڑھ کر سنایا۔''[1]

آلِ بیت کے یہ نیک لوگ مصحفِ امام پر مسلمانوں کے اجماع سے خارج نہیں ہوئے۔ (مصحفِ امام سے مراد حضرت عثمان کا مصحف ہے) ان کے اس پر راضی ہونے کی یہ علامت ہے کہ وہ اس کے مندرجات میں کسی کمی بیشی یا کسی ایسے دعوے کے بغیر جو کتاب اللہ کے کمال کو بدنیتی کے ساتھ چھوتا ہے، لوگوں کو پڑھاتے رہے ہیں۔[2]

ڈاکٹر محمد بلتاجی کہتے ہیں:

''ہم اس کے ساتھ اس بات کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قراءتِ قرآن امام باقر کے بھائی اور امام صادق کے چچا زید بن علی کے طریق سے بھی مروی ہے اور اس بات کا خود اثنا عشریہ امامیہ اعتراف کرتے ہیں۔''[3]

میں کہتا ہوں: میں یہاں شیعہ عالم مجلسی کے ایک دوسرے اقرار اور اعتراف کا اضافہ کرتا ہوں، چناں چہ وہ کہتا ہے:

''ساتوں قراء ان (حضرت علی) کی قراءت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حمزہ اور کسائی تو حضرت علی کی قراءت پر اعتماد کرتے ہیں، البتہ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو کی اکثر قراءات ابن عباس کی طرف لوٹتی ہیں اور ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت علی کو قرآن پڑھ کر سنایا اور ان قراء کی جو قراءت ابی کی قراءت کے مخالف ہے، وہ بھی حضرت علی کی قراءت سے ماخوذ ہے۔ تاہم عاصم نے ابو عبدالرحمٰن السلمی سے قراءتِ قرآن کا علم حاصل کیا۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی کہتے ہیں: میں نے سارا قرآن حضرت علی کو پڑھ کر سنایا۔

''وہ کہتے ہیں کہ سب قراءتوں میں زیادہ فصیح عاصم کی قراءت ہے، کیوں کہ انھوں نے اصل پیش کیا

---

[1] عبد الصبور شاهين: تاريخ القرآن (ص: ١٧٠)

[2] المصدر السابق (ص: ١٦٥)

[3] مناهج التشريع الإسلامي (١/ ١٨٩) بحواله تأسيس الشيعة لعلوم الإسلام (ص: ٢٨٥، ٣٤٣) و الفهرست للطوسي (ص: ١١٥)

کہ جہاں دوسرے ادغام کرتے ہیں، وہ وہاں اظہار کرتے ہیں اور جہاں دوسرے ہمزہ کو لین کرتے ہیں، وہ ہمزہ کو باقی رکھتے ہیں۔ قرآن میں کوئی عدد (آیات شمار کرنے کا کوئی طریقہ) حضرت علی کی طرف منسوب ہے، ان کے علاوہ صحابہ میں سے کسی کی طرف قرآنی آیات کی تعداد منسوب نہیں، بلکہ ہر علاقے میں بعض تابعین سے یہ تعداد لکھی گئی ہے۔''[1]

بلکہ وہ کہتے ہیں، جس طرح ان کے عالم علی بن محمد طاؤس علوی فاطمی نے اپنی کتاب ''سعد السعود'' میں ذکر کیا ہے:

''پھر حضرت عثمان آئے اور انھوں نے ہمارے آقا علی بن ابی طالب کی رائے کے مطابق مصحف جمع کیا۔''[2]

وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے مزید کہا:

''لوگو اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! حضرت عثمان کے بارے میں غلو کرنے اور مصحف جلانے والے کا لقب دینے سے باز آؤ۔ خدا کی قسم! انھوں نے ان مصاحف کو اصحابِ رسول کی مشاورت کے ساتھ جلایا تھا۔''[3]

بلکہ شیعہ اس سے بھی زیادہ کہتے ہیں:

''اہلِ بیت سے منقول ہے کہ حضرت عثمان نے جب صحابہ کا قراءتِ قرآن میں اختلاف دیکھا تو حضرت علی سے مصحفِ فاطمہ منگوایا، جس کو انھوں نے اپنے والد (ﷺ) کے حکم سے مدون کیا تھا اور صحابہ کے پاس جو دیگر مصاحف تھے، انھیں اس کے مطابق بنایا۔ جو مصحفِ فاطمہ کے مطابق تھے، انھیں شائع کر دیا اور جو اس کے مطابق نہیں تھے، انھیں جلا دیا، لہٰذا اس بنیاد پر یہ مصحف جو آج ہمارے پاس ہے، یہ حقیقت میں مصحفِ فاطمہ ہے، مصحفِ عثمان نہیں اور عثمان اس کے شائع کرنے والے تھے نہ کہ مدون اور مرتب۔''[4]

کیا یہ ساری باتیں ان کے تمام دعاویٰ کو منہدم نہیں کرتیں؟ بلکہ یہ ان کی روایات میں اختلاف اور تناقض کی دلیل ہے اور یہ تناقض اس مذہب کے بطلان کی نشانی ہے۔

---

[1] بحار الأنوار (۹۲/ ۵۳۔ ۵٤) مناقب آل أبي طالب (۲/ ٤۲۔ ٤۳)
[2] عن تاريخ القرآن للزنجاني (ص: ٦٧) یہ ایک معاصر اثنا عشری عالم ہے۔
[3] المصدر السابق (ص: ٦٨)
[4] المرعشي: المعارف الجلية (ص: ۲۷)

اس آخری روایت سے چھلکتا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ ان کی طرف سے اس عقیدے سے (جب یہ ان کے لیے عار، ذلت، دشمنوں کے مذاق اور مذہب کے نقصان کا باعث بنا، لیکن کتاب اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا) رجوع کی ایک کوشش ہے، لیکن اس عقیدے سے رجوع ان کو ایک دوسرے تناقض میں دھکیل دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ قرآنِ عظیم ہم تک حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور ان کے ساتھیوں کی سند سے پہنچا ہے اور یہ لوگ شیعہ مذہب میں لعنت اور تکفیر کے سزاوار ہیں۔ لہٰذا ایک ہی وقت میں ایک ہی دل اور عقل میں سلامتِ قرآن اور جامعینِ قرآن کی خیانت کا عقیدہ کیوں کر سما سکتا ہے؟ شاید انھوں نے یہ آخری بات کہ حضرت عثمان نے ان مصاحف کا حضرت فاطمہ کے مزعومہ مصحف کے ساتھ تقابل کیا، اس تنگنائے سے نکلنے کے لیے تراشی ہو؟

لیکن یہ بات انھیں ایک تیسرے تناقض کا شکار بنا دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات ان کی ان روایات کے مخالف ہے، جو کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہ کا مصحف موجودہ قرآن سے مختلف ہے، جس طرح آگے ذکر ہوگا۔[1]

جب کہ حضرت عثمان سے جو بات ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ ''ہمیں مصحف بھیج دیں، ہم اس سے مصاحف کی نقلیں تیار کریں گے، الخ۔''[2]

لیکن انھوں نے اپنی عادت کے مطابق یہ بات حضرت فاطمہ کے لیے قرار دے دی، جس طرح وہ احادیث میں تبدیلی کر کے اور ان کو اپنی کتابوں میں اپنے ائمہ کے نام لگا کر صحابہ اور انبیا کے فضائل کو بارہ اماموں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ البتہ قرآنی آیات میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ان کی باطنی تاویل کرتے ہیں یا پھر ان میں تحریف کا دعویٰ کرتے ہیں، جس طرح ہم نے دیکھا ہے۔

## شیعہ کی کتابوں میں اس افسانے کی روایات کا حجم اور ان کے نزدیک ان کی قدر و قیمت:

ہم نے دیکھا ہے کہ شیعہ کی اکثر کتابیں اس بدبودار جوہڑ میں ڈوبی ہوئی اور اس خطرناک گڑھے میں گری ہوئی ہیں۔

اس سقوط کی کیا مقدار اور کیا معیار ہے؟ کیا یہ سیاہ روایات، جو اس قوم کی کتابوں اور حدیث کے مآخذ میں سرایت کر چکی ہیں، تاکہ ان کی طرف میلان رکھنے والوں کو ذلت اور رسوائی کی پوشاک پہنا دیں اور اس کے ہاتھ سے اسلام کے ساتھ باقی ماندہ تعلق کو بھی چھین لیں۔ کیا یہ روایات صرف اس قوم کی کتابوں میں شامل اور

---

[1] مصحفِ فاطمہ سے متعلق تفصیلی گفتگو کے لیے اسی کتاب کا مبحث ''کتابوں پر ایمان'' ملاحظہ کریں۔

[2] دیکھیں: صحيح البخاري مع فتح الباري (١٣/ ١١)

داخل کردہ شاذ روایات ہیں، جن کو ان کے محققین اور مفکرین نے قبولیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا، اور کیا یہ صرف اس وجہ سے ان کی کتابوں میں داخل ہوچکی ہیں کہ شیعہ کی صفوں میں، کتبِ شیعہ کے مطابق، ائمہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والوں کی کثرت ہوگئی اور ہر وہ شخص جو اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف کوئی سازش بنا چاہتا تھا، وہ شیعیت کی پیٹھ پر سوار ہوکر آیا، جس طرح تاریخی حقائق و واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں؟!

ہم نے دیکھا ہے کہ اس کہانی کا آغاز ہمارے پاس کتاب سلیم بن قیس کے مطبوعہ نسخے کے مطابق، اس میں مذکور دو روایات سے ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کی روایات میں اضافہ اور اس میں وسعت پیدا ہونے لگی۔

اس الزام کے کفر اور بوجھ کا بیڑا شیعہ عالم علی بن ابراہیم قمی نے اٹھایا، اس نے اس موضوع پر روایات کی بھرمار کر دی اور اپنے مقدمے میں صراحتاً لکھا کہ یہ بہت زیادہ ہیں۔ نیز اس کے ہاں اس بے سروپا کہانی کی عملی شکل کا آغاز ہوا، جس طرح گزر چکا ہے۔

یہ بھی ملاحظہ کیا گیا ہے کہ کافی کے مولف کلینی کی اکثر روایات اسی قمی سے لی گئی ہیں، جس نے ہر مجرم الزام تراش سے ان روایات کو اچک لیا اور اپنی تفسیر میں درج کر دیا، جو تمام شیعہ کے ہاں قابلِ احترام ہے۔[1]

حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اس کی تفسیر کے متعلق کہا ہے:

''اس کی ایک تفسیر ہے، جس میں بہت زیادہ مصیبتیں ہیں۔''[2]

تیسری صدی میں غالی شیعہ کے حلقوں نے اس موضوع پر روایت گھڑنے کے کارخانے لگائے ہوئے تھے، حتی کہ ان کا عالم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ)، جس کو یہ ''رکنِ اسلام'' اور ''آیت اللہ الملک العلام'' کا لقب دیتے ہیں، اپنے گروہ اثنا عشریہ کے ہاں ان کی کثرت اور شہرت کی گواہی دیتے ہوئے کہتا ہے:

> ''ائمہ ہدایت سے قرآن کریم میں اختلاف اور بعض ظالموں کی طرف سے اس میں حذف اور کمی کرنے کے متعلق مشہور روایت منقول ہیں۔''[3]

یہ استفاضہ اور شہرت اہلِ بیت پر وضع اور جھوٹ بافی کا نتیجہ ہے، جو تیسری صدی میں ان کے علما کی ایک ٹولی کے ہاتھوں سرگرم رہا۔ اگر اہلِ بیت کے پاس اس کے سوا کوئی چیز ہوتی تو وہ اس کی تلاوت کرتے، لوگوں کے سامنے اسے پیش کرتے اور ان کے لیے اسے چھپانا ممکن نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ اہلِ بیت نے، شیعہ کے

---

[1] دیکھیں: مقدمہ کتاب۔

[2] دیکھیں: میزان الاعتدال (۳/ ۱۱۱) و لسان المیزان (٤/ ۱۹۱)

[3] أوائل المقالات (ص: ۹۸)

اعتراف کے ساتھ، کتاب اللہ کے سوا کسی چیز کی تلاوت نہیں کی، تو معلوم ہوا کہ وہ اس الزام سے بَری ہیں اور وہ دین جس میں باطل مشہور ہے، وہ خود باطل ہے۔

مفید کہتا ہے کہ یہ کفر اس کے گروہ میں مستفیض اور مشہور ہے، جب کہ اس کا استاذ ابن بابویہ کہتا ہے:

''جس نے شیعہ کی طرف اس جیسا قول منسوب کیا، وہ کذاب ہے۔''[1]

شریف مرتضیٰ جو مفید کا معاصر بلکہ اس کا شاگرد ہے، کہتا ہے:

''اس سلسلے میں ان کی روایات کی کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ یہ ضعیف روایات ہیں، اور ایسی بات کو چھوڑ کر جو معلوم اور قطعی طور پر صحیح ہے، ان کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔''[2]

تو کیا ان میں ہر ایک عالم شیعہ ہوتے ہوئے کسی ایک مکتبہ فکر یا گروہ کی نمایندگی کرتا ہے، یا وہ تقیے کی وجہ سے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں، یا انھوں نے اپنا یہ بڑا محکم پروگرام اور عزم مصمم کیا ہوا ہے کہ ہر موقع کی مناسبت سے یہ دو مختلف اور متعارض آوازیں بلند کریں گے، تا کہ کوئی بھی ان کے مذہب کی حقیقت سے آشنا نہ ہو سکے؟

اسی لیے ہم چھٹی صدی میں طبرسی صاحبِ تفسیر کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس عقیدے کا انکار کرتا ہے اور اس کا معاصر دوسرا طبرسی ''الاحتجاج'' کا مصنف صریحاً اس کفر کا اعلان و اقرار کرتا ہے اور اپنی اس کتاب میں اس موضوع کی دسیوں روایات ذکر کرتا ہے، بلکہ یہ موقف رکھتا ہے کہ جو عقیدہ اس نے پیش کیا ہے، وہ اس کے فرقے میں محلِ اجماع یا مشہور ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، یا یہ احتمال ہے کہ یہ روایات آخری زمانوں میں وضع کی گئیں اور ان کے قدیم علما کی طرف منسوب کر دی گئیں، تا کہ انھیں کم عقل پیروکاروں کا اعتماد حاصل ہو جائے؟ یہ تحقیق ان شاء اللہ آگے ذکر ہوگی کہ یہ انکار تقیے کی بنیاد پر ہے یا حقیقت پر مبنی ہے؟

مزید برآں دولت صفویہ کے سائے میں اس کہانی کی روایات بہ کثرت وضع کی گئیں اور تیسری چوتھی صدی ہجری کے شیعہ علما جیسے قمی، کلینی، مفید، فرات کوفی وغیرہ نے جو کچھ رقم کیا تھا، اس سے ان کا حجم اتنا زیادہ بڑھ گیا کہ مجلسی، بحار کے مصنف، نے یہ گواہی پیش کی کہ ان کی اس موضوع پر روایات امامت کی روایات کے مشابہ ہوگئی ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''میرے نزدیک اس باب کی روایات معنی کے اعتبار سے متواتر ہیں اور ان تمام کو پھینک دینا اصلاً روایات سے اعتماد اٹھانے کا باعث ہوگا، بلکہ میرا یہ گمان ہے کہ اس باب کی روایات امامت کی

---

[1] دیکھیں (ص: ۲۴۵)

[2] دیکھیں: مجمع البیان (۱/ ۳۱)

روایات سے کم نہیں۔‘‘[1]

یہ مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) کی اس کہانی کی روایات کی ضخامت کے متعلق شہادت ہے، جس کے متعلق سلیم بن قیس کی کتاب میں صرف دو روایات تھیں، جب کہ ابن بابویہ قمی (المتوفی ۳۸۱ھ) کے ہاں اس کی شاید کوئی ایک روایت بھی نہ ہو، بلکہ اس نے کہا ہے کہ جس نے شیعہ کی طرف اس جیسے قول کی نسبت کی، وہ جھوٹا ہے، نیز شیعہ عالم طوسی نے بھی اس کی شیعہ کی طرف نسبت سے انکار کیا ہے۔[2] لیکن ’’فصل الخطاب‘‘ کے مولف نوری طبرسی نے طوسی کے کلام سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی بھی وسیلہ ڈھونڈنے کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی اور آخر کار یہ بات کہی:

’’طوسی اپنے اس انکار (تحریفِ قرآن کے انکار) میں معذور ہے، کیوں کہ اس کے پاس یہ کتابیں بہت تھوڑی تھیں، اس لیے اس کی تلاش اور جستجو بھی تھوڑی تھی۔‘‘[3]

یہ عذر خواہی ’’فصل الخطاب‘‘ کے مولف کے قطعاً موافق نہیں، جو یہ چاہتا ہے کہ تمام شیعہ کو تحریفِ قرآن میں اپنے موقف کا قائل قرار دے دے، کیوں کہ طوسی اپنے زمانے کا بہت بڑا شیعہ عالم ہے، یہ ان کی حدیث میں چار معتبر کتابوں میں سے دو اور چار رجال کی معتبر کتابوں میں سے دو کا مولف ہے، لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو قلتِ جستجو یا قلتِ کتب کا طعنہ دیا جائے، جس طرح اس طبرسی کا کہنا ہے۔

بلکہ ہم طوسی کے اس قول کو اہم گواہی اور تاریخی وثیقے کے طور پر لیتے ہیں، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کہانی کی تخلیق اتنی وسعت اور اس موجودہ سطح تک صرف دولت صفویہ کے سائے میں پھیلی، لہٰذا یہ بات بعید از امکاں نہیں کہ اس مقصد کے پیشِ نظر ان روایات میں سے کچھ روایات کو ان کے قدیم علما کی طرف منسوب کر دیا جائے، خصوصاً جب اس بات کے شواہد بہت زیادہ ہیں کہ شیعہ میں جھوٹ عام اور بہت زیادہ ہے، جس طرح اہلِ سنت کی کتابیں گواہی دیتی ہیں اور شیعہ کی کتابیں بھی اس کا اقرار کرتی ہیں، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔[4]

اس کے ساتھ دولت صفویہ کے علما کی ان روایات کی ان کے زمانے میں بہ کثرت ہونے کی گواہیاں بھی بہت زیادہ ہیں، جس طرح مجلسی نے گواہی دی ہے، اسی طرح ان کے ایک دوسرے عالم نعمت اللہ جزائری نے

---

[1] مرآة العقول (٢/ ٥٣٦)

[2] دیکھیں: تفسیر التبیان (١/ ٣)

[3] فصل الخطاب (الورقة: ١٧٥) النسخة المخطوطة.

[4] دیکھیں: ’’سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ‘‘ (ص: ٣٣٥)

بھی جو مجلسی کا ہم عصر، اس کا شاگرد[1] اور شیعوں میں ثقہ اور قابلِ احترام ہے،[2] گواہی دی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار احادیث سے زیادہ ہیں۔''[3]

ایسے ہی وہ ان کہانیوں اور کتاب اللہ کو میزان کے پلڑے میں رکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ قرآن کے محفوظ رہنے کا قول ان کی روایات میں اعتبار کو زائل کرنے کا سبب ہے۔ وہ اپنے متقدم علما کے سات قراءتوں کے متواتر ہونے کے قول کی تردید میں کہتا ہے:

''ان تمام کے تواتر کو وحی الٰہی تسلیم کرنا اور تمام کو جبرائیل کے لے کر آنے کا اعتقاد رکھنا، ان صریح مشہور بلکہ متواتر روایات کو پھینکنے کا باعث ہوگا، جو قرآن میں تحریف کے وقوع کا ذکر کرتی ہیں۔''[4]

اس کا مطلب ہوا کہ ان روایات اور خرافات کی حرمت اور سلامتی کی حفاظت قرآن کریم کی صیانت اور حفاظت کے قول سے زیادہ اولیت رکھتی ہے!!

بعینہ یہی بات ان کے عالم مجلسی نے بھی کہی ہے کہ تحریف کی تمام روایات کو پھینک دینا اصلاً روایات سے اعتماد کو ختم کر دینے کا باعث ہوگا، جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

اس گروہ کی نگاہ میں یہ مشکل اختیار ہے۔ کیا یہ اپنی ان تمام روایات سے محروم ہو جائیں گے، جو ان کے دین کی جان، خمس کے نام پر چندہ گر رہنے کا سبب اور امام کی نیابت کے نام پر تقدس اور بزرگی کا ذریعہ ہیں؟ کیا یہ ان تمام فوائد سے محروم ہو جائیں گے یا قرآن میں تبدیلی کا قول اپنا کر مسلمانوں کی طرف سے تکفیر کا جرم کمائیں گے، جس کے بعد ان کے لیے اپنے دین کی تبلیغ میں صعوبت، پیروکاروں میں کمی اور مادی فوائد میں قلت جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا؟

ان ''علما'' کے سامنے یہ ایک مشکل اختیار ہے۔ کیا یہ لوگوں کے سامنے دو نقطہ ہائے نظر پیش کر کے اس مسئلے سے نکلتے ہیں یا تقیے کی گود میں پناہ لیتے ہیں، یا پھر احوال و مواقع کی مناسبت کا خیال رکھتے ہیں؟ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ دولت صفویہ کے علما اس کفر کی صراحت کرنے میں زیادہ جرأت مند ہیں، کیوں کہ ان کی تائید کرنے والی حکومتی قوت موجود تھی، اس لیے تقیے کے احکام ختم ہوگئے اور اس کفر کے تواتر کے متعلق ان کے

---

[1] الأنوار النعمانية (٤/ ٢٣٢)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٢٢٨) دیکھیں۔

[3] دیکھیں: فصل الخطاب (الورقة: ١٢٥) النسخة المخطوطة و (ص: ٢٥١) من المطبوعة.

[4] الأنوار النعمانية (٢/ ٣٥٦۔ ٣٥٧)

اقوال کی کثرت ہوگئی، حتی کہ ان کے ایک عالم ابوالحسن شریف نے، جو مجلسی کا شاگرد ہے، کہا ہے:

''اس (تحریفِ قرآن کے عقیدے) پر شیعہ مذہب کے ضروری اور بنیادی مسائل میں داخل ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔''[1]

شیعہ کے ثقہ عالم محمد صالح مازندرانی (المتوفی ۱۰۸۱ھ) کا کہنا ہے:

''قرآن میں کچھ اِسقاط اور تحریف ہماری معنوی طور پر متواتر سندوں سے ثابت ہے، جو بھی (ان شیعہ کی) کتبِ حدیث پر از اول تا آخر غور کرتا ہے، اس کے سامنے یہ بات ظاہر ہوگی۔''[2]

شیعہ عالم محسن کاشانی کا قول ہے:

''اہلِ بیت کی سند سے روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، وہ حضرت محمد ﷺ پر نازل شدہ قرآن کی طرح مکمل نہیں، بلکہ اس میں کچھ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے مختلف ہے اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور کچھ تبدیل اور تحریف شدہ ہے، اس سے بہت ساری چیزیں حذف ہیں، جیسے بہت ساری جگہوں پر حضرت علی کا نام اور اس کے علاوہ بھی چند چیزیں ہیں، نیز یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں پسندیدہ ترتیب کے مطابق بھی نہیں۔''[3]

اس عرصے میں ان کے علما نے ان کے ہاں روایات اور اخبار کے حکم میں جو ذکر کیا، یہ اس کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک خطرناک گواہی ہے، جو ان کے نزدیک اس الزام کے متواتر اور کتابوں میں مشہور ہونے کو یقینی طور پر ثابت کرتی ہے۔

یہ یقیناً ان کی تمام روایات کے باطل ہونے کی دلیل ہے، چونکہ ان کے نزدیک یہ جھوٹ تواتر کی حد تک پہنچ چکا اور ان کی کتابوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کی تمام روایات ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ہر وہ شخص جو اس مذہب کا قائل ہے، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں، ان کا دین ائمہ کا دین نہیں، بلکہ وہ مجلسی، قمی، کلینی یا عیاشی وغیرہ کا دین ہے۔

یہ لوگ ان تمام ملحدین کی طرح ہیں، جو تاریخِ اسلامی میں ظاہر ہوئے۔ یہ گروہ جنھوں نے اپنی اسلام دشمن حقیقت پر ڈالا تھا، اس دعوے کی وجہ سے اٹھ چکا ہے اور وہ روایات جن کی انھوں نے دروغ بافی کرتے ہوئے اہلِ بیت کی طرف نسبت کی تھی، اس علانیہ کفر کی وجہ سے ان کا جھوٹ اور جعلی پن کھل کر سامنے آ چکا ہے۔

---

[1] مرآة الأنوار (ص: ٤٩)

[2] المازندراني: شرح جامع على الكافي (١١/ ٧٦)

[3] تفسير الصافي (١/ ٤٩)

صدیوں سے، خصوصاً عہدِ دولت صفویہ میں جاری احادیث وضع کرنے کی اس تحریک کی بنیاد پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شیخ شیعہ، ماہر رجال، محدث، ان کے آخری حدیثی مجموعہ ''مستدرک الوسائل'' کا مصنف محمد حسین آلِ کاشف الغطا اور آغا بزرگ طہرانی جیسے شیعہ کے معتبر علما کا استاذ حسین نوری طبرسی یہ موقف رکھتا ہے کہ متواتر ہونے کی بنا پر ان کی سندوں پر نظر ڈالنا مناسب نہیں۔ وہ کہتا ہے:

''ان بہت زیادہ روایات کی سند ملاحظہ کرنا، ان میں معنوی تواتر کے سدباب کا ذریعہ ہوگا، بلکہ یہ وسوسات کے زیادہ مشابہ ہے، جس سے پناہ مانگنا ضروری ہے۔''[1]

عراق وغیرہ میں آج کا شیعہ مرجعِ تقلید خوئی کا کہنا ہے:

''اہلِ بیت کے طریق سے (تحریفِ قرآن کے متعلق) کی کثرت قطعی طور پر یہ ثابت کرتی ہیں کہ ان میں سے کچھ ضرور معصوموں سے صادر ہوئی ہیں اور یہی اطمینان کافی ہے، بلکہ ان میں سے کچھ تو معتبر سند کے ساتھ مروی ہیں۔''[2]

شیعیت اور شیعہ علما کے اساطین کے ان اعتراضات کے بعد ان لمبے چوڑے دعووں کو پڑھنے والے کے لیے کیا اس میں کسی قسم کا شک باقی رہ جاتا ہے کہ یہ قوم اندھیرے گڑھے اور بدبودار جوہڑ میں گر چکی ہے؟

ایک مسلمان کتنا رنجیدہ خاطر ہوتا ہے، جب وہ یہ ظلمت پر مبنی کلمات پڑھتا ہے اور اس کو اس قوم پر کتنا ترس آتا ہے، جو اپنے دین میں ایسی کتابوں پر اعتبار کرتے ہیں، جو اس تلچھٹ پر مشتمل ہے اور ایسے علما پر اعتماد کرتے ہیں، جو اس کفر کا علانیہ اظہار کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی جانیں شیطان کے ہاتھوں فروخت کر دی ہیں اور اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں گروی رکھ دیا ہے۔

لیکن کیا تمام شیعہ اس اندھیری راہ کے مسافر ہیں؟ کیا وہ تمام اس کفر و الحاد کے قائل ہیں۔ درج ذیل پیراگراف میں ہم اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔

## کیا تمام شیعہ ان روایت کی صحت اور تواتر کے قائل ہیں؟

ہم نے دیکھا کہ شیعہ کی اکثر کتابیں اس اندھے گڑھے میں گری ہوئی ہیں۔ ہم نے ان روایات کے مضامین کا کچھ حصہ پیش کیا ہے، جس سے ان کی صورت اور حقیقت واضح ہوتی ہے، اس کے بعد ہم نے ان

---

[1] فصل الخطاب (الورقة: ١٢٤) النسخة المخطوطة.

[2] الخوئي: البيان (ص: ٢٢٦)

روایات کی مقدار اور حجم اور اسنادی قدر و قیمت جاننے کی کوشش کی اور ہم نے دیکھا کہ شیعیت کے کاریگروں نے صدیوں تک عمداً اس کہانی کے متعلق رایات وضع کرنے اور ان کی تعداد بڑھانے کے لیے کام کیا، حتی کہ ان کے معتبر علما کے ایک گروہ نے ان کے مشہور اور متواتر ہونے کا اعتراف کیا اور کہا کہ ان کی سند میں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تمام شیعہ علما ان کے ساتھ اس حکم میں متفق ہیں؟

شیعہ عالم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) اپنی کتاب "أوائل المقالات" میں جو ان کی شیعہ معاصر علما کے اعتراف کے مطابق معتبر کتاب ہے،[1] لکھتا ہے:

''ان (امامیہ) کا اتفاق ہے کہ ائمہ ضلال نے قرآنِ کریم کی تالیف میں بہت زیادہ چیزوں میں اختلاف کیا اور اس میں قرآن اور سنتِ رسول کے تقاضے سے انحراف کیا اور معتزلہ، خوارج، زیدیہ، مرجیہ اور محدثین کا امامیہ کے خلاف اجماع ہے۔''[2]

یہ شیعہ عالم مفید کی ایک اہم گواہی اور صریح اعتراف ہے کہ تمام اسلامی فرقے اس کفر کے شکار نہیں ہوئے، جس کا اس کا فرقہ شکار ہوا۔ یہ ایک ایسی گواہی ہے، جو ان رافضہ کے منہ بند کر دیتی ہے، جو بزدلانہ سوچ کے تحت اس کفر کے اِثبات کے لیے جھوٹے طریقے سے اس کی اہلِ سنت کی طرف نسبت کر کے اہلِ سنت کو چپ کروانے کی ننگی کوشش کرتے ہیں۔

اہلِ سنت کی اس کفر سے براءت اس اعتراف کی محتاج نہیں، لیکن ہم نے یہ بات صرف اس لیے ذکر کی ہے، کیوں کہ یہ مخالف کے منہ سے نکلی ہے اور مخالف کا انصاف موافق کے انصاف سے زیادہ پر اثر ہوتا ہے، نیز یہ اور اس جیسی باتیں ان افترا پردازوں کو بھی چپ کروا دیتی ہیں، جو جھوٹ گھڑتے ہیں اور ایمان نہیں رکھتے۔

ایسے ہی شیعہ عالم مفید یہ اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس واضح کفر پر اس کے گروہ کا اجماع ہے، اس نے اس سلسلے میں اپنے علما کے مابین اختلاف کے وجود کا ذکر نہیں کیا! حالاں کہ اس کے استاذ ابن بابویہ قمی المشہور صدوق (المتوفی ۳۸۱ھ) نے اپنے رسالے "الاعتقادات"[3] میں اس کا انکار کیا ہے اور شیعہ کی طرف اس اعتقاد کی نسبت سے بھی انکار کیا ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

---

[1] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١٤)

[2] أوائل المقالات (ص: ١٣)

[3] الاعتقادات (ص: ١٠١۔ ١٠٢)

شریف مرتضیٰ[1] (المتوفی ۴۳۶ھ) اور طوسی[2] (المتوفی ۴۵۰ھ) نے بھی اسی کا موقف اپنایا ہے اور یہ دونوں مفید کے شاگرد ہیں۔ چوتھا طبرسی (المتوفی ۵۴۸ یا ۵۶۱ھ) ہے۔

مفید نے اپنے استاذ قمی کا اختلاف کیوں ذکر نہیں کیا؟ کیا مفید کا تجاہل اس اطمینان کے ساتھ تو نہیں کہ اس کی مخالفت تقیے کی وجہ سے تھی؟ یا اس کی کوئی اور وجہ ہے؟ یہی نہیں، بلکہ مفید نے خود اسی کتاب میں یہ ذکر کیا ہے کہ امامیہ کے ایک گروہ نے اس کا انکار کیا ہے۔[3]

مفید کے دعوے کی طرح نوری طبرسی بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ شیعہ کا اس کفر پر اجماع ہے، یہاں تک کہ ابن بابویہ قمی آیا اور اس نے اس میں اختلاف کیا۔ وہ کہتا ہے:

''ابن بابویہ قمی وہ پہلا شخص ہے، جس نے اپنی کتاب "الاعتقادات" میں یہ نیا قول پیش کیا۔''[4]

شاید قاری اس طبرسی کی کوشش کا مقصد بھانپ لے، جو اس نے یہ ثابت کرنے کے لیے کی ہے کہ شیعہ ابتدا ہی سے اس (تحریف) مذہب پر تھے اور اس کی مخالفت اس کے اہلِ مذہب میں بعد میں در آئی، جبکہ کوئی مسلمان یا اس قوم کے اعتقادی ارتقا پر نظر رکھنے والا کبھی شک نہیں کر سکتا کہ اولین شیعہ اس ظلم کے ہرگز قائل نہ تھے۔ ابتدا میں شیعہ کا اختلاف صرف امامت اور امامت کے زیادہ حق دار کے متعلق تھا۔ پھر آہستہ آہستہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک سے دوسری بدعت پیدا ہونے لگی اور ہم نے دیکھا کہ تیسری صدی میں ان کے علما میں اس کفر کے لیے باقاعدہ دوڑ شروع ہوگئی، جس کے نتیجے میں ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن گئی اور یہ مسلمانوں کے غضب کا شکار ہوگئے۔

چناں چہ ابن بابویہ نے ان کو ان کی اصل کی طرف لوٹانا چاہا، جس طرح ظاہر ہوتا ہے، لیکن ان کے تقیے کے عقیدے نے اس کی کوشش کو ثمر بار نہ ہونے دیا اور ان کے دیگر تین علما نے ابن بابویہ کی متابعت میں اس کا انکار کیا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے کہ نوری طبرسی ذکر کرتا ہے کہ چوتھی صدی سے لے کر چھٹی صدی تک ان چاروں کا، جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، کوئی پانچواں نہیں۔ وہ کہتا ہے:

---

[1] دیکھیں: التبیان (۱/ ۳) مجمع البیان (۱/ ۳۱)

[2] دیکھیں: التبیان (۱/ ۳)

[3] اس نے ذکر کیا ہے کہ امامیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے: کسی کلمے، آیت یا سورت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ (أوائل المقالات، ص: ۵۵) ہماری کتاب میں ''اجماع میں شیعہ کا عقیدہ'' کے باب میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ اجماع میں ان کا اضطراب ہے، وہاں آپ کو ان کے ایک دوسرے کے مخالف اجماعات ملیں گے۔

[4] فصل الخطاب (الورقة: ۱۱۱) النسخة المخطوطة.

''ان چار کے سوا کسی سے صریح اختلاف معروف نہیں۔''[1]

لہٰذا جب یہ وبا امامیہ میں سرایت کر گئی تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے علما میں ان چار کے سوا کوئی بھی اس کا کھل کر انکار نہیں کرتا۔[2]

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ امام ابن حزم نے کہا ہے کہ امامیہ کے تین علما کے سوا سارے کے سارے اسی باطل مذہب کے قائل ہیں اور ان تینوں میں شریف مرتضیٰ شامل ہے۔ ان کے علما نے بیان کیا ہے کہ امامیہ کا اس کفر پر اتفاق نہیں۔ ''قوامع الفضول'' کا مولف کہتا ہے:

''کلینی، اس کے استاذ علی بن ابراہیم قمی اور کتاب ''الاحتجاج'' کے مصنف شیخ احمد بن ابو طالب طبرسی سے ظاہراً قرآن میں تحریف، اضافہ اور کمی بیان کی جاتی ہے، بلکہ یہ اکثر اخباریوں سے منقول ہے، جب کہ سید صدوق[3] اور محقق[4] سے اس کا انکار منقول ہے، بلکہ یہ جمہور مجتہدین سے منقول ہے۔ صدوق کے ''الاعتقادات'' میں ظاہر کلام کے مطابق وہ روایات جو امیر المومنین کے جمع کردہ قرآن میں زیادتی پر دلالت کرتی ہیں، وہ احادیث قدسیہ کی قسم سے ہیں، قرآن نہیں۔''[5]

---

[1] فصل الخطاب (الورقة: ١٥) المخطوط. و (ص: ٣٤)

[2] احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے یہ قول نقل کیا ہے اور شیعہ کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اس قول کا کوئی پانچواں قائل بتائیں۔ (الشیعة والسنة، ص: ١٢٤) یہاں درج ذیل باتوں کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے:

اولاً: مفید نے ذکر کیا ہے کہ اہلِ امامت کی ایک جماعت نے اس کفر کے خلاف مذہب اختیار کیا ہے۔ (دیکھیں: أوائل المقالات، ص: ١٢٤) کیا وہ یہاں ان تین کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ (کیوں کہ طبرسی چھٹی صدی میں ہوا ہے) یا اس سے زیادہ کے اختلاف کا ذکر کرتا ہے، خصوصاً وہ ان کو جماعت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، جو ان کے کثیر ہونے کا تاثر دیتی ہے، اس میں خود ''فصل الخطاب'' کے مولف کو شک ہے۔ وہ کہتا ہے: ''قدما میں ان کا امامیہ کی اس جماعت کے سوا کوئی موافق مشہور نہیں، جن کا مفید نے ذکر کیا ہے اور اس نے ان سے صدوق اور اس کے اَتباع مراد لیے ہیں۔'' (دیکھیں: فصل الخطاب، ص: ٣٣)

ثانیاً: پہلے شیعہ سارے ہی اس کفر کے خلاف تھے، یہ قول زنادقہ کے ایک گروہ نے ایجاد کیا اور روافض میں ٹھونس دیا۔ نوری کا یہ کہنا: ''قدما سے ان کا کوئی موافق مشہور نہیں۔'' ظاہر جھوٹ ہے، کیوں کہ تمام پہلے اور قدیم شیعہ ان کے ساتھ تھے۔

ثالثاً: اشعری نے ''مقالات الإسلاميين'' میں اس الزام کے انکار کی ان کے ایک گروہ کی طرف نسبت کی ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف تین نہیں۔ (دیکھیں: مقالات الإسلاميين: ١/ ١١٩۔ ١٢٠)

[3] شیعہ یہ لقب ''من لا يحضره الفقيه'' کے مولف ابن بابویہ پر بولتے ہیں۔

[4] محقق کا لقب محمد بن محمد بن حسن طوسی اور جعفر بن حسن بن یحییٰ (٦٧٦ھ) پر بولا جاتا ہے، دیکھیں: آغا بزرگ: الأنوار الساطعة (ص: ١٤٦) یہاں وہ طوسی کو مراد لے رہا ہے۔

[5] قوامع الفضول (ص: ٢٩٨)

ایسے ہی طبرسی نے ”فصل الخطاب“ میں اس جیسی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور تحریف کے قائلین کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے:

”مجھے علم ہے، ان کے اس موضوع کے متعلق کئی اقوال ہیں، جن میں دو مشہور ہیں، پہلا قول تحریف اور کمی کے وقوع کا ہے۔“

پھر اس کے بعد اس نے اس کے قائل علما کا ذکر کیا ہے اور بعض کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس نے اپنے گروہ کے اکثر اصحابِ علم کو اس قول کے قائلین قرار دینے میں مبالغہ آمیز کوشش کی ہے، بلکہ اس نے ایسی تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے، جن کا کوئی وجود یا نشان نہیں ملتا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ ”تحریف“ یا ”تبدیل“ کے نام سے ہیں اور اس سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے مولفین بھی اسی موقف کے حامل تھے۔[1]

اس کا حریف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس بات میں کون سا امر مانع ہے کہ وہ کتابیں شیعہ کی قرآنی معانی میں تحریف کی تنقید پر مشتمل ہوں یا یہ ان کے الفاظ میں تحریف کے دعوے پر نقد ہوں اور انھیں یہ نام دے دیا گیا ہو؟

پھر اس کے بعد اس نے دوسرا قول ذکر کیا ہے، اس کا کہنا ہے:

”دوسرا قول تحریف اور حذف کے نہ واقع ہونے کا ہے، اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر جو نازل ہوا، وہ تمام کا تمام آج لوگوں کے ہاتھوں میں دو جلدوں کے درمیان موجود ہے۔ اس قول کو صدوق نے اپنی کتاب ”الاعتقادات“ میں اور سید مرتضیٰ اور ”التبیان“ میں شیخ الطائفہ نے اپنایا ہے۔ قدما میں امامیہ کی ایک جماعت کے سوا جن کا مفید نے ذکر کیا ہے، ان کا کوئی موافق مشہور نہیں۔ ظاہری بات ہے کہ اس نے اس سے صدوق اور اس کے اَتباع مراد لیے ہیں۔“[2]

اس کا یہ کہنا کہ ”قدما میں ان کا کوئی موافق مشہور نہیں۔“ اس سے اس کی مراد امامیہ رافضہ کے قدیم علما ہیں، نہ کہ ان کے اسلاف شیعہ، وہ اس حد تک نہیں پہنچے تھے۔

پھر یہ نوری کہتا ہے: ”پھر یہ مذہب (انکارِ تحریف کا مذہب) ہمارے اصولی اصحاب کے مابین پھیل گیا اور ان میں مشہور ہوگیا، حتی کہ محقق کاظمی نے ”شرح الوافیۃ“ میں کہا ہے کہ اس پر اجماع منقول ہے۔“[3] اس کے

---

[1] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ۳۰۔ ۳۱)

[2] المصدر السابق (ص: ۳۳)

[3] المصدر السابق (ص: ۳۸)

بعد اس نے اجماع کے دعوے کی تردید کی کوشش کی ہے، تا کہ شیعہ کی اکثریت کو اثنا عشریہ کے ہم خیال قرار دے سکے۔

تو کیا ہم اس سے اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ اثنا عشریہ اس کفر پر متفق نہیں، بلکہ ان کے اس مسئلے میں دو اقوال ہیں، جس طرح اشعری نے اپنے مقالات میں ذکر کیا ہے، یا یہ ایک ہی قول ہے اور انکار تقیے کی بنا پر تھا؟ ذیل میں ہم اس مسئلے کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

## کیا بعض شیعہ کا اس کفر کا انکار تقیے کی قبیل سے ہے؟

ہم نے بیان کیا ہے کہ امامیہ اس گمراہی پر متفق نہیں، ان کے بڑے محققین جیسے شریف مرتضیٰ، ابن بابویہ قمی، طوسی، طبرسی اور ان کے متاخرین ہم نواؤں نے اس کا انکار کیا ہے، اس کے باوجود دولت صفویہ کے بعض علما کی طرف سے یہ آوازہ بلند ہوتا رہا کہ ان کا انکار تقیے کی بنا پر تھا۔

شیعہ عالم نعمت اللہ جزائری، جو اخباری[1] ہے، اس کے بارے میں خوانساری کا کہنا ہے:

''وہ ہمارے عظیم متاخر علما اور جلیل القدر متبحر فاضلین میں سے تھا۔''[2]

یہ جزائری کہتا ہے:

''ظاہری بات ہے کہ ان سے یہ قول بہت ساری مصلحتوں کے پیشِ نظر جاری ہوا، ان میں سے ایک ان پر اس اعتراض کا دروازہ بند کرنا ہے کہ اگر یہ تحریف قرآن میں جائز ہے، تو اس میں تحریف کے ہونے کے جواز کے ہوتے ہوئے اس کے قواعد اور احکام پر کس طرح عمل کرنا جائز ہے؟''[3]

اس کے بعد اس نے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

''یہ کس طرح ممکن ہے، جب کہ یہ اَعلام اپنی تصانیف میں بہت ساری ایسی روایات نقل کرتے ہیں، جو قرآن میں ان امور کے واقع ہونے پر مشتمل ہیں اور یہ کہ یہ آیات یوں نازل ہوئی تھیں، پھر اس میں تبدیلی کر کے اس طرح کر دیا گیا۔''[4]

---

[1] اس لیے خوانساری نے کہا ہے: ''وہ اخباری مشرب ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ اجتہاد کے ساتھ بھی بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا اور ان میں شمار ہوتا تھا۔'' (روضات الجنات: ۸/ ۱۵۰)

[2] روضات الجنات (۸/ ۱۵۰)

[3] الجزائري: الأنوار النعمانية (۲/ ۳۵۸)

[4] المصدر السابق (۲/ ۳۵۸۔ ۳۵۹)

ایسے ہی "فصل الخطاب" کے مولف کا بھی یہی موقف ہے، اس نے اپنی تائید میں جزائری کا یہ مذکورہ کلام نقل کیا ہے، ایسے ہی اس نے اپنے عالم ابن طاوؤس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "کتاب تبیان، جس میں طوسی نے اس گمراہی کا انکار کیا ہے، وہ مخالفین سے بہت زیادہ احتیاط اور ان کے ساتھ تصنع کاری کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔"[1]

ہم نے گذشتہ صفحات میں اس کی مکمل عبارت نقل کی ہے۔[2] تو کیا یہ جو کہتے ہیں، یہ حقیقت ہے؟

میں عرض کرتا ہوں کہ بلاشبہ جزائری اور "فصل الخطاب" کا مولف وغیرہ ان لوگوں میں شامل ہیں، جو اس کفر کا علانیہ اظہار کرتے ہیں اور جو ایسا کرتا ہے، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ اگر ہم فاسق کی خبر کی تحقیق کرتے ہیں تو ان لوگوں کی اخبار کے بارے میں کیا خیال ہے، جو چاہتے ہیں کہ ہر شیعہ کو اس کفر پر قرار دیں؟ لہٰذا اگر وہ اپنے مخالفین کی آرا کو تقیے پر محمول کریں تو تعجب کی بات نہیں۔

میں سمجھتا ہوں، جو اس جزائری اور اس کے ہم نواؤں کے کلام کو مطلقاً لیتا ہے، تحقیق اور مطالعے کے بغیر پورے فرقے پر حکم لگاتا ہے، وہ غلط ہے۔ اگر ہم ان الزام تراش مجرموں کے کلام کو نہیں لیتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ظاہری سادگی اور غافلانہ سطحیت کے ساتھ جو دوسرے رائے والے کہتے ہیں، اسے مطلقاً قبول کر لیں۔ خصوصاً جب ہمیں علم ہے کہ تقیہ ان کا ایک قاعدہ ہے، یہ ان کے نزدیک دین کا نوے فیصد حصہ ہے اور جو تقیہ نہیں رکھتا، اس کا کوئی دین نہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

اس لیے اس مسئلے کی بڑی غور وفکر اور دیانت داری پر مبنی تحقیق کی ضرورت ہے، لہٰذا میں کہتا ہوں، جس طرح ان کے عالم مفید نے اپنے گروہ کا اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ایسے ہی ان کے ایک بہت بڑے متاخر عالم نے اصولی شیعہ کا اس کفر کے انکار پر اجماع نقل کیا ہے۔[3]

نیز فصل الخطاب کے مولف نے اعتراف کیا ہے کہ تحریف سے انکار کا مذہب اس کے اصحاب کے درمیان عام اور مشہور تھا، چنانچہ کہتا ہے کہ یہ نظریہ ہمارے اصحاب میں سے "اصولیوں" میں عام ہوا اور ان میں مشہور ہوا، حتی کہ محقق کاظمی نے شرح الوافیہ میں کہا کہ اس پر اجماع بیان کیا گیا ہے۔[4]

فصل الخطاب کا مولف اس بات سے بڑا غضب ناک ہوا ہے، کیوں کہ، جس طرح میں نے پہلے ذکر کیا

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٨) النسخة المخطوطة.

[2] دیکھیں: (ص: ٢٢٢، ٢٢٣)

[3] فصل الخطاب (ص: ٣٨) النسخة المخطوطة.

[4] فصل الخطاب (ص: ٣٨) النسخة المخطوطة.

ہے، وہ اپنے مذہب کو زیادہ اور مشہور کرنا چاہتا ہے، لہٰذا وہ کہتا ہے:

''اس کا یہ دعواے اجماع بہت بڑی جسارت ہے۔ جس مسئلے میں جمہور قدما، اساطین المحد ثین مخالف ہوں، بلکہ ہم نے اپنی بنیادی کتابوں کو اس سے خالی پایا ہو تو اس میں اجماع بلکہ مطلق شہرت کا دعویٰ کس طرح ممکن ہے؟ شاید جستجو کرنے والا ہماری بات کی تصدیق پائے گا، اس کے باوجود پیروی صرف دلیل کی ہوگی، چاہے اس کو اپنانے والے تھوڑے ہوں، جس طرح سید مرتضیٰ نے اپنے بعض مسائل میں کہا ہے: اگر کسی مذہب کے قائل تھوڑے ہوں تو اس سے وحشت نہیں ہونی چاہیے، بلکہ صرف اس سے وحشت ہونی چاہیے، جس کی تائید کرنے والی کوئی دلیل نہ ہو۔''

مفید، مقالات میں ایک جگہ لکھتا ہے:

''مجھے مخالفت سے کوئی وحشت نہیں، کیوں کہ حجت میں مکمل مانوسیت ہوتی ہے اور حق سے وحشت نہیں۔''[1]

ان الفاظ میں ہم دونوں فریقین کے درمیان مشتعل آگ کی جھلکیاں ملاحظہ کرتے ہیں۔ دونوں ہی اپنے مذہب کی شہرت اور زیادہ حقانیت کے دعوے دار ہیں۔ یہ آدمی واعظ کا لبارہ اوڑھ کر، جس طرح بعض اوقات شیطان کرتا ہے، اپنی قوم کو جہنم کی آگ کی طرف دعوت دے رہا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ وہ یہ صدا لگا رہا ہے کہ اس کا قول ان کی کتابوں سے دلیل پر مبنی ہے اور وہی وہ اصل ہے، جس پر قدیم شیعہ قائم تھے، اس کے خلاف قول ان کے مذہب میں نیا اور نامانوس ہے، اس پر اجماع یا مشہور ہونے کا دعویٰ کرنا، اس کی نگاہ میں بہت بڑی جسارت ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ شیعہ کا ایک گروہ اس اعتقاد کو ہضم نہ کر سکا اور اس کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ ان لوگوں کے لیے (جس طرح محسوس ہوتا ہے) ''فصل الخطاب'' کے مولف نے اپنی یہ کتاب تالیف کی، تاکہ ان کو اس راہ سے، جس پر وہ گامزن تھے، ہٹا دے اور وہ ان سے وہ اندھا پن دور کر دے، جو اس کی نگاہ میں ان پر چھایا ہوا تھا۔

وہ کہتا ہے کہ دلیل اتباع کا زیادہ حق رکھتی ہے، چاہے اس کا کوئی بھی قائل نہ ہو۔ گویا وہ اپنے مذہب سے نامانوسیت محسوس کرنے لگا اور بلاشبہہ کفر ایک وحشت ناک غار ہے۔ اسے اپنے پیروکاروں کی قلت اور ہم نواؤں کے مٹ جانے کا خوف محسوس ہوا تو وہ قلت میں عدمِ وحشت کی دعوت دینے لگا، جو اس کی نگاہ میں اس

[1] فصل الخطاب (ص: ۳۸۔ ۳۹)

قول کے سچا ہونے کی علامت ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ وہ اس بات کے اظہار کے لیے شریف مرتضیٰ کے الفاظ مستعار لے رہا ہے، جو اس کفر سے بَری اور اس قول کے قائل کی تکفیر کرتا ہے۔ چناں چہ وہ اس کے مستعار الفاظ کے ساتھ اپنی قوم کو نصیحت کرتا اور انھیں اس اِلحاد کی دعوت دیتا ہے!!

"فصل الخطاب" کے مطالعے کے دوران میں، میرے سامنے یہ بات واضح ہوئی کہ شیعہ کا ایک گروہ اس بکواس کی تصدیق پر راضی نہیں تھا۔ "فصل الخطاب" کے مولف نے جگہ جگہ ان پر حملے کیے ہیں۔ ایک کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا ہے:

''قلتِ تحقیق و تلاش کی بیماری کا علاج مطالعے اور کتب کی طرف رجوع کرنے کی مشقت کے سوا اور کچھ نہیں۔''[1]

ایسے ہی "من لا یحضره الفقیه" کے مولف صدوق کے اس خرافت کی تصدیق سے انکار سے بھی وہ بہت زیادہ خار کھائے بیٹھا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''وہ اضطراب کا شکار ہے، اس خرافت کی تردید کی موافقت میں وہ بعض روایات میں تبدیلی کرتا ہے، اس نے بعض روایات میں ایسی تبدیلیاں کی ہیں، جو بدگمانی کو جنم دیتی ہیں۔''[2]

تھوڑی دیر بعد اس کی اس موضوع پر عبارتیں ذکر کی جائیں گی، حالاں کہ اس کی کتاب "من لا یحضره الفقیه" ان کے معتمد مجموعوں میں سے ایک ہے۔

بعض اوقات وہ اپنے اس اعتقاد سے، جو شیعہ کی جھوٹی سندوں سے متواتر ہونے کی تاکید کرتا ہے، انکار کرنے والے اصحاب کے لیے یہ عذر پیش کرتا ہے:

''تحریف کی روایات متفرق ہیں، اس لیے وہ انھیں پہچان نہیں پائے۔''[3]

کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ موجود ہی نہیں تھیں، بلکہ بعد میں پیدا ہوئی تھیں، اس لیے وہ انھیں پہچان نہیں پائے، پھر ان روایات اور اساطیر کی بھرمار ہوگئی اور تم نے اور تمھارے ہم مشربوں نے دھوکے میں آ کر یا دھوکا دینے کی خاطر انھیں ہاتھوں ہاتھ لے لیا، کیوں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ روایات تمھارے مذہب کے بانی اور معتمد مجموعوں کے مولف ابن بابویہ وغیرہ کی نظروں سے اوجھل رہیں؟ اسی طرح اس نے طوسی کی طرف

---

[1] فصل الخطاب (الورقة: ٨٤) النسخة المخطوطة. و (ص: ١٦٩) من المطبوعة.

[2] فصل الخطاب (الورقة: ١٢٠) من المخطوطة. و (ص: ٢٤٠) من المطبوعة.

[3] فصل الخطاب (الورقة: ١٧٦) النسخة المخطوطة.

سے بھی اسی طرح کی عذر خواہی کی ہے، جس طرح آگے ذکر ہوگا۔ حتی کہ نعمت اللہ جزائری کو بھی، جس نے کہا ہے کہ ان کا انکار تقیے کی بنا پر تھا، اس بات کا یقین نہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ ''صحیفہ سجادیہ'' کی شرح میں ان کی اس کارگزاری پر تعجب کرتا ہے اور ان کی حجت کی تردید کی کوشش میں کہتا ہے:

''قرآن میں تحریف اور سقوط کی ہماری روایات متواتر ہیں، ان کا انکار ممکن نہیں۔ صدوق، امینِ اسلام طبرسی اور مرتضٰی پر (جس نے اپنی بعض کتابوں میں اس کا رد کیا ہے) تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح انھوں نے اس کا انکار کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، وہ یہی لکھا ہوا ہے؟ حالاں کہ اس میں ان کی متواتر روایات (شیعی کہانیوں) کا رد ہے!''

پھر اس کے بعد وہ اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے، جو اس کی قوم کے عقل مند افراد نے اٹھایا کہ تحریف کے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ اِس قرآن پر عمل نہ کیا جائے، کیوں کہ اس سے اعتماد اٹھ چکا ہے اور یہ بات شیعہ اور ائمہ کے موقف کے خلاف ہے؟ اس کے جواب میں وہ کہتا ہے:

''ان کی طرف سے جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ احکام کے متعلق آیات سے اعتماد اٹھ جائے اور تحریف کے جواز کے امکان کی وجہ سے ان سے استدلال کا جواز ختم ہو جائے تو اس کا یہ جواب ہے کہ انھوں نے ہمیں ان زمانوں میں اس قرآن کی تلاوت اور اس کی آیات کے مندرجات کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ یہ صلح کا زمانہ ہے۔ جب ان کی حکومت قائم ہو جائے گی اور قرآن اس طرح ظاہر ہوجائے گا، جس طرح نازل ہوا اور امیر المومنین نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تالیف کیا، اسے اپنی چادر میں لپیٹا اور ابوبکر وعمر کے پاس آئے، وہ دونوں مسجد میں لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، تو انھوں نے اس کو ان پر پیش کیا، انھوں نے کہا: ہمارے پاس قرآن ہے، جو ہمیں کافی ہے، تو انھوں نے کہا: تم آج کے بعد اس کو نہیں دیکھو گے، حتی کہ ہمارا قائم آجائے، تب وہ قرآن لوگوں کے پاس متداول ہوگا اور جو اس کی آیاتِ احکام میں تحریف ہوئی ہے، اس کو وہ ظاہر کریں گے، پھر یہ یقین ہوگا کہ جس کی تحریف کے متعلق انھوں نے ہمیں نہیں بتایا، اس میں تحریف نہیں ہوئی ہے۔''[1]

اس کے بعد کیا کسی کے لیے یہ گنجایش رہتی ہے کہ وہ حتمی طور پر یہ بات کہہ سکے کہ ان کا انکار تقیے کی بنا پر تھا اور ان کے اور ان کی قوم کے درمیان شدید ترین اختلاف جاری رہا؟ ''فصل الخطاب'' کے مولف

[1] شرح الصحيفة السجادية (ص: ٤٣)

وغیرہ کی تحریر سے یہ کشمکش صاف دکھائی دیتی ہے۔

لیکن اس دلیل کی تحقیق ابھی باقی ہے، جو نعمت اللہ جزائری نے ان منکرین کے انکار کو تقیے پر محمول کرنے کے لیے دی ہے۔ وہ اس کی دلیل دیتے ہوئے کہتا ہے کہ انھوں نے اپنی تالیفات میں بہت ساری ایسی روایات نقل کی ہیں، جو قرآن میں ان امور کے وقوع پر دلالت کرتیں اور یہ ذکر کرتی ہیں کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی اور اس طرح بدل دی گئی۔[1] تو کیا یہ بات ان منکرین کی نسبت سے حقیقت پر مبنی ہے؟

ہم ابن بابویہ قمی "الصدوق" (المتوفی ۳۸۱ھ) سے ابتدا کرتے ہیں، کیوں کہ اس نے سب سے پہلے اپنی کتاب "الاعتقادات" میں ان غالی لوگوں کا رد اور انکار کیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ اعتقاد شیعہ مذہب کی نمایندگی نہیں کرتا۔

## ① ابن بابویہ کا اپنے فرقے کی طرف منسوب عقیدہ تحریفِ قرآن کا انکار:

ابن بابویہ کہتا ہے:

''ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ وہ قرآن جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا، وہ دو جلد کے درمیان ہے اور یہ وہ ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ لوگوں کے ہاں اس کی سورتوں کی تعداد[2] ۱۱۴ ہے۔ ہمارے نزدیک سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح دونوں ایک ہی ہیں۔ جس نے ہماری طرف اس بات کی نسبت کی کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ بھی قرآن ہے، وہ جھوٹا ہے۔''

اس کے بعد اس نے اپنی روایات میں قرآنِ کریم کی سورتیں پڑھنے اور ختمِ قرآن کے متعلق مذکور ثواب سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ امر ان باطل دعووں کی نفی کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے:

''بلکہ ہم کہتے ہیں، قرآن کریم کے علاوہ جو وحی نازل ہوئی ہے، وہ اتنی زیادہ ہے کہ اگر اسے قرآن کے ساتھ جمع کیا جائے تو وہ سترہ ہزار آیات کے برابر ہو جائے۔''

اس پر اس نے اپنے ہاں مذکور بعض قدسی احادیث سے استشہاد کیا ہے، پھر وہ کہتا ہے:

''اس جیسی احادیث بہت زیادہ ہیں، یہ ساری وحی ہیں، لیکن قرآن نہیں۔ اگر قرآن ہوتا تو اس کے ساتھ متصل اور مقرون ہوتا، جدا نہ ہوتا۔ جس طرح امیر المومنین نے جب قرآن جمع کیا تو اس کو ان

---

[1] الأنوار النعمانية (۲/ ۳۵۸۔ ۳۵۹)

[2] اصل کتاب میں یہ عبارت ہے: "أربعة عشر سورة" یہ گرائمر کی غلطی ہے، صحیح عبارت اس طرح ہے: "أربع عشرة سورة"

کے پاس لے کر آئے اور کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جو تمھارا رب ہے۔ یہ اسی طرح ہے، جس طرح تمھارے نبی پر نازل ہوئی، اس میں کسی حرف کا اضافہ ہے نہ کمی۔ انھوں نے کہا: ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس بھی اسی طرح کا ہے، جس طرح کا تمھارے پاس ہے، تو وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوگئے: انھوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت پسند کی اور برا ہے جو وہ پسند کرتے ہیں۔''[1]

ابن بابویہ کا کلام میں نے طوالت کے باوصف نقل کیا ہے، کیوں کہ جس مصدر سے یہ نقل کیا گیا ہے وہ نادر ہے اور عام طور پر کتبِ شیعہ وغیرہ میں اس سے نقل کرتے وقت اس کے پہلے حصے پر اکتفا کیا جاتا ہے، جس سے اس شخص کے مذہب کے متعلق مکمل تصور حاصل نہیں ہوتا۔ مذکورہ بالا عبارت سے درج ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

اولاً: یہ شخص اس کو تمام امامیہ کا مذہب قرار دیتا ہے، اس لیے ''فصل الخطاب'' کا مولف اس کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے:

''اس کی اس بات کا ظاہر معنی کہ ''ہمارا یہ اعتقاد ہے'' یہ ہمارے امامیہ کے اعتقاد کی طرف نسبت ہے۔''[2]

پھر اس پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اس نے اپنی کتاب میں وہ بات ذکر کی ہے، جو اس کے علاوہ کسی نے نہیں کی، یا بہت تھوڑے لوگوں نے کہی ہے۔''[3]

پہلے گزر چکا ہے کہ ''فصل الخطاب'' کا مولف تمام شیعہ کو اپنے مذہب کا قائل قرار دینے میں کس قدر پرجوش ہے۔

ثانیاً: اس کی اس بات سے کہ ''جس نے ہماری طرف یہ نسبت کی کہ ہم اس سے زیادہ قرآن مانتے ہیں، وہ جھوٹا ہے۔'' کافی کے مصنف کلینی، اس کے استاذ قمی صاحبِ تفسیر اور ''الغیبة'' کے مصنف نعمانی وغیرہ کی تردید ہوتی ہے، جو علانیہ اس عقیدے کا اظہار کرتے اور اسے امامیہ کا مذہب قرار دیتے ہیں، یا گویا وہ اس کے قائل کو شیعہ شمار نہیں کرتا۔

ثالثاً: ہم اس کے ہاں اس مسئلے میں ان کی کسی دوسری رائے کے وجود کا کوئی اشارہ نہیں پاتے، جس طرح اشعری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ گویا وہ اس مسئلے میں مخالفت کرنے والے کو شیعیت کے دائرے سے خارج سمجھتا ہے، الا یہ کہ معاملے میں تقیے سے کام لیا گیا ہو۔

---

[1] الاعتقادات (ص: ۱۰۱۔ ۱۰۳)

[2] فصل الخطاب (ص: ۳۳)

[3] المصدر السابق (ص: ۳۳)

رابعاً: گویا وہ اپنے اس قول میں کہ ''اگر اسے قرآن کے ساتھ جمع کیا جاتا تو اس کی سترہ ہزار آیات بنتیں''، کلینی کی اس روایت کی شرح کرتا ہے، جو ذکر کرتی ہے کہ ''وہ قرآن جو جبرائیل حضرت محمد ﷺ پر لے کر نازل ہوئے، اس کی سترہ ہزار آیات تھیں'' اور قرآنی آیات جس طرح مشہور ہے کہ چھ ہزار سے کچھ زیادہ ہیں، لیکن کلینی کی عبارت یہ کہتی ہے کہ وہ قرآن ہیں، جب کہ ابن بابویہ صراحتاً کہتا ہے کہ وہ قرآن نہیں۔ وہ انھیں احادیثِ قدسیہ پر محمول کرتا ہے۔

خامساً: وہ ان افسانوی روایات کے باقی ماندہ آثار سے آزاد نہیں ہو سکا، جو اس کے ذہن پر چپکی ہوئی تھیں، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی کے صحابہ پر مصحف پیش کرنے اور ان کے اس کو رد کرنے کی روایت ذکر کر کے جو ثابت کرنا چاہا، آپ نے دیکھا کہ اس نے خود ہی اس کی تردید کر ڈالی اور اس کا اس خرافت کو قبول کرنا انکارِ تحریف مبنی بر تقیہ کا دروازہ کھولنا تھا اور بالفعل یہی بات کچھ شیعہ کی جانب سے کہی گئی اور کچھ اہلِ سنت نے بھی ایسا ہی کہا، لیکن بہر حال اس نے کتاب اللہ میں کچھ کہنے کی جسارت نہیں کی، اس نے اپنے گروہ کی شہرت کو اس عار سے بچانے کی کوشش کی ہے، جو ان کے سر لگ چکی تھی، لیکن وہ سر دست اپنی قوم کے سامنے ان روایات کا بالکلیہ انکار نہیں کر پایا یا وہ ان زہروں سے مکمل چھٹکارا نہیں پا سکا، یا تقیے کی بنا پر اس نے یہ انکار کیا اور اپنے کلام میں اس کا اشارہ بو دیا۔ ان بھیدوں کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ بعض شیعہ کا یہ موقف ہے کہ اس کا انکار تقیے کی وجہ سے تھا، جس طرح نعمت اللہ جزائری وغیرہ کا کہنا ہے:

> ''لیکن وہ اس قول کی کوئی متعین دلیل پیش نہیں کرتا، صرف اس دعوے پر اکتفا کرتا ہے کہ اس نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ فلاں آیت اس طرح نازل ہوئی، پھر بدل کر اس طرح کر دی گئی۔ ابن بابویہ المعروف صدوق کی بعض کتابوں میں اس کہانی کے متعلق روایات کی تلاش کے لیے اگر ہم رجوع کریں تو ہمیں اس کہانی کی روایات میں سے زندیق کی وہ کہانی ملتی ہے، جو ان کے دعوے کے مطابق، حضرت علی کے پاس سوال لے کر آیا، جس کی بعض عبارتیں پہلے گزر چکی ہیں، جس کو چھٹی صدی کے شیعہ عالم طبرسی نے کتاب ''الاحتجاج'' میں نقل کیا ہے۔ اس میں نو ایسی جگہیں ہیں، جو تمام کی تمام اس کفر پر دلالت کرتی ہیں۔''[1]

---

[1] دیکھیں: الاحتجاج (ص: ۲٤۰)

جیسا کہ نوری طبرسی نے اس کی گواہی دی ہے۔[1] ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا صدوق اس روایت کو اپنی کتاب التوحید میں ذکر کرتا ہے، لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہیں، جو تحریف کی کہانی پر دلالت کرتی ہو۔[2] تو کیا اس کہانی میں ابن بابویہ کے دوصدیوں بعد یہ کفر پر مبنی اضافہ ہوگیا، یا ابن بابویہ نے خود اسے حذف کر دیا؟

بہر حال یہ اس کے اس کفر کی حکایت میں ملوث ہونے سے محفوظ رہنے پر دال ہے، جو طبرسی کی روایت میں ہے۔ ''فصل الخطاب'' کے مولف نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے یہ بات پسند کی ہے:

> ''صدوق نے یہ زندیق کی روایت ''الاحتجاج'' میں مذکور روایت میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ ذکر کی ہے، خصوصاً جس کا قرآن میں کمی اور تبدیلی کے ساتھ تعلق ہے، یا تو عدمِ ضرورت کی وجہ سے اس نے ایسے کیا ہے، جس طرح وہ اکثر ایسا کرتا ہے، یا پھر اس مذہب (تحریفِ قرآن) کے ساتھ عدمِ موافقت کی بنا پر اس نے یوں کیا ہے۔''[3]

لیکن کیا اس سے یہ احتمال پیدا نہیں ہوتا کہ اصل روایت وہی ہے جو کتاب التوحید میں ہے اور تحریف کے متعلق افتراءات صدوق کے بعد صاحبِ احتجاج وغیرہ کا اضافہ ہو؟ یہ احتمال موجود ہے، خصوصاً جب صدوق نے اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ اس نے اس میں سے کچھ حذف کیا ہے۔

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ''فصل الخطاب'' کا مصنف اسی وجہ سے اپنے صدوق پر بہت زیادہ برہم ہے۔ وہ اپنے بعض علما کے حوالے سے لکھتا ہے:

> ''بالجملہ صدوق کا معاملہ بہت زیادہ مضطرب ہے، اس کے فتوے سے کوئی ایسا علم یا ظن حاصل نہیں ہوتا، جو متاخرین کے فتاویٰ سے نہ حاصل ہوتا ہو اور اس کی تصحیح اور ترجیح کا بھی یہی حال ہے۔''[4]

پھر وہ کہتا ہے:

> ''صاحبِ ''بحار الأنوار'' نے اس کی کتاب التوحید سے ایک حدیث ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ یہ خبر کافی سے ماخوذ ہے، جس میں عجیب تبدیلیاں ہیں، جو صدوق کے متعلق بدگمانی پیدا کرتی ہیں۔''[5]

---

[1] النوري: فصل الخطاب (ص: ٢٤٠)

[2] دیکھیں: التوحید (ص: ٢٥٥ وما بعدها)

[3] فصل الخطاب (ص: ٢٤٠)

[4] حوالہ سابقہ.

[5] فصل الخطاب (ص: ٢٤٠) مجلسی یہ ساری باتیں اپنے صدوق کے متعلق کہتا ہے، حالاں کہ وہ اس کی چار کتابوں کے سوا تمام کو معتبر قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے: ''وہ کتب اربعہ سے شہرت میں کم نہیں، جن پر تمام زمانوں میں دارومدار ہے۔'' ←

یہ سب صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے صدوق نے وہ کفر نقل نہیں کیا، جو کافی کے مولف نے نقل کیا ہے۔ فصل الخطاب کے مولف نے یہ تمام اعتراضات صرف اس لیے ذکر کیے ہیں، کیوں کہ وہ اس کی ہم مشربی نہیں کرتا، لیکن صدوق کی تمام کتابیں اس الحاد سے محفوظ نہیں، اس کی کتاب "ثواب الأعمال" میں سورت احزاب پڑھنے والے کے ثواب میں ابوعبداللہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

''جو سورت احزاب کی بہت زیادہ تلاوت کرنے والا ہوگا، وہ روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے پڑوس میں ہوگا۔''

پھر انھوں نے کہا:

''سورت احزاب نے عرب کے قبیلے قریش کی عورتوں کو رسوائے عام کر دیا ہے۔ یہ سورۃ البقرہ سے زیادہ طویل تھی، لیکن انھوں نے اس میں کمی اور تحریف کر دی۔''[1]

''کتاب الخصال'' میں اس نے ایک روایت ذکر کی ہے، جو کہتی ہے:

''قیامت کے دن مصحف، مسجد اور عترت؛ یہ تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کرنے کے لیے آئیں گے۔ مصحف کہے گا: اے رب! انھوں نے مجھے جلا دیا اور پھاڑ دیا۔''[2]

"بحار الأنوار"[3] اور بعض نقل کرنے والوں کے ہاں[4]: ''انھوں نے مجھ میں تحریف کر دی۔'' کا لفظ منقول ہے، جو اس کفر میں مبتلا ہونے کی زیادہ واضح دلیل ہے، لیکن یہ لفظ اصل مصدر کے خلاف ہے۔

اس کی کتاب "الأمالي" میں بھی اس طرح کی روایات مذکور ہیں۔ ایک روایت جسے صدوق اپنی سند سے بیان کرتا ہے، ذکر کرتی ہے:

''جعفر صادق اپنے والد سے اور وہ اپنے آبا و اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ... اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کو یاد کرو، وہ ضرور بہ ضرور تم سے پوچھے گا کہ تم نے میرے بعد دو بیش قیمت چیزوں: کتاب اللہ اور میری آل کے ساتھ کیا کیا؟ دیکھو! یہ نہ کہنا کہ کتاب اللہ کو تو

←(بحار الأنوار: ١/ ٢٦) اس نے اپنی کتاب "بحار الأنوار" میں اس کی سترہ کتب سے روایت لی ہے۔ (بحار الأنوار: ١/ ٧٣) اس کی کتاب "من لا يحضره الفقيه" ان کی چار معتبر کتابوں میں سے ایک ہے۔ یہ کتنا بڑا تناقض ہے؟!

1. ثواب الأعمال (ص: ١٣٩) دیکھیں: بحار الأنوار (٩٢/ ٥٠)
2. الخصال (١/ ١٧٤۔ ١٧٥)
3. بحار الأنوار (٩٢/ ٤٩)
4. إحسان الٰهي: الشيعة والقرآن (ص: ٦٨)

ہم نے بدل ڈالا اور اس میں تحریف کر دی۔"[1]

یہ روایت ان کے فعل پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ انھیں خبردار کرتی ہے، لیکن اگر آپ اس کو ما قبل کے ساتھ ملائیں کہ انھوں نے ایسا کیا، جس طرح شیعہ کا خیال ہے، تو یہ بھی اس کفر میں شامل ہوگی۔

اس جیسی اور بھی کئی روایات ہیں، جنھیں "فصل الخطاب" کے مولف نے بالواسطہ ذکر کیا ہے، میں انھیں نقل کرنا ترک کر رہا ہوں، کیوں کہ وہ مجھے صدوق کی کتابوں میں نہیں ملیں۔[2] ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جنھیں صاحبِ فصل الخطاب نے صدوق کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ یہ ایک مروی قراءت[3] ہے۔ اس طبرسی سے اس بات کا صدور کوئی عجیب بات نہیں، لیکن اس کی اس کارستانی سے بعض اہلِ سنت لکھاری بھی دھوکا کھا گئے ہیں اور بلا غور وفکر اسی کے موقف پر چل پڑے ہیں۔[4]

ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ ان کے صدوق کی کتابوں میں اس الزام کے متعلق بعض روایات مذکور ہیں، اس کے باوجود ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا یہی عقیدہ ہے اور اس کا انکار تقیے کی بنا پر ہے، جس طرح بعض لوگوں کا کہنا ہے، کیوں کہ اس بات کی تصدیق نہیں کی جا سکتی کہ اس کی کتابیں اضافے اور دسیسہ کاری سے محفوظ رہی ہوں۔ یہ بات بلا دلیل اور محض اٹکل پچو نہیں، بلکہ ان کے نزدیک اضافہ کرنا بڑا آسان کام ہے۔

جس طرح سلیم بن قیس کی کتاب سے ہمارے سامنے ظاہر ہوا ہے، جس کے موضوع ہونے اور اس میں

---

[1] أمالي الصدوق (ص: ۲۳۱)

[2] مثال کے طور پر اس نے تو بلی کی تفسیر برہان کے حوالے سے صدوق کی "بشارة المصطفیٰ" سے روایت نقل کی ہے۔ دیکھیں: فصل الخطاب (۱۵۷۔ ۱۵۸)

[3] جس طرح وہ تین روایات ہیں، جنھیں "فصل الخطاب" کے مولف نے (ص: **۲۵۹**)، "معاني الأخبار" (ص: ۳۳۱) سے نقل کیا ہے کہ مصحفِ عائشہ اور حفصہ میں تھا: "حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطىٰ، وصلاة العصر" یہ ایک مروی قراءت ہے۔ ان دونوں کو مصحفِ عائشہ میں دیکھیں۔ تفسیر الطبري (۵/ ۱۷۳) اس کے بعد نمبر (۵۳۹۳، ۵۳۹۴، ۵۳۹۷، ۵٤٦٦، ۵٤٦۷، تحقيق أحمد اور محمود شاكر) نیز دیکھیں: تفسير ابن كثير (۱/ ۳۰٤) شیخ احمد شاکر کہتے ہیں: اس روایت کو حافظ نے "فتح الباري" (۸/ ۱٤٦) اور سیوطی نے (۱۱/ ۳۰٤) ذکر کیا ہے اور طبری کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا۔ ابن حزم نے اسے "المحلی" (٤/ ۲٥٤) میں اور عبدالرزاق نے "المصنف" (۱/ ۱۸۲) میں روایت کیا ہے۔ (تفسير طبري: ٦/ ۱۷٦، حاشيه) مصحفِ حفصہ میں اس قراءت کے وجود کے لیے دیکھیں: تفسير طبري (۵/ ۲۰۹، ۲۱۰، نمبر: ۵٤۰٦، ۵٤٦۲، ۵٤٦۳) تفسير ابن كثير (۱/ ۳۰٤) صحیح مسلم میں ایک روایت مذکور ہے، جو اس قراءت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (صحيح مسلم: ۱/ ٤۳۸، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال: الصلاة الوسطىٰ هي صلاة العصر)

[4] جیسے إحسان الٰهى ظهير: الشيعة والقرآن (ص: ٦۹) محمد مال الله: الشيعة و تحريف القرآن (ص: ۱۲۲)

تبدیلی کرنے کا ان کے علما نے اعتراف کیا ہے، جس طرح پیچھے گزر چکا ہے، اسی طرح انھوں نے خود ابن بابویہ کی کتاب "من لا یحضرہ الفیقه" میں دوگناہ زیادہ روایات کا اضافہ کیا ہے، جس کی تفصیل ''سنت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ'' کی فصل میں ذکر ہوگی۔

### ② طوسی کا انکارِ تحریف:

شیعہ عالم طوسی (المتوفی ۴۵۰ھ) کا کہنا ہے:

''اس میں اضافے یا کمی کا کلام، یہ اس کے لائق نہیں، کیوں کہ اس میں اضافے کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی کے متعلق بھی مسلمانوں کا ظاہر مذہب اس کے خلاف ہی ہے۔ یہی ہمارے صحیح مذہب کے زیادہ مناسب بات ہے۔ عامہ اور خاصہ کی طرف سے بہت ساری ایسی روایت مروی ہیں، جو قرآن کی بہت زیادہ آیات میں کمی اور کچھ آیات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنے کا ذکر کرتی ہیں، لیکن ان تمام کی اسانید آحاد ہیں، جو علم (یقین) کا موجب اور باعث نہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ان سے صَرفِ نظر کیا جائے، کیوں کہ ان کی تاویل ممکن ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہوتیں، تب بھی اس قرآن میں موجبِ طعن نہ ہوتیں، جو دو جلدوں کے مابین موجود ہے، کیوں کہ اس کی صحت معلوم ہے، امت میں سے کوئی بھی اس پر اعتراض کرتا ہے نہ اس کو رد ہی کرتا ہے۔

''ہماری روایات اس کی تلاوت کی ترغیب دینے، اس میں وارد احکام کے ساتھ تمسک کرنے اور فروع میں وارد شدہ اختلافی روایات کو اس پر پیش کرنے، جو اس کے موافق ہو، اس کو لینے اور جو اس کے مخالف ہو، اس کو ترک کرنے پر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سے ایک روایت مروی ہے، جس کو کوئی بھی رد نہیں کرتا، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''میں تم میں دو نفیس چیزیں کتاب اللہ اور اپنی اولاد اہلِ بیت چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے، حتی کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر زمانے میں موجود ہے، کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ امت کو ایسی چیز کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیں، جس کے ساتھ تمسک کرنے پر وہ قادر نہ ہو، ایسے ہی اہلِ بیت اور جس کے قول کی اتباع واجب ہو، وہ ہر وقت حاصل ہوتا ہے اور اگر جو ہمارے پاس موجود ہے، اس کی صحت پر اجماع ہے تو پھر ضروری ہے کہ ہم اس کی تفسیر اور اس کے معانی کے بیان میں مشغول رہیں اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دیں۔''[1]

---

[1] التبیان (۱/ ۳)

یہ شیعہ عالم طوسی کا کلام ہے، جو ان کی دو حدیث میں معتبر اور دو رجال میں معتمد کتابوں کا مولف ہے۔ کیا اس کا یہ انکار تقیے کی بنیاد پر ہے؟

یہاں میں عرض کرتا ہوں کہ تعارض اور اختلاف تقیے کی علامت ہے، لیکن تناقض شیعہ کی روایات میں ایک مستقل قاعدے کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ یہ ان کے اجماعات میں بھی موجود ہے، جس طرح ان کے علما کے کلام میں موجود ہے، اس لیے اس مذہب کی حقیقت معلوم کرنا کوئی آسان کام نہیں، حتی کہ ان کے علما کے لیے بھی آسان نہیں، جو تقیے اور حقیقت کے درمیان تمیز کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں پاتے اور اس قاعدے کا سہارا لیتے ہیں، جو کسی زندیق ملحد کا وضع کردہ ہے اور وہ ان کا یہ قول ہے:

''اگر تمھارے پاس دو متعارض حدیثیں آئیں تو اس کو لے لو، جو قوم (اہلِ سنت) کی مخالفت میں ہو۔''[1]

قریب ہے کہ یہ قاعدہ ان کو ایسے راستے پر چلا دے، جس کا اختتام دین سے جدائی پر ہوتا ہے (اس کی تفصیل اجماع کی بحث میں مذکور ہوگی)۔ بنا بریں ہر وہ دین جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق نہیں، اس میں اختلاف ایک فطری روش ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ٨٢]

''اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

لہٰذا جب وہ اپنی کتابوں میں ان کی روایات نقل کرتا ہے تو ایسے اختلاف کا ہونا ایک طبعی امر ہے، اس لیے آدمی جب کسی بات کا انکار کرے تو اس کی یقینی طور پر مذمت نہیں کی جا سکتی، خصوصاً جب کہ اس کا مذہب بیان کرتے وقت اس کی رائے کی اہمیت ہوتی ہے، نہ کہ روایت کی۔ یہ ملاحظہ کیا گیا ہے کہ اس طوسی نے ''رجال الكشي'' کی تہذیب میں اس کہانی کی روایات نقل کی ہیں، مثلاً یہ روایت جو کہتی ہے:

''تم اپنے دین کی معلومات ہمارے شیعہ کے علاوہ کسی اور سے حاصل نہ کرنا، اگر تم نے ان سے تجاوز کیا تو تم اپنا دین خیانت کرنے والوں سے حاصل کرو گے، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی، امانتوں میں خیانت کی۔ انھیں اللہ کی کتاب پر امین بنایا گیا تو انھوں نے اسے جلا ڈالا اور بدل ڈالا۔''[2]

---

[1] البحار (٢/ ٢٣٣)

[2] رجال الكشي (ص: ٤)

اس طرح اس نے اپنی تفسیر ''البیان'' میں اس بنیاد پر بھی اس کہانی کی روایات نقل کی ہیں کہ یہ قراءات[1] ہیں، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام روایات آحاد کی قبیل سے ہیں، جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا، جس طرح اس نے یہ بات اپنے انکار میں ذکر کی ہے اور یہ ان کی ان کثیر روایات کو رد نہیں کرتیں، جو قرآن پر عمل اور تنازع کے وقت اس کی طرف رجوع کرنا واجب قرار دیتی ہیں۔

''فصل الخطاب'' کے مولف کے اس انکار کی توجیہ میں مختلف اقوال ہیں، جس نے اس کو اس کے مذہب کے مخالف ہونے کی بنا پر پریشان کیا ہوا ہے۔ وہ کبھی تو کہتا ہے کہ یہ قول صرف طوسی اور اس کے ساتھ شیعہ کے ایک معمولی سے گروہ کی نمایندگی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس میں اس پر اجماع کا ذکر نہیں، بلکہ اس کا یہ قول مرتضی کی تائید میں اور اس (اجماع) کے عدم میں صریح ہے، بلکہ یہ بہت تھوڑے لوگوں کا موقف ہے۔''[2]

پھر واپس آتا ہے اور کہتا ہے:

''اس کا یہ قول تقیے کی بنیاد پر ہے، کیوں کہ یہ انکار تفسیر ''البیان'' میں مذکور ہے اور کتاب ''التبیان'' پر غور وفکر کرنے والے پر بات مخفی نہیں کہ اس میں اس کا منہج مخالفین کے ساتھ انتہا درجے کی موافقت اور صلح جوئی پر مشتمل ہے۔''[3]

اس کی وہ یہ توجیہ پیش کرتا ہے کہ وہ تفسیر میں ائمہ اہلِ سنت کے اقوال سے استدلال کرتا ہے۔[4] لیکن ایسے لگتا ہے کہ وہ یہ حکم لگانے میں متیقن نہیں، جس طرح اس کی اس بات سے محسوس ہوتا ہے کہ طوسی کا ائمہ اہلِ سنت

---

[1] جس طرح وہ اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر میں کہتا ہے: اہلِ بیت کی قراءت میں ہے: ''وآل محمد علی العالمین'' یہ تعبیر میں ایک طرح کا نرم انداز ہے، یا ان کہانیوں میں تبدیلی کی کوشش ہے، جو کہتی ہیں کہ یہ قراءت نہیں، بلکہ صحابہ کی طرف سے تحریف ہے۔ اس تبدیلی کا یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ اس رسوائی کو چھپایا جائے یا یہ اپنی قوم کے ایک گروہ کو اس گڑھے سے نکالنے کی ایک کوشش ہے، جو ان کہانیوں کی وجہ سے اس میں گر پڑے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصل بات وہی ہو جو طوسی کے ہاں ہے اور تحریف کے صریح اضافہ جات دولت صفویہ کے علما کی کارستانی ہوں۔ لیکن اس پر یہ اعتراض آسکتا ہے کہ یہ روایات طوسی کی معاصر کتب یا اس سے پرانی کتب جیسے تفسیر قمی، عیاشی اور فرات وغیرہ میں بھی موجود ہیں، البتہ اگر ہم یہ بات کہیں کہ شیعہ اپنے قدما کی کتابوں میں تبدیلی کرتے ہیں، جس طرح انھوں نے سلیم بن قیس کی کتاب میں کیا، تو پھر اور بات ہے۔

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٨)

[3] فصل الخطاب (ص: ٣٨)

[4] وقد مضی نقل النص بتمامه (ص: ١٩٨۔ ١٩٩)

کے اقوال نقل کرنا انتہائی عجیب ہوتا، اگر یہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے کی وجہ سے نہ ہوتا، تو اس بات کا احتمال ہے کہ طوسی کا تفسیر ''البیان'' میں تحریف سے انکار کا قول تقیے اور ان کے ساتھ صلح جوئی کی قسم ہی سے ہے۔

پھر وہ ایک نئی راہ پر چلتے ہوئے ذکر کرتا ہے کہ طوسی کے کلام میں تناقض ہے، جو تقیے کا احساس دلاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس کا یہ بیان کرنا کہ ''کمی پر دلالت کرنے والی روایات بہت زیادہ ہیں'' یہ اس کی اس بات کے خلاف ہے کہ ''لیکن وہ آحاد اسانید کے ساتھ ہیں''، سوائے اس کے کہ ہمارے مذکورہ سبب یعنی تقیے پر محمول کیا جائے۔''

پھر ان تمام باتوں سے صرفِ نظر کر کے کہتا ہے:

''طوسی اپنے انکار میں معذور ہے، کیوں کہ اس کے پاس کتابیں تھوڑی تھیں، اس لیے اس کی تلاش میں کمی رہ گئی ہے۔''[2]

یہ طبرسی کا طوسی اور اس جیسے منکرینِ تحریف کے متعلق حیرت کا پہلو ہے۔ اگر یہ ان کے علما کی حالت ہے، جو تقیے کی وجہ سے اپنے ائمہ اور قدیم علما کے مذہب کی حقیقت سے واقف نہیں ہو پا رہے تو ہم تو حتمی اور یقینی نتیجے تک پہنچنے میں ان سے کہیں زیادہ معذور ہیں۔ طوسی، کو جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں، اس نے شہد میں زہر ملا دیا ہے اور اپنے مذہب کو بیان کرنے میں تناقض کا ارتکاب کر گیا ہے۔[3]

[1] المصدر السابق (ص: ٣٨)

[2] فصل الخطاب (ص: ٣٥١)

[3] جس طرح اس کا خیال ہے کہ عام لوگ یعنی اہلِ سنت اس کفر کی روایت میں اس کے فرقے کے ساتھ شریک ہوئے، یہ جھوٹ ہے۔ ان کے عالم مفید نے اکیلے اپنے فرقے کے اس بیماری میں مبتلا ہونے کی گواہی دی ہے۔ (أوائل المقالات، ص: ١٣) اہلِ سنت بلکہ تمام مسلمانوں کا کتاب اللہ کے تحریف، کمی یا زیادتی سے محفوظ اور سلامت رہنے پر اجماع ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ٩] اس آیت کی تفسیر میں علمائے اہلِ سنت کے اقوال دیکھنے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ کیجیے: القرطبي: جامع أحكام القرآن (١٠/ ٦٥) النسفي: مدارك التنزيل (٢/ ١٧٩) تفسير الخازن (٤/ ٤٧) تفسير ابن كثير (٢/ ٥٩٢) تفسير البغوي (٣/ ٤٤) البيضاوي: أنوار التنزيل (١/ ٥٣٨) الآلوسي: روح المعاني (١٤/ ١٦) صديق خان: فتح البيان (٥/ ١٦٨۔ ١٦٩) الشنقيطي: أضواء البيان (٣/ ١٢٠) سيد قطب: في ظلال القرآن (٥/ ١٩٤) وغیرہ وغیرہ۔

ائمہ اہلِ سنت کے کتاب اللہ کے محفوظ اور سلامت رہنے اور اس کی مخالفت کرنے والے کی تکفیر کے متعلق اجماع ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: قاضي عياض: الشفاء (٢/ ٣٠٤، ٣٠٥) ابن قدامة: لمعة الاعتقاد (ص: ٢٠) البغدادي: الفرق بين الفرق (ص: ٣٢) ابن حزم: الفصل (٥/ ٢٢) وغیرہ۔

## ③ شریف مرتضٰی (المتوفی ۴۳۶ھ) کا اس بہتان سے انکار:

وہ کہتا ہے:

’’قرآنِ کریم کی نقل کے صحیح ہونے کا علم بلاد، اہم حادثات، عظیم واقعات، مشہور کتابوں اور عرب کے لکھے ہوئے شعروں کے علم کی طرح ہے، اس پر بہت زیادہ توجہ دی گئی، اس کی حفاظت اور نقل کے اسباب وافر مقدار میں پیدا ہوگئے اور اپنی آخری حد تک پہنچ گئے، کیوں کہ قرآن معجزہ نبوت اور علومِ شرعیہ اور احکامِ دینیہ کا ماخذ ہے۔ علماے مسلمین نے اس کی حفاظت اور حمایت آخری حدوں تک کی، حتی کہ انھوں نے اس کے متعلق ہر اس چیز کی معرفت حاصل کی، جس میں اختلاف ہوا، جیسے اِعراب، قراء ات، حروف اور آیات تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اتنی سچی توجہ اور شدید ضبط کے ہوتے ہوئے اس میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع ہوگئی ہو؟‘‘

پھر وہ ذکر کرتا ہے کہ اگر کوئی کسی مشہور کتاب میں، جیسے سیبویہ اور مزنی کی کتب ہیں، کمی یا زیادتی کا ارادہ کرتا تو اس کو ضرور پہچان لیا جاتا اور نقل کیا جاتا، کیوں کہ اس فن کے ساتھ شغف رکھنے والے ان کی تمام تفاصیل سے آگاہ ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی داخل کرنے والا سیبویہ کی کتاب میں نحو کے بارے میں کسی ایسے باب کا اضافہ کرتا ہے، جو اس میں نہیں، تو اس کو بھی پہچان لیا جاتا، اس کی تمییز کر دی جاتی اور یہ جان لیا جاتا ہے کہ وہ اس میں الحاق شدہ ہے، اصل کتاب میں داخل نہیں، مزنی کی کتاب کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔

پھر یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ قرآن اور اس کے ضبط کو جو اہتمام دیا گیا ہے، وہ سیبویہ کی کتاب اور شعری مجموعوں کو نقل کرنے سے کہیں زیادہ صداقت پر مبنی ہے۔ امامیہ اور حشویہ میں سے جس نے اس کی مخالفت کی ہے، ان کی مخالفت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس میں اختلاف محدثین کی ایک جماعت کی طرف منسوب ہے، جنھوں نے ضعیف روایات نقل کیں اور ان کی صحت کا گمان کیا۔ معلوم اور قطعی الصحت روایات کے ہوتے ہوئے ان جیسی کمزور باتوں کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔[1]

گویا آخری جملہ اخباری شیعہ کے اس گمراہی پر مبنی موقف کو اپنانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔[2] یہ ان کے

---

[1] دیکھیں: مجمع البیان (۱/ ۳۱)

[2] علامہ آلوسی کا خیال ہے کہ وہ اس بات کے ساتھ اہلِ سنت پر تعریض کر رہا ہے۔ وہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے یا غلط فہمی، کیوں کہ اہلِ سنت کا اس قرآن میں کمی کے عدمِ وقوع پر اجماع ہے، جو تواتر کے ساتھ پہنچا ہے اور آج مجلد صورت میں موجود ہے۔ (روح المعاني: ۱/ ۲٤۔ ۲۵)

عالم شریف مرتضیٰ کے الفاظ ہیں (جس کو ابن حزم نے اس کفر کے قائلین سے مستثنیٰ قرار دیا ہے) صاحبِ ''مجمع البیان'' نے انھیں اس سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''مرتضی نے طرابلسی مسائل کے جواب میں اس حق مذہب کی تائید میں بھرپور کلام کیا ہے۔''[1]

یہ کتاب ہمیں نہیں ملی۔ متاخرین شیعہ نے اس سے نقل کرنے سے اغماض برتا ہے، جس طرح کاشانی نے تفسیر الصافی، بحرانی نے البرہان اور مجلسی وغیرہ نے بحار میں ایسا کیا ہے۔ مجھے (میرے مطالعے کے مطابق) اس کی صرف یہی عبارت ملی ہے، جو طبرسی نے "مجمع البیان" میں محفوظ کر لی ہے۔ لیکن کہا گیا ہے کہ یہ انکار تقیہ ہے، کیوں کہ اس نے "فصل الخطاب" کے مولف کے بہ قول:

''الشافی میں حضرت عثمان کے عیوب اور لوگوں کو زید کی قراءت پر جمع کرنے اور جس کے قرآن ہونے میں شک نہیں تھا، اس کو جلانے اور زائل کرنے کو بہت بڑی جسارت قرار دیا ہے۔''[2]

یہ بلاشبہہ اس کے اس بہتان کے انکار اور اس کے عقلی اور نقلی دلیل کے ساتھ ناممکن الحصول ہونے کے بیان کے مخالف ہے، یا تو یہ عبارت اس کی طرف منسوب کی گئی ہے، کیوں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ کس طرح اپنی کتابوں میں تبدیلی کرتے ہیں، جس طرح انھوں نے کتاب سلیم بن قیس کے ساتھ یہ سلوک کیا، خصوصاً اگر یہ اس آدمی کا عقیدہ ہے تو پھر تو لازمی طور پر اس پر بہت زیادہ گفتگو ہوئی ہوگی، تاہم "فصل الخطاب" کے مولف کو اس کے سوا اس کی کوئی دوسری عبارت نہیں ملی۔

یا پھر یہ انکار تقیے کی بنا پر ہوگا، لیکن یہ ان دلائل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کیے ہیں، پہلے سے زیادہ کمزور احتمال ہے۔ یہ نص کتاب اللہ پر طعن کے علاوہ حضرت علی سمیت تمام امت پر گمراہ ہونے کا فتویٰ ہے اور وہ ان لوگوں کی طرف سے جو ان کی حمایت اور موالات کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس منفرد قرآنی نسل کے بارے میں کوئی مسلمان ایسی بات تصور بھی کیسے کر سکتا ہے، جنھوں نے صرف ایک اللہ کی راہ کی خاطر اپنی جان، مال، اولاد اور وطنوں کی قربانی پیش کر دی، وہ کسی مصلحت اور کسی شخص کے لیے اپنی اسلام میں سبقت اور جہاد کو قربان کر کے اور دین اور دنیا کو بیچ کر ایسے شخص کی موافقت کر رہے ہیں، جو ان کے دین اور کتاب کی طرف بُری نیت سے ہاتھ بڑھا رہا ہے؟!

---

[1] دیکھیں: مجمع البیان (۱/ ۳۱)

[2] فصل الخطاب (ص: ۳۳)

یہ بہت بڑا بہتان ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ حضرت عثمان کا یہ کام ان کی سب سے بڑے منقبت ہے، جو امت کے اجماع کے ساتھ وقوع پذیر ہوا، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق خیر کے علاوہ اور کچھ نہ کہو۔ خدا کی قسم! انھوں نے مصاحف میں جو کچھ بھی کیا، ہمارے مشورے کے ساتھ کیا۔''[1]

اللہ تعالیٰ انھیں امت کی طرف سے جزاے خیر عطا فرمائے۔

## ④ طبرسی کا اس بہتان سے انکار:

طبرسی کا کہنا ہے:

''...قرآن میں کمی اور زیادتی کے بارے میں کلام تفسیر کے لائق نہیں، اس میں اضافے کے بطلان پر اجماع ہے، لیکن کمی کے بارے میں ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اور عامہ میں حشویہ کے ایک گروہ نے ذکر کیا ہے کہ قرآن میں تحریف اور کمی ہوئی ہے۔ ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ مرتضیٰ نے اس کی تائید کی ہے اور طرابلسی مسائل کے جواب میں اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔''[2] اس کے بعد اس نے اس کا کچھ کلام نقل بھی کیا ہے۔

وہ یہاں اشارہ کر رہا ہے کہ اس کے اصحاب کی ایک جماعت نے کتاب اللہ میں کمی اور تحریف کی روایات ذکر کی ہیں اور محقق شیعہ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ وہ یہاں، شیعہ علما کی عادت کے مطابق، کوشش کر رہا ہے کہ بعض اہلِ سنت کو بھی، جنھیں وہ ''حشویہ'' اور ''العامة'' کے نام سے یاد کر رہا ہے، اپنے مذہب کے دفاع کی ایک صورت، اپنی شرمندگی زائل کرنے اور اہلِ سنت کی باطنی انداز میں تنقید کے ایک رنگ کے طور پر انھیں بھی اس کفر میں شریک کر لے۔ یہ جس طرح آلوسی نے کہا ہے کہ جھوٹ ہے یا غلط فہمی، کیوں کہ جو قرآن آج مجلد صورت میں تواتر کے ساتھ موجود ہے، اہلِ سنت کا اس میں کمی کے عدمِ وقوع پر اجماع ہے۔

البتہ جو متواتر نہیں تھا اور جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی، جس کو علم نہیں تھا، وہ اس کی تلاوت کرتا تھا اور وہ جو آخری دور میں (یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل کے ساتھ قرآن کا جو آخری دور کیا تھا) شامل نہیں تھا، اس کو ساقط کر دیا گیا، انھوں نے اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، مگر اس کا نور آفاقِ عالم میں

---

[1] اسے ابن ابی داود نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباري (١٣/ ١٨) میں ذکر کیا ہے۔
[2] اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ دیکھیں (ص: ٣٢٥)

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھیلا۔[1] علامہ آلوسی نے طبرسی کی ذکر کردہ باتوں پر بحث کی ہے اور اس کے اوہام بیان کیے ہیں۔[2] علامہ آلوسی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا اس جھوٹ سے انکار کرنے کا سبب اس کے مذہب کا فساد عام ہونے، حتیٰ کہ بچوں تک کے سامنے واضح ہونے کی وجہ سے ہے، الحمد للہ حق ظاہر ہوگیا ہے اور اس جنگ سے اللہ مسلمانوں کو کافی ہوگیا۔[3]

"مجمع البیان" کے مطالعے کے دوران میں میرے سامنے یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ طبرسی نے اس عار کو چھپانے کے لیے یہ کوشش یا حیلہ کیا ہے، اس نے اس کہانی کے متعلق اپنے بعض اصحاب کی وہ روایات، جن میں ہے کہ یہ آیت اس طرح تھی، پھر اس طرح بدل دی گئی، اس طرح بدل کر یا غیر واضح انداز میں پیش کی ہیں کہ اہلِ سنت دھوکا کھا جائیں اور ان کے سامنے اس رسوائی کی صورت واضح نہ ہوسکے۔ ان روایات میں ذکر ہونے والی ان بعض کہانیوں کو اس نے اس طرح بیان کیا ہے، گویا یہ بھی ایک مروی قراءت ہے۔

یہاں ہم مثال کے طور پر ان کی تحریف کی کہانیوں کی ان کی اصل کتابوں سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں اور طوسی نے ان میں کیا تبدیلی کی ہے، وہ بھی ذکر کرتے ہیں۔

تفسیر قمی میں اس آیت: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ۳۳] کی تفسیر میں ہے عالم (امام سے کنایہ ہے) نے کہا: یہ آیت اس طرح نازل ہوئی: "وآل عمران و آل محمد علی العالمین"، تو انھوں نے قرآن سے "آل محمد" ساقط کر دیا۔[4]

تفسیرِ فرات میں حمران سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابوجعفر کو سنا، وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: "إن اللّٰه اصطفیٰ آدم و نوحاً وآل إبراهيم وآل محمد على العالمين"، میں نے کہا: اس کو اس طرح تو نہیں پڑھا جاتا؟ انھوں نے کہا: ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف داخل کر دیا گیا ہے۔''[5]

تفسیر عیاشی میں ہشام بن سالم سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے اس آیت: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى

[1] روح المعاني (۱/ ۲۵)
[2] دیکھیں: المصدر السابق (۱/ ۲٤۔ ۲۵)
[3] المصدر السابق (۱/ ۲٤)
[4] تفسير القمي (۱/ ۱۰۰)
[5] تفسير فرات (ص: ۱۸) بحار الأنوار (۹۲/ ٥٦)

﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران: ٣٣] کے متعلق ابوعبداللہ سے پوچھا تو انھوں نے نے کہا: وہ ''آل إبراهيم و آل محمد على العالمين'' ہے۔ ایک نام کی جگہ انھوں نے دوسرا نام رکھ دیا۔''[1]

اس جعل سازی اور افترا پردازی کا ہدف صرف یہ کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بارہ اماموں کے قول کو ثابت کیا جائے اور یہ بات ان کے ذہن سے اوجھل رہی کہ آلِ محمد کا لفظ عام ہے اور بارہ سے مراد ان کے ہاں صرف حضرت علی، ان کے دونوں بیٹے اور ان کے ایک بیٹے کی اولاد ہے، ان کے علاوہ جتنے بھی ہیں، وہ سَب تکفیر اور گالی گلوچ کا نشانہ ہیں، جس طرح آگے ذکر ہوگا۔ اب نہ جعل سازی سے ان کا مقصد حاصل ہوا نہ تاویل ہی سے امر مقصود حاصل ہوا۔ یہ کہانیاں جو اللہ کی کتاب اور اصحابِ رسول، جن میں اہلِ بیت بھی شامل ہیں، پر افترا پردازی کرتی ہیں اور انھیں ان کی کتبِ تفسیر نقل کرتی ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ''مجمع البيان'' کا مولف انھیں اس طرح تعبیر کرتا ہے:

''اہلِ بیت کی قراءت میں ہے: ''و آل محمد على العالمين''[2]

ایسے ہی اس نے شیعہ کی کئی افترا پردازیوں کو مختلف قراءات قرار دے دیا ہے۔[3] بعض اوقات وہ اس

---

[1] تفسير العياشي (١/ ١٦٨) البرهان (١/ ٢٧٨) فصل الخطاب (ص: ٢٤٤)

[2] مجمع البيان (٢/ ٦٢)

[3] جس طرح اس آیت: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [التوبة: ٧٣] میں کہا ہے: ''تفسیر قمی میں ہے: یہ اس طرح نازل ہوئی: ''جاهد الكفار بالمنافقين'' کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے منافقوں کے ساتھ تلوار کے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ (تفسير القمي: ١/ ٣٠١) یہ کہانی رافضہ کے صحابہ کرام کو نفاق کا الزام دینے کے مذہب کی موافقت میں وضع کی گئی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہاد میں اپنے رسول کو منافقوں پر اعتماد کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ جماعت رافضہ اسلام میں جہاد کو منافقوں کے کندھے پر قائم قرار دیتی ہے۔ یہ بات اسلام، تاریخِ اسلام اور تفسیرِ قرآن کے متعلق کھلم کھلی جہالت پر مبنی ہے، یا پھر الحاد اور زندیقیت ہے، اس کے باوجود یہ طبرسی اس افسانے کے متعلق اس طرح بیان کرتا ہے: ''اہلِ بیت کی قراءت میں مروی ہے: ''جاهد الكفار بالمنافقين'' اس نے اس آیت کی توجیہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے: ''آپ ان کو ساتھ ملا لیتے تھے، کیوں کہ منافق کفر کا اظہار نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کا ان کے کفر کے متعلق علم ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا، کیوں کہ وہ ایمان کا اظہار کرتے تھے۔'' (مجمع البيان: ٣/ ١٠٠)

لیکن یہ توجیہ کی صورت اس آیت کے معنی کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ منافقوں کو ملانا کس طرح ان کو ساتھ لے کر کافروں کے ساتھ جہاد ہو سکتا ہے؟ اسلام میں کبھی منافقوں کے ساتھ جہاد رونما نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا﴾ [التوبة: ٤٧] اس آیت کی تفسیر میں سلف کا کہنا ہے: ''کافروں کے ساتھ تلوار کے ساتھ ان کو قتل کر کے جہاد کر، ایسے ہی منافقوں کے ساتھ زبان کے ساتھ سختی اختیار کر کے جہاد کر۔ جس طرح حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ یا ہاتھ، زبان یا دل کے ساتھ حسبِ طاقت، ان کو ترش روئی سے ملو، جس طرح ابن مسعود کا قول ہے یا ان پر حد قائم کر کے جہاد کر، جس طرح حسن اور قتادہ کا قول ہے۔ ←

بہتان (تحریف) کو آیت کا معنی قرار دے دیتا ہے۔ اس آیت ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾[محمد: ۹] کے متعلق ان کی ایک کہانی میں ہے: ابوجعفر سے مروی ہے:

''جبرائیل رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے: "ذلك بأنهم كرهوا ما أنزل الله (في علي) فأحبط أعمالهم" یہ "في علي"[1] کا خودساختہ اضافہ آپ دیکھتے ہیں کہ طبرسی کے ہاں آیت کے ایک معنی میں بدل جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "كرهوا ما أنزل الله في حق علي"[2] کہ علی کے حق میں جو نازل ہوا، اس کو انھوں نے ناپسند کیا۔ یہ کتاب "مجمع البيان" میں مذکور ان تفسیروں کا کچھ نمونہ ہے، جس کی تالیف میں اس نے طوسی کے "التبيان" والے منہج کو اپنایا ہے اور عہد متاخر کے شیعہ کے ''ثقہ'' عالم نوری طبرسی نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ کتاب "التبيان" حریف کے ساتھ صلح جوئی اور تقیے کے اسلوب پر لکھی گئی ہے، اس وصف کی سچائی ان دونوں کتابوں پر لاگو ہوتی ہے، کیوں کہ دونوں کا منہج ایک ہے۔

"مجمع البيان" کے اسلوب سے اہلِ سنت کی طرف منسوب لکھاریوں کی ایک قلیل تعداد دھوکا کھا گئی ہے، جو قاہرہ میں دار التقریب کے متعلقین ہیں۔ یہ دار التقریب ماضی قریب تک بڑا فعال رہا ہے، جب تک اس کی حقیقت پوشیدہ تھی، انھوں نے تقریب (اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان فاصلے مٹانے کی کوشش) کے نام پر اس کتاب کو شائع کیا اور اہلِ سنت کی طرف منسوب چھے علما نے اس کی تصحیح وتحقیق اور نظر ثانی کا کام کیا۔[3]

کیوں کہ ان کی عبارتوں سے ناواقف اس تفسیر کے تہہ منظر میں پوشیدہ ''دھوکے'' کا ادراک نہیں کر سکتا، بہ ظاہر اسی اسلوب نے بعض شیعہ کو طوسی کے انکار کو تقیے پر محمول کرنے پر آمادہ کیا۔

یہ ہیں وہ چار علما جن کے میں نے اقوال نقل کیے ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے لوگ ہوں، جنھوں نے (تحریفِ قرآن کا) انکار کیا ہو، لیکن ان کے اقوال ہم تک نہیں پہنچے۔

مفید نے "أوائل المقالات" میں امامیہ کی ایک جماعت کی طرف انکار کی نسبت کی ہے، جس طرح

---

← یہ تمام معانی منافقوں کے ساتھ سختی کرنے اور درگزر نہ کرنے پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے عطا کا قول ہے: اس آیت نے عفو اور درگزر کو مکمل منسوخ کر دیا ہے۔ (تفسير الطبري: ۱۲/ ۱۸۳، ۱۸٤، تفسير البغوي: ۲/ ۳۱۱) آپ اس آیت کے الفاظ میں، جو منافقوں کے ساتھ جہاد کا حکم دیتی ہے اور اِس خودساختہ قراءت کے درمیان جو ان کے ساتھ مل کر جہاد کا حکم دیتی ہے، بہت بڑا فرق محسوس کر رہے ہیں۔

[1] دیکھیں: فصل الخطاب (۳۳۰۔۳۳۱)

[2] مجمع البيان (٦/ ۳۲)

[3] دیکھیں: مجمع البيان (۱۰/ ۵۷۵) كلمة ختامية، ط: دار التقريب.

پہلے گزر چکا ہے۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ پہلی صدیوں میں ان چاروں کا کوئی پانچواں ہم نوا نہ ہو، جس طرح فصل الخطاب کے مولف کا کہنا ہے، جو اس آواز کو دبانا چاہتا ہے اور تمام شیعہ کو اپنا ہم نوا قرار دیتا ہے۔ [1]

آخر میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شیعہ کی کتابوں میں کتاب اللہ کے ساتھ تعرض کرنے والی روایات کے رد اور انکار میں ان کے بڑے علما کا یہ موقف ہم نہیں کہہ سکتے کہ تقیے پر مبنی ہو، کیوں کہ اسے یقینی طور پر جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ اگرچہ بعض سنی [2] اور بعض شیعہ [3] کی یہی رائے ہے۔ میں نے فصل الخطاب میں ملاحظہ کیا ہے کہ دونوں گروہوں کے درمیان کشمکش قائم ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ان میں جھوٹ اور ان کی اپنی کتابوں میں دخل اندازی عام ہے۔ تاہم جو اس کفر سے (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بعد) براءت کا اظہار کرتا ہے، ہم اس کی بات تسلیم کرتے ہیں اور بھید اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔

یہ انکار ایک قدم ہے، جس کے بعد مزید قدم اٹھائے جانے چاہییں اور انھیں چاہیے کہ ان تمام مسائل میں نظر ثانی کریں، جن میں یہ مسلمانوں کی جماعت سے منفرد ہیں۔ شیعہ عالم مجلسی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ انھیں یہ منہج اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی رائے کے مطابق تحریف کی روایات کے انکار پر، جو جھوٹی متواتر سندوں کے ساتھ ان کی کتابوں میں بھری ہوئی ہیں، ان کی تمام روایات پر عدمِ اعتبار مرتب ہوگا اور یہی سچ ہے۔ ان کی کتابوں میں اس جھوٹ کا تواتر اس کے موضوع ہونے اور شیعہ کتب میں جھوٹ کے عام ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

## نتائج:

① اس بات کا احتمال ہے کہ شیعہ کے ہاں اس کہانی کا آغاز دوسری صدی میں ہوا اور بعض غالی شیعہ نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا (بعض کے نام گزر چکے ہیں) اس کا سبب کتاب اللہ کا ایسی باتوں سے خالی ہونا تھا، جو ان کی امامت اور صحابہ کرام کے متعلق بدعت کو ثابت کر سکے۔

② شیعہ کی اکثر معتبر کتابوں نے اس کفر کو روایت کیا ہے۔ یہ اکثر روایات صریح وارد ہوئی ہیں اور انھیں اس پر محمول کرنا کہ وہ اس سے ایک کی تفسیر یا وارد شدہ قراءت مراد لیتے ہیں، ناممکن ہے، بلکہ یہ صراحت کرتی ہیں کہ آیت اس طرح نازل ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (ان کے دعوے کے مطابق) اس طرح بدل دیا،

---

[1] دیکھیں: صفحہ نمبر (۳۰۷) حاشیہ (۲)

[2] دیکھیں: صفحہ نمبر (۲۳۹)

[3] دیکھیں: صفحہ نمبر (۳۰۹)

مثلاً اس طرح کے الفاظ:

''یہ آیت ان میں سے ہے، جن کو انھوں نے تبدیل کیا اور ان میں تحریف کی...۔''[1]

ان سے وہ صحابہ کرام مراد لیتے ہیں۔ شیعہ کا کہنا ہے:

''اللہ نے سات کو نام کے ساتھ نازل کیا، قریش نے چھے کو مٹا دیا اور ابولہب کو رہنے دیا۔''[2]

''اس میں کچھ آدمیوں کے نام تھے، جنھیں حذف کر دیا گیا۔''[3]

ان کا کہنا ہے:

''خدا کی قسم! جبریل تو محمد ﷺ پر (یہ آیت) اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے، لیکن یہ کتاب اللہ کی ان آیات میں ہے، جن میں تحریف کی گئی ہے۔''[4]

نیز ان کا کہنا ہے:

''کیوں نہیں، خدا کی قسم! یہ اس میں ثابت ہے، سب سے پہلے جس نے یہ تبدیلی کی، وہ ابن اروی (عثمان) ہے۔''[5]

اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ لہٰذا جو شیعہ یہ کہتا ہے کہ ان کی کتابوں میں مذکور روایات قراءات اور ان آیات کی قبیل سے ہیں، جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، وہ اس کفر پر پردہ ڈالتا اور حق کو باطل کے برابر ٹھہراتا کرتا ہے۔

③ ان کے بہت زیادہ علما نے اپنی معتبر کتابوں میں ان کہانیوں کی شہرت اور کثرت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ خود ان کی کتابوں میں طعن ہے، کتاب اللہ میں نہیں۔ اس لیے ان کے بعض عقل مندوں نے اس تنگنائے سے مذہب کو نکالنے یا اس رسوائی کو چھپانے کی کوشش کی ہے، لیکن منکرین کے انکار کے باوجود ہر صدی میں اس کہانی کی روایات میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور شیعیت کے لبادے میں زندیقوں کے ایک ٹولے نے اس کی اشاعت کی ذمے داری اپنے سر لی ہوئی ہے۔

---

[1] بحار الأنوار (٩٢/ ٥٥)

[2] رجال الكشي (ص: ٢٩٠) بحار الأنوار (٩٢/ ٥٤)

[3] تفسير العياشي (١/ ١٢) بحار الأنوار (٩٢/ ٥٥)

[4] بحار الأنوار (٩٢/ ٥٦)

[5] تفسير فرات ص: ١٧٧) بحار الأنوار (٩٢/ ٥٦)

بلاشبہہ اس کہانی کے قائل کا اسلام میں کوئی حصہ ہے نہ اللہ کی کتاب، دین، رسول، اسلام اور آپ کے آلِ بیت کے ساتھ ہی اس کا کوئی تعلق ہے، بلکہ اس کا اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین ہے، لیکن تحریفِ قرآن کے قائلین اور ان کہانیوں کے ناقلین کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب سے استشہاد کرتے ہیں، اپنی کتب کا ہر باب قرآنی آیات کے ساتھ شروع کرتے ہیں، جس طرح مجلسی ''بحار'' میں اور طبرسی ''مستدرک الوسائل'' میں کرتا ہے، بلکہ طبرسی نے ''فصل الخطاب'' میں جو لکھا ہے، اس کے باوجود وہ اپنی کتاب ''مستدرک الوسائل'' میں اس عنوان "باب استحباب الوضوء لمس كتابة القرآن ونسخه، وعدم جواز مس المحدث والجنب كتابة القرآن"[1] (قرآن لکھنے کے لیے وضو کا مستحب ہونا اور بے وضو اور جنبی شخص کے لیے قرآن لکھنا جائز نہیں) کے تحت باب قائم کیا ہے۔

بلکہ شیعہ عالم مجلسی، جس نے کہا ہے کہ یہ کہانیاں مشہور ہیں اور امامت کی روایات سے کم نہیں، اس کے باوجود کہتا ہے:

''جو دو جلد کے پرتوں کے درمیان ہے، وہ حقیقت میں کمی اور زیادتی کے بغیر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔''[2]

اس کے بعد اس نے اس قول اور تحریفِ قرآن کی کہانیوں کے درمیان تناقض محسوس کیا تو کہا:

''اگر کوئی کہنے والا کہے کہ یہ قول کس طرح صحیح ہے کہ جلد کے دو پرتوں کے درمیان جو ہے، وہ حقیقت میں کسی کمی اور زیادتی کے بغیر اللہ کا کلام ہے، جب کہ تم اپنے ائمہ سے روایت کرتے ہو کہ وہ پڑھتے ہیں: "كنتم خير أئمة" ("أمة" کے بجائے) "أخرجت للناس" یا "كذلك جعلناكم أئمة ("أمة" کے بجائے) وسطًا" یا "يسئلونك الأنفال" ("عن الأنفال" کے بجائے) اور یہ اس مصحف کے خلاف ہے، جو لوگوں کے پاس ہے؟

تو اس کو کہا جائے گا: وہ روایات جن میں ان کا ذکر ہوا ہے، وہ اخبارِ آحاد ہیں، جنھیں قطعی طور اللہ تعالیٰ کا کلام قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے ہم نے ان میں توقف کیا ہے اور اس ظاہر مصحف سے اعراض نہیں کیا، جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے... اس کے ساتھ ساتھ ہم اس بات کا بھی انکار نہیں کرتے کہ قراءت کی دو وجوہ نازل ہوئی ہوں، ایک وہ جو مصحف میں اور دوسری وہ جس کا روایات ذکر کرتی ہیں، جس طرح ہمارے مخالف بھی اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن مختلف وجوہ میں نازل ہوا ہے۔''

---

[1] مستدرك الوسائل (١/ ٤٣)

[2] بحار الأنوار (٩٢/ ٧٥)

اس کے بعد اس نے بعض قراءات کا ذکر کیا ہے۔[1]

ان کفریہ عقائد کا غوغا کرنے والوں کا جب اپنا آخری فیصلہ یہ ہے تو انھوں نے جھوٹی باتیں پھیلائیں اور نقل کیں؟ ہماری گذشتہ معروضات سے اس کا جواب واضح ہوجاتا ہے کہ انھوں نے یہ کام اپنی قوم اور پیروکاروں کو اپنے عقائد کی صحت کے متعلق مطمئن کرنے کے لیے کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (نعوذ باللہ) وہ آیات ہی حذف کر دی ہیں، جو ان کے مذہب پر گواہی ثبت کرتی ہیں، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے قرآن کے علاوہ دیگر الٰہی کتابوں کے نزول کا دعویٰ بھی کیا اور باطنی تفسیر کا سہارا بھی لیا۔ یہ سارے کام انھوں نے محض اپنے شذوذات کو ثابت کرنے کے لیے کیے ہیں۔

لہٰذا یہ تمام تر دعوے صرف ان باتوں سے بچنے کی کوششیں تھیں، جو اُن کو لازم آتی ہیں، مثلاً قرآنِ کریم کا اِن کے عقائد ثابت کرنے والے دلائل سے خالی ہونا، لیکن ان روایات کے شیعہ کے فرقوں پر اثرات[2] تھے، بلکہ خود اثنا عشریہ ان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

چنانچہ ان کا اخباری فرقہ اپنی روایات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ترجیح دیتا ہے، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے،[3] بلکہ یہ بات مشہور ہے کہ اثنا عشریہ کا ایک مخصوص مصحف ہے۔

④ جس طرح ان کی روایات تحریف کی قائل ہیں، اسی طرح ان کی بعض ایسی روایات بھی ہیں، جو اس باطل کا انکار اور تردید کرتی ہیں، مثلاً ان کے امام کا یہ قول:

> ''ساری امت کے تمام فرقوں کا اتفاق ہے، ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن حق ہے، اس میں کوئی شک نہیں، وہ اس پر اجماع کی حالت میں صحیح راہ پر ہیں، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی۔''[4]

ایسے ہی ان کی وہ روایات جو تلاوتِ قرآن کے ثواب کے متعلق[5] اور حاملِ قرآن کی فضیلت کے

---

[1] حوالہ سابقہ۔

[2] جس طرح دروز فرقہ ہے، جنھوں نے اپنا ایک مصحف اختیار کیا ہوا ہے، جسے وہ "مصحف المنفرد بذاته" کا نام دیتے ہیں۔ دیکھیں: مصطفیٰ الشكعة: إسلام بلا مذاهب (مقدمة الطبعة الخامسة) الخطيب: عقيدة الدروز (ص: ۱۸۳، ۱۸٤)

[3] دیکھیں: صفحہ نمبر (۱۳۴)

[4] دیکھیں: الشعراني: تعاليق علمية على شرح الكافي للمازندراني (۲/ ٤١٤) مکمل عبارت ''اجماع کے متعلق شیعہ کا عقیدہ'' کے مبحث میں ملاحظہ کریں۔

[5] دیکھیں: أصول الكافي، كتاب فضل القرآن (۲/ ٦١١)

بارے میں ہیں۔"[1]

روایات و احادیث کو قرآن پر لازماً پیش کرنے[2] اور قیامت تک اس کے ساتھ تمسک اختیار کرنے کے متعلق ہیں اور یہ بات اس کے تحریف شدہ یا ان کے منتظر کے پاس مخفی ہونے کے خلاف ہے۔

⑤ یہ واضح ہوا کہ یہ کہانی بہ ذاتِ خود باطل کی حامل ہے، اس کے عناصر ترکیبی سے اس کا فاسد ہونا روشن ہو چکا ہے، گویا اسے صرف پیش کرنا، اس کے رد اور روافض کے جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہے، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں اکثر کے نزدیک الٰہ اور خالق ہیں، بعض کے نزدیک نبی ناطق ہیں اور تمام شیعہ کے نزدیک امام معصوم، حکمران اور بادشاہ ہیں۔ آپ پانچ سال نو (۹) ماہ تک خلیفہ رہے، جن کی اطاعت کی جاتی رہی اور ان کا امر غالب رہا، قرآن ہر جگہ مساجد میں پڑھا جاتا رہا، آپ لوگوں کو اس کے ساتھ امامت کرواتے رہے، مصاحف آپ کے ساتھ اور سامنے تھے، اگر وہ اس میں کوئی تبدیلی دیکھتے، جس طرح رافضہ کہتے ہیں، تو کیا وہ ان کو اس پر برقرار رکھتے؟ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسن آئے، وہ بھی ان کے ہاں اپنے باپ کی طرح تھے، وہ بھی اسی پر گامزن رہے۔ اس کے باوجود ان احمقوں کے لیے یہ کہنا کس طرح روا ہے کہ مصحف میں کوئی حرف کم یا زیادہ یا بدلا ہوا ہے؟

ان پر ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا جنھوں نے قرآن میں تحریف کی اور اسلام کو بدل ڈالا، اہلِ شام سے جہاد کرنے سے زیادہ اہم اور ضروری تھا، جنھوں نے ان کی ایک چھوٹی سی رائے میں مخالفت کی تھی، لہٰذا رافضہ کا جھوٹ ایسی برہان سے واضح ہو چکا ہے، جس سے کوئی چھٹکارا نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین.[3]

---

[1] أصول الكافي (٣/ ٦٠٣)

[2] أصول الكافي، باب الرد إلى الكتاب والسنة (١/ ٥٩

[3] ابن حزم: الفصل (٢/ ٢١٦۔ ٢١٧)

دوسری فصل

# سنت کے متعلق شیعہ کا عقیدہ

امام عبد القادر بغدادی رحمہ اللہ شیعہ کو منکرینِ سنت سمجھتے ہیں، کیوں کہ وہ رسولِ ہدایت حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔[1] جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الاحتجاج بالسنة" میں اپنے زمانے میں انکارِ سنت، عدمِ حجیتِ حدیث اور صرف قرآن کریم پر اکتفا کرنے کی ظاہر ہونے والی ایک منحرف دعوت کا ذکر کرتے ہیں، جس کا سرغنہ ایک رافضی شخص تھا۔ انھوں نے اپنی یہ کتاب اسی رجحان فکر کے رد میں لکھی ہے۔

چناں چہ معلوم ہوا کہ شیعہ سنت سے دشمنی رکھتے ہیں اور اسی لیے اہلِ سنت کا یہ نام نبی اکرم ﷺ کی سنت کی اتباع کی وجہ سے مخصوص ہوا۔[2] یہ بات اہلِ سنت کے بعض مصادر کے مطابق ہے، لیکن شیعہ اپنے ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر چیز کتاب وسنت کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مطابق نہ ہو، وہ محض جھوٹ اور بے حقیقت ہے۔[3] اس مفہوم میں ان کی کئی روایات ہیں،[4] جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا انکار نہیں کرتے، بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے کتاب اللہ کے ساتھ معیار اور فیصل مانتے ہیں۔

البتہ شیعہ کی روایات اور عبارتوں کا مطالعہ وتحقیق کرنے والا اس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے کہ شیعہ ظاہری طور پر سنت کے قائل ہیں، لیکن باطنی طور پر اس کے منکر ہیں، کیوں کہ ان کی اکثر روایات اور اقوال اس سنت کی راہ سے الگ تھلگ اور مخالف ہیں، جس کو مسلمان فہم، تنفیذ اور اسناد اور متون کی شکل میں جانتے ہیں۔ یہ حقیقت مندرجہ ذیل باتوں سے واضح ہوتی ہے:

---

[1] دیکھیں: الفرق بین الفرق (ص: ٣٢٢، ٣٢٧، ٣٤٦)

[2] المنتقى (ص: ١٨٩) منهاج السنة (٢/ ١٧٥)

[3] البهبودي: صحيح الكافي (١/ ١١)

[4] دیکھیں: أصول الكافي مع شرحه، باب الأخذ بالسنة و شواهد الكتاب (٢/ ٤١٧) و صحيح الكافي (١/ ١١)

۞ امام کا قول اللہ اور اس کے رسول کے قول کے مانند ہے۔

ان کے ہاں سنت کی تعریف یہ ہے:

''معصوم سے صادر ہونے والا ہر قول، فعل اور تقریر سنت ہے۔''[1]

جو ان کے مذہب کے مزاج سے ناواقف ہے، وہ اس قول میں سنت سے ان کے انحراف کی وسعت کو ملاحظہ نہیں کر سکتا، کیوں کہ معصوم تو صرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں، لیکن شیعہ یہ صفت رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسروں کو دے کر ان کے قول کو اللہ اور اس کے رسول کے قول کی طرح قرار دیتے ہیں اور اس سے مراد اثنا عشریہ کے ائمہ ہیں، ان کے نزدیک اس صفتِ عصمت میں ان بارہ اماموں اور اس امام معصوم (ﷺ) کے درمیان کوئی فرق نہیں، جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے، بلکہ وحی کی اتباع میں بولتے ہیں۔

''لہٰذا یہ بارہ امام نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والے راویوں اور محدثین کی طرح نہیں ہیں کہ ان کا قول صرف روایت میں ثقہ ہونے کی صورت میں حجت ہو، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی زبان سے رونما ہونے والے احکام کی تبلیغ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، جس طرح یہ احکام اللہ تعالیٰ کے ہاں رونما ہوئے ہیں، وہ تو صرف اسی طرح انھیں بیان کرتے ہیں۔''[2]

ان بارہ اماموں کی بچپن کی عمر کے کلام اور عقلی پختگی کی عمر کے کلام میں (شیعہ کے ہاں) کوئی فرق نہیں، کیوں کہ یہ ان کی نظر میں ساری زندگی عمداً غلطی کرتے ہیں نہ سہواً اور نہ بھول کر ہی۔ اس کی تفصیل امامت کے مسئلے میں آئے گی۔

اس لیے شیعہ کے ایک معاصر عالم کا کہنا ہے:

''ائمہ کی عصمت کے عقیدے نے ان سے صادر ہونے والی احادیث کو اتصالِ سند کی شرط، جس طرح اہلِ سنت کے ہاں ہے، کے بغیر ہی صحیح قرار دے دیا ہے۔''[3]

کیوں کہ امامت ان کے ہاں ''نبوت کا استمرار اور تسلسل''[4] ہے اور ائمہ رسولوں کی طرح ہیں۔ ''ان کا قول اللہ کا قول، ان کا حکم اللہ کا حکم، ان کی فرمانبرداری، اللہ کی فرمانبرداری اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی

---

[1] محمد تقي الحكيم: الأصول العامة للفقه المقارن (ص: ١٢٢)

[2] المظفر: أصول الفقه المقارن (٣/ ٥١) نیز دیکھیں: السالوس: أثر الإمامة (ص: ٢٧٤)

[3] عبد الله فياض: تاريخ الإمامة (ص: ١٤٠)

[4] محمد رضا مظفر: عقائد الإمامية (ص: ٦٦)

ہے۔ وہ تو صرف اللہ اور اس کی وحی سے بولتے ہیں۔''[1]

اس مذہب میں حجت شمار ہونے والی کتاب ''کافی'' میں، مولف کے گمان کے مطابق، ابوعبداللہ کا، قول ہے:

''میری حدیث میرے باپ کی حدیث ہے اور میرے باپ کی حدیث میرے دادا کی حدیث، میرے دادا کی حدیث حسین کی حدیث ہے اور حسین کی حدیث حسن کی حدیث۔ حسن کی حدیث امیر المومنین کی حدیث ہے اور امیر المومنین کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔''[2]

کافی کا شارح ذکر کرتا ہے کہ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ائمہ طاہرین میں سے ہر ایک کی حدیث اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور ان کے اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان میں کوئی اختلاف نہیں۔[3]

بلکہ اس کا کہنا ہے:

''جو بھی ابوعبداللہ سے کوئی حدیث سنے، اس کے لیے اسے ان کے والد یا اجداد میں سے کسی ایک سے بھی روایت کرنا جائز ہے، بلکہ یہ کہہ دینا بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔''[4]

یہ قول صریحاً بندوں کے اقوال کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کی اجازت دیتا ہے، پھر اس نے ذکر کیا ہے کہ ان کی بعض روایات اس کے جواز بلکہ اس طرزِ عمل کے بہتر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔[5]

کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: جو حدیث میں آپ سے سنوں، کیا میں اس کو آپ کے والد سے روایت کر سکتا ہوں یا جو میں آپ کے والد سے سنوں، اس کو آپ سے روایت کر سکتا ہوں؟ انھوں نے کہا: ''ایک ہی بات ہے، لیکن اگر تم میرے والد سے روایت کرو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہوگا۔''

ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ نے جمیل سے کہا: ''جو تم نے مجھ سے سنا ہے، اسے میرے باپ سے روایت کرو۔''[6]

---

[1] ابن بابويه: الاعتقادات (ص: ١٠٦)

[2] أصول الكافي، كتاب فضل العلم، باب رواية الكتب والحديث (١/ ٥٣) وسائل الشيعة (١٨/ ٥٨)

[3] المازندراني: شرح جامع على الكافي (٢/ ٢٧٢)

[4] حوالہ سابقہ.

[5] حوالہ سابقہ.

[6] أصول الكافي مع شرحه (٢/ ٢٥٩)

یہ روایات ان کے لیے صریحاً اور کھلم کھلے انداز میں جھوٹ بولنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ لوگ (مثال کے طور پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہیں، جو انھوں نے نہیں کہیں، بلکہ ان کے غیر معروف احفاد و اولاد میں سے کسی نے کہی ہیں، حتی کہ جو قول ان کے امام منتظر کی طرف منسوب ہے، اس کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا جائز ہے، بلکہ مذکورہ بالا صریح روایت کی دلالت کے مطابق اعلیٰ کی طرف نسبت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

اسی روایت سے کافی کے شارح نے یہ استدلال کیا ہے کہ ائمہ کے اقوال کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ یہ بہت بڑی جسارت اور اللہ تعالیٰ کی گستاخی ہے۔ پس سنت ان کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی نہیں، بلکہ ائمہ کی سنت بھی ہے اور ان ائمہ کے اقوال اللہ اور اس کے رسول کے اقوال کی طرح ہیں۔ اس لیے انھوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ شیعہ نے یہ سنتِ مطہرہ میں الحاق و اضافہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''شیعہ امامیہ نے اپنے بارہ اماموں سے صادر ہونے والے ہر قول، فعل اور تقریر کو سنتِ مطہرہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔''[1]

اس مسئلے میں انھوں نے یہ قول اپنے دو بنیادی مگر خطرناک قواعد کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ ان کے ایک معاصر شیعہ عالم نے یہ بحث کرتے ہوئے کہ ان کے ہاں امام کا قول بندوں پر حجت اور واجب الاتباع ہونے کے اعتبار سے نبی کے قول کے قائم مقام ہے اور وہ تو صرف ان واقعاتی احکام کو اسی طرح بیان کرتے ہیں، جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع پذیر ہوتے ہیں، پھر وہ ذکر کرتا ہے کہ ائمہ دو طریقوں سے یہ احکام اخذ کرتے ہیں:

1. الہام کے ذریعے، جس طرح نبی وحی کے ذریعے احکامِ الٰہی وصول کرتا ہے۔
2. یا اپنے سے پہلے معصوم سے تلقی (حصولِ علم) کے ذریعے، جس طرح ہمارے آقا امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب کی تعلیم دی، میرے سامنے ہر باب سے ایک ہزار باب کھل جاتا ہے۔''[2]

معلوم ہوا کہ ائمہ کا علم دو طرح کا ہے: علم حادث (جو جب چاہیں وقوع پذیر ہو جاتا ہے) یہ الہام وغیرہ کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے اور دوسرا وہ علم جو ان کے پاس امانت ہے اور ان کو رسول سے وراثتاً ملا ہے، اور یہ دونوں سنت شمار ہوتے ہیں۔ ذیل میں شیعہ کے ان دونوں خطرناک قواعد کی وضاحت کی جاتی ہے۔

---

[1] محمد تقي حكيم: سنة أهل البيت (ص: ٩)

[2] محمد رضا المظفر: أصول الفقه (٣/ ٥١)

## پہلا قاعدہ: ائمہ کا علم الہام اور وحی کے ذریعے وقوع پذیر ہوتا ہے:

ان کی نظر میں ائمہ کا علم الہام کے ذریعے حقیقت پذیر ہوتا ہے، اس کی حقیقت کافی کے مصنف کی ائمہ سے روایت کے مطابق: ''دلوں میں پیدا ہونے والا فکر انگیز خیال ہے۔''[1] اس کی دوسری عبارت اس طرح ہے: ''دلوں میں کوئی چیز ڈال دینا۔'' پھر اس نے وضاحت کی ہے کہ یہی الہام ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''دلوں میں پیدا ہونے والا فکر انگیز خیال، الہام ہے۔''[2]

یعنی علم امام کے دل میں چنگاری کی طرح روشن ہوتا ہے، پھر اس کو اس بات کا الہام ہو جاتا ہے، جس میں خطا کا تصور نہیں ہوتا، کیوں کہ امام معصوم ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں الہام اکیلا ہی ذریعہ نہیں، جس طرح یہ شیعہ معاصر عالم، جس کی بات ہم نے ابھی نقل کی ہے، اس معاملے کو خفیف کرنے کی کوشش کر رہا ہے، بلکہ کافی کے مصنف نے وضاحت کی ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کئی طریقے ہیں، اس نے اپنی بعض روایات میں ذکر کیا ہے کہ ائمہ کے علوم کی ایک صورت فرشتے کا ان کے کانوں میں پھونکنا بھی ہے۔ الہام اور اس کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

''دلوں میں کسی خیال کا پیدا ہونا الہام ہے اور کانوں میں پھونکنا، یہ فرشتے کا امر ہے۔''[3]

لہٰذا معلوم ہوا کہ الہام کے علاوہ ایک اور بھی ذریعہ ہے، جو فرشتے کا کان میں کوئی بات پھونک دینا ہے،[4] وہ آواز سنتا ہے، لیکن فرشتے کو دیکھتا نہیں۔ یہ بات اصولِ کافی کے "باب الفرق بين الرسول والنبي والمحدث" کی چار روایات میں ذکر ہوئی ہے۔ ان تمام روایات کا کہنا ہے کہ امام وہ ہے، جو کلام سنتا ہے، لیکن اس شخص کو نہیں دیکھتا۔[5]

بحار الانوار کے مصنف نے اسی مفہوم کی پندرہ روایات "باب أنهم محدثون مفهمون"[6] (یعنی انھیں الہام ہوتا اور سمجھایا جاتا ہے) کے عنوان سے منعقد باب میں ذکر کی ہیں، لیکن فرشتے کو دیکھے بغیر ہی اسے کس

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٦٤)

[2] حوالہ سابقہ.

[3] حوالہ سابقہ.

[4] المازندراني: شرح جامع على الكافي (٦/ ٤٤)

[5] أصول الكافي (١/ ١٧٦۔ ١٧٧) صاحبِ شافی نے ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الشافي شرح الكافي: ٣/ ٢٩)

[6] المجلسي (٢٦/ ٧٣ وما بعدها)

طرح یہ علم ہوجاتا ہے کہ یہ اسی فرشتے کا کلام ہے؟ اس کے متعلق ان کا امام کہتا ہے:

''اس کو وقار اور اطمینان عطا کیا جاتا ہے، حتی کہ اس کو یقین ہوجاتا ہے کہ یہ فرشتے کا کلام ہے۔''[1]

پھر چند ابواب کے بعد ہی کافی کا مصنف سابقہ روایات میں مقرر کردہ بات کی مخالفت میں "باب أن الأئمة تدخل الملائكة بيوتهم وتطأ بسطهم، وتأتيهم بالأخبار عليهم السلام"[2] (یعنی ائمہ کے گھروں میں فرشتے داخل ہوتے، ان کے بستروں کو ہموار کرتے اور ان کے پاس خبریں لے کر آتے ہیں) میں چار روایات ذکر کرتا ہے، جن میں یہ ثابت کرتا ہے کہ امام فرشتے کو دیکھتا ہے، پھر یہ چار روایات زیادہ ہوتے ہوتے بحار الانوار کے مصنف کے ہاں چھبیس (۲۶) تک جا پہنچتی ہیں اور اس نے اس بات کو زیادہ یقینی ثابت کرنے کے لیے کہ امام فرشتے کو دیکھتا ہے، ان تمام روایات کو ایک زیادہ واضح عنوان: "باب أن الملائكة تأتيهم وتطأ فرشهم وأنهم يرونهم" (یعنی فرشتے ائمہ کے پاس آتے، ان کے بستروں کو ہموار کرتے اور وہ انھیں دیکھتے ہیں) کے تحت باب قائم کر کے اس میں جمع کر دیا ہے۔[3]

ان کی ایک دوسری روایت امام کے لیے وحی کی انواع کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ذکر کرتی ہے کہ جعفر نے کہا:

''یقیناً ہم سے کچھ ایسے ہیں، جن کے کان میں کچھ ڈالا جاتا ہے، کچھ ایسے ہیں جن کے پاس خواب میں آیا جاتا ہے، کچھ ایسے ہیں جو ایک زنجیر کی آواز سنتے ہیں، جو ایک پلیٹ پر پڑتی ہے اور کچھ ایسے ہیں، جن کے پاس جبرائیل اور میکائیل سے بھی بڑی کوئی شکل آتی ہے۔''[4]

بحار الانوار میں اس مفہوم کی کئی دیگر روایات بھی ہیں۔[5] گویا ''ائمہ'' اس مقام میں نبی سے بھی بلند مقام پر فائز ہیں، جس کے پاس صرف جبرائیل آتے تھے۔ کئی روایات جبرائیل اور میکائیل سے بھی بڑی اس شکل کی وضاحت کرتے ہوئے ذکر کرتی ہیں کہ ان کے ہاں اس سے مراد "الروح"[6] ہے۔

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٧١) بحار الأنوار (٢٦/ ٦٨) الصفار: بصائر الدرجات (ص: ٩٣)

[2] أصول الكافي (١/ ٣٩٣، ٣٩٤)

[3] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٥٥ وما بعدها)

[4] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٥٨) بصائر الدرجات (ص: ٦٣)

[5] بحار الأنوار (٢٦/ ٥٣ وما بعدها) رقم الروايات (١١٠، ١١١، ١١٢، ١٣٠)

[6] ابن بابویہ کی ''معاني الأخبار'' میں "الروح" کی تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد ان کے امام کے قول کے مطابق ''ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کا ایک ستون ہے۔'' (عيون الأخبار، ص: ٣٥٤)

کافی کے مصنف نے اس عنوان: ''باب الروح التي يسدد الله بها الأئمة'' (یعنی وہ روح جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ائمہ کو راہِ صواب پر چلاتا ہے) کے تحت ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں چھے روایات ذکر کی ہیں۔[1] ان میں سے ایک روایت اس طرح ہے:

''ابو بصیر سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے اس آیت ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ [الشوریٰ: ٥٢] کے متعلق سوال کیا، تو اس نے کہا: اللہ کی مخلوق میں جبرائیل اور میکائیل سے بھی بڑی ایک چیز پیدا ہوئی، وہ رسول اللہ کے ساتھ تھی، وہ آپ کو خبر دیتی، آپ کو درست رکھتی اور آپ ﷺ کے بعد وہ ائمہ کے ساتھ ہے۔''[2]

یہ بات معلوم ہے کہ اس آیت میں ''روح'' سے مراد قرآنِ کریم ہے، جیسا کہ آیت کا لفظ ﴿اَوْحَيْنَا﴾ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ نے اس کا نام روح اس لیے رکھا ہے، کیوں کہ حقیقی زندگی اسی سے ہدایت لینے پر موقوف ہے۔[3]

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے امام کی وحی کے متعلق یہ تمام دعوے ان کے عالم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) کی نظر سے اوجھل رہے ہیں یا یہ بعد میں گھڑے گئے ہیں، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مفید اس بات پر اجماع اور اتفاق ذکر کرتا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کسی کی طرف وحی کی جاتی ہے تو اس نے غلط موقف اختیار کیا اور کفر کیا ہے...۔''[4] یا پھر ہوسکتا ہے کہ اس نے تقیہ کرتے ہوئے یہ قول اپنایا ہو۔

چناں چہ معلوم ہوا کہ امام کو الہام ہوتا ہے، وہ فرشتے کی آواز سنتا ہے، اس کے پاس، گھر میں، مجلس میں، نیند اور بیداری، دونوں حالتوں میں فرشتہ آتا ہے، یا اس کے پاس جبرائیل سے بھی کسی بڑے کو بھیجا جاتا ہے، جو اس کو خبر دیتا ہے اور اس کو درست رکھتا ہے اور یہی پر بس نہیں، بلکہ ائمہ کے پاس دیگر ارواح اور وسائل بھی ہیں۔ ان کے پاس پانچ روحیں ہیں، جو حسبِ ذیل ہیں: روح القدس، روح الایمان، روح الحیاۃ، روح القوۃ اور روح الشهوۃ۔

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٧٣۔ ٢٧٤)
[2] أصول الكافي (١/ ٢٧٣)
[3] شرح العقيدة الطحاوية (ص: ٤)
[4] أوائل المقالات (ص: ٣٩)

کافی کے مصنف نے "باب فيه ذكر الأرواح التي في الأئمة عليهم السلام" (یعنی اس باب میں ان ارواح کا بیان ہے، جو ائمہ علیہم السلام میں ہوتی ہیں) کے عنوان کے تحت یہ نام ذکر کیے ہیں،[1] پھر اس باب میں اس نے چھے روایات ذکر کی ہیں، جب کہ "بحار الأنوار" کے مصنف کے ہاں یہ مسئلہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اس کی روایات کی تعداد چوہتر (۷۴) ہوگئی ہے۔[2]

ان کی روایات نے روح القدس پر زیادہ زور دیا ہے، چناں چہ وہ ذکر کرتی ہیں کہ یہ روح انبیا کی موت کے بعد ائمہ میں منتقل ہوجاتی ہے:

''پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض ہوئی تو روح القدس امام میں منتقل ہوگیا۔''[3] ''روح القدس کے ساتھ وہ عرش کے نیچے سے لے کر زمین کی تہہ تک سب کچھ جان جاتے ہیں۔''[4] ''روح القدس سوتا ہے، غافل ہوتا ہے، فضول کام کرتا ہے اور نہ زہو (تکبر) ہی کرتا ہے۔''[5] ''روح القدس کے ساتھ امام زمین کے طول وعرض اور آسمان کی بلندیوں میں چھپی ہوئی ہر چیز دیکھ سکتا ہے، مختصراً عرش کے نیچے سے لے کر زمین کی تہوں تک (وہ سب کچھ جانتا ہے)۔''[6]

بلکہ ان کے دعوے کے مطابق ائمہ ہر جمعہ عرشِ رحمان کے پاس جاتے ہیں، وہاں جا کر طواف کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں، اس کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ابوعبداللہ نے کہا ہے:

''جب جمعہ کی رات ہوتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر پہنچ جاتے ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ائمہ بھی پہنچ جاتے ہیں اور ہم بھی ان کے ساتھ پہنچ جاتے ہیں۔ ہماری روحیں ہمارے بدنوں میں اس وقت تک نہیں لوٹائی جاتیں، جب تک ہم علم حاصل نہیں کر لیتے، اگر اس طرح نہ ہوتا تو ہم تو ختم ہوجاتے۔''[7]

اس مفہوم کی اور روایات بھی ہیں، جنھیں کلینی نے اس دعوے کے لیے مخصوص باب "باب في أن

---

1. أصول الكافي (١/ ٢٧١)
2. بحار الأنوار (٢٥/ ٤٧۔ ٩٩)
3. أصول الكافي (١/ ٢٧٢)
4. المصدر السابق
5. أصول الكافي (١/ ٢٧٢) ''زہو'' سے مراد جھوٹی امید، جھوٹ اور تحقیر ہے۔ هامش الكافي (١/ ٢٧٢)
6. الغفاري: تعاليق على أصول الكافي (١/ ٢٧٢، حاشيه)
7. أصول الكافي (١/ ٢٥٤) بحار الأنوار (٢٦/ ٨٨۔ ٨٩) بصائر الدرجات (ص: ٣٦)

الأئمة يزدادون في ليلة الجمعة“ (یعنی جمعے کی رات ائمہ اپنے لیے اضافہ کرتے ہیں) میں ذکر کیا ہے۔ اس نے اس میں تین روایات نقل کی ہیں،[1] پھر اس کے بعد ”بحار الأنوار“ کے مصنف نے اس موضوع کی سینتیس (۳۷) روایات اس کے متعلقہ باب ”باب أنهم يزدادون و أرواحهم تعرج إلى السماء“ (یعنی ائمہ اضافہ کرتے ہیں اور ان کی روحیں آسمان کی طرف چڑھتی ہیں) میں ذکر کی ہیں۔[2]

بلکہ ”بحار الأنوار“ میں انیس (۱۹) ایسی روایات ہیں، جو یہ ذکر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ۔نعوذ باللہ۔ حضرت علی کے ساتھ سرگوشی کی اور جبرائیل ان کو لکھواتے ہیں،[3] نیز اس میں سترہ (۱۷) روایات ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حضرت علی کو عنایت کردہ تحائف اور ہدیوں کے متعلق بیان کرتی ہیں۔[4] چناں چہ ملا باقر مجلسی ذکر کرتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ (ان کے دعوے کے مطابق) امام کے لیے ایک ستون بلند کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ بندوں کے اعمال دیکھتا ہے۔“ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اس نے سولہ (۱۶) روایات سے استدلال کیا ہے۔[5] یہ تمام علوم جو ان وسائل کے ذریعے ان کے لیے وقوع پذیر ہوتے ہیں، انھیں یہ ”علمِ حادث“[6] کا نام دیتے ہیں، پھر ان کا وقوع پذیر ہونا ائمہ کی مرضی پر موقوف ہے، جس طرح وہ تمام روایات اس بات کی تصدیق و تاکید کرتی ہیں، جنھیں کافی کے مصنف نے اس عنوان ”باب أن الأئمة ۔عليهم السلام۔ إذا شاؤوا أن يعلموا، علموا“[7] (یعنی ائمہ جب کچھ جاننا چاہیں تو جان لیتے ہیں) کے تحت نقل کیا ہے۔ اس میں اس نے تین روایات ذکر کی ہیں، جو تمام کی تمام یہ کہتی ہیں کہ ”امام جب جاننا چاہے جان سکتا ہے۔“[8]

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

”جب امام کسی چیز کو جاننے کا ارادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو بتا دیتے ہیں۔“[9]

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ۲۵۳)

[2] دیکھیں: أصول الكافي (۲٦/ ۸٦۔ ۹۷)

[3] بحار الأنوار (۳۹/ ۱۵۱۔ ۱۵۷)

[4] بحار الأنوار (۳۹/ ۱۱۸۔ ۱۲۹)

[5] بحار الأنوار (۲٦/ ۱۳۲۔ ۱۳٦)

[6] دیکھیں: أصول الكافي (۱/ ۲٦٤)

[7] أصول الكافي (۱/ ۲۵۸)

[8] المصدر السابق.

[9] حوالہ سابقہ.

گویا ائمہ کو ہونے والی وحی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی پر موقوف نہیں، جس طرح انبیا و رسل کے ساتھ ہوتا ہے، بلکہ یہ امام کی مرضی کے تابع ہے۔ یہ علمِ حادث، جو جب ائمہ چاہیں، ان کے لیے وقوع پذیر ہوجاتا ہے اور ان کے کلام کو اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے مثل قرار دیتا ہے، صرف یہی ان کے پاس نہیں، بلکہ ان کے پاس شیعہ روایات کے مطابق، علم غابر اور علم مزبور (ماضی اور مستقبل کا علم) بھی ہے،[1] جو ائمہ نے علوم، کتب اور صحائف کی شکل میں چھوڑا ہے اور یہ ان کے اس قول کی دوسری بنیاد ہے کہ امام کا کلام اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے قائم مقام ہے، درج ذیل بحث میں ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

## دوسرا قاعدہ: علم ائمہ کے پاس جمع اور محفوظ کر دیا گیا اور شریعت ان کے سپرد کر دی گئی ہے:

کافی میں موسیٰ بن جعفر سے روایت ہے کہ انھوں نے (جس طرح شیعہ کا دعویٰ ہے) کہا:

''ہمارے علم کا منتہا تین صورتوں پر موقوف ہے: ماضی، غابر اور حادث۔ ماضی مفسر ہے، غابر مزبور یعنی مکتوب اور حادث دل میں ڈالا جانے والا اور کانوں میں پھونکا جانے والا۔ یہ ہمارا افضل علم ہے اور ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں۔''[2]

''بحار الأنوار'' اور ''بصائر الدرجات'' میں انہی الفاظ کے ساتھ تین روایات ہیں۔[3] علم حادث کی تفصیل گزر چکی ہے، یہ، شیعہ روایت کے مطابق، ان کا افضل علم ہے، کیوں کہ یہ ان کے بعض علما کے قول کے مطابق، ائمہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے۔[4] یعنی کسی فرشتے کے توسط کے بغیر براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ملتا ہے۔ یہ قول ابن عربی جیسے غالی صوفیوں کے قول کے مشابہ ہے۔

ماضی مفسر اور غابر مزبور کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے شارح کافی کہتا ہے کہ ماضی جس کے ساتھ ہمارے علم کا تعلق ہے، وہ تمام علم ہے جو ہمارے لیے نبوی تفسیر کے ذریعے بیان ہوا ہے اور غابر مزبور، جس کے ساتھ ہمارے علم کا تعلق ہے، تو اس سے مراد وہ علم ہے، جو ہمارے پاس حضرت علی کے ہاتھوں کا لکھا ہوا اور

---

[1] دیکھیں: أصول الكافي، باب جهات علوم الأئمة (١/ ٢٦٤)

[2] أصول الكافي (١/ ٢٦٤) ان کی ایک دوسری روایت میں ان کے امام کا قول مذکور ہے کہ ''غابر جو ابھی ہونا ہے، اس کا علم ہے اور مزبور جو ہو چکا، اس کا علم ہے۔'' دیکھیں: بحار الأنوار (٢٦/ ١٨) المفيد: الإرشاد (ص: ٢٥٧) الطبرسي: الاحتجاج (ص: ٢٠٣) یہ تفسیر گویا ہر نوع کے موضوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایک نوع تو وہ ہے، جس کا تعلق ماضی کے واقعات کے ساتھ ہے اور دوسری کا تعلق مستقبل کے واقعات کے ساتھ ہے۔

[3] بحار الأنوار (٢٦/ ٥٩) بصائر الدرجات (ص: ٩٢)

[4] المازندراني: شرح جامع على الكافي (٦/ ٤٤)

رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کا لکھوایا ہوا ہے جیسے ''جامعہ'' (صحیفہ) وغیرہ میں ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ کے پاس جو علم امانتاً موجود ہے، اس کی دو انواع ہیں، ایک وہ کتابیں ہیں، جو انھیں نبی کریم ﷺ سے وراثتاً ملی ہیں، اور دوسرا وہ علم ہے، جو انھوں نے بالمشافہہ نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا ہے۔

ان کے مذہب کی اساسیات اور دین کے ارکان میں شمار ہونے والے عقیدے کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شریعت کے ایک حصے کی تبلیغ کی، جب کہ باقی کو چھپا لیا اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، حضرت علی نے اپنی زندگی میں اس کے ایک حصے کی تبلیغ کی اور باقی اپنی موت کے وقت حضرت حسن کے سپرد کر دیا، اسی طرح ہر امام ضرورت کے مطابق اس کے ایک حصے کا اظہار کرتا ہے اور باقی اپنے بعد آنے والے امام کے سپرد کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اب وہ ان کے امام منتظر کے پاس چلا آیا ہے۔

شیعہ عالم و آیت محمد بن حسین آلِ کاشف الغطا (المتوفی ۱۳۷۶ھ) کا یہ قول گزر چکا ہے کہ اسلام میں احکام کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے، جس کا نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کے سامنے اعلان و اظہار کیا اور ایک وہ قسم ہے، جس کو آپ نے چھپا لیا اور اپنے اَوصیا (جن کو وصیتاً نامزد کیا گیا) کے سپرد کر دیا، ہر وصی (نامزد امام) اپنے وقت میں لوگوں کی ضرورت کے مطابق اس سے نکالتا ہے اور پھر اس کو اپنے بعد میں آنے والے نامزد (وصی) کے سپرد کر دیتا ہے۔

اس نے یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی کوئی عام حکم ذکر کرتے ہیں اور اس کا کوئی مخصص (اسے خاص کرنے والا) بالکل ذکر نہیں کرتے، بلکہ اسے وقت کے وصی (نامزد امام) کے سپرد کر دیتے ہیں۔[1]

شیعہ کے ایک معاصر عالم بحر العلوم کا کہنا ہے:

> ''کتاب عزیز چونکہ تفصیل میں جائے بغیر عام قواعد بیان کرنے کی ضامن تھی تو لوگوں کو سنت نبوی کی ضرورت پیش آئی... سنت کے ساتھ تشریع مکمل نہیں ہوئی!! کیوں کہ بہت سارے جدید حوادث و مسائل ایسے ہیں، جو آپ ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے، لہٰذا آپ کو ان کا علم اَوصیا (نامزدگان) کے سپرد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ وہ ان کی ضرورت کے وقت اسے آپ ﷺ کی طرف سے ادا کریں۔''[2]

---

[1] دیکھیں: أصل الشیعة (ص: ۷۷) اسی کتاب کا صفحہ (۱۶۵) دیکھیں۔

[2] بحر العلوم: مصابیح الأصول (ص: ٤) اس مفہوم میں ان کے علما کے کئی اقوال ہیں۔ مثلاً: آیت عظمیٰ، شہاب الدین نجفی کہتا ہے: ''نبی اکرم ﷺ کو تمام احکامِ دین کی تعلیم دینے کے لیے موقع ہی نہیں ملا... آپ نے جنگوں میں مشغول رہنے کو ←

شیعہ مذہب میں اس خطرناک عقیدے کے یہ چند عمومی خد و خال ہیں۔ اگر ہم اس کے سارے دلائل پیش کرنا شروع کر دیں تو بحث بہت زیادہ طویل ہو جائے گی، چہ جائیکہ ان کا تجزیہ اور ان پر تنقید بھی کی جائے، لہٰذا ہم انھیں اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔

شیعہ کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اللہ تعالیٰ کے علم اور وحی کے نگران ہیں۔ کافی کے مصنف نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ”باب أن الأئمة -عليهم السلام- ولاة أمر الله وخزنة علمه“[1] (یعنی ائمہ امرِ الٰہی کے نگران اور اس کے علم کے خزانچی ہیں) کے عنوان کے تحت ایک باب قائم کیا ہے۔ اس باب میں اس مفہوم کی چھے روایات ہیں اور ”أن الأئمة ورثوا علم النبي وجميع الأنبياء والأوصياء الذين من قبلهم“[2] (یعنی ائمہ علمِ نبوی اور اپنے سے پیشتر تمام انبیا و اوصیا کے علم کے وارث ہیں) کے عنوان کے تحت ایک نیا باب رقم کیا ہے، جس میں اس نے سات روایات ذکر کی ہیں۔ اسی طرح ایک تیسرا باب ”أن الأئمة يعلمون جميع العلوم التي خرجت إلى الملائكة والأنبياء والرسل عليهم السلام“ (یعنی ائمہ وہ تمام علوم جانتے ہیں، جو فرشتوں، نبیوں اور رسولوں کی طرف نکلے ہیں) کے عنوان سے قائم کیا ہے، جس میں چار روایات ہیں۔[3] اس علم مستودع (سپرد کیے گئے علم) کی دو اقسام ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے۔ ایک مفسر اور دوسری مزبور۔

---

← احکام کی تفصیل بیان کرنے پر ترجیح دی ... خصوصاً آپ کے زمانے کے لوگوں میں صدیوں تک پیش آنے والے تمام مسائل کو حاصل کرنے کی قابلیت ہی نہیں تھی۔“ (النجفي: التعليقات على إحقاق الحق (٢/ ٢٨٨۔ ٢٨٩)

دیکھیں: یہ کس طرح اللہ کے رسول ﷺ پر اعتراض کر رہا ہے کہ آپ نے جنگوں میں مشغول رہنے کو شریعت کی تبلیغ کرنے پر ترجیح دی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ سے کہتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [المائدة: ٦٧] (اے رسول! آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس کی تبلیغ کیجیے) تو کیا رسولِ ہدایت ﷺ نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی؟ کیا ایسے لوگ آپ کے اہلِ بیت کے معاون تو کجا آپ کے پیروکار بھی کہلانے کے مستحق ہیں؟ کیا ان کا اس عقیدے کا اقرار کرنا، اس فرمانِ الٰہی کی تکذیب نہیں کہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة: ٣] اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دین مکمل کر دیا ہے، ہر وہ قول جو اس کے خلاف ہے، وہ کفر اور گمراہی ہے، لیکن وہ دین جو مکمل ہوا ہے نہ کبھی ہوگا ہی، وہ شیعہ کا دین ہے، جس میں ان کے علما صدیوں سے اضافہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اس میں ہمیشہ کمی اور اختلاف رہے گا، کیوں کہ یہ انسان کا وضع کردہ ہے۔

[1] أصول الكافي (١/ ١٩٢۔ ١٩٣)

[2] المصدر السابق (١/ ٢٢٣۔ ٢٢٦)

[3] المصدر السابق (١/ ٢٥٥۔ ٢٥٦)

مفسر کے متعلق کافی کے مصنف نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو علم بھی سکھایا ہے، اسے امیر المومنین کو سکھانے کا حکم دیا ہے اور وہ علم میں آپ ﷺ کے شریک ہیں۔“ اس باب میں اس نے تین روایات ذکر کی ہیں۔[1]

اسی کے قریب قریب ”بحار الانوار“ میں بھی یہ باب مذکور ہے کہ ”حضرت علی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ علم میں شریک ہیں، نبوت میں نہیں۔ جو علم نبی کو حاصل ہے، ان کو بھی حاصل ہے اور وہ تمام انبیا سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔“ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اس نے اپنی بارہ روایات سے استدلال کیا ہے۔[2]

اسی طرح مجلسی نے حضرت علی کے علم اور نبی کریم ﷺ کے ان کو ایک ہزار بابِ علم کی تعلیم کے سلسلے میں منعقد باب میں بیاسی (۸۲) روایات پیش کی ہیں، جو اس موضوع کے متعلق ہیں۔[3] ان میں سے ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کو مخفی طور پر ایک ہزار حدیثیں پیش کی، جن کو امت نہیں جانتی۔ اس روایت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت علی نے لوگوں سے اس بات کا علانیہ اظہار کیا اور کہا:

”لوگو! رسول اللہ ﷺ نے یقیناً مجھ سے ایک ہزار حدیثیں پوشیدہ بیان کیں۔ ہر حدیث میں ایک ہزار دروازہ ہے اور ہر دروازے کی ایک ہزار چابی۔“[4]

پھر مزید اس روایت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ابو عبد اللہ نے کہا:

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو ایک ہزار باب (دروازے) کی وصیت کی، ہر دروازہ ایک ہزار دروازے کو کھولتا ہے۔“[5]

ایک روایت میں یہ دعویٰ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حلال و حرام کے ایک ہزار دروازے کی تعلیم دی، جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہوگا اس کی بھی، ہر دروازے سے ایک ہزار دروازہ کھلتا ہے، اس طرح یہ دس لاکھ دروازے ہیں، حتی کہ مجھے اموات، مصیبتوں اور فصلِ خطاب (فیصلہ کن بات) کا علم بھی ہے۔[6] ایک روایت میں ہے:

---

[1] دیکھیں: أصول الکافي (۱/ ۲٦۳)

[2] بحار الأنوار (٤٠/ ۲۰۸۔ ۲۱۲)

[3] المصدر السابق (٤٠/ ۱۲۷۔ ۲۰۰)

[4] بحار الأنوار (٤٠/ ۱۲۷) ابن بابویه: الخصال (۲/ ۱۷٤)

[5] بحار الأنوار (٤٠/ ۱۲۹) الخصال (۲/ ۱۷۵۔ ۱۷٦)

[6] بحار الأنوار (٤٠/ ۱۳۰) الخصال (۲/ ۱۷۵) بصائر الدرجات (ص: ۸۷)

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کپڑے میں ڈھانپا اور ایک ہزار حدیث بیان کی۔ ہر حدیث سے ایک ہزار دروازہ کھلتا ہے۔''[1]

ائمہ کے پاس جو علوم ہیں، اس کے مقابلے میں ان کی نگاہ میں یہی سب کچھ نہیں۔ ابو بصیر کہتا ہے کہ میں ابو عبداللہ کے پاس آیا تو میں نے ان سے کہا: شیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو ایک بابِ علم (دروازے) کی تعلیم دی، جس سے ایک ہزار دروازے کھلتے ہیں؟ ابو عبداللہ نے کہا: اے ابو محمد! خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو ایک ہزار دروازوں کی تعلیم دی، جن میں ہر دروازے سے ایک ہزار دروازے کھلتے ہیں۔ میں نے کہا: بخدا یہ ہے تو علم! اس نے کہا: یہ علم تو ہے، لیکن یہی سب کچھ نہیں۔[2]

شیعہ روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ ساری زندگی حضرت علی کو ایسے علوم و اسرار سکھاتے رہے، جنھیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ ان دعووں میں شیعہ کی مبالغہ آرائیاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ عقل بھی ان کی تصدیق سے قاصر اور محو تماشا ہے۔ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حضرت علی کا رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست حصولِ علم کا سلسلہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

مجلسی نے اس عنوان کے تحت یہ باب قائم کیا ہے: "باب ما علمه الرسول ﷺ عند وفاته وبعده..."[3] (یعنی جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت اور بعد میں علی رضی اللہ عنہ کو سکھایا تھا)

اس باب کی پہلی روایت میں ہے:

''حضرت علی نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی اور کہا: جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے غرس کنویں[4] کے پانی سے چھے مشکیزوں میں غسل دینا۔ جب مجھے غسل دینے سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے میرے کفن میں داخل کرنا، پھر اپنا منہ میرے منہ پر رکھنا۔ وہ کہتے ہیں: میں نے ایسے ہی کیا تو آپ نے مجھے قیامت تک وقوع پذیر ہونے والی ہر چیز کی خبر دی۔''[5]

دوسری روایت کہتی ہے، جیسا کہ شیعہ افترا کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بحار الأنوار (٤٠/ ٢١٥) بصائر الدرجات (ص: ٨٩۔ ٩٠)

[2] یہ ایک لمبی روایت ہے، جو ائمہ کے پاس خیالی علوم کے بارے میں گفتگو کرتی ہے۔ دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٢٨٨ وما بعدها) بحار الأنوار (٤٠/ ١٣٠) الخصال (٢/ ١٧٦۔ ١٧٧)

[3] بحار الأنوار (٤٠/ ٢١٣۔ ٢١٨)

[4] بئر غرس، یہ مدینے میں ایک کنواں ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان (٤/ ١٩٣) معجم ما استعجم (٢/ ٩٩٤) المراصد (٢/ ٩٨٨)

[5] بحار الأنوار (٤٠/ ٢١٣) بصائر الدرجات (ص: ٨٠)

''اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دینا، کفن پہنانا، پھر مجھے بٹھانا، مجھ سے پوچھنا اور لکھ لینا۔''[1]

باقی روایات بھی اسی اندھیرے سیاق وسباق میں ہیں، انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ حضرت علی جب کسی چیز کے بارے میں کچھ بتاتے تو کہتے:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی اپنی وفات کے بعد خبر دی تھی۔''[2]

اسی طرح یہ خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارتے ہوئے اپنی ناختم ہونے والی مبالغہ آرائیوں کے ذریعے ازخود اپنے جھوٹ کے پردے فاش کر رہے ہیں۔ یہ ان کی روایات کا ایک حصہ ہے، جو یہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو علم کے لیے مخصوص کیا اور ان کے بعد ائمہ اس کے وارث ٹھہرے۔ شیعہ کی یہ تخیلاتی پرواز یہیں پر بس نہیں کرتی، بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ کے پاس علم مزبور یعنی مکتوب یا کتب بھی ہیں، جو انھیں نبی ﷺ سے وراثت میں ملی ہیں۔

کافی کے مصنف نے ان میں سے بعض کا ذکر اس عنوان ''باب فيه ذكر الصحيفة، والجفر، والجامعة، ومصحف فاطمة عليها السلام'' (یعنی اس باب میں صحیفہ، جفر، جامعہ اور مصحفِ فاطمہ کا ذکر ہے) کے تحت کیا ہے۔[3] ایک دوسرے باب کا عنوان کچھ اس طرح ہے: ''ما أعطی الأئمة من اسم الله الأعظم'' [4] (یعنی ائمہ کو جو اللہ کا اسمِ اعظم عطا کیا گیا ہے) تیسرے باب کا عنوان یہ ہے: ''باب ما عند الأئمة من آيات الأنبياء'' [5] (یعنی ائمہ کے پاس جو نبیوں کی نشانیاں ہیں)۔

البتہ مجلسی نے اس باب میں بہت زیادہ روایات ذکر کی ہیں، اس نے اپنے معتبر علما کی کتابوں سے اس موضوع کے متعلقہ روایات اکٹھی کر کے اپنی کتاب ''بحار الأنوار'' کے مختلف ابواب میں اتنی تعداد کے ساتھ ضم کر دی ہیں کہ انھیں احاطہ شمار میں لانا مشکل ہے۔

مثال کے طور پر ''باب جهات علومهم وما عندهم من الكتب...'' (یعنی ائمہ کے علوم کی مختلف جہات اور جو ان کے پاس کتابیں ہیں) اس باب میں ایک سو انچاس (۱۴۹) روایات ہیں، جنھیں اس نے

---

1. حوالہ جات سابقہ۔
2. بحار الأنوار (۴۰/ ۲۱۵) الخرائج و الجرائح (ص: ۱۳۲)
3. أصول الكافي (۱/ ۲۳۸۔ ۲۴۲)
4. المصدر السابق (۱/ ۲۳۰)
5. المصدر السابق (۱/ ۲۳۱۔ ۲۳۲)

اپنی عادت کے مطابق اپنی چند معتبر کتابوں سے منتخب کیا ہے۔[1]

اس کے بعد "باب في أن عندهم كتبا فيها أسماء الملوك الذين يملكون في الأرض"،[2] (یعنی ائمہ کے پاس ایسی کتابیں ہیں، جن میں ان بادشاہوں کے نام ہیں، جو زمین میں حکومت کریں گے) "باب في أن عندهم كتب الأنبياء يقرءونها على اختلاف لغاتها"[3] (یعنی ائمہ کے پاس نبیوں کی کتابیں ہیں، جنھیں وہ مختلف زبانوں میں ہونے کے باوجود پڑھتے ہیں)، "باب أن عندهم جميع علوم الملائكة والأنبياء وأنهم أعطوا ما أعطاه الله الأنبياء، وأن كل إمام يعلم جميع علم الإمام الذي قبله، ولا تبقىٰ الأرض بغير عالم"[4] (یعنی ائمہ کے پاس فرشتوں اور نبیوں کے تمام علوم موجود ہیں اور انھیں بھی وہ سب کچھ دیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو عطا کیا گیا اور یقیناً ہر امام اپنے سے پہلے والے امام کے علم کو مکمل طور پر جانتا ہے اور یہ زمین کسی وقت ایک عالم سے خالی نہیں ہوتی) "باب أنهم عندهم كتب فيه أسماء أهل الجنة، وأسماء شيعتهم وأعدائهم"[5] (یعنی ائمہ کے پاس ایسی کتابیں ہیں، جن میں اہلِ جنت، اپنے شیعہ اور دشمنوں کے نام ہیں)۔

ان ابواب کی روایات ان صحائف وغیرہ کے بارے میں، جو ائمہ کو وراثت میں ملے، یا ان خیالی مراجع و مصادر کے متعلق گفتگو کرتی ہیں، جو شیعہ کے دعوے کے مطابق ان کے بارہ اماموں کے پاس ہیں، جن میں (ان کے دعوے کے مطابق) لوگوں کی ہر ضرورت کا سامان موجود ہے۔ اگر ہم ان ابواب کے مشمولات کی تفصیل، تجزیہ اور ان میں موجود تناقضات اور اوہام کا جائزہ لینا شروع کر دیں تو یہ بہ ذاتِ خود ایک مستقل بحث کی شکل اختیار کر جائے گی، لہٰذا ہم صرف اس کی طرف اشارہ کرنے اور مثال دینے پر ہی اکتفا کریں گے۔

ان ابواب میں بہت ساری ایسی روایات ہیں، جو ایک صحیفے سے لی گئی ہیں، جسے "الجامعة" یا "الصحيفة" کا نام دیا جاتا ہے، اس کے تعارف میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ''یہ حضرت علی کے قلم اور رسول اللہ -صلى الله عليهما وعلىٰ أولادهما- کا لکھوایا ہوا ہے، جو ستر ہاتھ لمبا ہے۔ حلال وحرام کے متعلق

---

[1] بحار الأنوار (۲٦/ ۱۸۔ ٦٦)

[2] بحار الأنوار (۲٦/ ۱۵۵۔ ۱۵٦) اس میں سات (۷) روایات ہیں۔

[3] بحار الأنوار (۲٦/ ۱۸۰۔ ۱۸۹) اس میں ستائیس (۲۷) روایات ہیں۔

[4] بحار الأنوار (۲٦/ ۱۵۹۔ ۱۷۹) اس میں تریسٹھ (٦۳) روایات ہیں۔

[5] بحار الأنوار (۲٦/ ۱۱۷۔ ۱۳۲) اس میں چالیس (۴۰) روایات ہیں۔

سب کچھ اس میں موجود ہے۔‘‘[1] کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں جو اس میں نہ ہو، حتی کہ خراش کی اَرش (مالی معاوضہ) کا بھی اس میں ذکر موجود ہے۔[2] یہ اور اس مفہوم کی معلومات کا ذکر بہت ساری روایات میں تکرار کے ساتھ ہوا ہے۔[3]

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ان کے ائمہ اپنے پیروکاروں سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر انھیں حکمرانی حاصل ہوئی تو وہ اس صحیفے کے مطابق حکومت کریں گے، ان کا کہنا ہے:

’’اگر ہم لوگوں کے حکمران بنے تو ہم اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور اس صحیفے سے تجاوز نہیں کریں گے۔‘‘[4]

البتہ قرآن کریم کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ یہی ان کا دستور ہوگا، جس کی وہ پیروی کریں گے، ان کا کہنا ہے:

’’لہٰذا ہم اس کی پیروی کریں گے، جو اس میں ہے اور اس سے تجاوز نہیں کریں گے۔‘‘[5]

ان کے ایک راوی ابو بصیر کا دعویٰ ہے کہ اس نے اسے جعفر کے پاس دیکھا۔[6] ایسے ہی زرارۃ کا دعویٰ ہے کہ اس نے اس کی ایک روایت سنی جو کہتی ہے:

’’جو فرشتے بیان کرتے ہیں، وہ زنجیر کی آواز کی طرح ہے یا ایسے جیسے کوئی اپنے دوست سے سرگوشی کرتا ہے۔‘‘[7]

ایسے ہی ان کی روایات ایک کتاب کے متعلق خبر بیان کرتی ہیں، جسے یہ ’’کتابِ علی‘‘ کا نام دیتے ہیں، اس کی شکل بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ’’وہ آدمی کے لپیٹے ہوئے ران کی طرح ہے‘‘[8] اور ’’وہ حضرت علی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی املا کروائی ہوئی ہے۔‘‘[9]

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٣٩) بحار الأنوار (٢٦/ ٢٢)

[2] حوالہ جات سابقہ.

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٦/ ٢٢ وما بعدها) روایات نمبر (١١، ١٣، ١٥، ١٧، ١٨، ٢٢، ٢٣، ٢٥، ٦١، ٦٥، ٧٨، ٨٠ اور ٩٠) وغیرہ.

[4] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٢۔ ٢٣) بصائر الدرجات (ص: ٣٩)

[5] حوالہ جات سابقہ.

[6] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٣) بصائر الدرجات (ص: ٣٩)

[7] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٤) بصائر الدرجات (ص: ٣٩۔ ٤٠)

[8] بحار الأنوار (٢٦/ ٥١) بصائر الدرجات (ص: ٤٥)

[9] حوالہ جات سابقہ.

اس کے احکام اور روایات میں سے انھوں نے صرف یہی ایک ظالمانہ حکم نقل کیا ہے، جس میں مذکور ہے:

''آدمی جب فوت ہو جائے تو اس کی زمین میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں۔ بہ خدا یہ حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور رسول اللہ ﷺ کا لکھوایا ہوا ہے۔''[1]

وہ اس خیالی کتاب سے یہ روایات لیتے ہیں، لیکن قرآن کریم کی عام نصوص سے اعراض کرتے ہیں، جو زمین وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کرتیں، پھر یہ بات ان کے اس دعوے کی بھی متضاد ہے کہ حضرت فاطمہ کا فدک میں حصہ ہے۔[2]

ان کی روایات کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کی آواز صرف الحاد اور زندیقیت کی فضا ہی میں ظاہر ہوتی ہے، کیوں کہ جونہی مغیرہ[3] قتل ہوا، (رافضہ کی کتابیں بھی اس کے غلو کا اعتراف کرتی ہیں) ان کی اس کتاب کو چھپانے کی کوششیں تیز ہوگئیں، ان کے امام جعفر کے سامنے جب ولایتِ علی کی وصیت نقل کی گئی تو اس نے کہا:

''... یہ میرے پاس کتابِ علی میں لکھی ہوئی ہے، لیکن کل میں نے اسے دور رکھا، جب خوف کا دور دورہ تھا اور یہ وہی وقت ہے، جب مغیرہ کو سولی پر چڑھایا گیا۔''[4]

ایسے ہی ان کی روایات ایک صحیفے کے بارے میں بیان کرتی ہیں، جس میں انیس (۱۹) صحیفے تھے، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ائمہ کو عطا کیا یا ان کے پاس[5] چھپا دیا۔[6] اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کوئی وضاحت نہیں۔ ان کی احادیث بیان کرتی ہیں:

''علی (رضی اللہ عنہ) کی تلوار کے حلقے (کڑے) میں ایک چھوٹا سا صحیفہ تھا۔ علی (رضی اللہ عنہ) نے حسن (رضی اللہ عنہ) کو اپنے پاس بلایا، ان کو ایک چھری پکڑائی اور کہا: اسے کھولو، وہ اسے کھول نہ سکے، پھر انھوں نے خود

---

[1] حوالہ جات سابقہ.

[2] اس اعتراض سے بچنے کی کوشش میں وہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں فدک حضرت فاطمہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔

[3] مغیرہ بن سعید بجلی کوفی، ایک معروف زندیق۔ اس کا تعارف، اسی کتاب کے صفحہ (......) پر گزر چکا ہے۔

[4] بحار الأنوار (٢٦/ ٥٢۔ ٥٣) بصائر الدرجات (ص: ٤٥) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس مزعومہ کتاب کے بارے میں مزید کلام "بحار الأنوار (٢٦/ ٣٤، نمبر ٥٤، ٥٥، ٥٩) میں ملاحظہ کریں۔

[5] اس لفظ میں نسخوں کا اختلاف ہے۔

[6] بحار الأنوار (٢٦/ ٢٤) بصائر الدرجات (ص: ٣٩)

اسے کھولا اور ان سے کہا کہ اسے پڑھو۔ حسن (رضی اللہ عنہ) نے الف، با، سین، لام اور ایک حرف کے بعد دوسرا حرف پڑھنا شروع کر دیا، پھر انھوں نے اسے لپیٹا اور حسین (رضی اللہ عنہ) کو دیا، وہ بھی اسے کھول نہ سکے تو انھوں نے خود ان کو بھی کھول کر دیا اور کہا: اے میرے پیارے بیٹے! پڑھو! انھوں نے بھی حسن (رضی اللہ عنہ) کی طرح پڑھا، پھر انھوں نے اسے لپیٹا اور ابن حنفیہ کو دیا، وہ بھی اسے کھول نہ سکے تو انھوں نے خود ان کو کھول کر دیا اور کہا: پڑھو۔ وہ اس سے کچھ بھی نہ نکال سکے، انھوں نے اسے پکڑ کر لپیٹ لیا اور اپنی تلوار کے حلقے میں لٹکا دیا۔''[1]

ابو عبداللہ سے اس صحیفے کے مندرجات کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا:

''یہ وہ حروف ہیں، جن میں سے ہر حرف ایک ہزار دروازے کو کھولتا ہے۔''[2]

ابو عبداللہ نے کہا:

''اس سے اب تک صرف دو حرف نکلے ہیں۔''[3]

یہ عبارت ان مبہم حروف کے معانی کی وضاحت نہیں کرتی، جن سے ان کے دعوے کے مطابق ہزاروں بند دروازے کھلتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ نے ان سے استفادہ کیوں نہیں کیا؟ حالانکہ وہ شیعہ روایات کے مطابق پے در پے آزمایشوں سے گزرتے رہے ہیں اور خوف اور تقیے کے سائے میں زندگی گزارتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کا آخری امام (ان کے خیال کے مطابق) ان طویل صدیوں سے، اپنے دشمنوں کے خوف کی وجہ سے اپنی غار میں سر چھپائے بیٹھا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے ان جیسے دعووں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حروفِ معجم سے حسابِ جمل کے ذریعے مستقبل کے حالات جاننے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں، نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ انھوں نے یہودیوں سے لیا ہے، بلکہ ایک گروہ نے تو اس امت کی بقا کی مدت تک معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔[4]

لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ سابقہ دعوے بھی انھی دعووں کی طرح کہیں یہودیت ہی سے ماخوذ نہ ہوں۔ یہ عموماً

---

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ٥٦) بصائر الدرجات (ص: ٨٩) المفيد: الاختصاص (ص: ٢٨٤)

[2] حوالہ جات سابقہ۔

[3] حوالہ جات سابقہ۔

[4] فتاویٰ شيخ الإسلام (٤/ ٨٢) جمع و تدوين: شيخ عبد الرحمن قاسم.

پاگل پن اور دیوانگی کی ایک صورت ہے یا پھر امت کو زندگی میں اس کے اصل مقصد سے غافل کرنے کے لیے ایک طرح کی سازش اور شیعہ عوام کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لیے دھوکا دہی اور تلبیس کاری کا ایک رنگ ہے، تا کہ یہ لوگ ان پہیلیوں اور طلسموں ہی میں کھوئے رہیں اور ان کے اندھیروں کے سبب سیدھی راہ نہ دیکھ پائیں۔

اس موضوع پر ان کے یہ دعوے اور اوہام شاید کبھی ختم نہ ہوں۔ انھوں نے یہ جھوٹ گھڑا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

''میرے پاس بہت زیادہ صحیفے ہیں۔ ایک صحیفے کا نام ''العبيطة'' ہے، عرب پر اس سے زیادہ سخت کوئی امر نہیں گزرا، اس میں عرب کے ساٹھ (٦٠) قبیلے ہیں، جن کا خون معاف ہے، اللہ کے دین میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔''[1]

یہ اور اس جیسی دیگر عبارتوں کو پڑھ کر قاری ان عبارتوں کو گھڑنے والے کی شناخت کر سکتا ہے۔ یہ وہ قوم پرست لوگ ہیں، جو اپنے دلوں میں عربوں سے صرف عرب ہونے کی بنا پر کینہ اور نفرت نہیں رکھتے، بلکہ اس دین کی وجہ سے ان سے عداوت رکھتے ہیں، جس کو وہ (عرب) مانتے اور اس کا پرچار کرتے ہیں۔ یہ گروہ امت اور اس کے دین کے خلاف اپنے سازشی مقاصد حاصل کرنے کے لیے تشیع (حبِ اہلِ بیت) کو استعمال کرتا ہے، لیکن افسوس شیعہ کے گروہ اس جھانسے میں آ گئے اور انھوں نے اپنے مراجع اور کتب کو اس کینہ پرور صنف کی روایات سے بھر دیا، یا جان بوجھ کر انھوں نے ایسا کیا اور قربانی کا بکرا ان کے جاہل پیروکار بن گئے، جو ان جھوٹے افسانوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں، کیوں کہ یہ آلِ بیت کی طرف منسوب ہیں، لیکن ان بے چاروں کو کیا پتا کہ آستین میں کیا چھپا ہے؟!

اسی طرح ان کے ائمہ کی کتابوں میں سے (ان کے دعوے کے مطابق) ایک کتاب، روایات میں نام کے اختلاف کی بنا پر، ''ديوان الشيعة'' یا ''ناموس'' یا ''سمط'' بھی ہے۔ اس میں شیعہ کے نام ان کے آبا و اجداد سمیت مرقوم ہیں (شیعہ روایات کے مطابق) ائمہ کے پیروکار اس رجسٹر میں اپنا نام دیکھنے کے لیے ان کے پاس آتے، کیوں کہ اس میں نام کا ہونا نجات کی دلیل ہے۔[2]

مثال کے طور پر (ان کی روایت کے مطابق) حبابہ والبیہ نامی ایک عورت ابو عبداللہ کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی: میرا ایک بھتیجا ہے، جو آپ کی فضیلت کا معترف ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ کیا

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٧) بصائر الدرجات (ص: ٤١)

[2] اس سلسلے میں شیعی روایات کے لیے دیکھیں: بحار الأنوار (٢٦/ ١١٧۔ ١٣٢)

وہ آپ کے شیعہ میں سے ہے؟ انھوں نے اس کا نام پوچھا تو عورت نے بتایا کہ وہ فلاں بن فلاں ہے۔ وہ عورت کہتی ہے: انھوں نے کہا: اے فلاں عورت! ناموس لے کر آؤ۔ وہ ایک بہت بڑا صحیفہ اٹھا کر لائی، انھوں نے اسے کھولا، پھر اس میں دیکھا اور کہا: ہاں! یہ ہے اس کا نام اور وہ رہا اس کے باپ کا نام۔[1] جس کا اس رجسٹر میں نام نہیں، وہ ان کے ہاں اہلِ اسلام میں سے نہیں، کیوں کہ ان کے امام نے کہا ہے:

''ہمارے شیعہ اپنے امام اور اپنے آبا کے نام کے ساتھ (اس کتاب میں) لکھے ہوئے ہیں ... ہمارے علاوہ اور ان کے علاوہ کوئی بھی ملتِ اسلام پر نہیں۔''[2]

بعض اوقات وہ اپنی روایات میں کہتے ہیں کہ انھیں یہ چیز رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ملی ہے، کیوں کہ جب آپ کو رات کے وقت آسمانوں کی سیر کروائی گئی تو آپ کو دو صحیفے دیے گئے، ایک دائیں ہاتھ والوں کا صحیفہ اور دوسرا بائیں ہاتھ والوں کا صحیفہ۔ ان دونوں میں اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے نام تھے، پھر (ان کے دعوے کے مطابق) رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں صحیفے علی رضی اللہ عنہ کو دے دیے، پھر وہ وراثتاً علی رضی اللہ عنہ سے ائمہ کی طرف منتقل ہوتے رہے اور آج وہ دونوں ان کے امام منتظر کے پاس ہیں۔[3]

اسی طرح ان کے ائمہ کے پاس ایک کتاب ہے، جس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ ''حسین کی وصیت'' ہے اور اس میں وہ سب کچھ موجود ہے، جس کی لوگوں کو ضرورت ہے[4] یا جس کی اولادِ آدم ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا کے اختتام تک ضرورت مند ہو سکتی ہے۔[5]

ایسے ہی ائمہ کے پاس ''جفر ابیض''[6] بھی ہے، جس میں ان کی روایات کے مطابق حضرت داود کی زبور،

---

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ١٢١) بصائر الدرجات (ص: ٤٦)

[2] بحار الأنوار (٢٦/ ١٢٣) بصائر الدرجات (ص: ٤٧)

[3] دیکھیں: بحار الأنوار (٢٦/ ١٢٤۔ ١٢٥) بصائر الدرجات (ص: ٥٢) اگر ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے بڑے بڑے علما کا ان کے مزعوم امام منتظر کے ساتھ رابطہ ہے اور اس منتظر کے پاس تمام علوم ہیں، جن میں اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے ناموں کے رجسٹر بھی ہیں تو کچھ بعید نہیں، جو یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے بعض آیات (شیعہ مشائخ) موجودہ حکومت میں بخشش اور جنت سے محرومی کے چیک جاری کرتے ہیں، پھر یہ ان کم عقلوں کو ان جھوٹے وعدوں اور امیدوں کے جال میں پھنسا کر جنگ کی بھٹی میں جھونک دیتے ہیں۔

[4] بحار الأنوار (٢٦/ ٥٤) بصائر الدرجات (ص: ٥٤)

[5] أصول الكافي (١/ ٣٠٤)

[6] جفر کی تفسیر میں شیعہ روایات کہتی ہیں کہ یہ چمڑے کا ایک تھیلا ہے، جس میں انبیا، اوصیا اور بنی اسرائیل کے گزرے ہوئے علما کا علم ہے۔ (أصول الكافي: ١/ ٢٣٩) کبھی اس کے تعارف میں کہتے ہیں کہ وہ بیل کا چمڑا ہے، جو علم سے بھرا ہوا ہے۔ ←

حضرت موسیٰ کی تورات، حضرت عیسیٰ کی انجیل، حضرت ابراہیم کے صحائف، حلال و حرام، مصحفِ فاطمہ اور اس میں وہ سب کچھ ہے، جس کی لوگوں کو ضرورت محسوس ہوسکتی ہے، یہاں تک کہ اس میں چمڑے کے ایک ٹکڑے، آدھے ٹکڑے، تہائی ٹکڑے، چوتھائی ٹکڑے اور معمولی خراش کی ارش (معاوضہ) بھی مذکور ہے۔[1]

## تبصرہ وتنقید:

شیعہ کے ان خیالی مصادر و مراجع کے اسی قدر ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں، جنھیں محض پیش کر دینا ان کے فساد اور جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی کوئی حقیقی وجود ہوتا تو تاریخ کا رخ بدل جاتا (اور شیعہ منطق کے مطابق) ائمہ تختِ حکومت پر متمکن ہونے سے عاجز نہ آتے۔ ان پر آزمایشوں کی آندھی نہ چلتی، وہ سارے (ان کے دعوے کے مطابق) قتل نہ ہوتے یا زہر نہ دیے جاتے، ان کا غائب امام قتل ہونے کے خوف سے اپنی غار اور کمین گاہ میں سر چھپا کر نہ بیٹھا رہتا!!

یہ خطرناک مزاعم، جو رافضیوں نے اپنی معتبر کتابوں میں رقم کیے ہیں، بڑے خطرناک امور کے حامل ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وحی الٰہی جاری اور مستمر ہے اور یہ ایک باطل نظریہ ہے، عقلی و نقلی دلائل اس کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا اجماع ہے:

وحی نبی ﷺ کی وفات کے وقت ہی سے منقطع ہو چکی ہے اور وحی صرف نبی کو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ٤٠]

نہج البلاغہ میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ

---

← (حوالہ سابقہ: ١/ ٢٤١)

کیا مسلمانوں کو اپنے دین کے لیے قرآن کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دین مکمل کر دیا ہے، قرآن کے ساتھ کتب کا خاتمہ کر دیا ہے اور اسلام کے ساتھ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے، فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ ''جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرتا ہے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔'' ان کی دیگر روایات اس جفر کے کئی رنگ بیان کرتی ہیں، ہر مضمون کا رنگ اس کے رنگ کے مطابق اور ہر ذائقہ شکل کے مناسب ہے، کوئی سفید جفر ہے تو کوئی سرخ جفر۔ سرخ جفر، سرخ موت کا حامل ہے، جس کو لے کر ان کا امام منتظر اٹھے گا۔ رافضہ اس جفر کے ذریعے امت کے اگلے پچھلے نیک لوگوں کو دھمکاتے رہتے ہیں، کیوں کہ یہ انتقام موعود (وعدہ کیے گئے) کا افسانہ بیان کرتا ہے۔ سرخ جفر کے بارے میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٢٤٠) نیز ''مہدیت اور غیبت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[1] بحار الأنوار (٢٦/ ٣٧) بصائر الدرجات (ص: ٤١)

کو فترت رسل (جب رسول کو آئے ایک وقت گزر چکا تھا) کے وقت مبعوث فرمایا، رسولوں کے بعد آپ کو بھیجا اور آپ پر وحی ختم کر دی۔‘‘[1]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دعویٰ شیعہ کے متاخر علما کی کارستانی ہو، کیوں کہ شیعہ عالم مفید (المتوفی ۴۱۳ھ) جس طرح پہلے ذکر ہوا ہے، اس شخص کو کافر قرار دیتا ہے جو وحی کی نسبت غیر انبیا کی طرف کرتا ہے۔ یہ مزاعم اور خیالات یہ دعویٰ پیش کرتے ہیں کہ دین مکمل نہیں ہوا، حالاں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [المائدة: ٣] کے صریح مخالف ہے۔

اسی طرح ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ رسولِ ہدایت ﷺ نے اپنے اوپر نازل ہونے والے تمام دین کی تبلیغ کی نہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدة: ٦٧] کی تعمیل کی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی تحقیر اور اہانت ہے، چناں چہ شیعہ کے بعض فرقے رسول اللہ ﷺ کو بھی معاف نہیں کرتے اور آپ کے بارے میں بھی زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر دین کی وضاحت اور تبلیغ کر دی ہے، تمام جہانوں پر حجت قائم کر دی ہے اور تمام لوگوں کے سامنے اس کا اعلان و اظہار کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے شریعت کا کوئی حصہ نہ کسی کو چھپا کر دیا ہے اور نہ اسے چھپانے کی تلقین ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکْتُمُوْنَهٗ﴾ [آل عمران: ١٨٧]

’’تم ہر صورت اسے لوگوں کے لیے صاف صاف بیان کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔‘‘

یہ اہلِ بیت کے کسی مخصوص گروہ کے لیے نہیں، بلکہ تمام لوگوں کے لیے بیان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا﴾

[البقرة: ١٥٩۔ ١٦٠]

’’بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی

[1] نهج البلاغة (ص: ١٩١)

[2] یہ علبائیہ نامی گروہ ہے۔ جس کی تفصیل آیندہ صفحات (ص: ٦٦٥) میں آ رہی ہے۔

اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ [النحل: ٦٤]

’’اور ہم نے تجھ پر کتاب نازل نہیں کی، مگر اس لیے کہ تو ان کے لیے وہ بات واضح کر دے جس میں انھوں نے اختلاف کیا ہے۔‘‘

دین بالکل مکمل ہو چکا ہے، اب اس میں کچھ اضافہ کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی کمی اور نہ تبدیلی ہی۔[1] نہ کوئی خود ساختہ امام یہ کر سکتا ہے نہ کوئی خیالی اور غائب امام ہی۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام دین کی تبلیغ کرنے اور اپنے رب کے حکم کے مطابق اس کی تمام تر تفاصیل بیان کرنے اور تمام مسلمانوں کو اس کے متعلق بتانے کے بعد اس دنیا کو الوداع کہا، ’’لہٰذا دین کے معاملے میں کسی کے پاس کوئی خفیہ چیز نہیں۔‘‘[2]

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

’’میں تم کو ایک روشن راہ کی طرح واضح منہج پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد اس راہ سے صرف ہلاک ہونے والا ہی علاحدہ ہوگا۔‘‘[3]

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، یقیناً آپ ﷺ نے ہمیں روشن راہ کی طرح (دین) پر ہی چھوڑا ہے۔‘‘[4]

نیز سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’محمد ﷺ نے ہمیں اس حالت میں چھوڑا کہ آسمان میں اگر کوئی پرندہ اپنے پر پھڑ پھڑاتا، تو آپ

---

[1] ابن حزم: المحلی (١/ ٢٦)

[2] المصدر السابق (١/ ١٥)

[3] یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے، جسے امام ابن ماجہ نے مقدمہ سنن میں ”باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین“ کے تحت روایت کیا ہے۔ نیز دیکھیں: (١/ ١٦) مسند أحمد (٤/ ١٢٦) مستدرك الحاکم (١/ ٩٦) کتاب السنة لابن أبي عاصم، باب ذکر قول النبي ﷺ: «ترکتکم علی مثل البیضاء» امام ابن عاصم رحمہ اللہ نے اس مفہوم کی کئی روایات ذکر کی ہیں، جنھیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[4] ابن أبي عاصم: کتاب السنة (١/ ٢٦)

ہمارے سامنے اس کا علم بھی ذکر کیا۔‘‘[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور آپ نے ہمیں تخلیقِ کائنات کے آغاز کے متعلق بتانا شروع کیا، حتی کہ اہلِ جنت اپنے گھروں میں داخل ہوگئے اور اہلِ جہنم اپنے گھروں میں۔ جس نے اسے یاد رکھا، اس نے اسے محفوظ رکھا اور جس نے اسے یاد نہ رکھا، اس نے اسے بھلا دیا۔‘‘[2]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اہلِ دین کو جو بھی نیا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، کتاب اللہ میں اس کی صحیح سمت راہنمائی کرنے والی دلیل موجود ہوتی ہے۔‘‘[3]

بلکہ سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

’’اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر چیز کی وضاحت نازل کر دی ہے، حتی کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی، جس کی بندوں کو ضرورت ہوسکتی ہے، تاکہ بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ کاش! یہ چیز قرآن میں نازل ہوتی؟ تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل کر دیا ہے۔‘‘[4]

یہ قول شیعہ کی اپنی کتابیں نقل کرتی ہیں، اس کے بعد شیعہ جو کچھ بھی منسوب کرتے ہیں، وہ سب جھوٹ ہے۔ رافضہ اس عظیم اصل اور قاعدے کی مخالفت میں کوئی ٹھوس دلیل نہیں رکھتے، جب کہ یہ قاعدہ علم اور ایمان کے اصول کی بنیاد اور اصل الاصول ہے، جو اس قاعدے کو جس قدر زیادہ تھامے رکھتا ہے، وہ علم وعمل کے اعتبار سے حق کے اتنا ہی زیادہ قریب ہے۔[5]

یہ مصادر اور کتب آج کہاں ہیں؟ ان کا امام منتظر انھیں لوگوں کے سامنے نکالنے کے لیے کس چیز کا انتظار کر رہا ہے؟ کیا لوگوں کو اپنے دین کے لیے ان کی ضرورت ہے؟ اگر لوگوں کو ان کی ضرورت ہے تو یہ امت گیارہ صدیوں سے زائد اسے امام مزعوم کے چھپ جانے کے وقت سے لے کر آج تک مصدرِ ہدایت سے دور

---

[1] مسند أحمد (٥/ ١٥٣)

[2] صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قول الله تعالىٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ (٤/ ٧٣)

[3] الرسالة (ص: ٢٠)

[4] أصول الكافي (١/ ٥٩)

[5] معارج الوصول (ص: ٢) نیز دیکھیں: موافقة صحيح المنقول (١/ ١٣)

کیوں رہی ہے اور اس میں ان پے در پے آنے والی نسلوں کا کیا قصور ہے، جو ان خزانوں اور فیوض و برکات سے محروم ہیں؟

اگر امت کو آج ان کی ضرورت نہیں تو پھر یہ اتنے بلند و بانگ دعوے کیوں ہیں اور شیعہ اپنے مصدرِ ہدایت سے، جو کتاب وسنت پر مشتمل ہے، صَرفِ نظر کیوں کیے ہوئے ہیں؟ وہ حق جس میں کوئی شک نہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا دین مکمل کر دیا ہے۔ فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [المائدة: ٣] اس کے بعد ہر دعویٰ باطل اور جھوٹ ہے۔

اس گروہ نے یہ سارے دعوے محض اپنے ائمہ کے بارے میں اپنے اعتقادات ثابت کرنے کے لیے کیے ہیں اور ان میں اتنا غلو کیا، اتنی کثیر مقدار میں انھیں پیش کیا کہ یہی چیز ان کی حقیقت اِفشا کرنے کا سبب بن گئی، کیوں کہ جب کسی چیز میں حد سے زیادہ تجاوز کیا جائے تو اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس جیسے علوم ہوتے تو وہ اپنے عہدِ خلافت میں ان کا لوگوں کے سامنے اظہار کرتے اور ائمہ اہلِ سنت بھی انھیں ان سے روایت کرتے اور یہ شیعہ گروہ میں منحصر نہ رہتے، بلکہ امیر المومنین کے زمانہ خلافت میں بھی ان دعوؤں کی آواز موجود تھی اور بعض سبائی عناصر اس کے سرغنہ تھے، جیسا کہ حسن بن محمد بن حنفیہ کے رسالہ ''الإرجاء'' میں مذکور ہے، جو پہلے بھی گزر چکا ہے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان خیالات کی قطعی انداز میں نفی کی اور مسلمانوں کے سامنے اس کا اظہار کیا، نیز اس بات سے بھی انھوں نے حلفاً انکار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو چھوڑ کر، انھیں مخصوص کر کے رازدارانہ انداز میں کوئی چیز دی ہے۔ گویا آپ رضی اللہ عنہ کو یہ خدشہ محسوس ہوا کہ لوگ کہیں بعد میں یہ نہ کہیں کہ یہ انکار تقیتاً تھا، لہٰذا انھوں نے حلفاً اس کی نفی کی، تاکہ جو زندہ رہے تو دلیل کا دامن تھام کر اور جو ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کی وجہ ہی سے برباد ہو۔

یہ اولین جماعت کی فراست تھی، جو انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، آپ سے علم حاصل کرنے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی برکت سے حاصل ہوئی۔ صحاح، سنن اور مسانید میں بھی ان مزاعم کے رد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔[1]

شیعہ کی کتاب ''تفسير الصافي'' میں بھی مجھے یہ روایت ملی ہے:

---

[1] اس کی تخریج صفحہ (۹۹) پر دیکھیں۔

''آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی کوئی وحی ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دی ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا! سوائے اس کے کہ آدمی کو کتاب اللہ میں کوئی فہم اور سمجھ حاصل ہو۔''[1]

پھر جعفر صادق اور ان کے والد کے زمانے میں یہ اعتقادات اور مزاعم ترقی پاتے پاتے بہت زیادہ ہو گئے۔ ہر شیعہ رجحانِ فکر میں ان اعتقادات کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے، لیکن اثنا عشریہ نے شیعہ فرقوں کے ان تمام مزاعم کو بالاستیعاب لے لیا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے شیعہ کے ہاں ان اوہام کو، جیسے جفر وغیرہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کرنے کے رجحان کا ذکر کیا ہے، انھوں نے اثنا عشریہ کو بالذات مخصوص نہیں کیا، البتہ انھوں نے اس قول کو کہ ''علی رضی اللہ عنہ کو ظاہر کے مخالف باطنی علم دیا گیا'' باطنی قرامطہ کی طرف منسوب کیا ہے۔[2]

ایسے ہی انھوں نے یہ قول کہ ''علی رضی اللہ عنہ مستقبل کا علم رکھتے ہیں'' غالی شیعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔[3]

شیخ ابو زہرہ کا خیال ہے کہ ''خطابیہ وہ فرقہ ہے، جس نے سب سے پہلے جفر کے متعلق گفتگو کی، انھوں نے یہ مقریزی کے کلام سے سمجھا ہے۔''[4]

میں یہاں یہ اضافہ کرتا جاؤں کہ شیعہ کی کتابوں میں بھی ایسی عبارتیں ہیں، جو اس سے اتفاق کرتی ہیں کہ ابو الخطاب ہی وہ شخص ہے، جس نے جعفر صادق کی طرف علم غیب کی نسبت کی، لیکن جعفر نے اس کو جھوٹا کہا، اس سے براءت کا اظہار کیا اور اپنی زندگی سے ان چیزوں کی مثالیں دیں، جو ان سے دوسرے انسانوں کی طرح اوجھل رہیں، خواہ وہ ان کے کتنی ہی قریب تھیں، آگے ان کے الفاظ کا ذکر ہوگا۔

ائمہ کی حقیقی زندگی ان دعوؤں کی نفی کرتی ہے، انھوں نے بھی دوسرے انسانوں ہی کی طرح علم حاصل کیا۔ اگر آپ ان کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ بات بڑی واضح ملے گی۔[5]

---

[1] تفسير الصافي (١/ ١٩)

[2] منهاج السنة (٤/ ١٧٩)

[3] المصدر السابق.

[4] الإمام الصادق (ص: ١٢٦)

[5] مثال کے طور پر علی بن حسین نے سیدنا جابر اور سیدنا انس رضی اللہ عنہما سے علم حاصل کیا۔ (منهاج السنة: ٢/ ١٥٣)
اسی طرح انھوں نے امہات المومنین حضرت عائشہ، ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہن سے اور حضرت ابن عباس، مسور بن مخرمہ، رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو رافع، مروان بن حکم اور سعید بن مسیّب وغیرہ جیسے علمائے مدینہ طیبہ سے بھی علم حاصل کیا۔ ←

شیعہ نے اپنی علمِ رجال کی سب سے معتبر کتاب ''رجال الکشي'' میں یہ اعتراف کیا ہے کہ محمد بن علی بن حسین، سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ پھر یہ کتاب بڑے عجیب انداز میں اس کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انھوں نے اس وجہ سے ان سے روایت کی ہے، تاکہ لوگ ان کی تصدیق کریں۔[1]

شیعہ کے اپنے ائمہ کے متعلق دعوؤں کے پیش نظر یہ عذر قابلِ قبول نہیں، کیوں کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے ائمہ کے پاس ایسے معجزات، علوم اور کتابیں ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ لوگوں کے دلوں اور عقلوں پر حکومت کرتے ہیں، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی نسل سے بھی ہیں تو لوگ کیوں ان کی تصدیق نہیں کریں گے؟!

اسی طرح اگر امیر المومنین کے پاس ان لوگوں کے دعوؤں کے مطابق تھوڑا سا بھی مستقبل کا علم ہوتا تو وہ اپنا نظامِ خلافت اس طرح نہ چلاتے، جس طرح انھوں نے چلایا، بلکہ وہ تو اپنے بہت سارے کاموں پر نادم تھے۔[2]

شیعہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسین کا اہلِ کوفہ کے پاس جانا، ان کا انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دینا، پھر انھیں شہید کرنا، تین لوگوں کے سوا سب کے مرتد ہو جانے کا سبب تھا۔[3] اگر انھیں مستقبل کا علم ہوتا اور یہ پتا ہوتا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے تو وہ کبھی ان کے پاس نہ جاتے یا ان کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس چلے جاتے۔

جعفر نے اس غلو اور ان غلو پسند افراد سے براءت کا اظہار کیا ہے، یہ بات خود شیعہ کی کتابوں نے ذکر کی ہے۔ ابو الخطاب نے جو ان کی طرف علمِ غیب کی نسبت کی ہے، انھوں نے اس کی پختہ قسم کھا کر نفی کی ہے اور اپنی عملی زندگی سے ایک مثال دیتے ہوئے کہا کہ میں نے عبداللہ بن حسن کے ساتھ ایک باغ تقسیم کیا، اسے ہموار اور پانی والی طرف ملی اور میرے حصے میں پہاڑی جانب زمین آئی۔[4] انھوں نے مزید کہا:

> ''لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں! غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں نے اپنی ایک لونڈی کو مارنے کا ارادہ کیا تو وہ بھاگ گئی اور مجھے اتنا بھی پتا نہیں کہ وہ کس گھر میں ہے؟''[5]

---

←(منهاج السنة: ٤/ ١٤٤) سیدنا حسن اپنے باپ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ حتی کہ تابعین سے بھی علم حاصل کرتے، یہ ان کا علم اور دین تھا۔ (حوالہ سابقہ) ایسے ہی تمام علمائے اہلِ بیت علم حاصل کرتے تھے۔

[1] رجال الكشي (ص: ٢٨)

[2] منهاج السنة (٤/ ١٨٠)

[3] أصول الكافي (٢/ ٢٨٠) رجال الكشي (ص: ١٢٣)

[4] رجال الكشي (ص: ١٨٨۔ ١٨٩ طبع إيران) بحار الأنوار (٢٥/ ٣٢٢)

[5] أصول الكافي (١/ ٢٥)

ان کی عملی زندگی ان تمام دعوؤں کی قلعی کھول دیتی ہے، کیوں کہ وہ دیگر انسانوں کی طرح انسان تھے، جو بھولتے بھی ہیں اور غلطی بھی کرتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات سے فرار کے لیے شیعیت کے معماروں نے تقیے اور بدا کے دو عقیدے ایجاد کیے ہیں۔ اگر امام کوئی خلافِ صواب جواب دے دے تو وہ کہتے ہیں: تقیہ کرتے ہوئے اس نے ایسے کہا ہے اور اگر کسی ایسی بات کی خبر دے، جو حقیقت میں غلط ثابت ہوجائے تو کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو اب انکشاف ہوا ہے۔[1]

کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام دعوے محض کہانیاں اور افسانے ہیں، جن کی حقیقت کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں، انھیں شیعہ کتابوں نے محفوظ کر دیا ہے، تاکہ یہ ابد تک ان کے ماتھے پر کلنک رہیں۔ حقیقی زندگی میں ان کا کوئی اثر نہیں، کیوں کہ ائمہ کا وجود ہی نہیں، تاہم ان کھلے افسانوں کے کم عقل پیروکاروں کی عقل اور نفسیات پر بڑے خطرناک اثرات ہیں، جو ان پر ایمان رکھتا اور ان سے متعلق اپنی عقل کو سوچنے سمجھنے کا تھوڑا سا موقع دے تو ممکن ہے کہ یہ افسانے اسے الحاد اور بے دینی کی بھول بھلیوں میں لے جائیں۔ جس طرح یہ غلو، ائمہ کی قبروں کے بارے میں غلو کی شکل میں، واضح عملی صورت اختیار کر چکا ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اس کا ایک تیسرا پہلو یہ ہے کہ ان کے اس عقیدے کی وجہ سے، جس کی تفصیل امامت کی بحث میں آئے گی، ان کے آیات (مشائخ) اور مراجع (علما) کو غائب امام کی نیابت اور لوگوں کے درمیان اس کی نمایندگی کا حق مل چکا ہے اور یہ کہ وہ غائب امام کے ساتھ رابطے میں ہیں، بلکہ ان کے دعوے کے مطابق یہ غائب امام ان میں سے بعض کے سامنے ظاہر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام تر دعوے شیعہ مرجع کی صورت میں خطرناک حقیقی و عملی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم "حکایات الرقاع" (کاغذی ٹکڑوں کی کہانیاں) عنوان کے تحت ذکر کریں گے۔

## رقعوں کی حکایات (کاغذ کے ٹکڑے):

۲۶۰ھ کو حسن عسکری، شیعہ کے بارھویں امام، کی وفات ہوئی۔ شیعہ کتب کے مطابق ان کا کوئی جانشین اور ظاہری اولاد نہیں[2]، بلکہ معتبر مورخین کے مطابق وہ لا ولد ہی فوت ہوئے۔[3]

یہ واقعہ شیعہ مذہب کے لیے تباہ کن ثابت ہوا، اس لیے کہ یہ ان کے اختتام کا اعلان تھا، کیوں کہ ان کے دین کی اساس ہی وہ امام ہے، جن کا قول (ان کے عقیدے کے مطابق) اللہ اور اس کے رسول کا قول ہے۔

[1] تفصیل کے لیے ''تقیہ'' اور ''بدا'' کے مباحث ملاحظہ کریں۔

[2] المقالات والفرق (ص: ۱۰۲)

[3] المنتقی (ص: ۳۱)

امام تو فوت ہوگیا اور اس نے کوئی جانشین بھی نہ چھوڑ، جس کو اب وہ اپنا امام بنا لیں، اب ۲۶۰ھ میں وہ خود ساختہ وصیت موقوف ہوگئی اور امام کے نام سے جاری ہونے والے اموال کا سیلاب رک گیا، جو امام کے نام پر شیعہ عوام سے بٹورتے جاتے تھے۔

اب شیعہ میں افتراق و انتشار پیدا ہوگیا اور مصیبتوں نے انھیں آ گھیرا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔[1] لیکن یہ ٹولہ جس نے امت میں پھوٹ ڈالنے کی ذمے داری اٹھائی تھی، اس نے شیعہ کے اس دعوے کو جاری رکھنے کے لیے سازشوں اور اوہام کے جال بننے شروع کر دیے، تاکہ امت اور دین کے خلاف اپنی مکروہ چالیں جاری رکھ سکیں اور بڑے آسان طریقے سے جاہل اور بے وقوف لوگوں سے مال بٹورنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے اپنی کھوئی ہوئی وجاہت اور عزت دوبارہ حاصل کر سکیں۔

اس کے لیے انھوں نے یہ انتہائی عجیب دعویٰ داغ دیا کہ حسن کا ایک بیٹا ہے، جو قتل ہونے کے ڈر سے چھپ گیا ہے اور اس کو کوئی بھی نہیں پہچانتا۔ اب دیکھیں کہ اس کے باپ اور اَجداد میں سے تو کسی کو خلیفہ وقت نے قتل نہیں کیا تھا، جو بڑے تھے، پھر اس شیر خوار بچے کو کیوں قتل کیا جاتا؟ تاہم یہ نظریہ انتہائی احمقانہ اور بے حقیقت ہونے کے باوجود شیعہ علما کی نظر میں بھا گیا اور انھوں نے اسے اپنے پیروکاروں کے درمیان پھیلانا شروع کر دیا۔

یہ انتہائی خاموشی کے ساتھ شیعہ اکثریت کے حلقوں میں سرایت کرنے لگا پڑا، لیکن شیعہ علما کا نیابت میں اختلاف ہوگیا، ہر کوئی اس بچے کی طرف سے دستخط شدہ ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال لایا اور بچے کی نیابت کا حق جتاتے ہوئے دوسرے پر لعن طعن کرنا شروع کر دیتا۔ اس منتظر کے نام پر چونکہ نذرانے اکٹھے کیے جاتے تھے، اس لیے انھیں اپنے تصرف میں لانے کے لیے نیابت کے دعوے دار بہت زیادہ ہوگئے، اب اثنا عشریہ کا گروہ ان میں سے چار پر راضی ہوگیا اور انھیں اس نے امام کے نائب سمجھ لیا۔

اس چھوٹے سے بچے کے یہ نائب لوگوں سے مال لیتے، ان کی درخواستیں اور سوال وصول کرتے اور بڑے خفیہ طریقے سے ان کے جواب اور رسیدیں دیتے اور یہ دعویٰ کرتے کہ یہ اس بچے کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، جو عن قریب ظاہر ہوگا، بلکہ اس کے ظاہر ہونے کا وقت بھی دے دیتے، تاکہ لوگ جلد بازی میں کہیں ان کی تکذیب ہی شروع نہ کر دیں۔ جب یہ نسل گزر گئی تو انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ پر اب یہ

[1] ''غَیبت'' کا مبحث ملاحظہ کریں۔

انکشاف ہوا ہے کہ اس کے خروج کی کوئی تاریخ نہیں دی جا سکتی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔[1]

یہ بے نام تحریریں تھیں، جو اس سازشی ٹولے کے ہاتھوں باہر آئیں، یہ ان کے ہاں ثقہ ترین سنت اور قوی ترین نص ہے، جسے یہ ''توقیعات'' کا نام دیتے ہیں۔ ''توقیعات'' ان کے عقیدے کے مطابق ائمہ کی وہ تحریریں ہیں، جو شیعہ کے مسائل کے جواب میں لکھے گئے۔

یہ ایک ظاہر بات ہے کہ گروہ بندی اور تعصب کے سائے میں عقل اپنا کام چھوڑ دیتی ہے اور غور و فکر کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ ان افترا پردازوں نے اس مزعوم بچے کو ''شریعت ساز'' کے منصب پر بٹھا دیا ہے، جو انبیا اور رسولوں کا منصب اور مقام ہے، حالانکہ یہ بچہ اگر موجود ہے تو اس کی جگہ اس کی تربیت کرنے والی کی گود تھی، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس شیرخوار کی پیدایش کے وقت ہی سے اس سے شریعت نقل ہونا شروع ہو گئی تھی، یہ ایسی بات ہے، جو صرف عقل سے بے بہرہ لوگوں کے خیالات کی پیداوار ہے۔

ابن بابویہ جو ان کے ہاں "الصدوق" کے لقب سے مشہور ہے، اس کی بات سنیں، یہ ان کے ہاں نسیم نامی خاتون سے روایت کرتا ہے، جو ان کے گمان کے مطابق اس نومولود کی خادمہ ہے، یہ کہتی ہے:

> ''میں صاحبِ زمان کی پیدایش کے ایک رات کے بعد ان کے پاس آئی، مجھے وہاں چھینک آئی، تو اس نے مجھ سے کہا: "رَحِمَكِ اللّٰه" (اللہ تم پر رحمت فرمائے) نسیم کہتی ہے: مجھے اس کی بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ آپ نے مجھ سے کہا: کیا میں تمھیں چھینک میں خوش خبری نہ دوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، میرے آقا! اس نے کہا: یہ موت سے تین دن تک امان دیتی ہیں۔''[2]

اس عبارت کو ان کا ایک بڑا عالم نقل کرتا ہے اور اسے معصومین کی سنت میں شمار کرتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کے قول کی طرح ہے۔ ان روایات کو پھیلانے کی ذمے داری ان الزام تراشوں کے گروہ نے اپنے سر لی ہے، جو اس منتظر کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ شیعہ کا گروہ ان میں سے چار پر راضی ہو چکا ہے، جس طرح پہلے بھی ذکر ہوا ہے۔ اس نیابت کے عرصے کو، جس میں وہ باری باری نائب بنے، ''غیبتِ صغریٰ'' کا نام دیا جاتا ہے، جو تقریباً ستر (۷۰) سال جاری رہی اور عالمِ اسلام کے مختلف ممالک میں ان نائبین کے سفرا تھے، جو مال وصول کرتے اور لوگوں کو خود ساختہ توقیعات (ائمہ کے خطوط) دیتے۔ شیعہ کے علما نے ان توقیعات پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور اس بنیاد پر کہ یہ وہ وحی ہے، جس میں باطل کو دخل نہیں، انھوں نے انھیں اپنی اساسی کتابوں میں مدون کیا ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ''غیبت'' (روپوشی) کا مبحث ملاحظہ کریں۔

[2] إكمال الدين (ص: ٤٠٦۔ ٤٠٧، ٤١٦)

جس طرح کلینی نے "أصول الكافي"[1] میں، ابن بابویہ نے "إكمال الدين"[2] میں، طوسی نے "الغيبة"[3] میں، طبرسی نے "الاحتجاج"[4] میں اور مجلسی نے "بحار الأنوار"[5] میں انھیں درج کیا ہے۔ شیعہ عالم عبد اللہ بن جعفر حمیری نے اپنے منتظر کے متعلق وارد روایات "قرب الإسناد" نامی کتاب میں جمع کی ہیں۔[6] ذریعہ کے مصنف نے شیعہ کی اس موضوع پر "التوقيعات الخارجة من الناحية المقدسة" کے نام سے دو کتابیں ذکر کی ہیں۔[7]

یہ توقیعات (خطوط) دین و دنیا کے بہت سارے امور میں ان کے خود ساختہ امام کی رائے نقل کرتی ہیں، نیز علمِ غیب پر اس کی دسترس، شیعہ کی خواہشات کی تکمیل، ان کے بیماروں کو شفا دینے، ان کی مشکلات کا حل کرنے، ان کے سوالوں کا جواب دینے اور ان کے پیش کردہ اموال قبول کرنے جیسی صلاحیتوں کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ بعض اوقات یہ واقعات افسانوی شکل میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی دینی امور میں ان کی طرف منسوب فتویٰ جات میں تھوڑا سا بھی غور کرے تو وہ دیکھے گا کہ ان میں شریعت کے انتہائی سادہ اور عام امور میں بھی جہالت پائی جاتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں گھڑنے والے ایسے جاہل اور سازشی لوگ ہیں، جنھیں سلیقے سے گھڑنا بھی نہیں آتا یا پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں سر بازار رسوا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کی یہ جھوٹ گھڑنے کی کوششیں مسیلمہ کذاب کی قرآنِ کریم کی نقل اتارنے جیسی کوششوں کی طرح ہی ہیں۔

چند ایک توقیعات (خطوط) ملاحظہ فرمائیں:

> "۳۰۸ھ میں اس نے امام علیہ السلام کو خط لکھا، جس میں ان سے کچھ مسائل کے متعلق استفسار کیا، ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا پھلبہری، کوڑھ اور فالج زدہ آدمی کی گواہی جائز ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: اگر یہ بیماریاں ان کو بعد میں لگی ہوں تو پھر ان کی گواہی جائز ہے، لیکن اگر یہ مادر زاد ہوں، تب نہیں۔"[8]

---

[1] أصول الكافي (۱/ ۵۱۷ وما بعدها) "باب مولد الصاحب"

[2] إكمال الدين (ص: ۴۵۰ وما بعدها) "الباب التاسع والأربعون: ذكر التوقيعات الواردة عن القائم"

[3] الغيبة (ص: ۱۷۲ وما بعدها)

[4] الإحتجاج (۲/ ۲۷۷ وما بعدها)

[5] بحار الأنوار (۵۳/ ۱۵۰۔ ۲۴۶) "باب ما خرج من توقيعاته"

[6] یہ کتاب مطبعہ اسلامیہ ایران میں چھپی ہے۔

[7] آغا بزرگ طهراني: الذريعة إلى تصانيف الشيعة (٤/ ٥٠٠۔ ٥٠١)

[8] بحار الأنوار (۵۳/ ١٦٤)

کیا پھلبہری وغیرہ کا گواہی کے قبول اور رد کرنے میں کوئی اثر ہے؟ نیز ان کے شروع اور بعد میں لگنے کی تفریق کی بھی کوئی معقول وجہ ہے؟! کیا اس جیسے فتویٰ جات بحث کے قابل ہیں؟ کیا اس جیسی چیزوں کو آلِ بیت بلکہ اسلام کی طرف بھی کسی طرح منسوب کیا جا سکتا ہے؟!

''اس نے سوال کیا: کیا یہ جائز ہے کہ آدمی قبر کی مٹی کے ساتھ تسبیح کرے اور کیا اس کی کوئی فضیلت بھی ہے؟ تو اس نے جواب دیا: اس کے ساتھ تسبیح کرے، بلکہ تسبیح کے لیے اس سے افضل کوئی چیز بھی نہیں، اس کی فضیلت یہ ہے کہ آدمی تسبیح پڑھنا بھول جاتا ہے، لیکن تسبیح کو گھماتا ہے، تو یہ بھی اس کے لیے تسبیح ہی لکھی جاتی ہے۔''[1]

یہ تو بت پرستوں کے دین کا تصور اور قاعدہ ہے، دینِ توحید کے ساتھ اس کا کوئی لینا دینا نہیں۔ کیا محض تسبیح کے دانوں کے ساتھ کھیلنا بھی تسبیح کرنا ہی لکھا جاتا ہے؟ یہ کون سی شریعت اور کس فقیہ کا فتویٰ ہے؟!

شیعہ کے ہاں اس طرح کے جاہلانہ اور بے وقوفی پر مبنی فتویٰ جات کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔[2] یہ ''سنت''

---

[1] بحار الأنوار (٥٣/ ١٦٥)

[2] ایک سائل نے سوال کیا کہ قبر پر سجدہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں اس نے کہا: ''جس پر عمل ہے، وہ تو یہ ہے کہ وہ اپنا دایاں رخسار قبر پر رکھے اور جہاں تک نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو قبر کو سامنے رکھ کر خود اس کے پیچھے ہو کر نماز پڑھ لے۔'' (بحار الأنوار: ٥٣/ ١٦٥)

قبر کو قبلہ بنانا اور اپنے رخسار کو قبر کی مٹی سے آلودہ کرنا کیوں کر جائز ہے؟ مسلمان کو تو حکم ہے کہ وہ بیت اللہ کی طرف منہ کرے اور صرف ایک اللہ کو سجدہ کرے۔ قبروں کو مساجد بنانے والوں پر تو لعنت وارد ہوئی ہے!!

اسی طرح ان کے اس خود ساختہ منتظر بچے کی خدمت میں یہ سوال ارسال ہوا: عورت کے مہر کے متعلق ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے، کچھ کا کہنا ہے: ہم بستری کی صورت میں آدھا مہر ساقط ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی حق نہیں رہتا۔ بعض کا کہنا ہے: یہ دنیا و آخرت میں لازمی ہے۔ اسے کس طرح ادا کیا جائے اور اس میں کیا واجب ہے؟

تو اس کا جواب آیا: اگر تو حق مہر ادھار لکھا ہوا ہو، تو تب وہ دنیا و آخرت میں لازمی ہے، لیکن اگر جو انھوں نے لکھا تھا، اس میں صرف صدقات کا ذکر ہے اور وہ اس عورت کے ساتھ دخول کر لیتا ہے، تب وہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس کچھ بھی مکتوب نہ ہو تو جب وہ اس کے ساتھ ہم بستری کرے تو باقی مہر ساقط ہو جائے گا۔ (بحار الأنوار: ٥٣/ ١٦٩)

کیا یہ کسی عالم کے منہ سے نکلا ہوا جواب ہے؟ بلکہ یہ ایسے جاہل کا جواب ہے، جو عقل کا ذرہ بھی نہیں رکھتا۔ کیا یہ تصور دینِ اسلام کا ہے؟ اس جیسا تصور اور قانون کس طرح مقرر کیا جا سکتا ہے، جو دوسرے کا مال اگر لکھا ہوا نہ ہو تو اسے ہڑپ کر جانے کو جائز اور حق مہر کے بارے میں اگر کوئی لکھی ہوئی چیز نہ ہو تو اسے ساقط کر دینے کو حلال قرار دیتا ہے؟

یہ چوروں اور اباحیت پسند لوگوں کی شریعت ہے، دینِ اسلام کا قانون نہیں۔ جو شخص اس جیسی مزید مثالیں دیکھنا چاہتا ہے، وہ "بحار الأنوار (ج: ٥٣) "إكمال الدين" اور "الغيبة" وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

جو منتظر سے جاری ہوتی ہے، اس میں غیب کی خبروں اور خواہشات کی تکمیل کی بڑی معجزانہ صلاحیتوں کا بھی ذکر ہے۔ ایک شیعہ ایک ایسی لا علاج بیماری کا شکار ہوگیا کہ ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا۔ اس نے منتظر کے سفیر کے ذریعے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ایک رقعہ لکھ کر دیا، جس میں اس مرض سے شفا پانے کی درخواست لکھی۔ جواب میں امام کا خط آیا، جس میں اس کے لیے شفا کی دعا مذکور تھی۔ ابھی جمعہ بھی نہ آیا تھا کہ وہ اس مرض سے شفا یاب ہوگیا۔[1]

ایک اور آدمی آیا، جس کی بیوی حاملہ نہیں ہو پا رہی تھی، لیکن اس کے دل میں بچے کی بڑی شدید تڑپ تھی، اس نے مقدس کو نے یعنی امام منتظر کی خدمت میں اپنی عرض لکھی تو جواب آیا کہ وہ چار ماہ سے پہلے پہلے حاملہ ہو جائے گی اور ایک بیٹے کو جنم دے گی۔[2]

اسی غائب بچے کے توسط سے وہ جانتے ہیں کہ وہ کب مریں گے؟ ایک شیعہ نے یہ عرض لکھی کہ اسے کفن چاہیے تو جوابی پرچی آئی کہ تجھے ۸۰ھ میں اس کی ضرورت پیش آئے گی، چناں چہ وہ ۸۰ھ ہی میں مرا اور اس کی موت سے تین دن قبل اس کو اس کا کفن بھیج دیا گیا۔[3]

منتظر کی کچھ ایسی جوابی چٹھیاں بھی آئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے احکام وسنن پر عمل ''قائم منتظر'' کی اجازت پر موقوف ہے۔ گویا ان کے ہاں ان جعلی پرچیوں کی سنت اسلام کی نصوص اور احکام سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، جس طرح اس درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

> ''میرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے ساتویں دن اس کو پاک کرنے (ختنہ کرنے) کی اجازت چاہنے کے لیے عرض لکھی، اس نے جواب میں کچھ بھی نہ لکھا تو آٹھویں دن بچہ فوت ہوگیا۔''[4]

یہ شیعہ اپنے بیٹے کے ختنے کو اس وقت تک موقوف رکھے ہوئے ہے، جب تک قائم سے اجازت نہ آجائے۔ شادی بھی اکثر حالات میں قائم کے حکم کے ساتھ ہی مربوط ہے۔

ایک شیعہ نے کہا: میں نے رازدارانہ انداز میں ایک عورت کے ساتھ شادی کی، جب میں نے اس کے ساتھ مباشرت کی تو وہ حاملہ ہوگئی اور اس نے ایک بچی کو جنم دیا۔ مجھے اس کا بہت زیادہ غم ہوا اور میرا سینہ تنگ

---

[1] أصول الكافي (۱/ ۵۱۹)

[2] إكمال الدين (ص: ٤٦٠)

[3] أصول الكافي (۱/ ٥٢٤) إكمال الدين (ص: ٤٦٥، ٤٦٧)

[4] ابن بابويه: إكمال الدين (ص: ٤٥٦)

ہوگیا۔ میں نے یہ شکوہ لکھا اور امام منتظر کی خدمت میں ارسال کر دیا، تو وہاں سے جواب آیا: تمھیں اس سے کفایت کی جائے گی۔ چناں چہ وہ بچی چار سال تک زندہ رہی، پھر مرگئی، تو وہاں سے پھر یہ جواب آیا:

اللہ بڑا صبر والا ہے، لیکن تم ہی جلدی کرتے ہو۔[1]

حج بھی اس خود ساختہ بچے کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک شیعہ کہتا ہے: میں نے حج کے لیے تیاری کر لی، لوگوں سے الوداعی ملاقاتیں بھی کر لیں اور میں نکلنے کے لیے بالکل تیار تھا کہ یہ جواب آیا: ہم اسے ناپسند کرتے ہیں، تاہم تمھاری مرضی ہے۔ اس نے کہا: میرا سینہ غم واندوہ سے تنگ ہوگیا۔ میں نے یہ لکھا کہ میں تو آپ کی اطاعت کا پابند ہوں، لیکن حج سے پیچھے رہنے کی وجہ سے میں بڑا مغموم ہوں، تو وہاں سے یہ جوابی خط آیا کہ تمھارا سینہ تنگ نہیں ہونا چاہیے، تم ان شاء اللہ اگلے سال حج کے لیے جاؤ گے۔ وہ کہتا ہے: جب اگلا سال آیا تو میں نے پھر اجازت کے لیے لکھا تو اجازت آ گئی۔[2]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے قائم کا حکم کیا اللہ تعالیٰ کے حکم اور شریعت پر فوقیت رکھتا ہے کہ اسلام کے ایک رکن کو ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی ضرورت ہے؟! یہ تمام توقیعات (خطوط) جو ان تمام باطل باتوں کا پلندہ ہیں، ان کا ان کے علما کے ہاں ایک مخصوص رتبہ اور ظاہری منزلت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ان کی کسی صحیح سند کے ساتھ مروی روایت اور اس توقیع کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو یہ ان توقیعات کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔

ابن بابویہ اپنی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" میں دو آدمیوں کی وصیت کے متعلق مقدس کنارے (امام منتظر) کی طرف سے صادر ہونے والی توقیعات ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"میرے ہاں یہ توقیع ابو محمد حسن بن علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔" پھر وہ لکھتا ہے:

"کافی میں صادق سے اس کے خلاف ایک روایت منقول ہے۔" پھر اس نے کہا: "میں اس حدیث کے مطابق فتویٰ نہیں دیتا، بلکہ میں اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں، جو میرے پاس حسن بن علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔"

---

[1] المصدر السابق. دیکھیں! ان کے اس مزعوم منتظر نے اس غم واندوہ کا شکوہ کرنے والے کو کچھ نہیں کہا، حالاں کہ بیٹیوں کی پیدایش پر غمناک ہونا اہلِ جاہلیت کا شیوہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ﴾ [النحل: ٥٨] پھر اس نے اس کے رزق کا بندوبست کیا، حالاں کہ رزق دینے کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ﴾ [الإسراء: ٣١] لیکن اس منتظر کی عبارت نے موت ہی کو کافی سمجھ لیا ہے۔

[2] أصول الكافي (١/ ٥٢٢)

حر عاملی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''کیوں کہ معصوم کا خط وسائل کے ذریعے نقل کی گئی بات سے زیادہ قوی ہے۔''

اتنے دعوے کے ساتھ یہ لوگ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ حسن یا منتظر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے (جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا) جب کہ لکھائیاں ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتی ہیں اور پھر اہلِ بیت کی طرف جھوٹی اور جعلی باتیں بھی بہ کثرت منسوب کی جاتی ہیں۔

یہ اس بات میں ایک ہی غیر معصوم شخص پر، جو منتظر کا نائب ہے، کس طرح اعتماد کر لیتے ہیں، حالاں کہ عصمت ان کے مذہب کا بنیادی قانون ہے؟ پھر یہ نائب بھی شک سے بالاتر نہیں، کیوں کہ ''نیابت'' کو حاصل کرنے کے لیے ان کے رؤسا میں بہت زیادہ کھینچا تانی ہوتی ہے، کیوں کہ یہ مال جمع کرنے کا آسان ترین ذریعہ ہے، لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ جس شخص نے شیعہ کے لیے یہ دروازہ کھولا ہے، وہ بڑا ماہر اور چالاک چور ہے، جس نے حرام خوری، سازش سازی اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جھوٹ اور منافقت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس اکیلے غیر معصوم بلکہ مشکوک شخص کی روایت ان کے علما کے ہاں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد دلیل ہے۔ وہ ان توقیعات کے مندرجات کو اپنی سب سے زیادہ صحیح کتاب میں وارد روایات پر ترجیح دیتے ہیں۔

جو شخص اس منتظر کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کرتا ہے یا یہ بات پیش کرتا ہے کہ اس نے اس کو خط بھیجا ہے، وہ اس شیعہ قوم کا اعتبار حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ یہ بات شیعہ کی کتبِ رجال میں موجود ہے،[1] حالاں کہ یہ بات عقل اور تاریخ کی روشنی میں ان کے جھوٹ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ایسے ہی ان توقیعات میں رجال کی توثیق اور مذمت بھی مذکور ہے، جسے یہ لوگ جرح و تعدیل میں اصل قرار دیتے ہیں۔[2] یہ ان کے دین کے مصادر میں سے ایک مصدر ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

''انھوں نے اپنا مذہب ان جعلی پرچیوں (خطوط) سے لیا ہے، جن کے بارے میں کسی عاقل کو یہ شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے۔ ان کی تصدیق وہی شخص کر سکتا ہے، جو بصیرت و بصارت

---

[1] دیکھیں: رجال الحلي (ص: ١٠٠) علی بن جہم کے حالاتِ زندگی۔ وسائل الشيعة (٢٠/ ٣٣٢) محمد بن عبداللہ بن جعفر حمیری کے حالات، اور مذکورہ حوالے (٢٠/ ٢٦٢) میں علی بن حسین بن بابویہ کے حالات۔

[2] رجال الحلي (ص: ٩٠)

دونوں سے محروم ہو۔'' [1]

اس کے بعد علامہ آلوسی ایک رافضی کے متعلق ذکر کرتے ہیں، جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس منتظر کے ساتھ اس کی خود ساختہ غیبت (روپوشی) میں رابطہ کیا۔ اس رافضی شخص کا نام علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی ہے، اس نے دعویٰ کیا کہ اس کو اس منتظر کا خط موصول ہوا ہے۔ رافضہ نے اسے صدوق [2] کا لقب دیا ہے، وہ اس کو یہ لقب دینے پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بات آپ پر پوشیدہ نہیں ہوگی کہ بعض چیزوں کا نام ان کی حقیقت کے خلاف رکھ دیا جاتا ہے، یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہ اگرچہ اسلام کا اظہار کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ کافر ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کہ ''وہ ایک چٹ پر ایک مسئلہ لکھ کر رات کے وقت اسے ایک درخت کے سوراخ میں ڈال دیتا ہے، پھر صاحبِ زمان اس کا جواب لکھ دیتا ہے'' اس کا جھوٹ ہونا کسی بھی صاحبِ عقل سے پوشیدہ نہیں۔ [3]

وہ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ رافضہ نے صرف اس خرافات کی تصدیق پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ ان پرچیوں کو اپنی سب سے زیادہ ثقہ اور قوی دلیل بھی قرار دے دیا ہے۔ علامہ صاحب تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انھوں نے ان جیسی لغو باتوں اور فضولیات سے اپنے دین اور حلال و حرام کے احکام استنباط کیے ہیں، پھر بھی ان کا دعویٰ ہے کہ یہ آلِ بیت کے پیروکار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ لوگ شیاطین کے پیروکار ہیں اور اہلِ بیت ان سے بری الذمہ ہیں۔'' [4]

ان جیسے کاغذ کے ٹکڑوں کا انسانی عقل و منطق اور قضا و عدالت میں کوئی وزن نہیں۔ یہ جوابات ایسے بچے کی طرف منسوب ہیں، جس کا وجود ہی حقیقت میں، حتی کہ بعض شیعہ گروہوں کے ہاں بھی، مشکوک ہے، بلکہ کچھ تو اس کے وجود کے منکر ہیں اور محققین کے ہاں بھی اس کا عدمِ وجود یقینی ہے۔ اس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔

---

[1] كشف غياهب الجهالات (ص: ١٢ مخطوط)

[2] ان کے ہاں مطلقاً صدوق کے لقب سے مشہور اس کا بیٹا ہے، جو ''من لا يحضره الفقيه'' کا مصنف ہے۔

[3] شیعہ کی یہ عبارت دیکھنے کے لیے جس میں یہ مذکور ہے کہ ابن بابویہ نے ان کے امام منتظر کے ساتھ مراسلت کی تھی ''وسائل الشيعة'' (٢٠/ ٢٦٢) کا مطالعہ کریں۔

[4] كشف غياهب الجهالات (ص: ١٢١ مخطوط)

پھر یہ نامعلوم ہاتھ کی کتابت ہے اور مجہول و نامعلوم ذرائع ہی سے یہ پہنچے ہیں، اس جیسی چیز کو مصدرِ شریعت قرار دینا تو درکنار کسی ایک حکم کی بھی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ رہتی دنیا تک رافضہ کے لیے باعثِ شرم اور ان کے جھوٹ کی دائمی دلیل رہے گی۔ نیز جو بھی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتا ہے، جو اس میں نہیں، اسے اللہ تعالیٰ ایسے ہی رسوا کرتے ہیں۔

یہ توقیعات ''غَیبتِ صغریٰ'' (چھوٹی پوشیدگی) کے دورانیے میں صادر ہوئیں اور تقریباً ستر سال تک جاری رہیں۔ چار لوگوں نے یکے بعد دیگرے امام غائب کی نیابت کا دعویٰ کیا، ان کو یہ ''سفرا'' یا ''نائبین'' کا نام دیتے تھے۔

ان کے چوتھے سفیر نے، جس کا نام ''سمری'' تھا، امام کے ساتھ تعلق کے ختم ہونے اور نیابت کے دورانیے کے انقطاع کا اعلان کیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ابو الحسن السمری کے نام ایک توقیع نکلی، یعنی منتظر مزعوم کی طرف سے ایک رقعہ آیا، جس میں لکھا تھا:

''اے علی بن محمد السمری! ذرا دھیان سے سننا، اللہ تعالیٰ تجھے تمھارے بھائیوں کی طرف سے اجر عظیم عنایت فرمائے۔ تم چھے دن کے اندر اندر مرنے والے ہو، لہٰذا اپنا سامان سمیٹ لو اور اپنے مرنے کے بعد کسی کو اپنا قائم مقام بنانے کی وصیت نہ کرنا۔ مکمل غیبت (پوشیدگی) کا عرصہ تمام ہو گیا ہے، اب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی ظہور ہوگا... میرے بعد میرے شیعہ میں سے کوئی آ کر مشاہدے کا دعویٰ کرے گا، یاد رہے، جس نے بھی سفیانی اور صیحہ (چیخ) کے آنے سے پہلے مشاہدے کا دعویٰ کیا، وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہوگا۔''[1]

اس کا مطلب ہے کہ شیعہ کے ہاں معصوم کا کلام (جوابی خط) ۳۲۹ھ میں غیبتِ کبریٰ (بڑی پوشیدگی) کے ساتھ ہی منقطع ہو گیا، لیکن اس کے بعد شیعہ علما منتظر کی طرف سے اس مکمل انقطاع کے اعلان پر مطمئن نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ہاں امام کے ساتھ رابطے، ملاقات اور اس اخذ و استفادے کے دعووں کی بھرمار رہی، حالاں کہ ان کے منتظر نے کہا تھا کہ جو ایسا دعویٰ کرے، وہ کذاب ہوگا۔

اس کا مطلب ہے کہ مقدس کلام اور روایت منقطع نہیں ہوئی، بلکہ ابھی تک جاری ہے، جس طرح شیعہ نے سمری کی وفات کے بعد اس کا اعلان کیا۔ شیعہ عالم علامہ ابن المطہر، مہدی کے ساتھ ملاقات کا دعویٰ کرتا اور کہتا ہے کہ ''اس نے ایک ہی رات میں اس کو ایک کتاب لکھ کر دی۔''[2]

[1] ابن بابويه: إكمال الدين (٢/ ١٩٣) الطوسي: الغيبة (ص: ٢٥٧)

[2] بحار الأنوار (٥١/ ٣٦١)

شیعہ عالم نوری طبرسی، کافی کی اس عبارت: ''اس امر والے (امام منتظر) کے لیے غائب ہونا ضروری ہے اور اس کی پوشیدگی میں عزلت کا ہونا بھی ضروری ہے، اور تیس افراد کی موجودگی میں وحشت نہیں ہوتی۔''[1] کی شرح میں لکھتا ہے کہ ہر زمانے میں تیس ولی مومن ہوتے ہیں، جو اس کی ملاقات سے شرف یاب ہوتے ہیں۔[2]

بلکہ ان کا کہنا ہے کہ کچھ مجتہدین غائب کی ملاقات پر قدرت رکھتے ہیں اور اس سے بعض شرعی احکام لیتے ہیں، لیکن بعض اوقات وہ امام کے اس بات کو چھپا کر رکھنے کے حکم کی وجہ سے، اس ملاقات کا اظہار نہیں کر سکتے اور یوں اس حکم پر اجماع کے حاصل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، چاہے حقیقت میں اجماع نہ ہی ہو۔[3]

اس انداز میں وہ اپنے بعض علما کے ان مسائل پر اجماع کے دعوے کی تفسیر کرتے ہیں، جو مسائل صرف انھی کے ذکر کردہ ہوتے ہیں۔ اجماع کی بحث میں یہ ذکر ہوگا کہ ان کے ہاں اس جماعت کے قول کی وجہ سے اجماع وقوع پذیر ہو جاتا ہے، جس میں ایک غیر معروف اور مجهول النسب عالم موجود ہو، اس جماعت کے قول سے اجماع واقع ہو جاتا ہے، چاہے کوئی کتنی ہی اس کی مخالفت کیوں نہ کرے، کیوں کہ کیا پتا کہ یہ مجہول شخص امام ہو؟

ان کے علما نے یہ اقرار کیا ہے کہ یہ منتظر، جو موجود نہیں، چند اہلِ علم و تقویٰ اصحاب کے ساتھ، جو ملاقات کے قابل تھے، مل بیٹھتا، ان میں علامہ سید مہدی بحر العلوم نجفی اور مولانا میثم بحرانی کے متعلق یہ مشہور ہے۔[4] ان کے بعض علما نے ان لوگوں کی حکایات اور واقعات کے متعلق کتابیں لکھی ہیں، جن کی اس منتظر کے ساتھ ملاقات ہوئی، جیسا کہ مجلسی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے بحار میں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد نوری طبرسی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) نے ''جنة المأویٰ فیمن فاز بلقاء الحجة ومعجزاته في الغيبة الكبرى'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں اس نے ۵۹ حکایات درج کی ہیں اور اس نے ذکر کیا ہے کہ مجلسی کے بعد کس کس نے منتظر کے ساتھ ملاقات کا دعویٰ کیا۔[5]

اس طرح ہر انسانی و جنی شیطان مردود کے لیے انھیں فریب دینا اور منتظر ہونے کا دعویٰ کرنا ممکن ہو گیا، تاکہ ان کے دین میں جو چاہے ملا دے اور حق سے انھیں دور کر دے۔

---

[1] النوري الطبرسي: جنة المأویٰ (۵۳/ ۳۲۰)

[2] المصدر السابق.

[3] جنة المأویٰ (۵۳/ ۳۲۰ـ ۳۲۱)

[4] محمد صالح: حصائل الفكر (ص: ۱۲۳)

[5] آغا بزرگ: الذريعة (۵/ ۱۵۹)

اب جب کہ انھوں نے اپنے لیے یہ دروازہ کھول لیا ہے اور اسے سنت سمجھنا شروع کر دیا ہے تو ہر درویش کی چادر میں ملفوف ہر زندیق عالم اور علم و سیادت کے دعوے دار ہر سیاہ پوش شخص کے لیے، جو ان کے ہاں بہ کثرت موجود ہیں، منتظر کے ساتھ ملاقات کا دعویٰ کرنا ممکن ہو گیا ہے، تا کہ لوگ اس کی تعظیم کریں، وہ جو چاہے دین میں الحاد پھیلا دے اور خصوصاً جب کہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان کا منتظر مختلف شکلوں اور متنوع چادروں میں ظاہر ہوتا ہے۔[1]

یہ خود ساختہ ملاقاتیں دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو ان کے دعوے دار جھوٹے، شہرت کے خواہش منداور گمراہ کرنے کی نیت رکھتے ہیں، یا دونوں ہی باتوں کا ارادہ رکھتے ہیں یا پھر وہ سچا ہے، لیکن جس نے اس کے سامنے یہ کردار ادا کیا ہے، وہ کوئی شیطان ہے۔[2]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''...ایسے ہی رافضیوں کا منتظر بھی، ہوسکتا ہے، اس کو کبھی کوئی دیکھتا ہو اور جو نظر آ رہا ہو وہ جن ہو۔''[3]

اس جیسے اعتقاد کی بنا پر نصاریٰ بھی گمراہ ہوئے، جیسے شیخ الاسلام ذکر کرتے ہیں کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب صلیب پر لٹکایا گیا (جس طرح عیسائیوں کا عقیدہ ہے) وہ حواریوں کے پاس آئے، ان کے ساتھ گفتگو کی اور ان کو وصیت کی۔ یہ بات ان کی اناجیل میں مذکور ہے۔ درحقیقت یہ جو ان کے پاس آیا، یہ شیطان تھا، اس نے کہا: میں مسیح ہوں، حالانکہ وہ مسیح نہیں تھا۔[4]

اسی طرح شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ حلاج جب قتل ہوا تو اس کے ماننے والوں کے پاس کوئی آتا اور کہتا کہ میں حلاج ہوں، تو وہ اپنی آنکھوں سے اس کی شکل دیکھتے۔ اسی طرح مصر میں ایک پیر تھا، جس کا نام دسوقی تھا، جب یہ مر گیا تو اس کی طرف سے اس کے پیروکاروں کے پاس رسالے اور لکھی ہوئی کتابیں آتیں۔

---

[1] تاریخ الغيبة الكبرىٰ للصدر (ص: ٤٠)

[2] اس بات کو سمجھنے اور شیطان کی بنی نوع انسان کے لیے اس طرح کی چالوں کو، جس میں وہ گمراہی کے شکار بعض علما و مشائخ کے سامنے کئی روپ اختیار کرتا ہے، جاننے کے لیے "الفرقان بين أولياء الرحمن وأولياء الشيطان" کا مطالعہ کریں۔

[3] مجموع فتاوىٰ شيخ الإسلام (١٣/ ٩٥)

[4] اس چیز کا عیسائیوں پر مشتبہ ہو جانا ممکن ہے، جس طرح یہ بات بہت سارے مسلمان علما پر بھی مشتبہ ہوئی، لیکن حضرت عیسیٰ نے آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل جو دین پہنچایا تھا، وہی حق تھا، جس کی ان پر تبلیغ کرنا واجب تھی، کیوں کہ وہ اس وقت تک نہیں اٹھائے گئے تھے، جب تک اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا، لہٰذا آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد اسی وقت واپس آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ المصدر السابق (١٣/ ٩٦)

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ میں نے دسوقی کی طرف منسوب ایک کتاب دیکھی، جو انھیں دسوقی کے کسی سچے پیروکار نے دکھائی۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا، وہ ایک جن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، کیوں کہ میں نے جن کی لکھائی کئی مرتبہ دیکھی ہوئی تھی۔

اس کے بعد انھوں نے اس طرح کی کئی مثالیں ذکر کیں اور کہا:

''ایسے ہی وہ لوگ ہیں، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی زندہ ہے یا محمد بن حنفیہ زندہ ہے۔ ان کے بعض احباب کے پاس ان کی شکل میں کوئی جن آتا تھا... پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ایک بڑا وسیع اور بہ کثرت وقوع پذیر ہونے والا موضوع ہے، جتنی کوئی قوم زیادہ جاہل ہوتی ہے، اتنی ہی یہ چیزیں ان کے پاس زیادہ ہوتی ہیں۔''[1]

## صحابہ کی مرویات:

ہم نے دیکھا کہ اثنا عشریہ نے اپنے آپ کو ایک محدود دائرے میں محصور کر لیا ہے، انھوں نے صرف وہ روایات لی ہیں، جو بعض اہلِ بیت سے منقول ہیں اور انھوں نے ان میں سے صرف اہلِ علم پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کو بھی شامل کر لیا ہے، جن کی کوئی علمی شہرت نہیں، حتی کہ انھوں نے ان کاغذ کے ٹکڑوں پر بھی عمل کیا، جو ایسے بچے کی طرف منسوب ہیں، جس کا وجود ہی مشکوک ہے اور انھوں نے اس سے منقول خطوط کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا درجہ دے دیا ہے۔

انھوں نے سنت کے دائرے کو اتنا محدود کر کے اپنے آپ کو علم و ایمان کے ایک عظیم مصدر سے، جو روایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شکل میں موجود ہے، محروم کر لیا ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحبتِ رسول سے فیض یاب ہوئے، انھوں نے قرآن اترتے ہوئے دیکھا اور وہ اس کی تفسیر جانتے تھے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی تعریف کی ہے۔

موجودہ زمانے میں شیعہ کا مرجعِ تقلید محمد حسین آلِ کاشف الغطا اس مسئلے میں اپنے شیعہ مذہب کے اثبات میں ذکر کرتا ہے:

''شیعہ سنت (احادیثِ نبویہ) سے وہی احادیث معتبر سمجھتے ہیں، جو ان کے پاس آلِ بیت کی سند سے صحیح ثابت ہوں، لیکن جو روایات ابوہریرہ، سمرہ بن جندب، عمرو بن عاص اور ان جیسے دیگر صحابہ

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (۱۳/ ۹٤۔ ۹٥)

بیان کرتے ہیں، ان کی امامیہ کے ہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت نہیں۔''[1]

یہاں وہ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ احادیث قبول کی جائیں گی، جو ان کے ہاں اہلِ بیت[2] کی سند سے صحیح ثابت ہوں، نہ کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات سے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اثنا عشریہ اہلِ بیت سے ''بارہ امام'' مراد لیتے ہیں، ان میں سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا، وہ ان میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں تو کیا حضرت علی تمام نسلوں کے لیے مکمل سنتِ رسول نقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، کیوں کہ وہ ہر وقت تو آپ کے ساتھ نہیں رہتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر نکلتے تو ان کو بعض اوقات اپنے پیچھے چھوڑ جاتے، جس طرح غزوہ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ کبھی حضرت علی سفر پر ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں رہتے، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن بھیجا، اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے بھیجا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے گھر میں جو کیفیت ہوتی، اسے بیان کرنا آپ کی بیویوں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص تھا۔ تعددِ ازواج میں ایک یہ حکمت بھی تھی۔ لہٰذا اکیلے حضرت علی کے لیے سنتِ رسول نقل کرنا ممکن نہیں تھا، تو شیعہ کیوں کر یہ بات کہتے ہیں کہ وہ صرف وہی روایت قبول کریں گے، جو صرف آلِ بیت کی سند کے ساتھ مروی ہوگی؟

---

[1] أصل الشیعة وأصولها (ص: ٧٩)

[2] اس نے جو یہ بات کہی ہے کہ ''جو ان کے ہاں اہلِ بیت کی سند سے صحیح ثابت ہو'' اس میں ایک طرح کی ملمع کاری اور دھوکا دہی ہے، کیوں کہ جو شخص شیعہ مذہب کے مزاج سے ناواقف ہے، وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ ان کے ہاں قابلِ اعتماد چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کلام ہے، جو آلِ بیت کی سند سے منقول ہے، جب کہ شیعہ لوگ ان بارہ میں سے ہر ایک کو رسول کی طرح شمار کرتے ہیں، جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا اور وہ اس کے قول کو اللہ اور اس کے رسول کے قول کے مانند خیال کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی کتابوں میں اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نادر ہے، کیوں کہ انھوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا ہے، جو ان کے ائمہ سے منقول ہے۔ اسی طرح اس کا ''اہلِ بیت'' کہنا ہے، حالاں کہ اس سے وہ بعض اہل بیت کو مراد لیتے ہیں، تمام اہلِ بیت ان کے نزدیک روایت کرنے کے اہل نہیں، کیوں کہ تمام آلِ بیت ائمہ نہیں۔ اس لیے حسن کی اولاد میں سے فاطمہ کی نسل سے روایت معتبر نہیں سمجھی جاتی، کیوں کہ حسن کے بعد ان کی اولاد میں سے جو افراد ہیں، وہ ان کے ہاں ائمہ نہیں، زیادہ سے زیادہ انھیں محض راوی سمجھا جاتا ہے، جن کی بات رد بھی کی جاسکتی ہے اور قبول بھی۔ اس لیے اثنا عشریہ نے اپنے نزدیک بارہ اماموں کے سوا آلِ بیت میں سے جس نے بھی امامت کا دعویٰ کیا، اس کی تکفیر کی ہے۔ (أصول الکافي: ١/ ٣٧٢، نمبر ٣٤١) نیز دیکھیں کہ طوسی اپنی کتاب ''الاستبصار'' میں زید بن علی کی روایات قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا آلِ کاشف الغطا کا یہ جملہ دھوکا دہی اور ملمع کاری پر مشتمل ہے، کیوں کہ اس نے یہ کتاب عالمِ اسلام میں شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت کے لیے لکھی ہے۔

اسی طرح سنتِ رسول کے نقل کرنے کو صرف ایک تک محدود کرنے کا یہ نظریہ شریعتِ قرآن و سنتِ سید الانام ﷺ میں صفتِ تواتر کے عدمِ وجود کا موجب بنے گا۔ اس لیے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''یہ جائز نہیں کہ آپ کی طرف سے علم پہنچانے والا صرف ایک ہو، بلکہ ان پہنچانے والوں کا تواتر کی حد تک پہنچنا ضروری ہے، تا کہ جس غائب بات کی وہ خبر دے رہے ہیں، اس کا (یقینی) علم حاصل ہو۔''[1]

اسی طرح اکثر بلادِ اسلام میں علمِ حدیث حضرت علی کی سند سے نہیں،[2] دیگر صحابہ کے ذریعے سے پہنچا ہے، بلکہ اس علمِ حدیث کو پہنچانے والے اکثر اہلِ بیت میں سے نہیں تھے، چہ جائے کہ حضرت علی اکیلے ہی اسے پہنچانے والے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسعد بن زرارہ کو اسلام کی تبلیغ کے لیے مدینہ طیبہ بھیجا، وہ انصار کو قرآن کی تعلیم دیتے اور دین سکھاتے۔ علاء بن حضرمی کو اسی کام کے لیے بحرین بھیجا، حضرت معاذ اور ابو موسیٰ اشعری کو یمن بھیجا اور حضرت عتاب بن اسید کو مکہ بھیجا، لہٰذا اس قول کی کیا حیثیت ہے، جس میں یہ دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ سے اس علم کو وہی پہنچائے گا، جو اہلِ بیت میں سے ہوگا؟![3]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٣٨) شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ''خبرِ واحد قرآن اور سنن متواترہ کے یقینی علم کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہ لوگ جب کہتے ہیں کہ اس ایک معصوم کی خبر سے علم حاصل ہوجاتا ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ پہلے اس ایک کی عصمت کا علم ہونا ضروری ہے اور اس کی عصمت جانے بغیر محض اس کی خبر دینے سے عصمت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ ایک مستقل چکر ہے، نیز یہ اجماع سے ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ اس میں اجماع ہو ہی نہیں سکتا۔ امامیہ کے ہاں اجماع حجت ہے، کیوں کہ اس میں امام معصوم شامل ہوتا ہے، لہٰذا اس کے محض دعوے کی بنا پر معاملہ اس کی عصمت کے اثبات کی طرف آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر یہ عصمت سچی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہ اس کے بتانے سے نہیں، بلکہ کسی دوسرے ذریعے سے ثابت ہو۔ (منهاج السنة: ٤/ ١٣٩)

[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: اسلام کے تمام شہروں میں رسول اللہ ﷺ سے علم حضرت علی کے علاوہ دوسروں سے پہنچا ہے۔ اہلِ مدینہ اور مکہ کا معاملہ تو واضح ہے۔ ایسے ہی شام اور بصرہ کا بھی۔ یہ حضرت علی سے بہت کم روایت کرتے تھے، ان کا غالب علم کوفہ میں تھا، وہ حضرت علی تو ایک طرف رہے، حضرت عثمان کی خلافت سے ہی قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ فقہائے اہلِ مدینہ نے حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں دین کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت معاذ کا یمن میں رہنا اور اہلِ یمن کو تعلیم دینا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھا۔ اس لیے اہلِ یمن حضرت علی سے زیادہ حضرت معاذ سے روایت کرتے ہیں۔ شریح وغیرہ اکابر تابعین نے حضرت معاذ سے فقہ سیکھی۔ جب حضرت علی کوفہ آئے تو وہاں شریح قاضی تھے، انھوں نے اور عبیدہ سلمانی نے ان کے علاوہ دوسروں سے علمِ فقہ حاصل کیا، لہٰذا حضرت علی کے کوفہ آنے سے پہلے ہی مسلم علاقوں میں اسلام کا علم پھیل چکا تھا۔ (منهاج السنة: ٤/ ١٣٩)

[3] منهاج السنة (/ ١٥)

بعض اہلِ علم کا کہنا ہے: ''حضرت علی سے سند کے ساتھ ۵۸۶ احادیث مروی ہیں، جن میں ۵۰ کے قریب صحیح ہیں۔''[1] تو کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت بس اتنی ہی تھی؟

روافض نے اقرار کیا ہے کہ ان کو حلال و حرام اور حج کے مناسک کا علم صرف ابوجعفر کی سند سے پہنچا ہے۔ اس کا معنی ہوا کہ انھیں اس سلسلے میں حضرت علی سے کوئی چیز نہیں پہنچی اور ان کے بزرگ دیگر صحابہ سے منقول علم کے مطابق عبادت کرتے تھے۔

شیعہ کی کتابیں کہتی ہیں:

''...شیعہ ابوجعفر سے پہلے حج کے مناسک اور حلال وحرام کے احکام سے ناواقف تھے، حتی کہ ابوجعفر آئے تو انھوں نے شیعہ کے مناسکِ حج اور حلال وحرام کے احکام ان کے سامنے بیان کیے، لوگ پھر دوسرے لوگوں کے محتاج ہونے کے بعد ان کے محتاج ہونے لگے۔''[2]

تعجب کی بات ہے کہ شیعہ نے، جو امام کے علاوہ کسی دوسرے سے سماع کرے، اس پر شرک کا حکم لگایا ہے، اصولِ کافی میں ہے:

''جو اس دروازے کے علاوہ کسی دوسرے دروازے سے سماع کا دعویٰ کرتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے کھولا ہے، وہ مشرک ہے۔''[3]

یہ اپنے اسلاف پر شرک کا حکم لگاتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے حلال وحرام اور مناسک کا علم دوسرے لوگوں سے سیکھا۔ شیعہ کہتے ہیں:

''جو ائمہ کی طرف سے نہیں نکلا، وہ باطل ہے۔''[4]

یہ نظریہ سید المرسلین ﷺ کی شریعت کے خلاف بہت بڑی جسارت ہے، جسے پہلی جماعت نے تمام نسلوں تک پہنچایا۔ یہ شریعت سنتِ مطہرہ کی شکل میں ہے، جس کے بیان اور مقتضا کے مطابق مسلمان عبادت کرتے ہیں۔ جب روافض نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اسی روایت کو لیں گے، جو صرف حضرت علی کی سند سے مروی ہوگی تو شاید اس وقت ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایات بہت تھوڑی ہوں گی، حتی کہ حلال وحرام کے

---

[1] ابن حزم: الفصل (٤/ ٢١٣) منهاج السنة (٤/ ١٣٩)

[2] أصول الكافي (٢/ ٢٠) تفسير العياشي (١/ ٢٥٢۔ ٢٥٣) البرهان (١/ ٣٨٦) رجال الكشي (ص: ٤٢٥)

[3] أصول الكافي (١/ ٣٧٧)

[4] المصدر السابق (١/ ٣٩٩)

بارے میں ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی کوئی چیز بھی نہیں، جس طرح وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں، تو اس رخنے کو بند کرنے کے لیے جھوٹ کے سہارے شیعہ قواعد کی تشکیل کی گئی، اسی لیے امام شعبی نے فرمایا ہے:

''اس امت میں جتنا جھوٹ حضرت علی کے نام پر گھڑا گیا ہے، کسی دوسرے کے نام پر نہیں گھڑا گیا۔''[1]

رافضہ[2] کی طرف سے حضرت علی پر اس کثرت کے ساتھ جھوٹ گھڑنے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کی روایت کی بھی توثیق نہیں کی جا سکتی۔ اہلِ صحیح نے ان سے اعراض کیا، چناں چہ بخاری اور مسلم حضرت علی کی وہی احادیث روایت کرتے ہیں، جو ان کے گھر والوں، جیسے ان کی اولاد حضرت حسن وحسین، محمد بن حنفیہ، ان کے کاتب عبید اللہ بن ابی رافع یا اصحابِ ابن مسعود وغیرہ جیسے عبیدہ سلمانی، حارث تیمی، قیس بن عباد اور ان جیسے لوگوں سے مروی ہیں، کیوں کہ یہ لوگ حضرت علی سے روایت کرنے میں سچے ہیں، اس لیے اصحابِ صحیح نے ان کی احادیث لی ہیں۔[3]

شیعہ کتب نے اہلِ بیت پر بہ کثرت جھوٹ کی تہمت لگانے کا اعتراف کیا ہے، حتی کہ (شیعہ روایات کے مطابق) جعفر صادق نے کہا:

''لوگ ہماری طرف جھوٹ کی نسبت کرنے کے دلدادہ ہیں۔''[4]

جعفر کی پریشانی یہ تھی کہ انھیں (شیعہ کتب کے مطابق) جاہل لوگوں نے گھیر لیا تھا، وہ لوگ ان کے پاس آتے اور جب اُٹھ کر واپس جاتے تو کہتے: ہمیں جعفر بن محمد نے بیان کیا۔ پھر وہ ایسی احادیث سناتے، جو تمام کی تمام منکر، موضوع اور جعفر کی طرف جھوٹی منسوب ہوتیں، تاکہ اس کے ذریعے لوگوں سے مال کھائیں اور ان سے درہم بٹوریں۔[5]

---

[1] الذهبي: سير أعلام النبلاء (٤/ ٣٠٧)

[2] امام ابن جوزی فرماتے ہیں: رافضہ کی تین اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے، جنھوں نے کچھ حدیث کا سماع کیا، پھر احادیث وضع کیں اور ان میں کمی بیشی کی۔ دوسری قسم وہ ہے، جنھوں نے کچھ بھی سماع نہیں کیا، آپ دیکھتے ہیں کہ یہ جعفر کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: جعفر نے کہا، فلاں نے کہا۔ تیسری قسم وہ جاہل عوام ہیں، جو ان کے من میں آئے کہتے جاتے ہیں، چاہے عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے۔ (ابن الجوزي: الموضوعات: ١/ ٣٣٨، ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ١١٩)

[3] مجموع فتاویٰ شيخ الإسلام (١٣/ ٣٢)

[4] بحار الأنوار (٢/ ٢٤٦)

[5] دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٢٠٨۔ ٢٠٩) بحار الأنوار (٢٥/ ٣٠٢۔ ٣٠٣) یہ روایت کا ایک حصہ ہے، اس کی مکمل تفصیل آگے آئے گی۔

اس لیے کسی صاحبِ علم نے کہا ہے کہ ''جعفر کی طرف اتنا جھوٹ منسوب کیا گیا ہے، جو کسی دوسرے کی طرف نہیں کیا گیا، حالاں کہ وہ اس سے بَری ہیں۔''[1]

یہاں ہمیں شیعہ پر اس بہت بڑے خطرے کا ادراک ہوتا ہے کہ انھوں نے ائمہ کی طرف منسوب کردہ جھوٹے راویوں کی روایات قبول کر لیں اور اصحابِ رسول ﷺ کی روایات سے چشم پوشی کی، بلکہ انھوں نے ان کی بھی توثیق کی، جنھوں نے جعفر کو گھیرا ہوا تھا۔ شیعہ کا کہنا ہے: ''امام جعفر صادق سے چار ہزار راویوں نے روایت کیا ہے اور امامیہ کے بعض علما نے ان چار ہزار کی بلا استثنا توثیق کا قول اختیار کیا ہے۔''[2]

حالاں کہ ابوعبداللہ اپنی طرف جھوٹ منسوب کرنے والوں کی کثرت کا شکوہ کرتے ہیں، جس طرح ابھی گزرا ہے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو تشیع کا دعویٰ کرتے ہیں، ان میں سترہ آدمی بھی میرے شیعہ نہیں، جس طرح کافی کی روایت وضاحت کرتی ہے۔[3]

## اثنا عشریہ نے اصحابِ رسول ﷺ کی روایت سے کیوں اعراض کیا ہے؟

اس کا سبب اس پہلی بدعت کی طرف لوٹتا ہے، جسے ابن سبا نے ایجاد کیا تھا اور وہ بدعت یہ تھی کہ علی رسول اللہ ﷺ کے نامزد کردہ جانشین ہیں، صحابہ نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا اور انھیں خلیفہ نہ بنایا۔

اثنا عشریہ فرقے کے ہاں اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ صحابہ اس وجہ سے دینِ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اس حکم سے شیعہ صرف چند ایک لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جو انگلیوں کی تعداد کے برابر بھی نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان کے نزدیک صحابہ کرام کو اللہ اور اس کے رسول کی تعریف، صحبتِ رسول، اللہ کی راہ میں جہاد، قربانیوں، اسلام میں سبقت، جانوں کی قربانی، اہلِ خانہ اور وطن کی مفارقت اور دنیا کے کونے کونے میں اسلام پھیلانے جیسے عظیم اعمال نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔

یہ عجیب تضاد بیانی ہے کہ شیعہ اس پر صداقت اور ثقاہت کا حکم لگاتے ہیں، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اس منتظر کو دیکھا ہے، جس کا وجود ہی نہیں، جس طرح آگے آئے گا۔ شیعہ کا اس زمانے کا آیت اللہ ممقانی کہتا ہے:

---

[1] منهاج السنة (٤/ ١٤٣)

[2] محمد جواد مغنية: الشيعة في الميزان (ص: ١١٠) نیز دیکھیں: محمد حسين المظفر: الإمام الصادق (ص: ١٤٤) آغا بزرگ: الذريعة (٢/ ١٢٩) نیز دیکھیں: وسائل الشيعة (٢٠/ ٧٢)

[3] أصول الكافي (٢/ ٢٤٢۔ ٢٤٣)

''ایک آدمی حجت (امام غائب) کے غائب ہونے کے بعد اس کو دیکھنے کے شرف سے بازیاب ہوا (اللہ تعالیٰ جلد از جلد ان کے لیے کشادگی پیدا کرے اور ہم سب، ہر پریشانی میں اس پر فدا ہوں) ہم اس سے یہ استشہاد کرتے ہیں کہ وہ یقیناً عدالت یعنی ثقاہت سے بھی بلند مرتبے پر فائز ہے۔''[1]

لیکن یہ لوگ ایسا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کیوں جاری نہیں کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور آپ کی صحبت کے شرف کو ان کی ثقاہت کی دلیل کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ کیا اللہ کے رسول اس موہوم امام منتظر سے بڑھ کر نہیں، جس کا وجود اس کے زمانے کے شیعہ کے ہاں بھی مشکوک تھا اور آج صدیاں گزر جانے پر اس کا کیا حال ہوگا؟ کیا یہ بعینہٖ تناقض نہیں؟ دیکھیے اور تعجب کیجیے کہ کس طرح ایسے آدمی کی تصدیق کی جا رہی ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے ایک معدوم چیز کو دیکھا ہے، حالانکہ یہ اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہونی چاہیے، جبکہ دوسری طرف صحابہ کرام میں طعن کیا جا رہا ہے؟

صحابہ کی سب سے بڑی غلطی، جس کی وجہ سے انھوں نے ان کی روایات رد کر دی ہیں اور ان پر مرتد ہونے کا حکم لگایا ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے وصیتِ علی کا انکار کیا ہے اور یہ شیعہ کے ہاں ایک بہت بڑا اور سنگین جرم ہے۔ جو کسی ایک امام کی امامت کا بھی انکار کرتا ہے، چاہے وہ خود ساختہ غائب امام ہی کیوں نہ ہو، تو وہ ابلیس کی طرح ہے۔ یہ بات ان کے صدوق ابن بابویہ قمی نے صاف صاف کہی ہے۔[2]

لہٰذا ان کے ائمہ پر ایمان رکھنا ان کے ہاں کسی کو قبول یا رد کرنے کا معیار ہے، کیوں کہ (شیعہ کے ہاں) یہی ایمان اور کفر کی اساس ہے، اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی، حالاں کہ یہ اصول جس کے ساتھ یہ لوگوں کو جانچتے ہیں، واضح طور پر باطل ہے، کیوں کہ اگر اس کی یہی حیثیت ہوتی، جو یہ لوگ خیال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی کتاب میں ذکر کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس شخص کے سامنے بیان کرتے، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اور اسلام کی حقیقت دریافت کی تھی اور یہ بات مسلمانوں کے درمیان اتفاقی امور میں سے ٹھہرتی۔

کیا کسی عاقل کے دماغ میں یہ بات کبھی آئی ہے کہ امت صدیوں سے صحابہ اور تابعین کے دور سے ایمان کے ارکان میں سے ایک اہم رکن سے غفلت برتتی آئی ہے یا اس کے غلط ہونے پر متفق ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہترین امت کو ان کا دین مکمل کیے بغیر اور ان کو اسلام کی حقیقت سے آشنا کیے بغیر کیسے چھوڑ سکتے

---

[1] تنقيح المقال (١/ ٢١١)

[2] إكمال الدين (ص: ١٣)

ہیں؟ کسی مومن کے دل میں ایسی کوئی بات کبھی نہیں آ سکتی۔ اس اصول کے واضح طور پر باطل ہونے کے باوجود، جس کے ساتھ یہ لوگوں کو جانچتے ہیں اور جو ان کے کسی امام کی امامت کا منکر ہو، اس کی بات رد کر دیتے ہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اصول انھوں نے صرف صحابہ کرام پر استعمال کیا ہے اور ان کی روایات کا انکار کیا ہے، لیکن انھوں نے اپنے ان بعض اسلاف شیعہ کی روایات رد نہیں کیں، جنھوں نے بعض ائمہ کا انکار کیا ہے، بلکہ ان کے عالم حر عاملی نے بالتاکید یہ بات کہی ہے کہ فرقہ امامیہ ''فطحیہ''[1] کی روایات جیسے عبد اللہ بن بکیر کی روایات اور ''واقفہ''[2] جیسے سماعہ بن مہران کی روایات ہیں، ان پر عمل کرتا ہے۔ آپ اکثر شیعہ کی کتبِ رجال میں پڑھیں گے کہ فلاں فطحی ہے، وہ واقفی ہے اور اس شخص کا تعلق فرقہ ناووسیہ سے ہے۔[3]

یہ تینوں فرقے اثنا عشریہ فرقے کے بعض ائمہ کا انکار کرتے ہیں، اس کے باوجود یہ انھیں اپنے جملہ ثقات رجال میں شمار کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''رجال الكشي'' میں محمد بن الولید الخزار، معاویہ بن حکیم، مصدق بن صدقہ اور محمد بن سالم بن عبدالحمید کے بارے میں ابو عمر الکشی نے کہا ہے:

> ''یہ تمام فطحیہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ جلیل القدر علما، فقہا اور عادل تھے، ان میں سے بعض نے امام رضا کو بھی پایا تھا۔ یہ تمام کوفی ہیں۔''[4]

---

[1] اس کتاب کا صفحہ (۱۱۷) ملاحظہ کریں۔

[2] واقفہ: یہ وہ فرقہ ہے، جنھوں نے موسیٰ بن جعفر کی امامت پر توقف کیا اور اس کے بعد کسی کی امامت کا قائل نہیں، کیوں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ موسیٰ بن جعفر فوت نہیں ہوا، بلکہ زندہ ہے اور وہ اس کے خروج کا انتظار کرتے ہیں، جس طرح اثنا عشریہ اپنے غائب امام کا انتظار کرتے ہیں۔ (القمي: المقالات والفرق، ص: ۹۳، الناشئ الأكبر: مسائل الإمامة، ص: ٤٧)
''كتاب الزينة'' کا مصنف کہتا ہے: ''اس قول پر آج تک ایک گروہ قائم ہے۔ (الزينة، ص: ۲۹۰) لیکن اس کے بعد یہ فرقہ ختم ہوگیا اور شاید واقفی کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہو جو موسیٰ بن جعفر کے علاوہ دیگر ائمہ کی امامت پر توقف کرتے ہیں، جیسے وہ لوگ جنھوں نے علی یا صادق یا حسن عسکری پر توقف کیا اور ان کے بعد کسی کی امامت کے قائل نہ ہوئے۔

[3] ناووسیہ: یہ ناووس نامی آدمی کے پیروکار ہیں۔ اسے ابن ناووس یا عجلان بن ناووس بھی کہا جاتا ہے، اس کا یہ نام ناووسا نامی بستی کی نسبت سے تھا۔ اس فرقے کا کہنا ہے کہ جعفر بن محمد فوت نہیں ہوئے۔ وہ زندہ ہیں، جو کبھی فوت نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ وہ ظاہر ہوں گے اور حکومت کریں گے، وہی قائم مہدی ہے۔
''كتاب الزينة'' کے مصنف کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ بھی ختم ہو چکا ہے، آج کوئی اس عقیدے کا قائل نہیں، لیکن اس فرقے کے رجال کی روایات ابھی تک اثنا عشریہ کی کتب میں موجود ہیں۔
دیکھیں: القمي: المقالات والفرق (ص: ۸۰) النوبختي: فرق الشيعة (ص: ٦٧) الرازي: الزينة (ص: ۲۸٦) الأشعري: مقالات الإسلاميين (۱/ ۱۰۰) الشهرستاني: الملل والنحل (۱/ ١٦٦۔ ١٦٧) نشوان: الحور العين (ص: ۱٦۲)

[4] رجال الكشي (ص: ٥٦٣)

اسی طرح حسن بن علی بن فضال،[1] علی بن حدید بن حکیم[2] اور عمرو بن سعید المدائنی؛[3] یہ سب بھی فطحیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

ایسے ہی ابو خالد سجستانی،[4] علی بن جعفر مروزی،[5] عثمان بن عیسیٰ[6] اور حمزہ بن بزیغ؛[7] یہ سارے واقفہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے، اس کے باوجود انھوں نے ان کی توثیق کی ہے اور اپنے امام کے اس قول کہ ''زیدیہ، واقفہ اور ناصبی سب ایک ہی طرح کے ہیں۔''[8] سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ان کی مرویات پر عمل بھی کیا ہے۔

ان کے امام مزید فرماتے ہیں:

''واقفی حق سے لوٹنے والا اور برائی پر قائم ہے۔ اگر وہ اس عقیدے پر مر گیا تو جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا، جو بہت بری جگہ ہے۔''[9]

نیز کہتا ہے: ''واقفہ ساری زندگی حیران و سرگرداں رہتے ہیں اور زندیقیت کی موت مرتے ہیں۔''[10]

مزید کہتا ہے: ''وہ کفار، مشرک اور زندیق ہیں۔''[11]

ان تمام باتوں کے باوجود یہ فرقہ ان کی روایات قبول کرتا ہے، یا شیعہ علما ان کے خلاف مذہب کی شاذ عبارتوں کے باوجود ان کی روایات قبول کرتے ہیں، جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات رد کر دیتے ہیں، کیا اسی کو تضاد نہیں کہتے؟ جب ہمیں اس بات کا ادراک ہو چکا ہے کہ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات صرف اس وجہ سے جھٹلائی ہیں کہ وہ حضرت علی کے حق میں اس خود ساختہ وصیت کو نہیں مانتے تو یہ واقفہ اور فطحیہ بھی کئی ائمہ کا انکار کرتے ہیں اور ان کے حق میں ان سے پہلے ائمہ کی وصیتوں کو جھٹلاتے ہیں، لہٰذا ائمہ کے انکار کی اس خود ساختہ

---

(1) المصدر السابق (ص: ٥٦٥)

(2) المصدر السابق (ص: ٥٧٠)

(3) المصدر السابق (ص: ٦١٢)

(4) حوالہ سابقہ.

(5) المصدر السابق (ص: ٦١٦)

(6) المصدر السابق (ص: ٥٩٧)

(7) المصدر السابق (ص: ٦١٥)

(8) المصدر السابق (ص: ٤٥٤)

(9) رجال الكشي (ص: ٤٥٦)

(10) المصدر السابق

(11) المصدر السابق

علت اور وجہ انکار میں یہ تمام لوگ بھی شامل ہیں، جس کی وجہ سے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات قبول نہیں کرتے۔

اگر ہمیں اس حقیقت کا بہ خوبی اندازہ ہو چکا ہے تو پھر ہمیں اس بات کا ادراک بھی ہو جانا چاہیے کہ ان کے ہاں کس قدر تناقض پایا جاتا ہے؟ ان کے پاس کوئی ایک مستقل پیمانہ نہیں، بلکہ گروہی اور مذہبی تعصب اور نفس پرستی نے ان کے علما کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی ہیں۔ وہ اپنے پیروکاروں کو صحیح راہ سے گمراہ کر کے علم و ایمان کے سرچشمے سے محروم کر رہے ہیں۔

جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تعریف کی ہو، اس کے درمیان اور جھوٹے افترا پرداز اور بے قیمت افراد کے درمیان تقابل کسی صورت نہیں جچتا، مگر یہ بتانا مقصود ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کو کسی ٹھوس بنیاد پر رد نہیں کیا۔ شیعہ کی کتابوں میں ابن حازم سے مروی ہے:

''میں نے ابو عبداللہ سے کہا: مجھے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتائیے، کیا انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ نقل کیا ہے یا ان کی طرف جھوٹ منسوب کیا ہے؟ انھوں نے کہا: بلکہ انھوں نے سچ نقل کیا ہے۔''[1]

صحابہ کرام کو اللہ اور اس کے رسول کی تعریف کے بعد ایسی کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن ہم صرف اس بات کی دلیل پیش کر رہے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں اپنے ائمہ کے ان بیانات سے بھی اعراض کیا ہے، جو کتاب و سنت میں وارد حقائق کے مطابق ہیں اور ائمہ سے ان جھوٹے لوگوں کی منقول روایات قبول کی ہیں، جن کو ان کی اپنی کتابیں بھی جھوٹا قرار دیتی ہیں۔ اس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی۔[2]

## شیعہ کے ہاں تدوینِ حدیث کا آغاز:

ابن ندیم کا قول ہے:

''شیعہ کی سب سے پہلی کتاب جو ظاہر ہوئی، وہ سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب ہے۔''[3] اس نے اسے ابان بن ابی عیاش سے روایت کیا ہے اور اسے اس سے اس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔[4]

''شیعہ کے ہاں تحریف'' کے افسانے پر گفتگو کرتے وقت ہم نے اس کتاب پر تبصرہ کیا ہے، وہاں

[1] أصول الكافي (١/ ٦٥) بحار الأنوار (٢/ ٢٢٨)

[2] شیعہ رجال کے حال کی تفصیل میں جنھوں نے ائمہ سے روایات نقل کی ہیں۔

[3] الفهرست (ص: ٢١٩)

[4] **حوالہ سابقہ**. روضات الجنات (٤/ ٦٧) رجال الحلي (ص: ٨٣) جامع الرواة (١/ ٣٧٤) البروجردي: البرهان (ص: ١٠٤)

متاخرین شیعہ کے ایک بہت بڑے عالم نے یہ اعتراف پیش کیا ہے کہ یہ کتاب اموی حکومت کے آخری ایام میں وضع کی گئی، یعنی سلیم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔

یہاں یہ بات بھی ہمارے سامنے عیاں ہوگئی کہ یہ سلیم، جس کو شیعہ نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے، اس کا مصادر اہلِ سنت میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ محض ایک نام ہے اور اس نام کا کوئی آدمی نہیں، کیوں کہ اگر یہ ہوتا، جس طرح شیعہ کہتے ہیں، تو اس کا کچھ نہ کچھ ذکر ضرور مذکور ہوتا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آثار کا سب سے جامع اور قدیمی مجموعہ ''بصائر الدرجات في علوم آلِ محمد وما خصهم الله به'' ہے، جسے ابو جعفر القمی محمد بن حسن بن فروخ الصفار القمی (المتوفی ۲۹۰ھ) نے جمع کیا۔ یہ ان کی احادیث کا مجموعہ ہے، جو ۱۲۸۵ھ میں چھپا۔[1] اس صفار کو مستشرق بروکلمان نے ''عجمی علاقوں میں امامیہ فقہ کا حقیقی بانی خیال کیا ہے۔''[2]

ڈاکٹر محمد بلتاجی کا خیال ہے کہ ''یہی وہ شخص ہے، جس نے سب سے پہلے امامیہ اثنا عشریہ فرقے کی فقہ اور آثار مرتب کیے۔''[3]

لیکن ابن ندیم کے سابقہ کلام میں دعوائے اولیت کی نفی ہے۔ شیعہ عالم مجلسی نے تو اپنے انسائیکلو پیڈیا ''بحار الأنوار'' کے مختلف ابواب کے ذریعے تقریباً یہ ساری ہی کتاب نقل کر دی ہے۔ یہ کتاب غلو سے بھری پڑی ہے، اس میں قرآن کریم پر طعن و تشنیع کی گئی ہے، نیز اس میں ائمہ کے بارے میں غلو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر جیسی چیزیں ہیں، جس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اکثر روایات ائمہ کے نام پر گھڑی گئی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں کلینی (المتوفی ۳۲۸، ۳۲۹ھ) نے اپنی کتاب ''الکافي'' لکھ کر شیعی احادیث کے مجموعوں کی تالیف کی تجدید کی، پھر اس کے بعد تالیف و تدوین کا ایک سلسلہ چل نکلا۔

## اثنا عشریہ کے نزدیک بنیادی کتابیں:

اثنا عشریہ کے ہاں بنیادی کتابیں جو روایات کا مصدر خیال کی جاتی ہیں، آٹھ ہیں، جنھیں یہ ''الجوامع الثمانية''[4] کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ائمہ سے منقول روایات کے یہی اہم مصادر ہیں۔[5]

---

[1] دیکھیں: الذريعة (۳/ ۱۲٤)

[2] تاريخ الأدب العربي (۳/ ۳۳۷)

[3] مناهج التشريع الإسلامي (۱/ ۲۰۷)

[4] مفتاح الكتب الأربعة (۱/ ٥)

[5] أعيان الشيعة (۱/ ۲۸۸) مفتاح الكتب الأربعة (۱/ ٥)

شیعہ کے ایک معاصر عالم محمد صالح حائری کا کہنا ہے:

''امامیہ کی صحاح آٹھ ہیں، ان میں سے پہلی چار تین محمد نامی علما کی ہیں، اور ان کے بعد تین بعد والے تین محمد نامی علما کی ہیں، اور آٹھویں معاصر عالم حسین نوری کی ہے۔''[1]

ان کے نزدیک ان میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ صحیح کتاب محمد بن یعقوب کلینی کی تالیف ''الکافي'' ہے۔[2]

اس کے بعد ان کی کتاب ''من لا یحضرہ الفقیه''[3] آئی ہے، جو ان کے صدوق کے لقب سے مشہور

---

[1] الحائری: منهاج عملي للتقریب (ص: ۲۳۳) یہ مضمون قاہرہ سے صادر ہونے والے ''رسالة الإسلام'' نامی مجلّے میں شائع ہوا، پھر یہ اس مجلّے سے ماخوذ دیگر مضامین کے ساتھ ''الوحدة الإسلامیة'' کے نام سے علاحدہ شائع ہونے والی کتاب میں بھی چھپا ہے۔

[2] کافی کے تعارف کے لیے دیکھیں: الذریعة (۱۷/ ۲۴۵) النوري: مستدرك الوسائل (۳/ ۴۳۲) مقدمه کافي، الحر العاملي: وسائل الشیعة (۲۰/ ۷۱)

یہ تمام کتب اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ کتاب ان کی چاروں معتبر کتابوں میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے، اس نے یہ کتاب غیبتِ صغریٰ (چھوٹی پوشیدگی) کے دوران میں لکھی، جس کے ذریعے وہ اپنے منقولات کی تحقیق کر لیتا تھا، حالاں کہ ان چاروں کتابوں میں یہ اکیلی کتاب ہے، جس میں قرآن کریم پر طعن و تشنیع کے افسانے مذکور ہیں۔

عاملی کے قول کے مطابق کافی کی روایات کی تعداد (۱۶۰۹۹) ہے۔ (أعیان الشیعة: ۱/ ۲۸۰) یہ کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے اور اس کی شیعہ کے متعدد علما نے شرح لکھی ہے۔ میں نے اس کی درج ذیل شروح دیکھی ہیں:

① مجلسی کی ''مرآة العقول'' اس میں اس نے کافی کی روایات پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس نے ایسی روایات کو صحیح قرار دیا ہے، جو بالاجماع کفر ہے، جیسے تحریفِ قرآن کی روایات۔

② شرح الجامع، تالیف: ما زندراني.

③ الشافي شرح أصول الکافي.

[3] اس کتاب کے تعارف کے لیے دیکھیں: الخوانساري: روضات الجنات (۶/ ۲۳۰۔ ۲۳۷) أعیان الشیعة (۱/ ۲۰۸) مقدمة من لا یحضره الفقیه.

یہ کتاب ۱۷۶ ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب ''باب الطهارة'' ہے اور آخری باب ''باب النوادر''۔ اس کی احادیث کی تعداد (۹۰۴۴) ہے۔ اس نے کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کی تالیف کرتے وقت کثرتِ طرق کے خوف سے اسناد حذف کر دی ہیں، نیز اس نے اس کو اپنی مشہور و قابلِ اعتماد کتابوں سے ترتیب دیا ہے اور اس میں صرف وہی روایت ذکر کی ہے، جس کی صحت کا اسے یقین ہے۔

[4] اس کتاب کے تعارف کے لیے دیکھیں: النوري الطبرسي: مستدرك الوسائل (۳/ ۷۱۹) الذریعة (۴/ ۵۰۴) مقدمة تهذیب الأحکام.

یہ کتاب اس نے اپنی روایات میں پیدا ہونے والے تناقض اور اختلاف کو دور کرنے کے لیے لکھی۔ اس کے (۳۹۳) ابواب ہیں، اس کی احادیث کی تعداد کے بارے میں تفصیل آگے ذکر ہوگی۔

[5] یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں عبادات کے متعلق ہیں اور تیسری میں فقہ کے دیگر ابواب ہیں۔ اس کے ابواب ←

عالم محمد بن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) کی تالیف ہے، اس کے بعد "تهذيب الأحكام"[4] اور "الاستبصار"[5] کا درجہ ہے، یہ دونوں کتابیں شیعہ کے "شيخ الطائفة" کے لقب سے ملقب عالم ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی (المتوفی ۳۶۰ھ) کی تالیفات ہیں۔

شیعہ عالم فیض کاشانی (المتوفی ۱۰۹۱ھ) کا کہنا ہے:

''آج شرعی احکام کا دارومدار ان چار بنیادی کتابوں پر ہے، ان کے مولفین نے ان کتابوں کے صحیح ہونے کی گواہی دی ہے۔''[1]

شیعہ کے معاصر مجتہد آغا بزرگ طہرانی کا قول ہے:

''یہ کتبِ اربعہ احادیث کے مجموعے ہیں، جن سے آج تک شرعی احکام اخذ کیے جاتے ہیں۔''[2]

شیعہ کے ہاں یہ چار کتابیں قدیمی مصادر ہیں، پھر گیارھویں صدی اور اس کے بعد میں ان کے علما نے کئی بڑے بڑے مجموعے ترتیب دیے، جن میں سے معاصرین نے چار کو پسند کیا اور انھیں "مجاميع أربعة متاخره" کا نام دیا اور وہ یہ ہیں:

① محمد بن مرتضیٰ المعروف ملامحسن فیض کاشانی (المتوفی ۱۰۹۱ھ) کی کتاب "الوافي"[3].

② محمد باقر مجلسی (المتوفی ۱۱۱۰ یا ۱۱۱۱ھ) کی کتاب: "بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار"[4].

③ محمد بن حسن الحر العاملی (المتوفی ۱۱۰۴ھ) کی تالیف: "وسائل الشيعة[5] إلى تحصيل مسائل الشريعة".

---

← کی تعداد (۳۹۳) ہے۔ مولف نے اس کی احادیث کی تعداد (۵۵۱۱) میں محصور کی ہے، وہ کہتا ہے: میں نے اس کی یہ تعداد اس لیے محصور کر دی ہے، تاکہ اس میں کوئی کمی یا بیشی نہ ہو۔ "الذريعة" میں مذکور ہے کہ اس کی احادیث کی تعداد (۶۵۳۱) ہے، یہ مولف کی بیان کردہ تعداد کے خلاف ہے۔ دیکھیں: الذريعة (۲/ ۱٤) أعيان الشيعة (۱/ ۲۸۰) حسن الخراسان، مقدمة الاستبصار.

[1] الوافي (۱/ ۱۱)

[2] الذريعة (۲/ ۱٤)

[3] یہ کتاب تین بڑی جلدوں میں ہے، جو ایران میں طبع ہوئی، اس کے ابواب کی تعداد (۲۷۳) ہے۔ شیعہ کے ایک معاصر عالم محمد بحر العلوم کا کہنا ہے: ''یہ کتاب تقریباً ۵۰ ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ (لؤلؤة البحرين، حاشيه، ص: ۱۲۲) جب کہ محسن امین ذکر کرتا ہے کہ کتب اربعہ کی احادیث کی مجموعی تعداد (۴۴۲۴۴) ہے۔ (أعيان الشيعة: ۱/ ۲۸۰)

[4] شیعہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث کی سب سے جامع کتاب ہے، اس کے مولف نے اسے اپنے مذہب کی معتبر کتابوں سے جمع کیا ہے۔ اس کے تعارف کے لیے دیکھیں: الذريعة (۳/ ۲۷) أعيان الشيعة (۱/ ۲۹۳)

[5] شیعہ کے ہاں یہ احکام کی احادیث میں سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔ اس کتاب کے مولف نے اس میں شیعہ کی چار ←

④ حسین نوری طبرسی (التوفی ۱۳۲۰ھ) کی کتاب: مستدرك الوسائل"۔[1]

## آٹھوں کتابوں پر ملاحظات:

ان کی اور بھی کئی کتابیں ہیں، جن کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ کتابیں معتبر ہونے اور دلیل لینے کے اعتبار سے کتبِ اربعہ ہی کی طرح ہیں، جس طرح مجلسی نے بحار[2] کے مقدمے اور حر عاملی نے وسائل[3] میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح یہ بات ان کتابوں کے مقدمات میں بھی مذکور ہے۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا کتب کی تخصیص یا تو اس لحاظ سے ہے کہ یہ بڑے بڑے مجموعے ہیں یا پھر یہ صرف اہلِ سنت کی نقل اتارنے اور اپنے مذہب کے پرچار کے لیے ہے۔ جس کی وضاحت اس طرح ہوتی

← کتابوں سے، جن پر ان کے بہ قول تمام زمانوں میں دارومدار رہا ہے، اپنے ائمہ کی روایات اکٹھی کی ہیں اور ستر سے زائد معتبر اصحاب کی کتب سے مزید روایات لے کر اس میں اضافہ کیا ہے، جس طرح "الذريعة" کے مولف کا کہنا ہے، لیکن شیرازی نے "مقدمة الوسائل" میں ذکر کیا ہے کہ یہ کتب (۱۸۰) سے زیادہ ہیں اور دونوں قولوں میں کوئی نسبت نہیں۔ شیعہ عالم حر عاملی نے ان کتابوں کے اسما ذکر کیے ہیں، جن سے اس نے یہ روایات نقل کی ہیں، جو میرے گننے کے مطابق (۸۰) سے زیادہ ہیں۔ اس نے مزید ذکر کیا ہے کہ اس نے ان کتابوں کے علاوہ بھی بہت ساری کتابوں کی طرف رجوع کیا ہے، لیکن اس نے ان سے بالواسطہ استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے اور آخری دفعہ ان کے بعض علما کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ (۲۰) جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ الشيرازي: مقدمة الوسائل، أعيان الشيعة (۱/ ۲۹۲۔ ۲۹۳) الذريعة (٤/ ۳۵۲۔ ۳۵۳) الحر العاملي: وسائل الشيعة (۱/ ٤۔۸، ۲۰/ ۳٦۔ ٤۹)

① آغا بزرگ طہرانی کا کہنا ہے: کتاب "المستدرك" تمام متاخر حدیثی مجموعوں کی طرح اس اہمیت کی حامل ہے کہ ماہر مجتہدین کے لیے احکام کے استنباط کے لیے اس کا مطالعہ اور اس کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے اور ہمارے اکثر معاصر علما نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ (الذريعة: ۲/ ۱۱۰۔ ۱۱۱) پھر اس کے بعد اس نے متدرک کو اپنے بنیادی مآخذ میں شمار کرنے پر اپنے بعض معاصر علما کے اقوال سے استشہاد کیا ہے۔ (الذريعة: ۲/ ۱۱۱) لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے بعض علما نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا، مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ "أحسن الوديعة" کا مولف اس کتاب پر بڑی شدید تنقید کرتا اور کہتا ہے کہ "اس نے اس میں ضعیف اور غیر معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے اور ایسی کتابوں سے حوالہ دیا ہے، جن کے نسخوں کی صحت ثابت نہیں، کیوں کہ شدید اختلاف کے حامل ان کے مختلف نسخے ملے ہیں۔" پھر وہ کہتا ہے کہ "اس کی روایات تمام کی تمام بحار سے لی گئی ہیں، جنھیں اس نے وسائل کے مناسب ابواب میں تقسیم کر دیا ہے، کیوں کہ میں نے حرف بہ حرف ان کے درمیان تقابل کیا ہے۔ (محمد مهدي الكاظمي: أحسن الوديعة، ص: ۷٤)

② دیکھیں: (۱/ ۲٦) مجلسی کہتا ہے: "الصدوق" کی پانچ کتابوں کے سوا باقی ساری کتابیں کتبِ اربعہ سے شہرت میں کم نہیں۔ (المصدر السابق) وہ مزید کہتا ہے: کتاب "بصائر الدرجات" معتبر اصول (بنیادی کتابوں) میں سے ہے، جس سے کلینی وغیرہ نے روایت لی ہے۔ (السابق: ۱/ ۲۷) اسی طرح اس نے اپنی بہت ساری دیگر کتابوں کے بارے میں ایسی باتیں کہی ہیں۔

③ دیکھیں: وسائل الشيعة (ج: ۲۰ خاتمه)

ہے کہ انھوں نے مذکورہ بالا آٹھ کتابوں میں کتاب "الوافي" کو ایک مستقل اصل اور بنیادی کتاب شمار کیا ہے، حالاں کہ یہ صرف مذکورہ بالا چار کتابوں (الکافي، التھذیب، الاستبصار اور من لا یحضرہ الفقیہ) کی احادیث کا مجموعہ ہے، لہٰذا اس کو کس طرح مستقل اور پانچویں بنیادی کتاب سمجھا جا سکتا ہے، جبکہ اس میں کتبِ اربعہ کی احادیث کا صرف تکرار ہے؟

اسی طرح انھوں نے طوسی کی کتاب "الاستبصار"[1] کو مذکورہ بالا چار مآخذ میں سے ایک مستقل ماخذ قرار دیا ہے، حالاں کہ وہ طوسی کی کتاب "تھذیب الأحکام" کے اختصار کے سوا کچھ نہیں۔ طوسی نے اس کی وضاحت "الاستبصار" کے مقدمے میں بھی کی ہے۔ جو شخص ان دونوں کتابوں کے درمیان تقابل کرنے کا شائق ہے، اس کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہوجائے گی۔ ان کی اس کارروائی میں مذہبی پرچار کا عنصر واضح ہے۔

ایسے ہی آپ دیکھتے ہیں کہ "بحار الأنوار" کے مولف نے اسے (۲۵) جلدوں میں ترتیب دیا ہے، جب پچیسویں جلد بڑی ہوگئی تو اس کا ایک حصہ اس نے علاحدہ جلد میں درج کر دیا اور مجموعی طور پر اس کی (۲۶) جلدیں بن گئیں۔[2]

اب معاصرین نے اس میں ایسی کتابیں شامل کر دیں، جو مولف کی وضع کردہ نہیں تھیں، جس طرح نوری طبرسی کی "جنة المأویٰ"، مسترحمی کی "ھدایة الأخبار" اور اجازات کی کئی جلدیں، تاکہ نئی طباعت میں صفر[3] سے آغاز کر کے (۱۱۰) تک اس کی جلدوں کو لے جائیں اور بعد میں اس کو ثقافتی مظاہر اور مذہبی پروپیگنڈے کے طور پر پیش کریں، کیوں کہ یہ لوگ پروپیگنڈے کے بہت زیادہ شوقین ہیں۔[4]

---

[1] الاستبصار (۱/ ۲۔ ۳)

[2] دیکھیں: الذریعة (۳/ ۲۷)

[3] پہلی جلد پر صفر درج ہے۔

[4] آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سارے لوگ کسی بھی موضوع پر لکھنے کا تکلف کرتے ہیں اور پھر ان کے علمی مراکز کی طرف سے ان کے لیے تنخواہیں جاری ہوتی ہیں۔ جب کام مکمل ہوجاتا ہے تو اسے ان میں سے کسی کی طرف یا ان کے کسی عالم کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ گویا اس اکیلے ہی نے وہ سارا کام کر ڈالا ہے، حالاں کہ ایسا کام اکیلا آدمی کر ہی نہیں سکتا۔ یہ چیز ان کی کتاب "الغدیر" وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کو ہر کام میں سبقت کے دعوے کا جنون ہے، جس طرح "الشیعة و فنون الإسلام" نامی کتاب میں آپ دیکھتے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ ہر علم میں شیعہ کو سبقت حاصل ہے۔ حالاں کہ شیعہ سے، سوائے اس کے جو انھوں نے اہلِ سنت سے لیا ہے، ایسا کچھ بھی منقول نہیں۔ ان کے الفاظ ہی ان کی حقیقت کھول دیتے ہیں۔ عاملی کی کتاب "أعیان الشیعة" پڑھ کر آپ کو احساس ہوگا کہ اس نے بہت سارے ائمہ اسلام کو محض اس وجہ سے اپنے گروہ میں شمار کیا ہے کہ ان کے حالاتِ زندگی میں تشیع کی طرف میلان ملتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے، جس میں رافضہ کے مسلک کا کوئی دخل نہیں، کیوں کہ اہلِ بیت کی حقیقی محبت اہلِ سنت کے دل میں شیعہ سے کہیں زیادہ ہے۔

جہاں تک ان مجموعوں کے موضوع کا تعلق ہے تو تهذيب الأحكام، الاستبصار، من لا يحضره الفقيه، وسائل الشيعة اور مستدرك الوسائل یہ تمام فقہ کی کتابیں ہیں۔ ایسے ہی "الكافي" بھی۔ اس کی پہلی دو جلدیں "أصول" کے موضوع پر ہیں اور باقی تمام کا موضوع فقہ (فروع) ہے، جسے "فروع الكافي" کا نام دیا جاتا ہے۔

ان کے بہت سارے فقہی مسائل میں اہلِ سنت کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہ بات بعض اہلِ علم کے اس قول کی تصدیق کرتی ہے کہ انھوں نے یہ چیزیں اہلِ سنت ہی سے لی ہیں۔[1] شیعہ کے عجیب عجیب تفردات اور قابلِ انکار مسائل ہیں، جن کا دماغ میں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ اس قابل ہیں کہ ان کے بارے میں مستقل کتب تالیف کی جائیں۔ شیعہ کے عالم مرتضی نے ان میں سے چند مسائل کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس کا نام "الانتصار"[2] رکھا ہے۔

ابن عقیل حنبلی نے ان میں سے بعض مسائل کو ذکر کیا ہے اور اس پر اظہارِ تعجب کیا ہے۔ ابن جوزی نے اسے "المنتظم"[3] میں ابن عقیل کے خط سے رقم کیا ہے۔ نیز ابن جوزی نے ''موضوعات'' میں ذکر کیا ہے:

> ''رافضہ نے فقہ کے موضوع پر ایک کتاب ترتیب دی ہے، جس کا نام انھوں نے "مذهب الإمامية" رکھا ہے۔ اس میں انھوں نے ایسے مسائل ذکر کیے ہیں، جو بلا کسی دلیل کے مسلمانوں کے اجماع کو تار تار کرتے ہیں۔''[4]

جہاں تک ان مجموعوں میں سے باقی کتب "أصول الكافي" اور "بحار الأنوار" کا تعلق ہے تو یہ ''توحید''، ''عدل'' اور ''امامت'' کے مسائل ذکر کرتی ہیں۔ ان کتب کے اکثر مضامین امامت، بارہ اماموں اور ان کی وصیت کے متعلق شیعی عقائد، ان کی صفات، احوال، ان کی قبروں کی زیارت اور ان کے دشمنوں کے متعلق گفتگو، جس میں سرفہرست اصحابِ محمد ﷺ ہیں، جیسے عناوین کے گرد گھومتے ہیں۔ مختصراً ہر چیز تقریباً امامت اور ائمہ کے گرد ہی گھومتی ہے۔

شیعہ کے ان حدیثی مجموعوں اور کتبِ روایت میں مذکور احادیث کا مطالعہ کرنے والا اہلِ سنت کی سند سے

---

[1] منهاج السنة النبوية (٣/ ٢٤٦)

[2] میں نے اس کی آخری طباعت (۱۴۰۵ھ، دار الاضواء، بیروت) دیکھی ہے، اس سے پہلے یہ فقہی مجموعوں کے ضمن میں طہران میں ۱۲۷۶ھ کو اور مستقل طور پر ۱۳۱۵ھ میں چھپی، اس کو "مسائل الانفرادات في الفقه" کا نام دیا جاتا ہے۔ (لؤلؤة البحرين، ص: ٣٢٠)

[3] المنتظم (٨/ ١٢٠)

[4] الموضوعات (١/ ٣٣٨)

وارد ہونے والی روایات، جس پر حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے اور شیعہ کے طریق سے آنے والی روایات کے درمیان، جن پر یہی لفظ (روایات) بولا جاتا ہے، بہت بڑا اور واضح فرق محسوس کرے گا۔ اہلِ سنت کی صحاح ستہ اور دیگر کتابیں جب کوئی حدیث روایت کرتی ہیں تو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور یہی آپ ﷺ کی احادیث ہیں، لیکن جو شیعہ کی کتبِ حدیث ہیں، یہ اپنے بارہ اماموں میں سے کسی ایک سے روایت نقل کرتی ہیں۔ شیعہ کا عقیدہ ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرنے یا کسی امام سے روایت کرنے میں کوئی فرق نہیں۔

ایسے ہی ان کی کتبِ حدیث کو پڑھنے والا بہت کم بلکہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسی حدیث پائے گا، جو نبی کریم ﷺ تک سند کے ساتھ پہنچی ہو۔ کافی میں جو یہ اکثر روایت کرتے ہیں، وہ جعفر صادق تک ہی موقوف ہوتی ہے۔ بہت تھوڑی روایات ایسی ہیں، جو ان کے باپ محمد باقر تک پہنچتی ہیں اور اس سے بھی کم وہ روایات ہیں جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی روایت ایسی ہوگی، جو نبی اکرم ﷺ تک متصل ہو۔

یہاں یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ان کے متاخر چار مجموعے گیارھویں صدی اور اس کے بعد تالیف کیے گئے ہیں۔ آخری مجموعے کو نوری طبرسی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) نے لکھا، جو شیخ محمد عبدہ کا ہم عصر تھا، اس میں اس نے ائمہ سے ۲۳ ہزار احادیث جمع کیں،[1] جو اس سے پہلے غیر معروف تھیں۔ یہ ائمہ کے زمانوں سے سیکڑوں سال بعد کی مرویات ہیں۔

اگر ان لوگوں نے یہ احادیث سند اور روایت کے منہج کے مطابق جمع کی ہیں تو ایک عقل مند ایسی روایات کو کس طرح ثقہ سمجھ سکتا ہے، جو گیارہ یا تیرہ صدیوں تک لکھی ہی نہیں گئیں؟ یا اگر وہ کتب میں مدون تھیں تو پھر ان متاخر صدیوں ہی میں یہ کتب کیوں ملی ہیں؟ ان کے متقدمین نے ان روایات کو جمع کیوں نہیں کیا اور ان کی قدیم کتابوں میں ان کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا؟ کلینی نے انھیں کیوں درج نہیں کیا؟ حالانکہ اس نے تو مہدی کے چاروں سفرا کی موجودگی میں اپنی کتاب لکھی تھی اور مہدی نے اس کا نام اس وجہ سے کافی رکھا تھا کہ وہ شیعہ کے لیے کفایت کرنے والی ہے۔ اس نے سفرا کے ذریعے اسے مہدی کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے کہا کہ یہ ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے! جس طرح اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔[1]

---

[1] الذریعة (۲۱/ ۷)

[2] ان مجموعوں کے بعض مولفین نے یہ وضاحت کی ہے کہ انھیں ایسی کتابیں ملی ہیں، جو اس سے پہلے ان کی معتبر کتابوں میں مدون نہیں تھیں۔ مجلسی کہتا ہے: ''ہمارے پاس الحمد للہ چار کتابوں کے علاوہ بھی تقریباً ۲۰ کتابیں ہیں، جنھیں میں نے ''بحار الأنوار'' ←

بلکہ طوسی نے تو کہا ہے کہ اس نے اپنی کتاب "تهذيب الأحكام" میں فقہ کے متعلق اپنے اصحاب کی تمام احادیث، کتب اور اصول سب کو جمع کیا ہے اور اس سے شاذ و نادر ہی کوئی چیز پیچھے رہ گئی ہوگی۔[1] تو کیا یہ کتب بعد میں صفوی عہدِ حکومت میں ترتیب دی گئیں اور پہلے علما کی طرف منسوب کر دی گئیں؟ ایسا ہونا کچھ بعید بھی نہیں۔[2]

بلکہ ان کی پہلی چار کتابیں بھی ملاوٹ اور اضافے سے خالی نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ طوسی کی کتاب "تهذيب الأحكام" کی احادیث آغا بزرگ طہرانی کے "الذريعة"[3] اور محسن عاملی کے "أعيان الشيعة"[4] میں قول اور ان جیسے دیگر معاصر علما کے اقوال کے مطابق ۱۳۹۵۰ ہے، جبکہ طوسی نے خود اپنی کتاب "عدة الأصول" میں وضاحت کی ہے کہ "تهذيب" کی احادیث و روایات ۵۰۰۰ سے زیادہ ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ وہ ۶۰۰۰ ہوں گی،[5] تو کیا مختلف زمانوں میں نصف سے بھی زیادہ احادیث کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے؟ ہمارے سامنے موجود حسی دلیل تو یہی ثابت کرتی ہے!!

ایسے ہی آپ دیکھتے ہیں کہ شیعہ کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا "كتاب الروضة" (یہ کافی

---

← میں جمع کر دیا ہے۔ (اعتقادات المجلسي، ص: ٢٤، مصطفى الشيبي: الفكر الشيعي، ص: ٦١) شیعہ عالم حر عاملی نے ذکر کیا ہے کہ اس کے پاس چار کتابوں کے سوا ۸۰ کتابیں موجود ہیں، جنھیں اس نے "وسائل الشيعة" میں جمع کیا ہے۔ (دیکھیں: الوسائل: ج: ١ المقدمة، الذريعة: ٤/ ٣٥٢۔ ٣٥٣)

اسی طرح شیعہ کے معاصر عالم نوری طبرسی کو بھی معاصر ہونے کے باوجود ایسی کتابیں ملی ہیں، جو اس سے پہلے مدون نہیں کی گئیں۔ آغا بزرگ طہرانی کہتا ہے: "اس کی تالیف کا سبب مولف کو بعض ایسی اہم کتابوں کا ملنا تھا، جو اس سے پہلے شیعہ کی جوامع میں درج نہیں کی گئی تھیں۔ (الذريعة: ٢/ ٧) انھوں نے ان دریافت ہونے والی احادیث کو، جن کو اس نے "مستدرك الوسائل" میں جمع کیا ہے، ان احادیث میں سے قرار دیا ہے، جس سے بے نیازی نہیں برتی جا سکتی۔

صاحب "الذريعة" کے حوالے کے مطابق شیعہ آیت اللہ خراسانی نے کہا ہے کہ "ہمارے اس زمانے میں مجتہد کی حجت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی، جب تک وہ مستدرک کی طرف رجوع نہ کرے اور اس میں موجود احادیث کو دیکھ نہ لے۔" (الذريعة: ٢/ ١١١) تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مستدرک کی تالیف سے پہلے ان کے ہاں ان کے علما کا قول حجت نہیں ہوتا تھا؟ تعجب کیجیے اور دیکھتے جائیں کہ کتب و روایات کی دریافت کا یہ سفر کب تک جاری رہتا ہے!!

[1] مقدمة الرسالة.

[2] الاستبصار (١/ ٢)

[3] الذريعة (٤/ ٥٠٤)

[4] أعيان الشيعة (١/ ٢٨٨)

[5] الإمام الصادق (ص: ٤٥٨)

کی ایک کتاب ہے، جو کئی ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں احادیث کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے) کلینی کی تالیف ہے، یا اس کے بعد اس کی کتاب کافی میں داخل کی گئی ہے؟[1] گویا اضافہ ایک طبعی چیز ہے، جو ہر حال میں ہوا ہے۔ بلکہ اس سے بھی خطرناک بات یہ ہے کہ شیعہ کے ثقہ عالم حسین بن حیدر کرکی عاملی (المتوفی ۱۰۷۶ھ) کا کہنا ہے کہ ''کتاب ''الکافي'' میں پچاس کتابیں ہیں، جن میں سندوں کے ساتھ ہر حدیث ائمہ تک متصل ہے۔''[2] جبکہ طوسی (المتوفی ۳۶۰ھ) کا کہنا ہے کہ ''کتاب ''الکافي''، تیس کتابوں پر مشتمل ہے۔ ہمیں شیخ نے اس کی تمام روایات کی خبر دی ہے۔''[3]

تو کیا کلینی کی کافی میں پانچویں صدی سے لے کر گیارھویں صدی تک بیس کتابوں کا اضافہ کیا گیا اور ہر کتاب بیسیوں ابواب پر مشتمل اور ہر باب کئی احادیث کا مجموعہ ہے؟!

شاید یہ فطری بات ہے، کیوں کہ جو رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت کی طرف جھوٹ منسوب کر سکتے ہیں، ان کے لیے اپنے علما کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا کوئی بڑی بات نہیں اور اس کے بہت زیادہ شواہد موجود ہیں۔

جہاں تک ان کتابوں کے متون اور عبارتوں کا تعلق ہے تو آپ ان میں بھی اختلاف اور تضاد کی روش محسوس کریں گے۔

شیعہ عالم محمد بن الحسن الطّوسی اس کیفیت پر بہت زیادہ دل گرفتہ تھا کہ ان کی احادیث میں پایا جانے والا اختلاف، تباین، تضاد اور تعارض اتنا زیادہ ہے، جو ان کے مذہب پر سب سے بڑا اعتراض ہے اور اس کی وجہ سے بعض لوگوں نے، جب ان پر اس اختلاف و تناقض کی حقیقت منکشف ہوئی، تو انھوں نے شیعہ مذہب کو خیر آباد کہہ دیا۔[4]

طوسی نے اس اختلاف و تناقض کے تدارک اور توجیہ پیش کرنے کے لیے ایک ناکام سی کوشش کی ہے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا، بلکہ اس کی یہ کوشش جلتی پر تیل ثابت ہوئی ہے، کیوں کہ اس نے اس دلیل کے سوا کہ یہ حدیث اہلِ سنت کے ساتھ موافقت رکھتی ہے، بہت ساری روایات کے اس اختلاف کو تقیے پر محمول

---

[1] روضات الجنات (٦/ ١١٨۔ ١٧٦)

[2] المصدر السابق (٦/ ١١٤)

[3] الفهرست (ص: ١٦١)

[4] تهذيب الأحكام (١/ ٢۔ ٣)

کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اپنی اس حرکت کی وجہ سے فرقہ بندی ہی کو مزید ہوا دی ہے اور اپنے گروہ کے لیے ہدایت کے بہت سارے مواقع کھو دیے ہیں۔ اس نے یہ کوشش صرف احکام کی احادیث میں کی ہے، مذہب کے باقی مسائل کو نہیں چھیڑا۔ اس بات کی مادی اور حسی دلیل کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا، ان کا کثرتِ اختلاف ہے۔

آٹھ معتبر کتابوں میں سے ایک کتاب ''الوافي'' کے مصنف فیض کاشانی کو بھی اس روش پر شکوہ ہے، وہ اپنے گروہ کے اختلاف کے متعلق لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ یہ ایک ہی مسئلے میں اختلاف کرتے ہوئے بیس، تیس یا اس سے بھی زیادہ اقوال پیش کرتے ہیں، بلکہ میں تو یہاں تک کہنا چاہوں گا کہ کوئی بھی فرعی مسئلہ یا اس کے بعض متعلقات ایسے نہیں، جن میں انھوں نے اختلاف نہیں کیا۔''[1]

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان کا اختلاف احادیث یا نصوص میں ہے، مسائل کے استنباط میں نہیں۔ بلاشبہہ یہ تناقض اس مذہب کے باطل اور روایات کے جھوٹا ہونے کی نشانی ہے اور یہ کہ یہ مذہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، کیوں کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ۸۲]

''اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''

شیعہ کی بعض روایات اختلاف کی اس روش کو ائمہ کی طرف بہ کثرت جھوٹ منسوب کرنے پر محمول کرتی ہیں۔ (ان کی روایات کے مطابق) فیض بن مختار نے ابو عبد اللہ سے شیعہ کے کثرتِ اختلاف کا شکوہ کرتے ہوئے کہا:

''آپ کے شیعہ میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ میں کوفے میں ان کی مجالس میں بیٹھتا ہوں تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں ان کے اختلاف کے سبب ان کی احادیث کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہو جاؤں؟ ابو عبداللہ نے جواب دیا: اے فیض! حقیقت یہی ہے جو تو نے ذکر کی ہے۔ لوگوں کو ہماری طرف جھوٹ منسوب کرنے کی لت پڑ چکی ہے... میں کسی کو کوئی حدیث سناتا ہوں، وہ میرے پاس سے ابھی نکلتی بھی نہیں کہ اس کی وہ ایسی تفسیر کرتا ہے، جو اس کی تفسیر ہوتی ہی نہیں۔

[1] الوافي، المقدمة (ص: ۹)

بات یہ ہے کہ لوگ ہماری احادیث اور محبت کے ذریعے اللہ کی رضا نہیں چاہتے، بلکہ دنیا کے طلب گار ہیں اور ہر کوئی سردار کہلانے کے شوق میں گرفتار ہے۔''[1]

ائمہ نے اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے والوں کی کثرت کا بہت زیادہ شکوہ کیا ہے[2] ان (ائمہ شیعہ) کو، خصوصاً جعفر صادق کو، بہت سارے سازشیوں، حیلے بازوں اور مال کمانے والوں نے گھیر رکھا تھا۔ وہ عالمِ اسلام کے مختلف علاقوں سے آنے والے وفود کا استقبال کرتے، ائمہ کے نام پر ان کا مال بٹورتے، ان کو جعلی توقیعات دیتے اور ان کی طرف سے ایسی باتیں بنا کر لوگوں کو سناتے، جو انھوں نے کبھی کہی ہی نہیں تھیں۔[3] اگر ائمہ ان کے اقوال کی تکذیب کرتے تو یہ کہتے کہ انھوں نے یہ تکذیب تقیہ کرتے ہوئے کی ہے۔[4]

---

① شیعہ کی کتابوں سے اس کی تخریج (ص:۱۰۹) گزر چکی ہے۔

② شیعہ کی کتابیں جعفر صادق سے روایت کرتی ہیں کہ ''ہم میں سے ہر ایک آدمی پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔'' انھوں نے مزید کہا: ''مغیرہ بن سعید نے میرے باپ کے اصحاب کی کتابوں میں ایسی احادیث شامل کر دی ہیں، جو انھوں نے بیان ہی نہیں کیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہماری طرف سے ایسی کوئی بات قبول نہ کرو، جو ہمارے رب کے قول اور ہمارے نبی کی سنت کے مخالف ہو۔''

مغیرہ بن سعید نے خود بھی اعتراف کیا ہے، جس طرح شیعہ کی کتابیں ذکر کرتی ہیں کہ اس نے کہا: ''میں نے تمھاری روایات میں ایک لاکھ کے قریب روایات داخل کر دی ہیں۔''

جعفر صادق سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: ''ہم اہلِ بیت سچے ہیں، لیکن ہم ایسے جھوٹوں سے خالی نہیں، جو ہماری طرف جھوٹ منسوب کر دیتے ہیں اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ہماری صداقت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔''

یونس سے منقول ہے کہ اس نے کہا: ''میں عراق گیا تو مجھے وہاں ابو جعفر اور ابو عبداللہ کے چند اصحاب ملے، میں نے ان سے سماع کیا، ان کی کتابیں لیں اور بعد میں انھیں ابو الحسن رضا کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان میں سے بہت ساری روایات سے انکار کر دیا اور کہا: ابو الخطاب نے ابو عبداللہ پر جھوٹ بولا ہے، اللہ اس پر لعنت کرے۔ ایسے ہی ابو الخطاب کے اصحاب آج تک ان جیسی روایات ابو عبداللہ کے اصحاب کی کتابوں میں شامل کر رہے ہیں، لہٰذا ہماری طرف سے ایسی کوئی بات قبول نہ کرو، جو قرآن کے مخالف ہو۔ (یہ سابقہ عبارات ''تنقيح المقال (١/ ١٧٤۔ ١٧٥) میں دیکھیں)

اگر ان عبارتوں کے ساتھ روافض کے جھوٹ گھڑنے کے متعلق ائمہ اہلِ سنت کی گواہیاں بھی ملا لی جائیں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ ان کے ہاں جھوٹ کی کتنی کثرت اور ان میں یہ وبا کس قدر عام ہے۔

ایسے ہی اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ علم الاسناد اور جرح و تعدیل میں ان کی کتنی جمع پونجی ہے تو آپ کو اس بہت بڑے خطرے کا اندازہ ہو جائے گا، جس کے سائے میں یہ لوگ، ان مجموعوں کی روایات پر اعتماد کرنے کی صورت میں، جی رہے ہیں۔

③ التحفة الإثنا عشرية (الورقة: ٩٢) قلمی نسخه.

④ دیکھیں: میزان الاعتدال، زرارہ کا ترجمہ (٢/ ٦٩۔ ٧٠) اس کی تفصیل شیعہ رجال کے حال میں ذکر ہوگی۔ شیعہ علما کا کہنا ہے کہ جعفر وغیرہ کی طرف سے جو اکثر رواۃ میں طعن کیا گیا ہے، وہ تقیے کی وجہ سے تھا۔

قاضی شریک بن عبداللہ (المتوفی ۱۷۷، ۱۷۸ھ) کی زبان سے ان لوگوں کے حالات سماعت فرمائیں، جو جعفر کے ساتھ چمٹے رہتے تھے اور اس سے روایت نقل کرنے کے دعوے دار تھے۔ یہ باتیں خود شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں، چنانچہ ابو عمر الکشی لکھتا ہے:

''یحییٰ بن عبدالحمید حمانی نے امیر المومنین کی امامت کے اثبات کے موضوع پر اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے شریک سے کہا: کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ جعفر بن محمد، حدیث میں ضعیف ہے؟ اس نے کہا: میں تمھیں اس کی کہانی سناتا ہوں۔ جعفر بن محمد ایک نیک پارسا مسلمان تھا، اس کو جاہل لوگوں نے گھیرا ہوا تھا، وہ اس کے پاس آتے، جب اٹھ کر جاتے تو لوگوں سے کہتے: ہمیں جعفر بن محمد نے بیان کیا ہے، پھر وہ ایسی احادیث بیان کرتے جو تمام کی تمام منکر، جھوٹ اور جعفر کے نام پر بنائی گئی ہوتیں، تاکہ لوگوں سے مال بٹوریں اور ان سے درہم لیں۔ وہ ہر منکر بات اس راستے سے پیش کرتے۔ میں نے اس کے متعلق عوام سے سنا، کچھ تو ان میں ہلاک ہوگئے اور کچھ نے ان کا انکار کیا۔''[1]

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انکار کرنے والے متقدمین تھے، کیوں کہ متاخرین کے ہاں، خصوصاً عہد صفوی اور اس کے بعد میں، جعفر سے منقول یہ بہت زیادہ افسانے بلا انکار ان کے عقائد کا حصہ بن چکے تھے۔''

جہاں تک ان روایات کے معنی و مضمون کا تعلق ہے تو آدمی محض ان کے متن پر ایک نظر ڈالنے ہی سے ان کے موضوع ہونے کا اندازہ لگا لیتا ہے، کیوں کہ یہ اسلام کے اصول، مقاصد، متواتر مسلمات، اجماع اور صریح عقل کے خلاف ہیں۔

میں نے ان کی روایات میں ایسی باتیں ملاحظہ کی ہیں، جو قرائن کی بنیاد پر متن کی تنقید کے اصول کو کالعدم قرار دیتی ہیں۔

''بصائر الدرجات'' میں سفیان السمط سے مروی ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابو عبداللہ سے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں، آپ کی طرف سے ایک آدمی آتا ہے، وہ جھوٹ بولنے میں معروف ہے، پھر بھی حدیث بیان کرتا ہے، تو ہم اس کو بہت زیادہ برا سمجھتے ہیں۔ ابو عبداللہ نے کہا: کیا وہ تم سے یہ کہتا ہے کہ میں نے دن کو رات یا رات کو دن کہہ دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، پھر ابو عبداللہ نے کہا: اگر وہ تجھ سے یہ بات بھی کہے کہ یہ بات میں نے کہی ہے، پھر بھی

[1] رجال الكشي (ص: ٢٠٨، ٢٠٩) بحار الأنوار (٢٠/ ٣٠٢، ٣٠٣)

اسے جھوٹا نہ کہنا، کیوں کہ اس طرح تم میری تکذیب کرو گے۔‘‘[1]

یہ بھی مروی ہے:

’’ہماری حدیث سے دل کانپ جاتے ہیں، جو پہچان لے، اس کو مزید سناؤ اور جو انکار کرے تو اسے چھوڑ دو۔‘‘[2]

شیعہ عالم مجلسی نے اس عنوان کے تحت ”باب أن حديثهم -عليهم السلام- صعب، مستصعب وإن كلامهم ذو وجوه كثيرة، و فضيلة التدبر في أخبارهم -رضي الله عنهم، والتسليم لهم، والنهي عن رد أخبارهم“[3] میں اس رجحان کی ایک سو سولہ (۱۱۶) روایات نقل کی ہیں۔ اگر آپ اس کا اہلِ سنت کے موقف کے ساتھ موازنہ کریں تو بڑے شفاف انداز میں ان کی گمراہی آپ پر واضح ہو جائے گی، کیوں کہ اشیا اپنی اضداد ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔[4]

---

[1] بحار الأنوار (۲/ ۲۱۱، ۲۱۲)

[2] المصدر السابق (۲/ ۱۹۲)

[3] دیکھیں: المصدر السابق (۲/ ۱۸۲۔ ۲۱۲)

[4] اس سلسلے میں ائمہ اہلِ سنت کے اقوال کے ساتھ ان کا موازنہ کیجیے۔ ربیع بن خثیم (المتوفی ۶۱ یا ۶۳ھ)، جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ’’اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو تجھ سے محبت رکھتے۔‘‘ (تقريب التهذيب: ۱/ ۲٤٤) کہتے ہیں:

’’احادیث میں کچھ ایسی احادیث بھی ہوتی ہیں، جن کی روشنی دن کی روشنی کی طرح ہوتی ہے، جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے اور کچھ ایسی احادیث ہوتی ہیں، جن کا اندھیرا رات کے اندھیرے جیسا ہوتا ہے، لہٰذا ہم اس سے انکار کر دیتے ہیں۔‘‘ (خطيب بغدادي: الكفاية، ص: ٦٠٥)

ایک سو بیس (۱۲۰) جلدوں میں ”الكواكب الدراري“ کے مصنف ابو الحسن علی بن عروہ (المتوفی ۸۳۷ھ) (السخاوي: الضوء اللامع: ٥/ ۲۱٤، ۲۱٥) کہتے ہیں: ’’دل جب پاک، صاف اور طاہر ہو تو وہ حق و باطل، جھوٹ و سچ اور گمراہی و ہدایت کے درمیان امتیاز کر لیتا ہے۔ خصوصاً جب اس کو نورِ نبوت کی چمک اور ذوق حاصل ہو، اس وقت اس کے سامنے معاملات کے خفیہ کنارے، اشیا میں ملاوٹ اور ضعیف میں سے صحیح سب کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر صحیح سند میں موضوع الفاظ کا متن یا ضعیف سند میں صحیح متن ٹھونس دیا جائے تو وہ دل اس میں امتیاز کرتے ہوئے اسے پہچان لیتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ عقل مند اور صاحبِ ذوق پر مخفی نہیں ہیں۔‘‘ (القاسمي: قواعد التحديث، ص: ۱٦٥ یہ ابن عروہ کی ”الكواكب الدراري“ کے قلمی نسخے سے حوالہ دیا گیا ہے)

ائمہ حدیث نے جس طرح اسناد کو اہمیت دی ہے، اسی طرح متن کو بھی قابلِ اعتنا سمجھا ہے۔ انھوں نے سند کی طرف دیکھے بغیر موضوع حدیث کی پہچان کے لیے علامات مقرر کی ہیں اور عام علوم حدیث اس موضوع پر بحث کرتے ہیں۔ امام ابن دقیق العید کا قول ہے کہ اہلِ حدیث اکثر اوقات روایت اور الفاظِ حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے وضع کا حکم لگا دیتے ہیں۔ (الاقتراح، ص: ۲۳۱) ←

ان کے ہاں اکثر اس وقت متن کی تنقید عمل میں لائی جاتی ہے، جب حدیث اہلِ سنت کے موافق ہو، جنھیں یہ ''عامہ'' کا نام دیتے ہیں۔ چناں چہ اس وقت حدیث کو رد کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ ان کی روایات کے مطابق ''عامہ'' کی مخالفت ہی میں ہدایت پنہاں ہوتی ہے۔[1] لہٰذا اس وجہ سے یہ لوگ اپنی گمراہی میں مزید گمراہی کا اضافہ کر لیتے ہیں، حالانکہ ان کے بعض ائمہ سے ان کی اپنی کتابوں میں منقول ہے کہ ہماری طرف نسبت پر اعتماد کرتے ہوئے ہمارے رب کی کتاب کے خلاف کچھ بھی قبول نہ کرو،[2] لیکن اس قاعدے اور نظریے پر ان کے علما نے عمل نہیں کیا، بلکہ وہ اصل (قرآن) جس کی طرف ان کے ائمہ نے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، اس پر نقد وطعن کے متعلق ان کے افسانوں کی بھرمار ہے۔

البتہ ان کے ہاں ان روایات کی صحت کا درجہ، جو ان مجموعوں میں مذکور ہیں، ان کی اسانید اور ان رجال کی پہچان جن کی انھوں نے ائمہ سے روایات پسند کی ہیں، ان کے ہاں حدیث کی اقسام اور سند پر تنقید کے معیارات، یہ ساری باتیں ایک بہت بڑے اور اہم موضوع کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، جس پر ایک مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ بے وقوف اور دھوکا کھا جانے والے عوام کے سامنے ان مجموعوں کی حقیقت کشائی کے لیے، نیز باطل پر پڑا پردہ ہٹانے اور اس گمراہی کی ایجاد اور بعض علمائے اہلِ بیت کی طرف اس کی نسبت کرنے میں سبائی ہاتھوں کو بے نقاب کرنے کے لیے یہ بڑی اہمیت کا حامل کام ہے۔ یہ ایک وسیع اور کثیر جہتی بحث ہے، جس کی تفصیل کے لیے یہاں گنجایش نہیں، لہٰذا ہم یہاں اشارات پر مشتمل ایک مجمل سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

## شیعہ مجموعوں کی روایات کہاں تک صحیح ہے؟

اہلِ سنت کی نامور شخصیات نے یہ بات کہی ہے کہ رافضہ جھوٹ گھڑنے اور سچ کو جھٹلانے میں تمام فرقوں

---

← حافظ ابن الصلاح ذکر کرتے ہیں کہ محدثین بعض اوقات اس مروی نص (روایت کردہ الفاظ) کے قرینے ہی سے اس کے موضوع ہونے کو پہچان لیتے ہیں۔ بہت ساری ایسی طویل احادیث وضع کی گئیں، جن کے الفاظ اور معنی کی رکاکت (غیر موزونیت) ہی ان کے موضوع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (ابن الصلاح: علوم الحديث، ص: ٨٩)

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس موضوع کے متعلق آنے والے سوال کے جواب میں ایک مستقل کتاب رقم کی۔ وہ سوال تھا: ''کیا کسی قاعدے کے ذریعے سند دیکھے بغیر موضوع حدیث کی پہچان کرنا ممکن ہے؟'' تو امام صاحب نے اس کے جواب میں اپنی کتاب ''المنار المنيف'' میں (۴۴) قواعد درج کیے اور (۲۷۳) احادیث کی مثالیں پیش کیں اور محض متن پر تنقید کر کے ان کا موضوع ہونا ثابت کیا۔

[1] دیکھیں اس کتاب میں: ''اجماع کی بحث''

[2] دیکھیں: أصول الكافي، باب الأخذ بالسنة و شواهد الكتاب (١/ ٦٩۔ ٧١) اس میں اس مفہوم کی کئی احادیث ہیں۔

سے بڑھ کر ہیں۔[1]

جب ابن المطہر نے یہ بات کہی کہ ان (شیعہ) کی بھی احادیث ہیں، جنھیں ان کے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے، تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''تمھیں اس بات کا علم کیسے ہوسکتا ہے کہ جنھوں نے قدیم زمانے میں یہ روایات نقل کی تھیں، وہ سب ثقہ تھے؟ تم نہ ان سے ملے، نہ تمھیں ان کے حالات کی کچھ خبر ہے، نہ تمھارے پاس ایسی تصانیف ہیں، جن کی روشنی میں تم ان کی ان خبروں پر اعتماد کر سکتے ہو، جن کے ذریعے ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا علم ہوسکتا ہے اور نہ تمھارے پاس اسانید ہی ہیں کہ تم ان کے راویوں کو پہچان سکو۔''[2]

لیکن کیا ائمہ اسلام کو ان مجموعوں کی خبر تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ امت مسلمہ کے پاس صحاح، سنن اور مسانید وغیرہ کی طرح کے بنیادی مصادر و مآخذ کے سوا حصولِ علم کا کوئی دوسرا ماخذ مشہور اور معروف نہیں تھا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ وہ ائمہ اسلام جنھوں نے روافض پر بہت زیادہ کام کیا ہے، جیسے امام اشعری، ابن حزم اور ابن تیمیہ رحمہم اللہ وغیرہ ہیں، ان سے (میری تحقیق کے مطابق) ان مجموعوں کے نام کا کوئی ذکر نہیں ملتا، خصوصاً ان کی سب سے زیادہ خطرناک کتاب ''أصول الکافي'' کا تو کوئی ذکر نہیں، حالاں کہ اس کے مصنف کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی۔ کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یہ کتابیں ان کے پاس رازدارانہ انداز میں متداول رہی ہیں یا پھر علمائے اسلام انھیں درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے رہے؟ یا پھر بات یہ ہے کہ یہ کتابیں صفوی عہدِ حکومت میں تالیف کی گئی ہوں اور ان کے قدیم علما کی طرف منسوب کر دی گئی ہوں؟!

اصولِ کافی میں ایسی عبارتیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حدیث کی کتابیں ان کے ہاں خفیہ طور پر متداول اور رائج تھیں، اس لیے تقیے کے حالات کے پیشِ نظر ان کی سندیں متصل نہیں رہیں۔

کافی کی ایک روایت ذکر کرتی ہے:

''ہمارے علما نے ابوجعفر اور ابوعبداللہ سے روایت کیا اور تقیہ بڑا شدید تھا، لہٰذا انھوں نے اپنی کتابیں چھپالیں اور وہ ان سے روایت نہیں کی گئیں، جب وہ فوت ہوگئے تو وہ کتابیں ہمارے ہاتھ لگ گئیں۔ ان کا ایک امام کہتا ہے: انھیں بیان کرو، یہ سچ ہیں۔''[3]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٥١) نیز دیکھیں: المنتقیٰ (مختصر منهاج السنة، ص: ٢١۔ ٢٣) میزان الاعتدال (١/ ٢٧۔ ٢٨)

[2] منهاج السنة (٤/ ١١٠)

[3] أصول الكافي، كتاب فضل العلم، باب رواية الكتب والحديث (١/ ٥٣)

ان کی بعض روایات میں اس عبارت کو چھپانے اور اس کو سمجھنے کی اہلیت نہ رکھنے والے کے پاس ظاہر نہ کرنے کا حکم بھی ملتا ہے۔[1] امام سیوطی کے زمانے میں ایک رافضی نے سنت کو چھوڑ کر صرف قرآن کو اپنانے کی دعوت دینا شروع کی تو انھوں نے اس کے جواب میں اپنی کتاب ''الاحتجاج بالسنة'' تالیف کی۔ اس رافضی نے اپنے ہم مذہب اصحاب کی کتبِ حدیث کی دعوت کیوں نہیں دی؟ اس کی اس حرکت سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ انھیں چھپانا چاہتا تھا، تاہم ان کی کتابیں اس کثرت کے ساتھ طباعت کا دور آنے اور رافضہ کے پھیلاؤ کے بعد ہی پھیلی ہیں۔

شیعہ کے پہلے چار مصادر کی طرف سب سے پہلے اشارات شاید کتاب ''النواقض في الرد علی الروافض'' میں ملتے ہیں۔ اس کتاب کا مصنف ذکر کرتا ہے کہ شیعہ کی بے ہودہ گویوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ وہ صحیح احادیث کی کتابوں کا انکار کرتے ہیں، جوامت میں مقبول اور رائج ہیں اور اس کے مقابلے میں وہ چار کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، جن میں بعض احادیث اور اقوالِ ائمہ کے ساتھ بہت زیادہ جھوٹی روایات جمع کی گئی ہیں۔

''نواقض'' کا مولف مخدوم شیرازی دسویں صدی کا عالم ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مجموعے اس وقت ظاہراً موجود تھے، کیوں کہ یہ شیرازی شیعہ کے درمیان رہا اور انھی سے اپنی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور تھا، لہٰذا وہ ان کے بہت سارے معاملات سے واقفیت رکھتا تھا، جو بہت سارے لوگوں پر پوشیدہ تھے۔[2]

اب یہ سوال کہ اس گروہ کی نگاہ میں ان مجموعوں میں موجود روایات کی صحت کتنی ہے؟ تو اس مسئلے میں ان کے دو گروہ ہیں:

ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ائمہ سے منقول ایک ایک حرف قطعی طور پر ثابت ہے، جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ان میں صحیح بھی ہیں اور غیر صحیح بھی۔ شیعہ عالم ممقانی اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

[1] جس طرح خود ساختہ ''لوحِ فاطمہ'' کی روایت میں ہے، اس کے آخر میں ان کے امام نے کہا ہے کہ اگر تم اپنی عمر میں اس کے سوا کوئی اور حدیث نہ بھی سنو تو بھی یہ تجھے کافی ہوگی، لہٰذا اس کو ان لوگوں کے سوا، جو اس کے اہل ہیں، محفوظ کر کے رکھو۔ اس روایت کو ابو بصیر، جعفر صادق سے روایت کرتا ہے۔ دیکھیں: أصول الکافي (١/ ٥٢٧۔ ٥٢٨) الکاشاني: الوافي (٢٦١/ ٧٢) الطبرسي: الاحتجاج (١/ ٨٤۔ ٨٧) ابن بابویه: إکمال الدین (ص: ٣٠١۔ ٣٠٤) الطبرسي (**مجمع البیان کا مولف**) إعلام الوریٰ (ص: ١٥٢ وما بعدھا) الکراجکي: الاستنصار (ص: ١٨)

[2] المصدر السابق (الورقه: ٨٧، ١٥١) نیز کتاب کا (ص: ٢٣٥) حاشیه (١) دیکھیں۔

''کتب اربعہ میں سے ہر ایک کتاب کی تمام روایات مجموعی اعتبار سے بلا کسی شک اور اعتراض کے متواتر ہیں، بلکہ اگر غور وفکر کیا جائے تو یہ تواتر کے درجے سے بھی بلند ہیں۔ لیکن کیا خصوصی طور پر ہر حدیث متواتر ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں کیا ہر حدیث اور ہر لفظ اپنی تمام اِعرابی و بنائی حرکات سمیت اور کلمات و حروف کی اسی ترتیب کے ساتھ قطعی ہے کہ نہیں؟ ہمارے مجتہد اصحاب کے ہاں دوسری بات معروف ہے، ایسے ہی وہ انھیں اخبارِ آحاد سمجھتے ہیں اور ان کی سند کی صحت یا صحت کے قائم مقام ہونے کا اعتبار کرتے ہیں، جب کہ اکثر اخبار یہ پہلا موقف رکھتے ہیں، ایسے ہی ان کا قول علم پر عمل کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور یہ کہ ان کا صدور قطعی ہے۔''[1]

معلوم ہوا کہ اثنا عشریہ کے اخباریہ مکتبِ فکر کے ہاں یہ کتب اربعہ مسلمانوں کے ہاں قرآن کریم سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اسی لیے انھوں نے ان کی ان روایات کو قبول کیا ہے، جو قرآن کریم کو موضوعِ بحث بناتی ہیں، انھوں نے ان کتب ہی کو قرآن کریم پر حاکم اور فیصل قرار دیا ہے اور یہی سب سے بڑی گمراہی اور صریح کفر ہے۔

تاہم اصولی یا جنھیں یہ لوگ مجتہد کہتے ہیں، انھیں اخبارِ آحاد کی قبیل سے سمجھتے ہیں اور ان پر حکم لگاتے وقت سند دیکھتے ہیں، اس لیے اپنے[2] زمانے کے رئیسِ مذہب اور امامیہ شیعہ کے عالم جعفر نجفی (المتوفی ۱۲۲۷ھ) رقم طراز ہیں:

''تحصیلِ علم میں تین محمدوں پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے، جبکہ وہ ایک دوسرے کی روایات کو جھٹلاتے ہیں اور ان کی روایات ایک دوسرے کے متضاد ہیں؟ پھر ان کی کتابیں ایسی روایات پر مشتمل ہیں، جن کا جھوٹ ہونا قطعی ہے، جیسے: تجسیم، تشبیہ، قدامتِ عالم اور مکان و زمان کے ثبوت کے متعلق روایات ہیں۔''[3]

لیکن کتب اربعہ کے مولفین نے اپنے مقدمات میں صریحاً یہ ذکر کیا ہے کہ وہ صرف صحیح نقل کریں گے۔ ''کشف الغطا'' کا مصنف اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

''مقدمات میں جو یہ بات مذکور ہوئی ہے، اس کی تخصیص یا مجاز کی طرح کی کوئی تاویل یا پھر شرطِ صحت سے صَرفِ نظر پر محمول کرنا ضروری ہے، کیوں کہ انھوں نے اپنی کتابوں کے حواشی اور بین

---

[1] تنقیح المقال (۱/ ۱۸۳) طباعت ۱۳۴۹ھ

[2] الشیعة في المیزان (ص: ۲۷۲، حاشیہ)

[3] کشف الغطا (ص: ۴۰)

السطور میں ایسی باتیں ذکر کی ہیں، جو ان کے مقدمات میں مذکور باتوں کے خلاف ہیں۔"[1]

یعنی جو انھوں نے اپنی کتابوں کے مقدمات میں صحت کی شرط لگائی تھی، اس سے صَرفِ نظر کیا ہے۔

پھر ایک مزید سخت اعتراض آتا ہے کہ شیعہ کی یہ کتبِ اربعہ ان کے دعوے کے مطابق ائمہ پر پیش کیے گئے اصول سے ماخوذ ہیں۔ اصولِ کافی، غیبتِ صغریٰ (چھوٹی پوشیدگی) کے زمانے میں تحریر کی گئی، لہٰذا اس کی احادیث پر امام کا حکم معلوم کرنا ممکن تھا، بلکہ انھوں نے تو کہا ہے کہ یہ ان کے "مہدی" کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ "یہ ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے۔"[2]

ایسے ہی "من لا یحضرہ الفقیہ" کے مولف نے غَیبت صغریٰ کے تقریباً بیس سال پائے ہیں،[3] تو ائمہ نے اس میں موجود موضوع روایات پر تعرض کیوں نہیں کیا؟

"کشف الغطا" کے مصنف کو اس کا اس کے سوا کوئی جواب نہیں ملتا کہ اسے تقیے کا سہارا لینا پڑا ہے، جو اس وقت کام آتا ہے، جب تمام حیلے ناکام ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے:

"تقیے کی ممانعت، جو سقیفہ کے دن سے ماخوذ ہے، کی بنا پر ائمہ کی بات کا فوراً انکار نہیں کرنا چاہیے، نہ صحیح غلط کی پہچان میں جلد بازی کرنا جائز ہے۔"[4]

اس کے باوجود کوئی سوال کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب شیعہ کے فرقہ اصولیہ نے اسناد کی تحقیق کی بنیاد پر روایات کی تصحیح و تضعیف کا موقف اپنایا ہے تو کیا شیعہ کو علمِ رجال میں کچھ بصیرت اور علمِ جرح و تعدیل کی کچھ واقفیت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی کتبِ رجال کا مطالعہ کرنے کے دوران میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ رجال اور رواۃ کے حالات کے متعلق ان کی کوئی کتاب نہیں تھی، یہاں تک کہ چوتھی صدی ہجری میں الکشی نے ان کی اس موضوع پر ایک کتاب تالیف کی۔ یہ انتہائی مختصر کتاب ہے، جو اس موضوع پر ناکافی ہے، اس میں اس نے جرح و تعدیل میں متضاد خبریں نقل کی ہیں۔[5] ان کی علمِ رجال کے موضوع پر موجودہ کتابوں میں صرف بعض راویوں کے حالات درج ہیں۔[6]

---

[1] المصدر السابق.

[2] اس کتاب کے صفحہ (۳۷) پر شیعہ کی کتابوں سے اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔

[3] الصدر: الشیعة (ص: ۱۲۵)

[4] کشف الغطا (ص: ٤٠)

[5] مثال کے طور پر دیکھیں: زرارة بن أعین، أبو بصیر اور جابر جعفی وغیرہ کا ترجمہ۔

[6] الشیرازي: النواقض (ص: ۱۱۳ قلمی نسخه)

''ایسے ہی بہت ساری اسانید میں راویوں کے نام ان کے آبا کے نام یا ان کی کنیتوں یا القاب میں غلطیاں اور اختلاط واقع ہوا ہے۔''[1]

اصولِ حدیث اور اس کے علوم کے موضوع پر ان کے ہاں تالیف وتصنیف معدوم تھی، حتی کہ زین الدین عاملی[2] شہیدِ ثانی (یہ ۹۶۵ھ میں قتل ہوا)[3] آیا، اس بات کا خود شیعہ کی کتابیں بھی اعتراف کرتی ہیں۔

شیعہ عالم حائری کا کہنا ہے:

''یہ معلومات جن میں کسی کو شک نہیں کہ ہمارے علما میں سے شہیدِ ثانی سے پہلے کسی نے بھی معرفتِ حدیث کے موضوع پر قلم نہیں اٹھایا، یہ ''عامہ'' کے علوم میں سے ہے۔''[4] یعنی اہلِ سنت کے علوم سے۔ (آگے ذکر ہوگا کہ ساتویں صدی تک شیعہ کے ہاں حدیث کی صحیح وضعیف میں تقسیم موجود نہیں تھی)

تحفہ اثنا عشریہ کے مولف کی رائے ہے کہ اس موضوع پر ان کی تصانیف کا سبب ان کی روایات میں تناقض اور تضاد کا پایا جانا ہے، انھوں نے ان اصول کو ترتیب دیتے وقت اہلِ سنت کی کتابوں سے مدد لی۔[5] البتہ ان کے بعض مخصوص پیمانے ہیں، جو ان کے ہر اس کام میں معمول کے مطابق جس میں یہ مسلمانوں سے علاحدہ ہیں، گمراہی سے خالی نہیں۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ یہ ہر اس شخص کو ثقہ قرار دیتے ہیں، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے ان کے غائب معدوم کو دیکھا ہے، جو حقیقت میں پیدا ہی نہیں ہوا۔[6] اس چیز کو وہ ثقاہت سے بھی کسی بڑی چیز کی دلالت سمجھتے ہیں، جب کہ ان کے ہاں صحبتِ رسول ﷺ کسی کو ثقہ یا عادل قرار دینے میں غیر موثر ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے، لہٰذا دیکھیے اور تعجب کیجیے کہ انھوں نے اس طرح جھوٹ وگمراہی کو عدالت کی دلیل اور عدالت کی برہان کو جھوٹ کی نشانی قرار دے دیا ہے۔ وہ اس کلینی کو ثقہ قرار دیتے ہیں،

---

[1] الممقاني: تنقيح المقال (١/ ١٧٧)

[2] النواقض (ص: ١١١۔ ١١٢)

[3] القمي: الكنىٰ والألقاب (٢/ ٣٤٤)

[4] مقتبس الأثر (٣/ ٧٣) حر عاملی اپنے اس عالم کے ترجمے میں لکھتا ہے: ''یہ امامیہ سے پہلا شخص ہے، جس نے درایتِ حدیث پر تالیف کی، لیکن اس نے عامہ کی کتابوں سے اصطلاحات نقل کی، جس طرح اس کے بیٹے اور دیگر نے ذکر کیا ہے۔'' (أمل الآمل: ١/ ٨٦)

[5] التحفة الإثنا عشرية (ص: ١٠٥ قلمی نسخه)

[6] جس طرح شیعہ کے گروہ کہتے ہیں اور یہ بات ثقہ مورخین اور علم الانساب کے علما کے ہاں بھی ثابت ہے۔ ''غیبت'' کی بحث میں اس کی تفصیل آئے گی۔

جس نے ''تحریفِ قرآن'' کے افسانے روایت کیے ہیں اور اپنی کتاب "الكافي" میں انھیں تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ اسی لیے کاشانی نے اپنی تفسیر "الصافي"[1] میں، نوری طبرسی نے "فصل الخطاب"[2] میں اور محمود نجفی طہرانی نے "قوامع الفضول"[3] میں یہ ذکر کیا ہے کہ وہ (کلینی) تحریفِ قرآن کا قائل تھا۔

ابو زہرہ کا کہنا ہے کہ ''ایسے عقیدے کا حامل شخص مسلمان نہیں۔''[4] اس کے باوجود ابن مطہر حلی کہتا ہے کہ ''یہ حدیث میں سب سے زیادہ ثقہ اور صدوق ہے۔''[5] جبکہ یہ لوگ قیاس کے قول کو، جو فقہ اسلامی کے مبادیات میں سے ہے، آدمی میں ایسا عیب شمار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کی روایت ترک کر دی جاتی ہے۔[6]

غور کیجیے! یہ کس طرح کافروں کو ثقہ قرار دیتے اور مسلمانوں کی روایات رد کرتے ہیں؟ جو امامیہ کے مذہب پر نہیں، اس کی روایت ان کے ہاں صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی، جیسا کہ ان کے ہاں صحیح کی تعریف کے ضمن میں ذکر ہوگا، لیکن امامی کی روایت مقبول ہے، چاہے وہ ائمہ کی زبان پر مذموم ہی ہو، بلکہ ابن مطہر حلی نے وضاحت کی ہے کہ ''آدمی کے دین پر اعتراض اس کی حدیث پر اعتراض کا باعث نہیں۔''[7]

اگر ان کے بعض قوانین اور پیمانے ایسے ہیں تو ان کے راویوں کا کیا حال ہوگا؟!

## شیعہ اسانید کے راوی:

ان مجموعوں کے مصنفین کی ائمہ کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی اور جو اقوال انھوں نے ان سے لیے ہیں، وہ ان کے اور ائمہ کے درمیان راویوں کے ذریعے سے لیے گئے ہیں، اب ان راویوں کا کیا حال ہے، جنھوں نے یہ ساری گمراہی جعفر اور دیگر ائمہ سے نقل کی ہے؟

اہلِ سنت کے نامور علما کے ایک گروہ نے یہ گواہی دی ہے کہ روافض حدیث کے معاملے میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے ہیں اور انھوں نے ان سے روایت کرنے سے احتراز کیا ہے، لیکن اثنا عشریہ ان گواہیوں کو قبول نہیں کرتے، کیوں کہ یہ تو عامہ (اہلِ سنت) کی روایات بھی قبول نہیں کرتے، چہ جائیکہ ان کی جرح والی رائے کو اختیار کریں!!

[1] دیکھیں: تفسير الصافي (١/ ٥٢) ط الأعلمي بيروت (ص: ١٤) المكتبة الإسلامية، طهران.

[2] دیکھیں: فصل الخطاب (ص: ٣٠ وما بعدها) مطبوعہ نسخہ.

[3] قوامع الفضول (ص: ٢٩٨)

[4] الإمام الصادق (ص: ٤٤٠)

[5] رجال الحلي (ص: ٤٥)

[6] المصدر السابق (ص: ١٤٥)

[7] رجال الحلي (ص: ١٣٧)

تحفہ اثنا عشریہ کے مولف نے شیعہ کتابوں کی روشنی میں کتب اربعہ کے راویوں کے حالات کی تحقیق کی ہے۔[1]

"الصواعق المحرقة"[2] کے مولف نے بھی ایسا کام کیا ہے اور علامہ آلوسی نے "کشف غیاهب الجهالات" میں ان کے حالات کی مختصر جھلک دکھلائی ہے۔[3] ایسے ہی "رجال الشیعة" کے نام سے ایک نئی کتاب طبع ہوئی ہے، جس میں مولفِ کتاب نے شیعہ کتابوں کی روشنی میں، جس میں بہت کچھ اہلِ سنت کے مصادر میں بھی موجود ہے، ان کے راویوں کے ایک بہت بڑے مجموعے کا جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ ایک قابلِ تعریف اِقدام ہے۔[4]

اس دوران میں یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ان کی کتابوں کے رجال عام طور پر کافر ہیں۔ اللہ، انبیا، آخرت اور حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتے اور کچھ عیسائی تھے۔ وہ اس کا بَرملا اظہار کرتے، ان جیسے کپڑے پہنتے اور ان کی صحبت اختیار کرتے تھے۔ کچھ ایسے ہیں، جنھیں جعفر نے علی الاعلان جھوٹا کہا ہے، جس کا شیعہ کی کتابوں میں اعتراف موجود ہے کہ انھوں نے کہا: ہماری طرف سے جھوٹ بیان کرتے ہیں اور ہم (اہلِ بیت) پر افترا پردازی کرتے ہیں۔[5] اس کے علاوہ ان کے راویوں کے حالات اور ان کی گمراہی کی اقسام واضح ہوئی ہیں۔ ان کتب نے ان راویوں کے جملہ اسما کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے یہ ملحدانہ افکار اختیار کیے۔[6]

شیعہ کی حدیث میں کتبِ اربعہ میں سے دو کے مصنف[7] اور ان کے رجال[8] میں معتبر کتابوں میں سے دو یا تین کے مولف، شیخ الطائفہ طوسی نے ان کے رجال کے حالات کی تلخیص کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ اہم اعتراف اس کی زبان پر جاری کر دیا ہے:

---

1. دیکھیں: تحفة الإثنا عشرية (ص: ۹۷، ۱۰۷ وما بعدها) (قلمی نسخہ) مختصر التحفة (ص: ٦٩)
2. "الصواعق المحرقة لإخوان الشياطين والزندقة" نصیر الدین محمد المعروف خواجہ نصر اللہ ہندی مکی۔ علامہ محمود آلوسی نے "مختصر الصواعق" کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ دیکھیں: مختصر الصواعق (ص: ۱۱۲، قلمی نسخہ)
3. كشف غياهب الجهالات (ص: ۱۰، قلمی نسخہ)
4. اسے دار الارقم کویت نے ۱۴۰۳ھ میں شائع کیا۔ تالیف: عبد الرحمٰن الزرعی.
5. التحفة (ص: ۹۷)
6. شاید اسلامی یونیورسٹیز کے بعض علومِ سنت کے متعلق شعبے ان راویوں کے حالات کی جامع اور غور وفکر پر مبنی تحقیق کریں، جن کی روایات پر اثنا عشریہ مذہب کا دارومدار ہے، تاکہ ان کے حالات اور حقیقت کو بے نقاب کیا جائے۔
7. اس سے مراد یہ دونوں کتابیں: "التهذيب" اور "الاستبصار" ہیں۔
8. یہ طوسی کی "الفهرست"، رجال الطوسی، اور تیسری کتاب "رجال الكشي" ہے، جس کا طوسی نے تہذیب واختصار کیا تھا۔ آج یہ شیعہ کے ہاں مفقود ہے اور صرف طوسی کی تہذیب ہے یا پھر نجاشی کی کتاب الرجال۔

''ہمارے اصحاب میں سے اکثر مصنفین، فاسد مذاہب کے ماننے والے ہیں۔'' اس کے باوجود کہتا ہے کہ ان کی کتابیں معتبر ہیں۔[1]

گویا ان کے ہاں اہم آدمی کا شیعہ ہونا ہے، اس کے بعد انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کسی فاسد مذہب کا پیروکار ہے، تاہم زیدیہ کی روایات رد کرتے ہیں (جو شیعہ ہیں) اسی طرح زید بن علی کی روایات بھی نہیں مانتے، حالانکہ وہ اہلِ بیت میں سے ہیں۔ طوسی نے ''الاستبصار''[2] میں ایسا ہی کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ان کے ہاں امامی یا غالی شیعہ ہونا مقصود ہے، اس لیے انھوں نے جارودیہ پر، جو زیدیہ میں غالی شیعہ ہیں، رضا مندی کا اظہار کیا ہے، انھوں نے ان کے مذہب کو پسند کیا ہے، کیوں کہ یہ اکثر صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کی مرویات رد کرتے ہیں، چناں چہ یہ لوگ[3] مذہب کے اکثریتی مسائل میں ان کے شریک ہیں، اس کے بعد کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ فاسد اور جھوٹے مذاہب اور فرقوں کے ماننے والے ہوں، بلکہ ان کے علماے رجال، مثلاً ابن الغضائری اور ابن مطہر حلی نے،[4] یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ آدمی کے دین میں عیب اس کی حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

لیکن شیعہ کے کئی رجال اور مذہب کے راوی غالی ہیں، جس طرح ان کے مذہب کے قدیم علما نے صراحتاً اس کا ذکر کیا ہے، وہ ان سے روایات نہیں لیتے تھے، لیکن ان راویوں میں یہ جرح متاخرین شیعہ نے اس عجیب دلیل کے ساتھ ناپسند کی ہے کہ مذہب میں تغیر اور ارتقا واقع ہوتا رہتا ہے، لہٰذا جو چیز قدیم علما کے ہاں غلو شمار ہوتی تھی، آج وہ شیعہ مذہب کے بنیادی مقاصد میں شامل ہو چکی ہے۔

مذہب میں اسی تغیر اور ارتقا کے پیشِ نظر ان کے رجال پر تنقید کے معیار بھی ہر زمانے میں بدلتے رہے ہیں۔ ان کے موجودہ زمانے میں علم الرجال کے سب سے بڑے عالم ممقانی کا کہنا ہے:

> ''شیعہ مذہب کے قدیم علما، جسے آج ہم شیعہ مذہب کے بنیادی مقاصد میں شمار کرتے ہیں، اس کو غلو اور مبالغہ آرائی سمجھتے تھے اور وہ اس وجہ سے ثقہ ترین راویوں کو چھوڑ دیتے تھے، جس طرح یہ بات ان کے کلمات سے واقفانِ حال پر مخفی نہیں۔''[5]

---

[1] الفهرست (ص: ٢٤۔ ٢٥)

[2] الاستبصار (١/ ٦٥۔ ٦٦)

[3] جس طرح شیعہ عالم مفید نے ''المقالات'' کے آغاز میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

[4] رجال الحلي (ص: ١٣٧)

[5] تنقیح المقال (٣/ ٢٣) محبّ الدین خطیب نے اس سلسلے میں ''المنتقیٰ'' (ص: ١٩٣) کے حاشیے پر جو ذکر کیا ہے، اس کا بھی مطالعہ کریں۔

اس سے بھی خطرناک معاملہ یہ ہے کہ ان کی صحیح اور ثابت سندوں کے ساتھ ایسی روایات ہیں، جو ان کے کئی جھوٹوں پر لعن طعن کرتی ہیں، جن کی روایات پر شیعہ کا دین قائم ہے۔ وہ ان کے اعیان کی مذمت کرتی ہیں، لیکن شیعہ کے علما نے ان کے متعلق ذکر ہونے والی اس مذمت کو قبول نہیں کیا (کیوں کہ اگر وہ اسے قبول کر لیتے تو اہلِ سنت کا مذہب اختیار کر لیتے اور اپنے شاذ مسائل چھوڑ دیتے)۔

اس مذمت سے بچنے کے لیے انھوں نے تقیے کا سہارا لیا، اس کا اس کے سوا اور کوئی مفہوم نہیں کہ خفیہ طریقے سے امام کے قول کو رد کر دیا جائے۔ اگر شیعہ مذہب میں امام کے قول کا منکر کافر ہے، تو پھر یہ لوگ دین سے سرتاپا نکل چکے ہیں۔

شیعہ کے معاصر عالم اور آیت اللہ محمد رضا مظفر نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ان کے اکثر راویوں کے بارے میں ان کے ائمہ سے ان کی مذمت منقول ہے۔ یہ بات خود شیعہ کی کتابوں نے نقل کی ہے۔ وہ ہشام بن سالم الجوالیقی کے بارے میں منقول مذمت پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''اس میں کئی عیبوں کا ذکر ہوا ہے، جس طرح اس کے علاوہ اہلِ بیت کے کئی ثقہ اور جلیل القدر اصحاب کے بارے میں ان کا ذکر ہوا ہے، ان کے متعلق جو عام جواب ہے، وہ قابلِ فہم ہے''[1] (یعنی ان تمام میں پائی جانے والی مشہور علت تقیہ ہے)۔

پھر کہتا ہے:

> ''ان جیسے عظیم لوگوں میں جرح کا ہونا کس طرح درست ہے؟ کیا دینِ حق کا قیام اور اہلِ بیت کا معاملہ انہی کے دلائل کی تلواروں سے ظاہر نہیں ہوا؟''[2]

دیکھیں! تعصب آدمی کا کیا حال کر دیتا ہے؟ یہ ان لوگوں کا دفاع کر رہے ہیں، جن کی مذمت خود اہلِ بیت سے منقول ہے اور پھر یہ اہلِ بیت کے علما کی ان نصوص اور روایات کا انکار کر رہے ہیں، جو ان سے ان لوگوں کی جرح اور ان سے خبردار رہنے کے متعلق خود شیعہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، گویا اپنے اس طرزِ عمل سے وہ اہلِ بیت کی تکذیب کرتے ہیں اور اس خیال کی بنا پر کہ ائمہ نے ان کی مذمت تقیے کی وجہ سے کی ہے، ان جھوٹ گھڑنے والوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہ اہلِ بیت کے ان اقوال کی پیروی نہیں کرتے، جو امت کی نقل کردہ روایات کے مطابق ہیں، بلکہ ان

---

[1] محمد حسين مظفر: الإمام الصادق (ص: ١٧٨)

[2] المصدر السابق.

کے دشمنوں کے پیچھے چلتے ہوئے ان کے اقوال اختیار کرتے ہیں اور ائمہ کے اقوال رد کرنے کے لیے تقیے کا سہارا لیتے ہیں، ان کے راویوں کا ایک مجموعہ ایسا بھی ہے، جو ان کی کتب میں کثیر الروایہ ہے، جن کو ان کے علما کی توثیق اور تصدیق حاصل ہے، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں، جن پر (شیعہ کتابوں کے اعتراف کے مطابق) ائمہ کی زبانوں سے لعنت کی گئی ہے، ان کی تکفیر کی گئی ہے اور انھیں جھوٹا کہا گیا ہے۔

میرے خیال میں جن راویوں کی روایات اثنا عشری کتب میں عام ہیں، ان کی جرح و مذمت کے متعلق جو کچھ شیعہ کتب میں مذکور ہے (جس کا کچھ حصہ اہلِ سنت کی کتب میں بھی ملتا ہے) صورتِ حال کو واضح کرنے اور اہلِ بیت سے جھوٹ دور کرنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے اور اس کے ذریعے وہ بہت ساری سیاہ اور باطل روایات ساقط ہوسکتی ہیں، جن کو شیعہ نے جماعتِ مسلمین سے انحراف کرتے ہوئے اپنا رکھا ہے۔ مزید برآں شیعہ عوام اور جاہل لوگوں کے سامنے بھی یہ حقیقت منکشف ہوسکتی ہے، جو اپنے مذہب کے بارے میں صرف یہی جانتے ہیں کہ یہ اہلِ بیت سے ماخوذ ہے، کیوں کہ ان کے علما نے انھیں یہی چکمہ دیا ہوا ہے، حالانکہ ان بے چاروں کو کیا خبر کہ یہ روایات جو جھوٹوں کی ٹولی کے ذریعے منقول ہیں، ائمہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا اور ان کی تکذیب کی ہے، لیکن عوام عموماً اپنے مذہب سے بے خبر اور اپنے علما کی نیتوں سے غافل ہیں۔

یہ لوگ جو ان کے ہاں کثرتِ روایت میں مشہور ہیں، ان میں سرفہرست جابر جعفی کا نام ہے۔

حر عاملی کہتا ہے:

> ''اس نے باقر سے ۷۰ ہزار احادیث روایت کی ہیں اور اس نے (مجموعی طور پر) ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ائمہ سے جو کچھ بالمشافہہ منقول ہے، وہ جابر کی روایت سے زیادہ ہے۔''[1]

چناں چہ جابر روایت میں تعداد کے اعتبار سے پہلے نمبر پر ہے۔ اگر ہم یہ بات دیکھیں کہ کتبِ اربعہ کی احادیث کی مجموعی تعداد صرف ۴۴۲۴۴[2] ہے تو ہمیں جابر کی روایات کے حجم کا ادراک ہو جائے گا اور یہ بات معلوم ہوگی کہ شیعہ مجموعوں میں اس کی روایات کا سب سے زیادہ حصہ ہے، لہٰذا وہ ان کے دین کا ایک رکن ہے۔ لیکن ''رجال الكشي'' میں، جو ان کے ہاں کتبِ رجال میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، زرارہ بن اعین سے منقول ہے، وہ کہتا ہے:

---

[1] وسائل الشيعة (۲۰/ ۱۵۱)

[2] أعيان الشيعة (۱/ ۲۸۰)

''میں نے ابو عبداللہ سے جابر کی احادیث کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: میں نے اسے اپنے باپ کے پاس صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے اور میرے پاس وہ کبھی آیا ہی نہیں۔''[1]

یہاں امام صادق، جابر کے اس دعوے کی تکذیب کر رہے ہیں کہ اس نے ان سے اور ان کے والد سے روایت کی ہے! تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں سے، جن سے وہ کبھی ملا ہی نہیں یا صرف ایک مرتبہ ملا ہے، اس ضخیم تعداد کے ساتھ روایت کرے، وہ بھی سماع اور تحدیث کی صراحت کے ساتھ!

شیعہ عالم خوئی کو اس روایت سے، جو جابر کی تکذیب کرتی ہے، تقیے کے سہارے کے سوا کوئی راہِ فرار نظر نہیں آئی، لہٰذا وہ کہتا ہے:

''اس کو تقیے پر محمول کیے بنا چارہ نہیں۔''[2]

کیوں کہ یہ اس کو اپنا ثقہ راوی سمجھتا ہے، اس کا کہنا ہے:

''جو بات کہنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ اس آدمی کو جلیل القدر ثقہ راویوں میں شمار کرنا ضروری ہے۔''[3]

اس نے اپنے بعض شیعہ علما جیسے ابن قولویہ، علی بن ابراہیم اور مفید کی جابر کی توثیق سے یہ استشہاد کیا ہے، پھر کہتا ہے:

''صادق کا کہنا ہے کہ یہ ہم پر سچ بولتا تھا۔''[4]

جامع الرواۃ میں اس بات کی طرف اشارہ مذکور ہے کہ یہ روایت جسے خوئی صحیح کہہ رہا ہے، یہ ان کے ہاں مجہول سند کے ساتھ مروی ہے۔[5] معلوم نہیں یہ دوسری روایت کی تاویل کیوں کر رہا ہے اور اس روایت کو بلا دلیل کیوں لے رہا ہے؟!

ایسے ہی مفید، جسے خوئی اس کی توثیق کرنے والوں میں سے سمجھتا ہے، اس کے متعلق بہت زیادہ اشعار کہا کرتا تھا، جن سے اس کے مختلط ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ نجاشی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[6]

---

[1] رجال الكشي (ص: ۱۹۱) اس سے استشہاد کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

[2] معجم رجال الحديث (۵/ ۲۵)

[3] المصدر السابق (٤/ ۲۵)

[4] المصدر السابق (٤/ ۲۵)

[5] الأردبيلي: جامع الرواة (۱/ ١٤٤)

[6] النجاشي: الرجال (ص: ۱۰۰)

نجاشی اس کے متعلق مزید کہتا ہے: ''وہ فی نفسہ مختلط تھا۔''[1]

ہاشم معروف کا کہنا ہے: ''جابر جعفی علم الرجال کے اکثر مولفین کے ہاں متہم ہے۔''[2]

وہ شیعہ کی بعض روایات پر حکم لگاتے ہوئے کہتا ہے:

''اس روایت کی سند میں ''صباح مزنی'' اور ''جابر جعفی'' ہے اور وہ دونوں ضعیف ہیں۔ جابر کی قدح اور مدح میں بہت کچھ منقول ہے، لیکن اکثریت کا قول ہے کہ وہ مختلط تھا۔''[3]

ایسے ہی نجاشی (المتوفی ۴۵۰ھ)، جو ان کا علم الرجال میں ماہر اور رجال کے موضوع پر ان کی چار کتابوں میں سے ایک کا مولف ہے، ذکر کرتا ہے:

''حلال وحرام میں اس سے کم ہی کوئی چیز وارد ہوئی ہے۔''[4]

تاہم خوئی کہتا ہے:

''کتبِ اربعہ میں اس سے منقول بہت ساری روایات حلال وحرام کے موضوع پر ہیں۔''[5]

اس سے ایک اور چیز کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے جھوٹا ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے واسطے سے جھوٹی روایات کرنے والوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ چناں چہ نجاشی نے اپنی کتاب الرجال میں یہ بات صراحت کے ساتھ کہی ہے:

''اس سے ایک جماعت نے روایت کی، جن پر جرح کی گئی اور انھیں ضعیف قرار دیا گیا، ان میں سے ''عمرو بن شمر'' اور ''مفضل بن صالح'' ہیں...۔''[6]

ہاشم معروف، عمر بن شمر کے ترجمے میں لکھتا ہے:

''رجال کے مولفین نے اسے ضعیف کہا ہے اور انھوں نے اس کی طرف اس بات کی نسبت کی ہے کہ اس نے جابر جعفی کی کتابوں میں بہت ساری احادیث داخل کر دی تھیں۔''[7]

---

1. المصدر السابق (ص: ۱۰۰)
2. الموضوعات في الآثار والأخبار (ص: ۲۳٤)
3. المصدر السابق (ص: ۱۸٤)
4. النجاشي: الرجال (ص: ۱۰۰)
5. الخوئي: معجم رجال الحديث (٤/ ۲٦)
6. النجاشي: الرجال (ص: ۱۰۰)
7. دراسات في الحديث (ص: ۱۹٥)

نیز کہتا ہے:

''وہ جابر کی کتابوں میں احادیث گھڑتا اور انھیں اس کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔''[1]

یہ ایک دوسرا پہلو ہے، جو ان کی کتابوں میں جابر سے منقول اس کثرت کے ساتھ پھیلی ہوئی روایات کے جھوٹ کی قلعی کھولتا ہے۔ ان کی روایات میں ایسی باتیں مذکور ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ جابر پاگل تھا، اگر چہ ان کا خیال ہے کہ اس نے یہ حیلہ خلیفہ کی گرفت سے بچنے کے لیے اختیار کیا۔[2] ایسے ہی ان کی روایات اس کو ماہر جادوگر اور شعبدہ باز بھی ظاہر کرتی ہیں، اگر چہ اس کو یہ نام نہیں دیتیں۔[3]

جب ہم یہ بات مدِنظر رکھیں کہ جابر کی روایات نے شیعہ مذہب کے بہت سے ارکانِ کفر میں شریک ہیں۔ چناں چہ کافی میں اسی نے روایت کیا ہے کہ مکمل قرآن کو صرف ائمہ نے جمع کیا تھا۔ اسی نے سب سے پہلے کتاب اللہ میں باطنی تاویل وضع کی، جس طرح اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز شیعہ اور ان کی روایات میں ایسے اشارے ملتے ہیں، جو ان تاویلات کو چھپانے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ایسی ہی دیگر آرا ہیں، جن کے ذریعے اس نے کفر اور گمراہی کی عمارت مضبوط کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ایسے ہی اس کی روایات اس کی دروغ بافی اور بہتان بازی کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ علمائے اہلِ سنت نے یہ گواہی دی ہے کہ وہ جھوٹا اور افترا پرداز تھا۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: ''میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹ بولنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

امام ابن حبان کہتے ہیں:

''یہ سبائی اور عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے تھا، یہ کہا کرتا تھا: حضرت علی دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔'' امام جریر بن عبد الحمید کا قول ہے:

''میں جابر سے روایت کرنا حلال نہیں سمجھتا، یہ کذاب تھا اور رجعت علی کا عقیدہ رکھتا تھا۔''

امام زائدہ کہتے ہیں: ''یہ رافضی ہے۔ اصحابِ رسول ﷺ کو گالیاں دیتا تھا۔''[4]

---

[1] هاشم معروف: الموضوعات والآثار (ص: ٢٣٤)

[2] رجال الكشي میں دیکھیں (ص: ١٩٤۔ ١٩٥)

[3] شیعہ کی نقل کردہ اس کی شعبدہ بازیوں کو ملاحظہ کرنے کے لیے دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٩٧)

[4] دیکھیں: العقيلي: الضعفاء الكبير (١/ ١٩٦) ابن حبان: المجروحين (١/ ٢٠٨) ميزان الاعتدال (١/ ٣٧٩)

جابر جعفی کی طرح ہی زرارہ بن اعین (المتوفی ۱۵۰ھ) بھی ہے، اس کو شیعہ کے علما جیسے: طوسی[1]، نجاشی[2] اور ابن مطہر[3] وغیرہ[4] نے ثقہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس کو ابوجعفر اور ابوعبداللہ کے ان چھے اصحاب میں شمار کیا ہے، جن کی تصدیق پر اس گروہ کا اجماع[5] ہے۔[6]

شیعہ کتب میں اس کی بہت زیادہ روایات ہیں، ایسے ہی اس کے بھائی اور بیٹے بھی ہیں، جو اس میں شریک ہیں۔[7] اس لیے طوسی نے کہا ہے کہ ''ان کی بہت زیادہ روایات، اصول اور تصنیفات ہیں۔''[8]

خوئی نے کتبِ اربعہ میں اس کی مجموعی روایات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

''بہت سی روایات کی اسناد زرارہ کے عنوان سے آئی ہیں، جو ۲۰۹۴ تک پہنچتی ہیں، اس نے ابوجعفر سے بھی روایت کی ہے اور اس کی اس سے روایات ۱۲۳۶ تک پہنچتی ہیں۔ اس نے ابوجعفر اور ابو عبداللہ دونوں سے روایت کیا ہے، اس کی ان دونوں سے اس عنوان کے تحت روایات ۸۲ تک پہنچتی ہیں۔ اس نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے اور اس کی اس سے اس عنوان کے تحت روایات، کبھی اسے صادق سے بھی یاد کیا جاتا ہے، ۴۴۰ تک ہیں اور اس نے ان دونوں میں سے ایک سے بھی روایت کی ہیں، اس کی ان دونوں سے اس عنوان کے تحت روایات ۵۶ تک پہنچتی ہیں۔''[9]

یہ شیعہ کا کہنا ہے، لیکن امام سفیان ثوری کہتے ہیں کہ ''زرارہ نے ابوجعفر کو دیکھا ہی نہیں۔''[10]

سفیان بن عیینہ سے جب کہا گیا کہ زرارہ بن اعین نے ابوجعفر سے ایک کتاب روایت کی ہے، تو انھوں نے کہا: ''یہ کیا ہے؟ اس نے تو ابوجعفر کو دیکھا تک نہیں، لیکن یہ ان کی احادیث تلاش کرتا تھا۔''[11]

---

[1] الفهرست (ص: ١٠٤) رجال الطوسي (ص: ٢٠١، ٣٥٠)

[2] رجال النجاشي (ص: ١٣٢، ١٣٣)

[3] رجال الحلي (ص: ٧٦)

[4] دیکھیں: الحر العاملي: وسائل الشيعة (٢٠/ ١٩٦) الأردبيلي: جامع الرواة (١/ ٣٢٤)

[5] یہاں اجماع سے ان کا استدلال ملاحظہ کریں، حالاں کہ یہ اس کے قائل ہی نہیں، اس کی تفصیل اجماع کی فصل میں آئے گی۔

[6] معجم رجال الحديث (٧/ ٢١٩)

[7] الفهرست للطوسي (ص: ١٠٤)

[8] المصدر السابق.

[9] الخوئي: معجم رجال الحديث (٧/ ٢٤٧)

[10] لسان الميزان (٢/ ٤٧٤)

[11] المصدر السابق.

میزان الاعتدال میں مذکور ہے کہ زرارہ نے ابو جعفر کی طرف اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا علم منسوب کیا ہے، اس نے ابن سماک سے کہا: جب تو ان سے ملے تو پوچھنا: کیا میں جنتی ہوں یا جہنمی؟ جب جعفر کو اس بات کی خبر ملی تو اس نے کہا کہ اس کو بتا دینا کہ وہ جہنمی ہے، جس نے میرے متعلق اس علم کا دعویٰ کیا ہے، وہ اہلِ نار ہی سے ہے۔[1]

البتہ ان کے اس زمانے کے بعض علما اور آیات کہتے ہیں کہ جو انھوں نے زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم، مومن الطاق اور ان جیسوں کی طرف منسوب کیا ہے، ہمیں اس کا کوئی نشان نہیں ملا، حالاں کہ ہم نے اس کی چھان بین کے لیے اپنی پوری طاقت استعمال کی ہے، یہ ظلم اور زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔[2]

گویا وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ زرارۃ کی مذمت میں منقول اقوال کی کوئی اصلیت نہیں، یہ صرف حریف کی زیادتی ہے، اس نے اپنے مصادر میں اسے تلاش کیا ہے اور اس کی تلاش میں بھرپور جدوجہد کی ہے، لیکن اس کو اس کا کوئی نشان نہیں ملا، لیکن کیا یہ سچ ہے؟

اس دعوے کی صحت جانچنے کے لیے شیعہ رجال کی معتبر کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ تقیے کا عقیدہ ایک ایسا شبہہ ہے، جو محقق کو ان کی بات کی تصدیق کرنے سے روکتا ہے۔ اس مسئلے کی تحقیق کے لیے سب سے پہلے ان کی علمِ رجال کی معتبر کتابوں کو دیکھنا ضروری ہے۔

طوسی کی ''الفہرست'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ زرارہ عیسائی خاندان سے تھا، کیوں کہ اس کا دادا سنبس، رومی مقبوضات میں راہب تھا اور اس کا باپ بنی شیبان کے ایک آدمی کا رومی غلام تھا۔[3] ایسے محسوس ہوتا ہے کہ زرارہ کی شیعہ مذہب میں اثر اندازی ابن سبا کی اثر اندازی سے ملتی جلتی ہے، بلکہ ابو عبداللہ کا کہنا ہے:

''اسلام میں جتنی بدعات زرارہ نے ایجاد کی ہیں، اتنی کسی نے بھی ایجاد نہیں کی۔ اللہ اس پر لعنت کرے۔''[4]

وہ مزید کہتے ہیں:

---

[1] میزان الاعتدال (۲/ ٦٩۔ ٧٠) لسان المیزان (۲/ ٤٧٣۔ ٤٧٤)

[2] الموسوي: المراجعات (ص: ۳۱۳)

[3] الطوسي: الفهرست (ص: ۱۰٤) ابن الندیم: الفهرست (ص: ۲۲۰) ابن ندیم کی فہرست میں مذکور ہے کہ اس کے دادا کا نام ''سنبس'' تھا۔

[4] رجال الکشي (ص: ۱٤۹)

''زرارہ یہود و نصاریٰ اور اس سے بھی برا ہے، جس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تینوں میں سے ایک تیسرا ہے۔''[1]

الکشی نے نقل کیا ہے کہ ابو عبداللہ نے اس پر تین مرتبہ لعنت بھیجی[2] اور کہا: ''اللہ تعالیٰ نے زرارہ کا دل الٹ دیا ہے۔''[3] نیز اس کی مذمت میں مزید کئی روایات نقل کی ہیں۔

اسی لیے زرارہ کہا کرتا تھا، جسے "الکشي" نے نقل کیا ہے:

''جہاں تک جعفر کی بات ہے تو میرے دل میں اس کے خلاف غصہ ہے۔''

اس روایت کے راوی نے زرارہ کی اس بات کی توجیہ کرتے ہوئے کہا ہے: ''کیوں کہ ابو عبداللہ نے اس کی رسوائیاں ظاہر کر دی تھیں۔''[4]

رجال الکشی کے مطابق ابو عبداللہ پر زرارہ کی زبان درازیاں اس حد تک پہنچ چکی تھیں کہ اس نے انھیں جھوٹا کہا[5] اور ان کے ساتھ بد زبانی کرتا۔[6] وہ عمداً جھوٹ بولتا تھا اور اسے ان کی طرف منسوب کرنے پر اصرار کرتا تھا۔

رجال الکشی میں ہے:

''...محمد بن عمیر سے مروی ہے، اس نے کہا: میں ابو عبداللہ کے پاس آیا، تو انھوں نے پوچھا: زرارہ کو کس حالت پر چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے کہا: میں نے اسے دیکھا ہے کہ وہ اس وقت تک عصر کی نماز نہیں پڑھتا، جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔ انھوں نے کہا: تم اسے میرا یہ پیغام پہنچانا کہ میرے اصحاب کے اوقات کے مطابق نماز پڑھا کر، میں تو جل گیا ہوں۔ اس نے کہا: میں نے اس تک یہ بات پہنچا دی، تو اس نے کہا: مجھے بخدا علم ہے کہ تم نے اس پر جھوٹ نہیں بولا، لیکن اس نے خود مجھے ایک کام کا حکم دیا تھا، لہٰذا میں اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔''[7]

---

[1] المصدر السابق (ص: ١٦٠)

[2] المصدر السابق (ص: ١٤٩۔ ١٥٠)

[3] المصدر السابق (ص: ١٦٠)

[4] المصدر السابق (ص: ١٤٤۔ ١٤٥)

[5] المصدر السابق (١٥٨)

[6] حتی کہ اس نے کہا: ''میں نے ابو عبداللہ سے تشہد کے متعلق سوال کیا... یہاں تک کہ اس نے کہا: ... جب میں نکلا تو میں نے ان کی ڈاڑھی پر گوز مارا اور کہا: یہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ المصدر السابق (ص: ١٥٩)

[7] رجال الكشي (ص: ١٤٣) الحر العاملي: وسائل الشيعة (٣/ ١١٣) خوئی: معجم رجال الحديث (٧/ ٢٢٢)

تو وہ سمجھتا تھا کہ خود جعفر صادق نے اس کو نمازِ عصر غروبِ آفتاب کے بعد پڑھنے کا حکم دیا ہے، جب کہ جعفر اس الزام سے بری ہیں۔ یہ ہے زرارہ کی حقیقت جو خود شیعہ کی کتابیں بیان کرتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا عصرِ حاضر کا سب سے بڑا عالم یہ کہتا ہے کہ اس نے اس کی تلاش میں اپنی مقدور بھر کوشش کی ہے، لیکن اس کو اس کی مذمت میں کوئی حرف نہیں ملا۔ تو کیا واقعی یہ حقیقت اس پر مخفی رہی ہے، یا پھر تقیے میں اس کی گنجایش ہے کہ جو چاہے کہہ دے اور کوئی اعتراض بھی نہ کرے؟!

زرارہ پر ان کے معصوم امام کی اس قدر جرح، لعن طعن اور تکفیر کے باوجود، جسے نقل کرنے میں ''الکشی'' اور ''شیخ الطائفہ'' طوسی متفق ہیں،[1] شیعہ علما اس کی توثیق کا موقف کس طرح اپناتے ہیں؟ اس کا جواب شیعہ عالم حر عاملی دیتے ہوئے کہتا ہے:

''اس (زرارہ) کی مذمت میں جو احادیث مروی ہیں، انھیں تقیے پر محمول کرنا چاہیے، بلکہ یہ ضروری ہے، ایسے ہی جو بھی اس جیسے جلیل القدر امامیہ کے متعلق وارد ہوا ہے (اسے بھی تقیے پر محمول کرنا چاہیے)۔''[2]

اس کے لیے وہ اس روایت سے دلیل لیتے ہیں، جس کو وہ محمد بن عبداللہ بن زرارہ اور اس کے بیٹوں حسن، حسین کی سند سے بیان کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن زرارہ سے روایت کرتے ہیں، اس نے کہا: مجھ سے ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے کہا:

''اپنے باپ کو سلام کہنا اور اس سے کہنا: میں اپنے اور تمھارے دفاع میں تمھاری عیب جوئی کرتا رہا ہوں۔ کیوں کہ لوگ اور دشمن ہر اس شخص کو تکلیف دینے میں بڑی جلدی دکھاتے ہیں، جنھیں ہم اپنے قریب کریں اور وہ ہمارے ہاں قابلِ تعریف رتبے پر فائز ہو۔ ہماری اس سے محبت، قرب اور تعلق کی بنا پر وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور اسے تکلیف پہنچانے اور قتل کرنے کی سوچ رکھتے ہیں۔''[3]

اس روایت سے وہ دلیل تو لیتے ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ بیٹے کی روایت مجروح ہے، کیوں کہ وہ اپنے باپ کا دفاع کر رہا ہے، پھر اگر یہ مذمت واقعی تقیے کی وجہ سے تھی، تو اسے لعنت اور تکفیر کی اس حد تک نہیں پہنچنا چاہیے تھا۔

---

[1] کیوں کہ "رجال الكشي"، الکشی کی تالیف ہے۔ ''تہذیب'' اور ''اختیارات'' طوسی کی تالیف کردہ کتب ہیں اور جو متداول ہے، وہ طوسی کی ''اختیارات'' ہے، کیوں کہ اصل مفقود ہے۔

[2] وسائل الشيعة (٢٠/ ١٩٦)

[3] رجال الكشي (ص: ١٣٨) وسائل الشيعة (٢٠/ ١٩٦) معجم رجال الحديث (٧/ ٢٤٥)

مزید برآں جعفر اپنے زمانے میں ہر ایک کے لیے تعظیم و اکرام کی جگہ تھے، لہٰذا ان کے مقربین اور محبین کو کیوں رسوا کیا جاتا؟! اگر جعفر کا تقیہ زرارہ کے دفاع کی خاطر تھا، تو پھر زرارہ ان پر یہ افترا پردازی کیوں کرتا پھرتا تھا کہ انھوں نے اس کو غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ عصر پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ پھر یہی نہیں، بلکہ وہ ان کی تکذیب کرتا اور ان کے متعلق بدزبانی بھی کرتا تھا؟ کیا یہی تقیہ ہے؟

یہی وجہ ہے کہ ان کے ''شیخ'' نے اس کی مذمت میں وارد روایات کی ایک قسم کو تقیے[1] پر محمول کر کے جان چھڑانے کی کوشش کی اور دوسری قسم سے اس طرح گلو خلاصی کرائی کہ ان کی سند پر جرح کر دی۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کی ان روایات کے بعض راویوں پر جرح شیعہ کتبِ رجال میں منقول عبارات کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔

مثال کے طور پر اس نے زرارہ کی مذمت میں روایات کو اس بنا پر رد کیا ہے کہ ان میں جبرائیل بن احمد ہے اور وہ (اس کے قول کے مطابق) مجہول[2] ہے، لیکن حقیقت میں وہ ان کے ہاں مجہول نہیں، کیوں کہ وہ (اردبیلی کے قول کے مطابق) کش میں مقیم اور عراق، قم اور خراسان کے علما سے کثیر الروایۃ تھا۔[3]

پھر اس کے بعد اس نے صرف اس کی مذمت کی روایات پر جرح کی ہے، لیکن مدح کی روایات سے صَرفِ نظر کیا ہے، جس میں جانبداری بالکل واضح ہے۔ تاہم ان کے علما ہر اس شخص پر یہ حکم لگاتے ہیں، جس کی ائمہ نے مذمت کی ہے، لیکن ان کے علما اس کی روایات پسند کرتے ہیں، جیسے: احمد بن محمد مروزی[4]، اسماعیل بن جابر جعفی[5]، برید بن معاویہ عجلی[6] اور حریز بن عبداللہ سجستانی[7] وغیرہ ہیں۔

---

[1] معجم رجال الحديث (٧/ ٢٤٥)

[2] المصدر السابق (٧/ ٢٤١)

[3] جامع الرواة (١/ ١٤٦)

[4] حر عاملی کہتا ہے: الکشی وغیرہ نے اس کی مدح اور مذمت دونوں میں روایات ذکر کی ہیں، زرارہ کی مذمت کی وجہ (مذمت کو تقیے پر محمول کرنا) شاید آگے ذکر ہوگی۔ وسائل الشيعة (٢٠/ ١٢٧) دیکھیں: رجال الكشي (ص: ٥٥٩۔ ٥٦٢) جامع الرواة (١/ ٤٨۔ ٤٩)

[5] حر عاملی کہتا ہے: اس میں تھوڑی سی جرح ہے۔ یہ سند اور دلالت میں ضعیف ہے، اس کی وجہ زرارہ کے ضمن میں ذکر ہوگی۔ (وسائل الشيعة: ٢٠/ ١٣٩) نیز دیکھیں: رجال الكشي (ص: ١٩٩)

[6] حر عاملی کہتا ہے: یہ ہمارے اصحاب میں وجیہ، ثقہ اور فقیہ ہے، الکشی نے اسے اصحابِ اجماع (ان لوگوں میں جن کی روایات کی تصحیح پر شیعہ کا اجماع ہے) میں شمار کیا ہے، اس میں کچھ جرح ہے، اس کی وجہ زرارہ کے ضمن میں ذکر ہوگی۔ (وسائل الشيعة: ٢٠/ ١٤٥۔ ١٤٦) نیز دیکھیں: رجال النجاشي (ص: ٨٧) رجال الحلى (ص: ٢٦۔ ٢٧) جامع الرواة (١/ ١١٧۔ ١١٩) رجال الكشي (ص: ١٤٨) اس کے متعلق ابوعبداللہ نے کہا: ''اللہ برید پر لعنت کرے۔''

[7] حر عاملی کا کہنا ہے: یہ کوفی ثقہ ہے، اس کی مدح و ذم دونوں منقول ہیں۔ ذم کو تقیے پر محمول کیا جائے گا، اس کا سبب زرارۃ ←

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان جیسی صورتوں میں تقیہ یقینی نہیں، لیکن کم از کم ان میں توقف تو کیا جاتا۔

اگر شیعہ علما نے اپنے راویوں کے متعلق اہلِ سنت کی آرا قبول نہیں کیں، کیوں کہ وہ ان کے زعم کے مطابق ان کے حریف ہیں، تو انھوں نے اپنے ائمہ سے منقول باتیں بھی تسلیم نہیں کیں، بلکہ انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان سے یہ باتیں اہلِ سنت کی خاطر داری اور ان کے ساتھ ظاہری طور پر تعلق بنائے رکھنے کی وجہ سے صادر ہوئی ہیں۔ لہٰذا حقیقت گم ہوگئی اور شیعہ مذہب جھوٹے راویوں اور علما کی خواہشات پر استوار ہوگیا۔

## شیعہ کے ہاں حدیث کی اقسام:

شیعہ کے ہاں علمِ رجال کا سلسلہ بہت دیر کے بعد شروع ہونے اور ایسی چیزوں پر مشتمل ہونے کے باوجود، جو حقیقتِ حال بیان کرنے کے لیے کافی نہیں، ان کی متاخر کتابوں جیسے مجلسی کی "مرآة العقول" اور معاصر تالیفات، جیسے: "الشافي في شرح أصول الكافي" کا مطالعہ کرنے والا دیکھتا ہے کہ وہ بعض اوقات ذکر کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور وہ ضعیف، اگرچہ وہ اپنی اکثر تصانیف میں اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ اثنا عشریہ کے صرف ایک گروہ اصولیوں کا نقطہ نظر ہے۔ شیعہ کے متعلق یہ بات عام ہے کہ انھیں اس علم اور فن کے ساتھ آگاہی اور شناسائی نہیں۔ اہلِ سنت نے ان کو اس سے ناواقفیت کی بنا پر خوب آڑے ہاتھوں سے لیا ہے، پھر شیعہ کے ہاں یہ تقسیم کب اور کیوں شروع ہوئی؟

شیعہ کے ہاں علمِ جرح و تعدیل کی تحقیق کے دوران میں میرے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہوئی ہے کہ ان کے ہاں حدیث کی صحیح، حسن، موثق اور ضعیف[1] میں تقسیم بہت بعد میں شروع ہوئی ہے۔

← میں ذکر ہوگا۔ وسائل الشيعة (٢٠/ ١٦٢) نیز دیکھیں: رجال النجاشي (ص: ١١١) رجال الطوسي (ص: ١٨١) رجال الحلی (ص: ٦٣) جامع الرواية (١/ ١٨٢۔ ١٨٧)

[1] ان کے نزدیک صحیح وہ ہے، جس کی سند معصوم تک متصل ہو، نقل کرنے والا امامی اور عادل ہو اور تمام طبقات میں اپنے جیسے سے نقل کرے۔
حسن وہ ہے، جس کی سند بھی امامی ممدوح کے ساتھ متصل ہو، اس کی عدالت پر نص نہ ہو، لیکن تمام مراتب میں یا بعض میں یہ موجود ہو، جب کہ باقی صحیح کے رجال ہوں۔
موثق وہ ہے جس کی سند میں ایسا آدمی ہو، جس کا عقیدہ فاسد ہو، لیکن اصحاب نے اس کی توثیق کی ہو۔
ضعیف وہ ہے جس میں تینوں مذکورہ شرطیں نہ پائی جائیں، یعنی اس کی سند مجروح، مجهول الحال یا اس سے کم تر درجے کے راوی پر مشتمل ہو۔
مرسل وہ ہے جس کو معصوم سے وہ روایت کرے، جس نے اس کو پایا نہ ہو۔ زين الدين العاملي: الدراية (ص: ١٩، ٢١، ٢٣، ٢٤، ٤٧) الممقاني: مقياس الهداية (ص: ٣٣۔ ٣٥) بهاء الدين العاملي: الوجيزة (ص: ٥) ←

شاید یہ مسئلہ کچھ تفصیل طلب ہے، کیوں کہ میری نگاہ میں یہ ایک نیا مسئلہ ہے اور میں نے کسی کو اس سے پہلے اس پر طبع آزمائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ شیعہ کے ہاں حدیث کی جانچ اور صحیح وغیرہ میں تقسیم کا آغاز ساتویں صدی میں ہوا (حالاں کہ ان کے ہاں رجال اور راویوں کے حالات کی تحقیق کا آغاز چوتھی صدی میں ہوگیا تھا، جس طرح پہلے گزر چکا ہے)

یہ وہی وقت تھا، جب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "منهاج السنة" میں ان پر اعتراض کیا اور علمِ رجال کی معرفت میں ان کی کم مائیگی کو ہدفِ تنقید بنایا۔ ایسے ہی انھوں نے شیعہ کے اہلِ سنت کی کتابوں سے استدلال کی قلعی کھولنا شروع کی اور اس باب میں ان کی جہالت اور جھوٹ کے پردے چاک کرتے ہوئے ذکر کیا کہ یہ ضعیف اور موضوع روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں اور روایات کو غیر معتبر مصادر سے نقل کرتے ہیں تو کیا شیعہ اپنی اس کمزوری سے باخبر ہوگئے، اس لیے انھوں نے اپنی احادیث کی جانچ پڑتال کی طرف توجہ دی یا انھوں نے یہ سمجھا کہ اس مسئلے میں اہلِ سنت کی تقلید کے ذریعے ان کے الزامات اور اپنی کتابوں میں مذکور کفریات پر ان کی تنقید سے جان چھڑائی جا سکتی ہے، تاکہ جوں ہی کوئی سنّی یہ کہے کہ مثال کے طور پر تمھاری کتاب "الكافي" میں یہ یہ کفر پر مبنی باتیں منقول ہیں تو وہ فوراً یہ بنا بنایا جواب دے کہ یہ حدیث موضوع ہے، کیوں کہ تقیے میں بڑی گنجایش ہے؟

ان کی اس اصطلاح کی تشکیل اور شیخ الاسلام کے اعتراض کے درمیان یہ زمانی ہم آہنگی کسی حد تک ہمیں بتاتی ہے کہ انھوں نے شیخ الاسلام کی ان پر اس تنقید سے اثر لیا، کیوں کہ انھوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ "حدیث کو ان کے ہاں صحیح، حسن، موثق اور ضعیف میں تقسیم کرنے کی اصطلاح "علامہ" کے زمانے میں ظاہر ہوئی۔"[1]

← یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ معصوم، جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، صرف رسول ہی نہیں، بلکہ ان (شیعہ) کے ائمہ کی بھی یہی صفت ہے، جو رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے، ایسے ہی کسی حدیث کو صحیح یا حسن قرار دینے کے لیے اس کے راوی کا امامی ہونا ضروری ہے، امامی کے سوا کسی کی روایت قبول نہیں۔ ابن مطہر حلی کہتا ہے: "کافر کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، چاہے یہ معلوم ہو کہ وہ جھوٹ سے احتراز کرتا ہے۔" ایسے ہی "مخالف کی روایت بھی قابلِ قبول نہیں، کیوں کہ وہ فاسق میں داخل ہے۔" (ابن المطهر: تهذيب الوصول، ص: ۷۷۔ ۷۸) وہ اپنے فرقے کے سوا تمام مسلمانوں پر کفر یا فسق کا حکم جاری کرتے ہیں۔ ممقانی کہتا ہے: "ان کے فسق بلکہ کفر کی خبریں ناقابلِ شمار ہیں۔" (تنقيح المقال (۳/ ۲۰۷) نیز دیکھیں: اسی کتاب کے (ص: ......) پر امامت کی فصل۔ لیکن ان لوگوں میں ان شروط کی تطبیق میں تضاد پایا جاتا ہے۔ تحفہ وغیرہ کے مولف نے اس پر تعاقب کیا ہے اور ان کے شیعہ بھائی اخباریوں کی حقیقت بھی بیان کی ہے۔

[1] وسائل الشيعة (۲۰/ ۱۰۳) دیکھیں: الكاشاني: الوافي (دوسرا مقدمہ)

شیعہ کی کتابوں میں جب مطلقاً ''علامہ'' بولا جائے تو اس سے وہ ابن المطہر الحلی مراد لیتے ہیں اور یہ وہی ہے، جس پر شیخ الاسلام نے رد لکھا تھا، بلکہ ایک اور بات ہے، جو اس موضوع کو مزید تقویت پہنچاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ابن المطہر الحلی، وافی کے مصنف کے قول کے مطابق:

''سب سے پہلا شخص ہے، جس نے یہ اصطلاح وضع کی اور یہ موقف اختیار کیا۔'' [1]

لہٰذا کیا یہ بات اس چیز پر دلالت نہیں کرتی کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کی کتاب "منهاج السنة" کا اس میں اثر ہے اور ابن المطہر نے اپنے شیعہ کے لیے یہ پیمانے صرف ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ان پر تنقید کی وجہ سے بنائے تھے؟

شیعہ عالم حر عاملی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ شیعہ کے اس اصطلاح کی تشکیل کا سبب اور سند پر توجہ دینے کا رجحان، اہلِ سنت کی ان پر تنقید کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس کے یعنی سند کے ذکر کا ایک فائدہ یہ ہے کہ عامہ یعنی اہلِ سنت جو شیعہ کو یہ عار دلاتے ہیں کہ ان کی احادیث عن، عن کے بغیر ہیں، اس کی تردید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ یہ ان کی قدیم کتابوں سے منقول ہیں۔'' [2]

گویا یہ انتہائی اہم عبارت ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ ان کے ہاں اسناد موجود ہی نہیں تھی اور ان کی روایات سند کی لگام کے بغیر ہی تھیں، جب لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا تو پھر انھوں نے اسناد ذکر کرنے پر توجہ دی، لہٰذا وہ اسانید جو ہم ان کی روایات میں دیکھتے ہیں، یہ بعد میں بنائی گئیں اور ان عبارتوں کے ساتھ ملا دی گئیں، جو ان کے قدما کے اصول اور بنیادی کتابوں سے اخذ کی گئیں، پھر یہ اسانید اہلِ سنت کی تنقید اور ان کے اس قول سے کہ شیعہ کی اسانید غیر معنعن اور غیر متصل ہیں، بچنے کے لیے وضع کی گئیں۔

بلکہ کچھ بعید نہیں کہ کل کوئی ان میں سے کھڑا ہو جائے اور معدوم راویوں کے نام رکھ کر ان اسانید کو بنانے کی ذمے داری لے لے۔ میں نے ان کے اس موضوع پر سب سے پہلی ظاہر ہونے والی کتاب سلیم بن قیس کے مطالعے کے دوران میں یہ دیکھا ہے کہ وہ ایسے اشخاص کے نام پر کتابیں یا روایات وضع کرتے ہیں، جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا، حتی کہ ان کے ایک عالم نے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ سلیم بن قیس کی کتاب اس کے نام پر خود ساختہ ہے، کہا ہے:

''سچ تو یہ ہے کہ یہ کتاب بھی "کتاب الحسنية، طرائف بن طاؤوس" اور "الرحلة

---

[1] الوافي، دوسرا مقدمہ (۱/ ۱۱)

[2] وسائل الشيعة (۲۰/ ۱۰۰)

المدرسية“ کی طرح صحیح غرض کے لیے وضع کی گئی ہے۔“[1]

گذشتہ باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سلیم بن قیس محض ایک نام ہو، جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔[2]

”الحور العين“ کے مصنف کو دیکھیے! وہ اس موضوع کے متعلق ایک زیدی شیعہ عالم کی بڑی اہم گواہی پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: سید ابو طالب[3] نے کہا:

”اثنا عشریہ کی بہت ساری اسانید ایسے اسما پر مبنی ہیں، جن کے نام کا رجال میں کوئی شخص ہی نہیں۔“

وہ کہتا ہے:

”میں ان کے ایسے کثیر الروایۃ راویوں کو جانتا ہوں کہ جب ان تک کوئی منقطع روایت پہنچتی ہے تو وہ اس کے لیے سند گھڑ لینا جائز سمجھتے ہیں۔“

وہ ان کے کسی راوی سے نقل کرتا ہے کہ وہ بزرجمہر کی روایات جمع کرتا اور خود ان کی سندیں گھڑ کر انھیں ائمہ کی طرف منسوب کر دیتا۔ جب اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ ”میں جن کی حکمت (دانائی) ہے، اسے ان کے نام کے ساتھ ملاتا ہوں۔“[4]

انھوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کا ”حیدر بن محمد بن نعیم سمرقندی“ نام کا ایک راوی تھا، اس نے شیعہ کی تمام تصانیف اور بنیادی کتب روایت کیں...اس نے شیعہ کی کتابوں میں سے ایک ہزار کتاب روایت کی۔[5]

اگر یہ حقیقت ہوتی تو تاریخ اور رجال کی کتابوں میں اس کا ذکر عام ہوتا، لیکن میں نے اس کا کوئی ذکر یا اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں پایا۔ اس بات سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے پاس اس درج ذیل عبارت کی کوئی سند نہیں، جو ان کی سب سے صحیح کتاب میں مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمارے مشائخ نے جعفر اور ابو عبداللہ دونوں سے روایت کی، تقیہ بہت شدید تھا، تو انھوں نے اپنی کتابیں چھپا لیں اور انھیں روایت نہ کیا، جب وہ فوت ہوگئے تو وہ کتابیں ہمارے ہاتھ لگ گئیں، جب انھوں نے اس کے متعلق اپنے امام سے پوچھا تو

---

1. أبو الحسن الشعراني: تعليقات علمية على شرح الكافي للمازندراني (٢/ ٣٧٣۔ ٣٧٤)
2. اس کتاب کا صفحہ (ص: ٣٨ و ٢٤٧) دیکھیں۔
3. ابو طالب یحییٰ بن حسین بن ہارون حسنی، اس نے یہ بات کتاب ”الدعامة“ میں ذکر کی ہے۔ اس کی وفات ٤٢٤ھ میں ہوئی۔ دیکھیں: معجم المؤلفين (١٣/ ١٩٢۔ ١٩٣)
4. الحور العين (ص: ١٥٣)
5. وسائل الشيعة (٢٠/ ١٨٥)

اس نے جواب دیا کہ ''انھیں بیان کرو، یہ حق ہیں۔'' [1]

یہ ان کی سندوں کے منقطع ہونے کے متعلق اہم اعتراف ہے، ان کو، خصوصاً خوف اور تقیے کے ان حالات میں جن کی طرف یہ روایت اشارہ کر رہی ہے، اس بات کی ضمانت کون دے گا کہ یہ کتابیں جو ان کے ہاتھ لگ گئیں، کہیں کسی زندیق یا ملحد کی کارستانی ہی نہ ہو، جس نے ان کتب کی روایات کو بعض آلِ بیت کی طرف منسوب کر کے شیعہ قوم کو گمراہ اور جماعتِ مسلمین کے مقدس ہالے سے باہر نکالنا چاہا ہو... یہ کچھ بعید نہیں، کیوں کہ ان کے ہاں ایسی نصوص کی ایک بھاری مقدار ہے، جو مسلمانوں کی سب سے مقدس چیز قرآن کریم پر اتنی کثرت کے ساتھ اعتراضات کی بوچھاڑ کرتی ہیں، جس کی ان کے سوا کسی بھی دوسرے گمراہ اور کفریہ عقائد کے حامل فرقے میں نظیر نہیں ملتی۔

شیعہ عالم حر عاملی یہ بات تاکید کے ساتھ کہتا ہے کہ نئی اصطلاح (ان کے ہاں حدیث کو صحیح وغیرہ میں تقسیم کرنے کی اصطلاح) جسے ابن مطہر نے وضع کیا تھا، وہ اہلِ سنت کی تقلید کی ایک کوشش ہے، اس کے الفاظ ہیں:

''نئی اصطلاح عامہ کے اعتقاد اور اصطلاح کے مطابق ہے، بلکہ یہ ان کی کتابوں سے ماخوذ ہے، جس طرح تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔'' [2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ نے بہت بعد میں اس مسئلے پر توجہ دی اور اس کا اس قدر صحتِ حدیث تک پہنچنا نہیں تھا، جتنا مذہب کا دفاع اور حریف کی تنقید سے بچنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں علمِ جرح و تعدیل تناقضات اور اختلافات سے بھرا پڑا ہے، حتیٰ کہ شیعہ عالم فیض کاشانی کو کہنا پڑا:

''جرح و تعدیل اور ان کی شرائط میں اتنے تناقضات، اختلافات اور اشتباہات ہیں، جو شاید ہی کسی ایسے نتیجے تک پہنچیں، جس سے دل مطمئن ہو جائے، جس طرح یہ اس کی خبر رکھنے والے پر مخفی نہیں۔'' [3]

کاشانی اور حر عاملی کے یہ اہم اور وقیع اعترافات اس اختلاف کے نتیجے میں ظاہر ہوئے ہیں، جو اخباریوں اور اصولیوں کے درمیان واقع ہوا اور ہوتا رہتا ہے، جس میں (جس طرح ہم دیکھتے ہیں) تقیہ اٹھ چکا ہے، خصوصاً جب کہ شیعہ میں (کافی کے قول کے مطابق) طیش میں آجانے اور نہ چھپانے کی دو عادتیں موجود ہیں۔ [4]

---

[1] أصول الكافي، كتاب فضل العلم، باب رواية الكتب والحديث (١/ ٥٣)

[2] وسائل الشيعة (٢٠/ ١٠٠)

[3] الوافي، المقدمة الثانية (١/ ١١، ١٢)

[4] أصول الكافي (٢/ ٢٢١۔ ٢٢٢)

یہ اعترافات انکشاف کرتے ہیں کہ اسناد اہلِ سنت کی خصوصیت ہے، شیعہ اس کی طرف تقلید کرتے ہوئے اور اپنے مذہب کو تنقید سے محفوظ کرنے کے لیے متوجہ ہوئے اور یہ اصطلاح ابن المطہر کے ہاتھوں تشکیل پائی، جس پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے شدید تنقید کی ہے اور اس کا شیعہ مذہب میں گہرا اثر ہے۔ یہ اصطلاح بھی تقیے کے عقیدے کی طرح ہو چکی ہے، اس کے ذریعے وہ اپنے غلو کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ جب ان پر تنقید کی جائے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی روایات میں بھی صحیح و غیر صحیح ہیں۔ آپ کو یہ روش ان کے معاصر علما کی ایک جماعت کی کتابوں میں ملے گی۔

تصحیح اور تضعیف کا منہج جسے متاخرین نے وضع کیا ہے، اگر یہ اس پر عمل کریں تو ان کی احادیث میں سے بہت تھوڑی باقی بچیں گی، جس طرح ان کے عالم یوسف بحرانی (المتوفی ۱۱۸۶ھ) نے اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کہا ہے:

''یا تو ان روایات کو بالکل اسی طرح لینا واجب ہے، جو ان کے متعلق ہمارے پرانے نیک علما کا موقف تھا، یا پھر اس دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین اور اس شریعت کے سوا کوئی دوسری شریعت اپنانا ہوگی، کیوں کہ یہ ناقص، ناتمام اور بہت سارے احکام میں دلیل سے خالی ہے اور میرا نہیں خیال کہ وہ دونوں کاموں میں سے کسی کا بھی اہتمام کریں گے، حالاں کہ ان کے پاس کوئی تیسری درمیانی راہ نہیں۔ یہ الحمد للہ ہر انصاف پسند اور منکسر المزاج غور وفکر کرنے والے کے سامنے ظاہر ہے۔''[1]

یہ ایک اہم عبارت ہے، جو ان کے مخصوص علم جرح و تعدیل کی روشنی میں ان کی روایات کی حقیقت بیان کرتی ہے۔ اگر وہ صحیح طور پر اس کو استعمال کریں تو ان کی اکثر روایات ساقط ہو جائیں گی، لہٰذا ان کے سامنے اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں کہ وہ اپنی روایت کو تحقیق و تفتیش کے بغیر ہی ان کے جھوٹ اور افسانوں سمیت قبول کریں، جس طرح ان کے قدیم علما نے کیا، یا پھر شیعہ مذہب کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب تلاش کریں، کیوں کہ ان کا مذہب ناقص ہے، جو زندگی کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔

اگر ہم ان کے اس اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کے اس اقرار کو بھی لیں، جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ''شیعہ ابو جعفر کے آنے سے پہلے مناسکِ حج اور حلال وحرام کے احکام سے ناواقف تھے۔''[2] نیز ابو جعفر اور اس کے بیٹے کے زمانے میں ائمہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والوں کی بہتات تھی،[3] تو تصویر مکمل ہو جاتی ہے

[1] لؤلؤة البحرين (ص: ٤٧)
[2] أصول الكافي (٢/ ٢٠) صفحہ (۳۷۸) پر یہ عبارت حرف بہ حرف ذکر ہو چکی ہے۔
[3] اس کتاب کا صفحہ (۱۰۹ و ۳۹۵) دیکھیں۔

کہ ان کی اکثر روایات موضوع ہیں، اگر علمِ جرح و تعدیل کو استعمال کیا جائے تو ان کی روایات کی حقیقت بے نقاب ہو جائے گی اور وہ پھر سے ابوجعفر سے پہلے والے زمانے کی طرح ہو جائیں گے کہ جب وہ اپنے اکثر دینی مسائل کے لیے مسلمانوں کی کتابوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، لیکن ایسے محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ان وضع کردہ اصول کو عملی جامہ پہنانے پر کوئی توجہ نہیں دی۔

مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کتاب ''نهج البلاغة'' پر صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ ایک معاصر شیعہ عالم کا کہنا ہے:

''شیعہ اپنے کثرتِ اختلاف اور فرقوں کی بہتات کے باوجود، شریف کی روایت، درایت اور ثقاہت پر اعتماد کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق اور صلح کیے ہوئے ہیں کہ ''نهج البلاغة'' کے شمولات امیر المومنین کا کلام ہے، حتی کہ، چند لوگوں کے سوا، اکثریت کے نزدیک اس کی حضرت علی کی طرف نسبت سے انکار مسلّمات اور بدیہی امور کا انکار ہے، نیز اس میں جتنے بھی خطبے، خطوط، وصیتیں، حکمتیں اور آداب مذکور ہیں، وہ اسی طرح ہیں، جس طرح نبی اکرم ﷺ سے منقول فرامین ہیں۔''[1]

حالاں کہ ''نهج البلاغة'' کی سند اور متن دونوں پر جرح ہے۔ یہ امیر المومنین کے ساڑھے تین سو سال بعد بلا سند لکھی گئی۔ شیعہ نے ''نهج البلاغة'' کی تالیف شریف رضی[2] کی طرف منسوب کی ہے۔ یہ محدثین کے ہاں، خصوصاً ایسی روایت جو اس کی بدعت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو، اگر سند کے ساتھ بھی ذکر کرے تو غیر مقبول ہے۔ چہ جائیکہ وہ سند ذکر ہی نہ کرے، جس طرح اس نے ''نهج البلاغة'' میں کیا ہے!

تاہم محدثین کے ہاں اس کتاب کو وضع کرنے کا الزام اس کے بھائی علی[3] کے سر ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس کتاب کے اکثر خطبے حضرت علی کے نام پر گھڑے گئے ہیں، اسی لیے ان میں سے اکثر نہ کسی پہلی کتاب میں موجود ہیں، نہ ان کی کوئی معروف سند ہی ہے۔''[4]

ایسے ہی اس کتاب کی عبارتوں کے موضوع ہونے کی بہت زیادہ علامتیں ہیں، جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔[5]

---

[1] الهادي، كاشف الغطا: مدارك نهج البلاغة (ص: ١٩٠۔ ١٩١)

[2] ابو الحسن محمد بن حسین بن موسیٰ رضی۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ''بڑا سخت رافضی ہے۔'' (ميزان الاعتدال: ٣/ ٥٢٣)

[3] علي بن حسين علوى، شريف مرتضىٰ، متكلم رافضى معتزلي (المتوفى ٤٣٦هـ) ميزان الاعتدال (٣/ ١٢٤)

[4] ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ٢٤) المنتقى من منهاج الاعتدال (ص: ٤٣٠)

[5] نهج البلاغة پر تنقید کے لیے دیکھیں: ابن تيمية: منهاج السنة (٤/ ١٥٩) المنتقى من منهاج الاعتدال (ص: ٥٠٨۔ ٥٠٩)

یہاں یہ عرض کرنا مقصد ہے کہ شیعہ صحت کے حکم کے لیے سند کے متصل ہونے کی شرط لگاتے ہیں، لیکن یہاں اتصالِ سند کہاں پایا جاتا ہے؟ جب کہ زمانہ قدیم ہی سے ان کے علما صحت وضعف کے اپنے ان وضع کردہ پیمانوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔ حر عاملی اپنے عالم طوسی کے متعلق ذکر کرتا ہے کہ وہ کہتا ہے:

''یہ ضعیف ہے، کیوں کہ اس کا راوی ضعیف ہے، پھر ہم اس کو دیکھتے ہیں کہ وہ اسی ضعیف راوی کی روایت پر عمل کرتا ہے، بلکہ بہت ساری ناقابلِ شمار جگہوں پر اس سے بھی زیادہ ضعیف راوی کی روایت پر عمل کرتا ہے۔ اکثر اوقات وہ کسی حدیث کو مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیتا ہے، پھر مرسل حدیث سے استدلال بھی کرتا ہے، بلکہ بہت زیادہ مرتبہ وہ مراسیل اور ضعفا کی روایات پر عمل کرتا ہے اور مسند اور ثقات کی روایت رد کر دیتا ہے۔''[1]

اگر ایک طرف شیعہ عالم بحرانی (المتوفی ۱۱۸۶ھ) یہ فیصلہ کن بات کہتا ہے کہ اگر وہ اپنے جرح و تعدیل کے منہج کا (جو کچھ اس میں ہے اس سمیت) عملی اجرا کریں تو ان کی بہت زیادہ احادیث باطل قرار پائیں گی (جس طرح پہلے گزر چکا ہے)۔ تو دوسری طرف شیعہ عالم اردبیلی[2] (المتوفی ۱۱۰۱ھ) اپنی کتاب ''جامع الرواۃ'' (گیارھویں صدی میں) تالیف کر کے یہ انتہائی عجیب و غریب دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی اس مذکورہ کتاب کی تالیف کی وجہ سے پہلے زمانوں میں ائمہ سے منقول ۱۲ ہزار احادیث پر ضعف، جہالت یا ارسال کے احکام صحت کے حکم میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''میرے اس نسخے کے سبب کم و بیش ۱۲ ہزار وہ احادیث جو ہمارے علما کے ہاں مشہور بات کے مطابق مجہول، ضعیف یا مرسل تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور سیدنا محمد اور ان کی مقدس آل ﷺ کے صدقے سے معلوم الحال اور صحیح ہوگئی ہیں۔''[3]

---

← الذهبي: ميزان الاعتدال (ترجمہ علی بن حسين شريف مرتضى: ٣/ ١٢٤) ابن حجر: لسان الميزان (٤/ ٢٢٣) مختصر التحفة الإثنا عشرية (ص: ٣٦) محب الدين الخطيب: حاشيه مختصر تحفة (ص: ٥٨) حاشيه المنتقى (ص: ٤٣٠) أحمد امين: فجر الإسلام (ص: ١٧٨) أحمد زكى صفوت: ترجمہ علي بن أبي طالب (ص: ١٢٥- ١٦٢) الزعبي: البينات في الرد على أباطيل المراجعات (ص: ٣٦- ٤٠)مجلة المقتطف، مجلد: ٤٢ (٣/ ٢٤٨) عدد (٥٢) ربيع الأول ١٣٣١ھ الوادعي: رياض الجنة (ص: ١٦٢- ١٦٣)

[1] وسائل الشيعة (٢٠/ ١١١)

[2] محمد بن على الأردبيلي الغروي الحائري.

[3] الأردبيلي: مقدمة جامع الرواة.

"فصل الخطاب" کا مولف اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ ان کے قدیم علما کے ہاں تحریف کی احادیث ان کی صحت کے طرق سے عدمِ واقفیت کی بنا پر ضعیف ہو جائیں تو ان (متاخرین) کے ہاں صحیح میں تبدیل ہو جائیں۔[1]

ہم دیکھتے ہیں کہ مجلسی اپنی کتاب "مرآۃ العقول" میں کافی کی بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیتا ہے، حالاں کہ وہ کہتا ہے:

''ہمیں ان اصولِ اربعہ کے لیے سند کی ضرورت نہیں، اگر ہم سند ذکر کریں تو وہ محض تبرک اور سلف کی سنت کی اقتدا میں ہوگی۔''[2]

یہ بڑا عجیب تناقض ہے۔ شیعہ عالم ہاشم معروف کا خیال ہے کہ کافی میں اتنی مقدار میں روایات کے ضعیف[3] ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دینی امور میں ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں، کیوں کہ روایت کی سند میں ضعف دوسری جانب سے اس میں قوت کے مانع نہیں، مثلاً اس کا چار سو اصول (بنیادی کتابوں) میں ہونا، یا کسی معتبر کتاب میں ہونا، یا علما کے ہاں معمول بہ ہونا۔ اکثر فقہا نے یہ بات واضح طور پر کہی ہے کہ اگر ضعیف روایت پر عمل مشہور ہو جائے تو اس پر اعتماد دوسری صحیح روایات کی طرح کا ہو جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات اگر تعارض واقع ہو جائے تو یہ راجح بھی ہو جاتی ہے۔[4]

اسی لیے شعرانی نے کہا:

''(جس طرح پہلے بھی گزرا ہے) کافی کی اکثر سندیں اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن ان کے مضامین صحیح ہیں۔''[5]

یہاں یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ اس نے جرح و تعدیل کے ان اصول کے عملی اجرا اور تطبیق سے جان چھڑانے کی کوشش کے باوجود، جن کو ابن مطہر نے ساتویں صدی میں وضع کیا اور اس کے نتیجے میں (بحرانی کی حقیقت بیانی کے مطابق) ان کی بہت زیادہ روایات ساقط ہوگئیں، یہ سب قبول کیا ہے۔

---

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٥٤)

[2] رسالة لزوم نقد رجال من لا يحضره الفقيه، عن أبي زهرة، الإمام الصادق (ص: ٤٧٠۔ ٤٧١)

[3] ان کا کہنا ہے کہ کافی کی ضعیف روایات کی تعداد ۹۴۸۵ ہے اور صحیح کی تعداد ۵۰۷۲ ہے، حسن ۱۴۴ ہیں، موثق ۱۱۷۸ اور قوی ۳۰۲ ہیں۔ دیکھیں: الذريعة (١٧/ ٢٤٥۔ ٢٤٦) النوري: مستدرك الوسائل. الفائدة الرابعة.

[4] هاشم معروف: دراسات في الحديث والمحدثين (ص: ١٣٧)

[5] الشعراني، تعاليق علمية على شرح الكافي للمازندراني (٢/ ١٣٢)

لہٰذا انھوں نے ہر اس چیز کی تلاش شروع کر دی، جو کسی بھی قرینے سے ان کی روایات کو باسند کر دے، ... وگرنہ کسی معتبر کتاب میں اس کے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا ان کے پاس کافی سے بھی زیادہ معتبر کوئی کتاب ہے، جو ان کے مہدی پر پیش کی گئی؟ رہی اس کی یہ بات: ''مثلاً اس کے چار سو اصول (بنیادی کتابوں) میں سے کسی ایک کتاب میں ہونا۔''[1] تو اس کے متعلق ان کے علما کہتے ہیں کہ کتبِ اربعہ اور دیگر معتبر کتابیں، جیسے: خصال، امالی اور مدینۃ العلم وغیرہ یہ چار سو بنیادی کتابوں سے منقول ہیں۔

اگر یہی بات ہے کہ کافی مکمل کی مکمل ان چار سو بنیادی کتابوں[2] سے منقول ہے تو پھر یہ کس طرح کافی میں ائمہ سے منقول روایات کی صحت کی یہ علامت ذکر کرتے ہیں کہ وہ کسی ایک بنیادی کتاب میں موجود ہو؟ کیا یہ تناقض نہیں۔

## ان ائمہ کی حالت کا جائزہ، جن کے متعلق شیعہ یہ تمام دعوے کرتے ہیں:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ شیعہ کی کتابوں میں روایات تمام کی تمام بارہ اماموں کی طرف منسوب ہیں، جن میں سے اکثر جعفر صادق سے مروی اور بہت تھوڑی (بلکہ نادر اور نہ ہونے کے برابر) رسولِ ہدایت ﷺ سے منقول ہیں، بلکہ شیعہ عالم حر عاملی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ شیعہ اس خوف سے مرفوع روایت کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کہ کہیں یہ اہلِ سنت کی روایت سے نہ ہو۔[3]

لہٰذا یہ گروہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث، صحیح وضعیف کی پہچان، ان کے معانی کی تعیین وتلاش اور آثارِ صحابہ وتابعین پر کوئی توجہ نہیں دیتا، تاکہ ان کے مآخذ اور مسالک کی پہچان کی جائے اور ان کے متنازع امور کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹایا جائے،[4] بلکہ ان کے دین کا رکن وہ روایت ہے، جو بعض اہلِ بیت سے روایت کا دعویٰ کرے، تمام اہلِ بیت سے نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ طوسی نے زید بن علی بن حسین[1] کی روایات رد کی ہیں اور انھوں نے کئی اہلِ بیت کے

---

[1] شیعہ علما کا دعویٰ ہے کہ ان کے بزرگ چار سو کتابوں پر اعتماد کرتے تھے، جن کو وہ اصول کا نام دیتے تھے، پھر ان کتابوں کی تلخیص کی گئی اور مخصوص کتابوں میں جمع کی گئیں، جن میں سے بہترین کتب اربعہ ہیں۔ (وسائل الشيعة: ٢٠/ ١٦٧)

[2] المصدر السابق.

[3] وسائل الشيعة (٢٠/ ٣٩١)

[4] منهاج السنة (٣/ ٤٠)

[5] دیکھیں: الاستبصار (١/ ٦٦)

افراد کو محض اس لیے کافر قرار دیا ہے کہ انھوں نے بارہ کی امامت کے دعوے کی تصدیق نہیں کی۔[1]

کاش وہ امیر المومنین حضرت علی کے اقوال ہی لے لیتے، یا علی بن حسین جیسے تابعین ہی کی مراسیل پر اکتفا کر لیتے! لیکن یہ دو عسکریوں کے طرح کے متاخر لوگوں کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی جو بات کہہ دے، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، جب کہ ہر صاحبِ عقل یہ بات بہ خوبی جانتا ہے کہ یہ دونوں عسکری اپنے زمانے میں موجود اپنے جیسے ہاشمیوں ہی کے مرتبے اور مقام پر تھے، ان کے پاس کوئی ایسا علم نہیں تھا، جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتا اور اہلِ علم میں اس کی ضرورت ہوتی، نہ اہلِ علم ان سے علم حاصل کرتے تھے، جس طرح وہ اپنے زمانے کے علما سے حاصل کرتے تھے؛ ایسے ہی علما نے علی بن حسین، ان کے بیٹے ابو جعفر اور ان کے پوتے جعفر بن محمد؛ ان تینوں سے اسی طرح علم حاصل کیا، جس طرح وہ ان جیسے لوگوں سے علم حاصل کرتے تھے، لیکن اس کے برعکس علمی شہرت کے حامل اہلِ علم نے دونوں عسکریوں اور ان جیسوں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے جو کچھ کہا ہے، اس کو قولِ رسول، جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے، قرآن اور متواتر سنت کے قائم مقام بنا دیں۔ اس امر پر دین کی بنیاد وہی استوار کر سکتا ہے، جو اہلِ علم اور اصحابِ ایمان کی راہ سے بہت دور ہو۔[2]

امام ابن حزم رافضیوں کے ان دعووں کے متعلق بات چیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جعفر بن محمد کے بعد اپنے قریبی زمانے تک ہم نے روایت کی شکل میں اور نہ فتوے کی صورت میں ان میں سے کسی کو بھی اصلاً صاحبِ علم نہیں دیکھا، اگر ان کے پاس اس سے کوئی چیز ہوتی، تو وہ معروف ہوتی، جس طرح محمد بن علی، اس کے بیٹے جعفر وغیرہ اور ان کے بارے میں معروف تھا، جن سے لوگوں نے روایت کی۔''[3]

جعفر سے پہلے جو ان کے ہم عصروں کے پاس علم وفضل تھا، ان کے پاس بھی ایسا ہی تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جن کے بارے میں رافضیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا قول اللہ اور اس کے رسول کے قول کی طرح ہے تو ان میں سے ایک تو خلیفہ راشد تھا، جس کی اطاعت اس سے پہلے خلفا کی طرح واجب تھی اور

[1] دیکھیں: أصول الكافي (١/ ٣٧٢) بحار الأنوار (٢٥/ ١١٢۔ ١١٤)

[2] منهاج السنة (٣/ ٤٠۔ ٤١)

[3] الفصل (٤/ ١٧٥)

وہ حضرت علی تھے اور دوسرے ان میں علم اور دین میں امام تھے، ان کے لیے وہی (احترام) لائق تھا، جو ان جیسے دیگر ائمہ دین وعلم کے لیے لازمی تھا، جس طرح علی بن حسین، ابو جعفر باقر اور جعفر بن محمد صادق تھے اور کچھ وہ تھے، جو ان سے نیچے تھے۔"[1]

ایک دوسری جگہ پر وہ ان کم درجے والوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"موسیٰ بن جعفر کی بہت زیادہ روایات نہیں، اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور اس سے اس کے بھائی علی نے روایت کی ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اس کی روایت اپنی اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ موسیٰ کے بعد ان سے علم میں کچھ بھی نہیں لیا گیا، نہ ان کی حدیث کی بنیادی کتابوں میں کوئی روایت ہے، نہ سلف کے فتاویٰ نقل کرنے والی کتابوں میں ان کا کوئی فتویٰ درج ہے، نہ ان کی کوئی تفسیر ہے، نہ اس کے علاوہ کچھ اور نہ ان کے اقوال ہی معروف ہیں، لیکن ان کے لیے وہی فضائل اور خوبیاں ہیں، جن کے وہ اہل ہیں۔"[2]

گویا شیخ الاسلام ابن حزم کی بات مکمل کرتے ہوئے موسیٰ بن جعفر کا اضافہ کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ "اس کی روایت کی کتابوں میں ہے، لیکن زیادہ نہیں۔" حافظ ذہبی نے کتبِ ستہ میں ان کی روایات کی تعداد متعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اس کی ترمذی اور ابن ماجہ میں دو حدیثیں ہیں۔"[3]

لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کے بیٹے علی بن موسیٰ رضا کی سنن ابن ماجہ میں ایک روایت ہے، جس طرح حافظ ذہبی نے اس کا اشارہ کیا ہے اور ابن حجر نے اس کا ترجمہ ذکر کرتے وقت اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پر "ق" (سنن ابن ماجہ) کا نشان لگایا ہے۔[4] حافظ مزی نے ذکر کیا ہے کہ اس کی صرف ایک ہی روایت ہے۔[5]

سنن ابن ماجہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ روایت ابو الصلت ہروی[6] کی سند سے ذکر ہوئی ہے اور یہ

---

[1] مجموع فتاویٰ شیخ الإسلام (١٩/ ٦٩)

[2] منهاج السنة (٢/ ١٥٥)

[3] سير أعلام النبلا (٦/ ٢٧٠)

[4] الذهبي: الكاشف (٢/ ٢٩٦) ابن حجر: تقريب التهذيب (٢/ ٤٤۔ ٤٦)

[5] المزي: تهذيب الكمال (٢/ ٩٩٣، قلمی نسخہ)

[6] دیکھیں: سنن ابن ماجه (١/ ٢٥۔ ٢٦) نمبر (٤٥) اس پر ابن جوزی نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ (الموضوعات: ١/ ١٢٨۔ ١٢٩) دیکھیں: السخاوي، المقاصد الحسنة (ص: ١٤٠) الكناني: تنزيه الشريعة (١/ ١٥١۔ ١٥٢) البوصيري: مصباح الزجاجة (ص: ١٢)

ان لوگوں میں ہے، جن سے دلیل نہیں لی جاتی، اس کے متعلق دارقطنی نے کہا ہے:

''یہ رافضی خبیث ہے، اس پر ''ایمان دل میں ہے'' کی حدیث وضع کرنے کا الزام ہے۔''[1]

یہ وہی حدیث ہے، جو سنن ابن ماجہ میں ابو الصلت عن علی بن موسیٰ کی سند سے مروی ہے۔ اسی لیے ابن السمعانی نے کہا ہے:

''علی رضا کی روایات میں خلل اس کے راویوں کی طرف سے ہے، اس سے متروک راوی کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا۔''[2]

اس کے متعلق ابن حجر نے کہا ہے:

''وہ خود صدوق ہے اور خلل ان میں ہے، جنھوں نے اس سے روایت کیا ہے۔''[3]

شاید شیخ الاسلام نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''علماے حدیث نے اس سے کچھ بھی نہیں لیا، نہ احادیث کی کتابوں میں اس سے کوئی حدیث روایت ہے، بلکہ ابو الصلت ہروی اور اس جیسے لوگ اس کے آبا و اجداد سے نقل کر کے اس کی روایات بیان کرتے ہیں، جن میں اتنی جھوٹی باتیں ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے صادقین کو بچایا ہوا ہے۔''[4]

علی رضا (جن کو شیعہ اپنا آٹھواں امام تسلیم کرتے ہیں) کے بعد ان (ائمہ شیعہ) سے حدیث کی کتابوں میں کچھ بھی منقول نہیں۔ جب ابن مطہر حلی نے یہ دعویٰ کیا کہ حسن عسکری (شیعہ کا گیارھواں امام) سے عامہ یعنی اہلِ سنت نے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، تو شیخ الاسلام نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''یہ محض دعوے اور یقینی جھوٹی باتیں ہیں۔ حسن عسکری کے زمانے میں مشہور روایت کرنے والے علما

---

[1] میزان الاعتدال (٢/ ٦١٦)

[2] الأنساب (٦/ ١٣٤) دیکھیں: تهذيب التهذيب (٧/ ٣٨٩)

[3] تقريب التهذيب (٢/ ٤٥)

[4] منهاج السنة (٢/ ١٥٦) تهذيب التهذيب میں انھوں نے ان جھوٹی اور منکر روایات کی مثالیں ذکر کی ہیں، جنھیں ابو الصلت الہروی علی رضا سے روایت کرتا ہے۔ (تهذيب التهذيب: ٧/ ٣٨٨۔ ٣٨٩) جس طرح یہ حدیث: ''سبت (ہفتے کا دن) ہمارا ہے، اتوار ہمارے شیعہ کا اور سوموار بنوامیہ کا... الخ۔ (دیکھیں: المصدر السابق: ٧/ ٣٨٨)
اس روایت کو اثنا عشریہ کی کتابیں اپنے معتبر مصادر میں روایت کرتی ہیں۔ دیکھیں: عيون الأخبار (ص: ٢٠٧) وسائل الشيعة (٨/ ٢٥٨)

میں سے کسی کی بھی اس سے کوئی بھی روایت اہلِ علم کی کتابوں میں مذکور نہیں، نیز کتبِ حدیث (بخاری مسلم ابو داود، نسائی، ابن ماجہ) کے مولفین کے اساتذہ اس زمانے میں اس کے قریب اور اس کے بعد بھی موجود تھے۔ حافظ ابو القاسم ابن عساکر نے ان تمام ائمہ کے شیوخ و اساتذہ کے نام جمع کیے ہیں، ان ائمہ میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں، جس نے حسن بن علی عسکری سے روایت کی ہو، حالاں کہ انھوں نے ہزاروں محدثین سے روایات لی ہیں، لہٰذا کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ عامہ نے اس سے بہت زیادہ روایت لی ہیں۔ یہ روایات کہاں ہیں؟''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حسن بن علی عسکری کے ترجمے میں ذکر کرتے ہیں:

''ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں ضعیف قرار دیا ہے۔''[2]

یہاں اس شخص کے درمیان اور اس کے درمیان فرق ملاحظہ کریں، جو اس کے کلام کو وحی الٰہی شمار کرتا ہے۔

ابن حزم نے شیعہ پر ایک اعتراض اٹھایا ہے، جو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ان کے مذکور ائمہ میں سے ایک کا باپ جب فوت ہوا تو اس وقت اس کی عمر تین سال تھی۔ وہ کہتے ہیں: ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ اس چھوٹے سے بچے کو پوری شریعت کا علم کہاں سے حاصل ہوا؟ کیوں کہ اتنا چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا اپنے باپ سے تعلیم حاصل کرنا ناممکن تھا؟

ان کے پاس اس کے جواب میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس کے لیے وحی کا دعویٰ کر دیں، یہ تو اس کے لیے نبوت ثابت کرنا ہے اور یہ صریح کفر ہے، اور وہ اس حد تک نہیں پہنچے کہ اس کے لیے نبوت یا اس کی بات کی تصحیح کے لیے معجزے کا دعویٰ کر دیں۔ یہ دعویٰ باطل ہے، اس میں سے کچھ بھی ظہور پذیر نہیں ہوا۔ یا پھر اس کے لیے الہام کا دعویٰ کر دیں، ان دعوؤں سے تو کوئی نہیں تھکتا۔[3] گویا ابن حزم پیشین گوئی کر رہے ہیں کہ شیعہ کس کس چیز کا اضافہ کریں گے، یا وہ اس بات کا انکشاف کر رہے ہیں، جس کی یہ آڑ لیتے ہیں، کیوں کہ انھوں نے امام کے لیے الہام اور وحی کا دعویٰ کیا ہے، جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ان کی روایات میں ایسے اشارے ملتے ہیں، جو بچوں کی امامت کے قول کی توثیق کرتے ہیں۔

اصولِ کافی میں ہے:

---

[1] منهاج السنة (٢/ ١٦٣۔ ١٦٤)

[2] لسان الميزان (٢/ ٢٤٠)

[3] الفصل (٤/ ١٧٢)

''ابن بزیع سے مروی ہے، اس نے کہا: میں نے ابو جعفر سے امام کے معاملے کے متعلق کچھ تفصیل کا سوال کرتے ہوئے پوچھا: کیا وہ سات سال سے کم عمر کا ہوسکتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، پانچ سال سے کم کا بھی۔''[1]

شیعہ کہتے ہیں کہ جواد پانچ سال کی عمر میں امام تھا،[2] بلکہ ان کے منتظر سے ایک رات کی عمر میں منسوب روایات سے دلیل لینے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

ائمہ شیعہ کی طرف منسوب روایات کے بطلان کو جاننے کے لیے صرف ان کی صورت کشی اور بیان ہی کافی ہے، کیوں کہ یہ بات قرآن، سنت متواترہ اور اجماعِ امت سے معلوم ہے کہ اتنی عمر کے بچے کے لیے خود اپنی اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے کسی دوسرے کے زیرِ کفالت ہونا ضروری ہے، تاکہ اس کی جان و مال ایسے شخص کی حفاظت میں ہوں، جو شرعی طور پر اس کا کفیل بننے کا اہل ہے۔ سات سال سے پہلے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم بھی نہیں دیا جاتا۔ جب سات سال پورے ہو جائیں، تب اس کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے تو اتنی عمر کا بچہ کس طرح معصوم امام بن جاتا ہے، جس کی بات اللہ اور اس کے رسول کی بات ہو؟ کوئی دل کا اندھا ہی اس بات کا اعتقاد رکھ سکتا ہے!

اسی وجہ سے شیعہ کی کتبِ فرق نے یہ اعتراف کیا ہے کہ شیعہ کے کئی گروہوں نے جواد کی امامت کا انکار کیا ہے۔ کیوں کہ انھوں نے اس کی عمر کم سمجھی ہے اور یہ کہا ہے کہ امام کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نابالغ کی اطاعت کا حکم دیتا تو پھر نابالغ کو شرعی احکام کا پابند بھی بناتا۔ لہٰذا جس طرح غیر معقول ہے کہ نابالغ مکلّف ہو، ایسے ہی یہ بھی ناقابل فہم ہے کہ کوئی نابالغ بچہ لوگوں کے چھوٹے بڑے مسائل، دین کے غامض احکام و مسائل، نبی اکرم ﷺ کی پیش کردہ تمام شریعت اور قیامت تک امت کو دین و دنیا کے پیش آمدہ مسائل میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔[3]

گود میں پرورش پانے والے بچے کی امامت کے قول نے انھیں ان جھوٹے لوگوں کی روایات قبول کرنے کا پابند کر دیا ہے، جنھوں نے ائمہ کی طرف ایسے اقوال منسوب کیے ہیں، جو ان سے صادر ہی نہیں ہوئے، کیوں کہ ان راویوں نے انھیں صرف بچپن ہی کے ایام میں پایا تھا۔

ممقانی ''المعلی بن خنیس'' کے ترجمے میں ذکر کرتا ہے:

---

[1] أصول الكافي (١/ ٢٨٧٣۔ ٢٨٤) بحار الأنوار (٢٥/ ١٠٣)

[2] بحار الأنوار (٢٥/ ١٠٣)

[3] النو بختي: فرق الشيعة (ص: ٨٧۔ ٨٨) القمي: المقالات و الفرق (ص: ٩٥)

’’معلّیٰ ۱۳۴ھ کو قتل ہوا، کاظم اس وقت بچہ تھا، کیوں کہ وہ ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ کو پیدا ہوا، لہٰذا معلّیٰ کے قتل کے وقت اس کی عمر چھے یا سات سال تھی۔‘‘[1]

ممقانی اس کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’ان کا کم عمر ہونا احکام میں ان کے علم میں رکاوٹ نہیں، آپ جواد کی امامت نہیں دیکھتے، جو کم عمر ہے۔ ہوسکتا ہے معلّیٰ نے کاظم سے بچپن میں سوال کیا ہو، پھر اسے روایت کیا ہے۔‘‘[2]

پھر یہ لوگ بعض علماے اہلِ بیت سے جو نقل کرتے ہیں، اس کی ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کیا ان تک یہ نقل ثابت بھی ہے کہ نہیں؟ کیوں کہ فنِ حدیث اور اسناد کے ساتھ ان کو شناسائی ہی نہیں۔[3]

یہ حقیقت میں ان کے ائمہ نہیں، جو ان کے ساتھ مخاطب ہوتے ہیں، بلکہ ان کے وہ علما ہیں، جو باطل طریقے سے ان کے اموال کھاتے اور انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔[4]

اسی لیے انھوں نے سندوں کے بغیر اپنے اوائل یعنی پہلے علما کی طرف منسوب کتابیں پائیں، کیوں کہ انھیں ان کے بقول خلافتِ اسلامیہ کی حکومت کا خوف تھا اور ان سے کہا گیا کہ ان پر عمل کرو، یہ سچی ہیں۔ ان کے علما ان کتابوں میں مذکور ہر بات بلاتحقیق قبول کرتے، جب ساتویں صدی آئی تو ابن مطہر نے ان کے ہاں حدیث کو صحیح وغیرہ میں تقسیم کیا۔ دسویں صدی میں ان کی اصطلاحاتِ حدیث کے موضوع پر پہلی کتاب تالیف کی گئی ...اس کی ان کے ایک گروہ اخباریوں نے مخالفت کی اور یہ کہتے ہوئے اسے رد کر دیا کہ اس میں صرف اہلِ سنت کی تقلید اور نقل کی گئی ہے، چناں چہ اس باب میں انھوں نے شیعہ کو کھلے عام رسوا کر دیا۔

مسلمانوں کی نامور شخصیات نے یہ گواہی دی ہے کہ جھوٹ سازی کا فن شیعہ حلقوں میں عام ہے اور وہ تقیے کے عقیدے کی بنا پر جھوٹ کو دینی حکم سمجھتے ہیں، جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے،[5] بلکہ ان کے ہاں مذہبی تنگ نظری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ جھوٹوں کی روایات اور ہر اس شخص کی روایت قبول کر لیتے ہیں، جو اگرچہ بعض ائمہ کی امامت کا منکر ہو، لیکن صرف شیعہ کی طرف نسبت رکھتا ہو۔

---

[1] تنقيح المقال للمقاني، ترجمة المعلّٰى.

[2] المصدر السابق

[3] منهاج السنة (٣/ ٢٤٦)

[4] منهاج السنة (٢/ ١٣٤) المنتقى (ص: ١٦٣)

[5] دیکھیں (ص:۱۰۹ و ۳۹۵) نیز تقیے کا مبحث ملاحظہ کریں (ص: ۸۵۳)

دوسری طرف انھوں نے ان اصحابِ رسول ﷺ کی روایات رد کر دی ہیں، جن کی مدح و توصیف خود اللہ اور اس کے رسول نے کی ہے۔ ان کے رجال کی توثیق کے پیمانے انتہائی زیادہ تعجب خیز ہیں۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے منتظر کو دیکھا ہے، یا اہلِ بیت پر زیادہ افترا پردازی کرتا ہے،[1] یا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ائمہ نے اس کو جنت کی ضمانت دی ہے،[2] یا وہ ان میں غلو کرتا ہے، تو وہ ثقہ اور مامون ہے۔[3]

چناں چہ جھوٹ کو کس طرح توثیق اور تعدیل کے لیے بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر آپ ان کے رجال کی کتابوں کی روشنی میں سند کے رجال اور راویوں پر تدبر کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان کے بڑے اور کثرت کے ساتھ روایت کرنے والے رواۃ ائمہ کی مذمت اور لعنت سے حصہ بہ قدر جثہ پاتے رہے ہیں، ائمہ ان سے براءت کا اظہار کرتے اور ان کی تکذیب کرتے تھے، جس طرح خود شیعہ کی کتابیں نقل کرتی ہیں۔[4]

سند کے بعد متن آتا ہے۔ ان روایات کے اکثر متون بھی، جس طرح ہم نے اس مقالے کے ابواب اور فصول میں دیکھا ہے، نیز اس شخص پر بھی یہ واضح ہوگا جو اصولِ کافی، بحار الانوار، تفسیر قمی، عیاشی یا رجالِ کشی

---

[1] کیوں کہ انھوں نے اپنے ائمہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ''لوگوں کے مرتبے اس مقدار کے مطابق پہچانو، جس مقدار کے ساتھ وہ ہم سے روایت کرتے ہیں۔'' (أصول الكافي: ١/ ٥٠)

[2] امام کا کسی راوی کو جنت کی ضمانت دینا یہ توثیق کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ (وسائل الشيعة: ٢٠/ ١١٨، نمبر: ٢٠٩، رجال الكشي، ص: ٣٨١، نمبر ٧١٤، ص: ٥٦٧، نمبر ١٠٧٣، رجال الحلي، ص: ٩٨۔ ١٥٨)

ان توثیقات کے نمونے کے طور پر ابراہیم بن ابی محمود کا ترجمہ دیکھیں، جس کے بارے میں الکشی نے کہا ہے کہ اس سے احمد بن محمد بن عیسیٰ نے موسیٰ الکاظم کے پچیس (٢٥) ورقوں کے برابر مسائل روایت کیے ہیں اور یہ رضا کے بعد بھی زندہ رہا۔ اس میں یہ عبارت مذکور ہے، جو ان کے عقیدے کے مطابق اس راوی کی توثیق پر دلالت کرتی ہے۔ الکشی ابراہیم بن ابو محمود سے اپنی سند کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''میں ابو جعفر کے پاس آیا... میں نے کہا: آپ پر قربان ہوں! کیا آپ مجھے اپنے رب سے جنت میں داخل کرنے کی ضمانت لے کر دے سکتے ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ وہ کہتا ہے: میں نے ان کا پاؤں پکڑا اور اس کو بوسہ دیا۔'' (رجال الكشي، ص: ٥٦٧)

بلاشبہہ جو ائمہ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھتا ہے، اس سے راوی کی توثیق تو کجا اس کا اسلام کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں رہتا، بلکہ جعفر صادق نے ایسا عقیدہ رکھنے والے پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ (ميزان الاعتدال: ١/ ٩٦۔ ٧٠)

[3] ''رجال الحلي'' میں ان کے ایک واصل نامی راوی کے ترجمے میں اس کے ثقہ ہونے کا اُس نے اس روایت سے استدلال کیا ہے، جسے الکشی نے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: ''مجھ سے واصل نے بیان کیا، وہ کہتا ہے: میں نے ابو الحسن کو چونہ (بال صفا پاؤڈر) ملا اور غسل خانے کا کنویں کی طرف جانے والا پانی کا راستہ بند کیا، پھر میں وہ پانی، وہ چونہ اور وہ بال سب کچھ پی گیا۔'' (رجال الكشي، ص: ١٧٧۔ ١٧٨) ابن المطہر کہتا ہے: یہ اس کے اعتقاد کی بلندی پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا سند صحیح ہے۔''
(رجال الحلي، ص: ١٧٧۔ ١٧٨)

[4] دیکھیں (ص: ٤٠٧)

وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے، اسلام کی نظر سے یقیناً اور بداہتاً جھوٹے ہیں، کیوں کہ یہ ہمارے رب کی کتاب کی ہتکِ عزت کرتے ہیں، ہمارے نبی کی سنت کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، بہترین ادوار کے افرادِ صحابہ وتابعین کی تکفیر کرتے ہیں اور ایسے عقائد ذکر کرتے ہیں، جن کی اللہ کی کتاب میں کوئی برہان نہیں۔ ان کی احادیث پر حکم لگانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے متون کو دیکھ لیا جائے، کیوں کہ ہر وہ متن جو عقل، نقل یا اصول کی مخالفت کرتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نام پر گھڑا گیا ہے۔[1]

[1] ابن الجوزي: الموضوعات (١/ ١٠٦)